قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عباد الرحمٰن

جلد چہارم

مفتی عبد الرحمٰن ملاخیل صاحب دامت برکاتہم
رئیس دار الافتاء والتحقیق خطیب ابوبکر صدیق مسجد ڈیفنس

دار الافتاء والتحقیق
ابوبکر صدیق مسجد۔ فیز ۲ ڈی ایچ اے کراچی

ناشر: مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل صاحب رئیس دارالافتاء والتحقیق ابوبکر صدیق مسجد فیز ۲ ڈی ایچ اے

مطبع: ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32630051

مسائل معلوم کرنے کے لئے مفتی صاحب سے مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کر سکتے ہیں براہ کرم نماز اور آرام کے اوقات کا خیال رکھیں۔

برائے رابطہ فون نمبر: 02135804388

موبائل: 03132775126 0333-2251145

☆ ملنے کے پتے ☆

ناشر: مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل (مندرجہ بالا تینوں نمبرز)

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32638114

دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون نمبر: 32631861

اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قرآن محل اردو بازار ڈیرہ اسماعیل خان

مولوی سیف الرحمٰن عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان فون نمبر: 03139341266

مکتبہ جاویدمیانوالی شہر

مکتبہ رشیدیہ ۱۳ شیش محل روڈ لاہور فون نمبر: 04237364516

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ فون نمبر: 0812662263

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	﴿باب فی مصارف الزکوٰۃ﴾	32
1	﴿زکوٰۃ کے مصارف کا بیان﴾	32

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
19	﴿قرضہ معاف کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی﴾	48
20	﴿وکیل زکوۃ کی رقم خود اپنے اوپر خرچ کردے تو موکل کی زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟﴾	49
21	﴿صاحب نصاب یتیم بچے کو زکوۃ دینے کا حکم﴾	50
22	﴿غیر مصرف زکوۃ کو مصرف سمجھ کر زکوۃ دینے کا حکم﴾	50
23	﴿مسجد کے امام صاحب کو زکوۃ دینے کا مسئلہ﴾	51
24	﴿اصول وفروع کو عشر دینا جائز نہیں﴾	53
25	﴿ملازمت پیشہ آدمی اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں﴾	53
26	﴿بیٹی کو زکوۃ نہیں دے سکتے﴾	54
27	﴿داماد کو زکوۃ دینا جائز ہے﴾	55
28	﴿داماد اگر مستحق زکوۃ ہو تو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے﴾	55
29	﴿مقروض کو زکوۃ دینے کا حکم﴾	56
30	﴿بہن کو زکوۃ دینے کا مسئلہ﴾	56
31	﴿غیر مسلم محتاجوں کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی﴾	57
32	﴿مالدار شخص کی اولاد کو زکوۃ دینے کا حکم﴾	58
33	﴿نابالغ کو زکوۃ دینے کا حکم﴾	58
34	﴿زکوۃ و عشر اور صدقہ فطر اجرت کے طور پر دینا جائز نہیں﴾	59
35	﴿باب فی صدقۃ الفطر﴾	60
35	﴿صدقۃ الفطر کا بیان﴾	60
36	﴿رمضان سے پہلے صدقہ فطر کے ادا کرنے کا حکم﴾	60

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار | عنوانات | صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
402	﴿باپ، دادا کا کیا ہوا نکاح ایک صورت میں فسخ ہوسکتا ہے﴾	387
403	﴿فصل فی المحرمات واللاتی یحل نکاحھن﴾	389
404	﴿سوتیلی ماں کی اولاد سے نکاح جائز ہے﴾	389
405	﴿صرف نکاح سے ہی بیٹے کی بیوی باپ پر حرام ہوجاتی ہے﴾	389
406	﴿کتابیہ لڑکی سے نکاح کا حکم﴾	390
407	﴿جس عورت سے ناجائز تعلقات ہوں اسکی بیٹی سے نکاح جائز نہیں ہے﴾	391
408	﴿زانی کے بیٹے کا نکاح مزنیہ کی بیٹی کے ساتھ جائز ہے﴾	391
409	﴿سودی کمرشل بینک کی ملازمہ عورت سے شادی کرنے کا حکم﴾	393
410	﴿منکوحہ خاتون کا کسی غیر کے ساتھ چلی جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا﴾	394
411	﴿بیٹے کی ساس سے نکاح جائز ہے﴾	396
412	﴿سوتیلی ساس سے نکاح کرنا جائز ہے﴾	397
413	﴿سوتیلی ماں کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہو کیساتھ نکاح جائز ہے﴾	397
414	﴿مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم سے جائز نہیں﴾	398
415	﴿مرتد عورت کے نکاح کا حکم﴾	399
416	﴿حکم النکاح مع الشیعة﴾	400
416	﴿شیعہ عورت سے نکاح کا حکم﴾	400
417	﴿حکم النکاح مع الکتابیة﴾	401
417	﴿اہل کتاب سے نکاح کا حکم﴾	401
418	﴿زنا سے حاملہ عورت کے لئے نفس نکاح کرنا جائز ہے﴾	402

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
437	خاوند کتنا عرصہ بیوی سے جدا رہ سکتا ہے؟	418
438	بیوی کے لئے بلاعذر شوہر کو حق زوجیت سے انکار جائز نہیں	419
439	بیوی کو والدین کی زیارت کیلئے کتنے عرصے بعد اجازت دینا ضروری ہے	420
440	دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری نہیں	422
441	العدل بین النساء واجب	423
441	بیویوں کے درمیان مساوات ضروری ہے	423
442	حلالہ کی شرط یا نیت کیساتھ نکاح کرنے کا حکم	423
443	فصل فی حرمة المصاهرة	425
443	حرمت مصاہرت کا بیان	425
444	جن امور سے بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے	425
445	حرمت مصاہرت کا حکم	426
446	کسی عورت کو شہوت کیساتھ بلا حائل چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے	427
447	غفلت اور لاپرواہی کے ایسے مقامات جہاں آدمی پر اپنی بیوی حرام ہو جاتی ہے	428
448	اگر شہوت کا اندیشہ ہو تو محرمات سے معانقہ ممنوع ہے	430
449	اغلام بازی سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی	431
450	حرمت مصاہرت کا تعلق اصول وفروع کے ساتھ ہوتا ہے	432
451	بیوی کی خالہ کے ساتھ زنا کرنے سے بیوی حرام نہ ہوگی	433
452	اپنی بیوی کو خون دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی	434
453	ایک ہی طرف سے شہوت حرمت مصاہرت کیلئے کافی ہے	435

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

﴿باب فی مصارف الزکوٰۃ﴾

﴿زکوۃ کے مصارف کا بیان﴾

﴿حکومتی ٹیکس ادا کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل حکومت جو مختلف طریقوں سے کاروباری افراد اور تاجروں سے ٹیکس وصول کرتی ہے، کیا اس سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ ہمارے ایک رشتہ دار سے میں نے زکوۃ ادا کرنے کیلئے عرض کی تو انہوں نے کہا کہ جو ٹیکس ہم ادا کرتے ہیں یہی زکوۃ شمار ہوتی ہے، کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ آپ کے رشتہ دار کا کہنا ''کہ ٹیکس سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے'' بالکل غلط ہے! زکوۃ اور ٹیکس میں بڑا فرق ہے، زکوۃ فرض عبادت ہے، نص قطعی سے ثابت ہے جسکا مطالبہ اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا ہے کہ مالدار لوگ نادار مستحق مسلمان کو باقاعدہ مالک وقابض بنا کردیں، جبکہ ٹیکس کا مطالبہ حکومت کی طرف سے ہوتا ہے، حکومت ہی اسکی شرح مقرر کرتی ہے، شرعاً کبھی جائز اور کبھی ناجائز! اور زکوۃ تو محض عبادت ہے، شریعت نے اسکی شرح مقرر کی ہے، بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتی، اور اسکا مصرف بھی شریعت نے متعین کیا ہے، غیر مستحق کو زکوۃ دیدی تب بھی ادا نہیں ہوگی، لہذا ٹیکس اور زکوۃ کو ایک شمار کرنا جہالت پر مبنی ہے۔

لما فی الشامیة(مطلب لاتسقط الزكاة بالدفع الى العاشر فی زماننا ٢/ ٣١٠،طبع :سعيد)

ثم قال :واعلم ان بعض فسقة التجار يظن ان مايؤخذ من المكس يحسب عنه اذا نوى به الزكاة وهذا ظن باطل لامستند له فى مذهب الشافعى" لأن الامام لاينصب المكاسين لقبض الزكاة بل لأخذ عشورات مال وجدوه قلّ أو كثر وجبت فيه الزكاة أم لا ـــ! قلت:على أنه اليوم صار المكاس يقاطع الامام بشیء يدفعه اليه ويصير ياخذما يأخذ لنفسه ظلما وعدوانا وياخذ ذلك ولو مرّ العام الواحد مرارا متعددة ولو كان لاتجب عليه الزكاة فعلم أيضا أنه لايحسب من الزكاة عندنا لأنه ليس هو العاشر الذی ينصبه الامام على الطريق ليأخذ الصدقات من المارين ومر أيضا أنه لابد من شرط أن يأمن التجار من اللصوص ويحميهم منهم وهذا يقعد على أبواب البلد ويؤذی التجار أكثر من اللصوص وقطاع الطريق ويأخذ منهم قهرا

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفی اللہ عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: سیف اللہ

۱۵ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ　　　　فتوی نمبر:

﴿زکوٰۃ کی رقم سے مدرس کی تنخواہ کی ادائیگی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کی مسجد کے امام صاحب جو کہ اسی مسجد میں قائم حفظ کے مدرسہ کے مدرس بھی ہیں ان کو بذریعہ حیلہ زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ ادا کی جاتی ہے جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ زکوٰۃ کی رقم مسجد کے متولی کو جمع کرادیتے ہیں پھر متولی کسی فقیر غریب کو وہ رقم زکوٰۃ کے طور پر دے دیتا ہے جس کے بعد وہ فقیر یہ رقم متولی کو مسجد ومدرسہ کے اموراورامام ومدرس کی تنخواہ پرخرچ کرنے کی اجازت دے کر ہبہ کر دیتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے بذریعہ حیلہ مدرس کی تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے.؟

﴿جواب﴾ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے فقیر کو باقاعدہ قابض ومالک بنانا ضروری ہے مذکورہ صورت میں فقیر کو واقعی مالک وقابض بنا کر زکوٰۃ کی رقم اگر دی ہے اوراس نے طیب خاطر سے متولی کو ہبہ کر کے واپس دے دی ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی ہے، اب متولی تنخواہ میں خرچ کرے یا کسی اور مد میں تو اس کی گنجائش ہے لیکن اس علاقہ میں چونکہ یہ طریقہ باقاعدہ رائج ہے دینے والا اور لینے والا دونوں خوب جانتے ہیں کہ یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے اور حیلہ ہے، اس لئے اس طریقہ کو باقاعدہ اور مستقل طور پر اختیار کرنا جائز نہیں ہے یہ طریقہ مزاج شریعت کے خلاف ہے بلکہ فطرت سلیمہ بھی اس کی اجازت نہیں دیتی۔

البتہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مستحق طلباء مہتمم، متولی یا دوسرے کسی ذمہ دار کو باقاعدہ زکوٰۃ وصول کرنے کا وکیل بنائیں اور تعلیمی اخراجات میں اس کو خرچ کرنے کی بھی اجازت دیدیں تو اس صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہوگی اور ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور لینا دینا بھی نیت کے مطابق صحیح ہوگا۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱۷۱/۲ طبع امدادیہ)

(هی تملیک جزء مال عینه الشارع من مسلم فقیر) فلو اطعم یتیمانا ویا الزکاة لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم ـــ الخ.

ولمافی صحیح البخاری:(۲/۵۶۷، باب فی ترک الحیل طبع رحمانیه)

وان لکل امرء مانوی ـــ حدثنا ابو النعمان ـــ سمعت عمر بن الخطابؓ یخطب قال سمعت النبی ﷺ یقول: یاایها الناس انما الاعمال بالنیة وانما لأمرء مانوی.

قال الشیخ احمد علی السهارنفوری فی حاشیته ـــ احتج بهذا الحدیث من قال بابطال

الحيل ومن قال باعمالها، لان مرجع كل من الفريقين الى نية العامل، وفي المحيط كتاب الحيل ومشروعيته بقوله تعالى في قصة ايوبؑ ـ وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث، وهي الفرار والهروب عن المكروه ـ والاحتيال للهروب عن الحرام و التباعد عن الوقوع في الآثام لا بأس به بل هو مندوب اليه...... واما الاحتيال لابطال حق المسلم فاثم وعدوان. وقال النسفي في الكافي عن محمد بن الحسن قال ليس من اخلاق المؤمنين الفرار عن احكام الله تعالى بالحيل الموصلة الى ابطال الحق.

ولما في المبسوط للسرخسي: (۳۰/۲۱۰، طبع دار المعرفة بيروت)

فالحاصل ان ما يتخلص به الرجل من الحرام او يتوصل به الى الحلال من الحيل فهو حسن ـــ وانما يكره ذالك ان يحتال في حق لرجل حتى يبطله او في باطل حتى يموهه او في حق حتى يدخل فيه شبهة، فما كان على هذا السبيل فهو مكروه، وما كان على السبيل الذي قلنا اولا فلا بأس به لان الله تعالى قال وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان.

ولما في الشامي: (۱۱/۲۵۷ طبع امداديه)

كتاب الوكالة..... والحاصل أنها في اللغة بمعنى التوكيل وهو تفويض الأمر الى الغير و معناها اصطلاحا، فهي اقامة الانسان غيره مقام نفسه فيتصرف معلوم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: مزمل شاہ لکی مروت

۲۶ صفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۳۴

﴿زکوٰۃ کے مصارف اور زکوٰۃ میں تاخیر کے احکام﴾

﴿سوال﴾ ہماری ایک انجمن جسکا نام چنیوٹ انجمن اسلامیہ ہے، اسمیں ہسپتال، میٹرنٹی ہوم اور کار خیر کے کام ہوتے ہیں، ہمیں مختلف ذرائع سے چندہ آتا ہے جو کہ بمد زکوٰۃ اور بمد خیرات کے آتا ہے زیادہ تر ہمارے ٹرسٹی حضرات اور ہمارے نزدیکی خیر خواہ اسمیں بھر پور حصہ لیتے ہیں، زکوٰۃ کے مصرف کیلئے ہسپتال میں اور مختلف جگہوں پر زکوٰۃ دی جاتی ہے، علاج مفت بمد زکوٰۃ بھی ہوتا ہے اور بمد خیرات ۵۰ فیصد تک کی رعایت کی جاتی ہے اسکے علاوہ ہسپتال کے چارجز بھی کافی حد تک کم ہیں۔

اب ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے، وہ یہ کہ ہم ہسپتال میں مزید تعمیر کر رہے ہیں اور اس کیلئے اگر چہ زکوٰۃ فنڈز ہیں جس سے ابھی تک ہم خرچہ کر رہے ہیں لیکن ہمیں چونکہ تعمیر کیلئے فی الحال اتنے فنڈز نہیں ملے تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی مد میں جو ہمارے پاس فنڈز پڑے ہیں اس سے

ادھار لے لیا جائے اور تعمیر کے کاموں پر لگا دیا جائے ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ہمیں تعمیر والے فنڈ ز جلد مل جائینگے وہ پھر ہم اپنے زکوٰۃ فنڈ کو واپس کر دینگے۔

آپ سے درخواست ہے کہ کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں؟ کوئی اشکال تو نہیں ہے؟ مزید یہ کہ کیا زکوٰۃ کی رقم اگر سال میں خرچ نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا کسی دوسرے ادارہ وغیرہ میں دے سکتے ہیں یا اسی ادارہ کے ضوابط کے مطابق خرچ کرنا ضروری ہے؟ کیا یہ رقم مضاربہ پر میزان بنک میں رکھ سکتے ہیں؟ مستفتی: ایک نمازی مسجد ابو بکر صدیق فیز ۲

﴿جواب﴾ انجمن کی حیثیت زکوٰۃ دہندگان کے وکیل اور نمائندے کی ہے، لہٰذا یہ انجمن اس زکوٰۃ کی رقم میں مالکانہ تصرف کرنے کی مجاز نہیں بلکہ صرف فقراء اور محتاجوں کو بانٹنے اور جائز مصرف میں خرچ کرنے کی مجاز ہے اس لئے اس رقم کو بطور قرض اٹھانے کی بھی مجاز نہیں، البتہ اگر زکوٰۃ دہندگان کی طرف سے صراحتاً اجازت ہو تو درست ہے۔

لما فی الشامی:(۵۱۰/۵،طبع سعید)

وهل له الاقراض والهبة... وينبغي أن لا يملكها الوكيل بالتوكيل العام لأنه لا يملكها الا من يملك التبرعات.

(۲) جہاں تک سال ختم ہونے سے پہلے زکوٰۃ کی رقم خرچ نہ ہونیکا سوال ہے تو یہ اصول ذہن میں رہنا چاہیے کہ جب تک انجمن اس رقم کو مستحقین کو نہیں دے گی تب تک دہندگان حضرات کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس رقم کو جلد اپنے مصرف میں خرچ کر دینا چاہیے کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں ایک سال تک تاخیر کرنا مکروہ ہے اور آدمی گنہگار ہوتا ہے۔

لما فی فتح القدیر:(۱۱۴/۲،طبع رشیدیہ)

فتكون الزكوٰة فريضة وفوريتها واجبة فيلزم بتأخيره من غير ضرورة الاثم كما صرح به الكرخي والحاكم الشهيد في المنتقى وهو عين ما ذكر الفقيه أبو جعفر عن أبي حنيفةؒ أنه يكره أن يؤخرها من غير عذر.

ولما فی رد المحتار:(۲۷۲/۲،طبع سعید)

(فيأثم بتأخيرها) ظاهره الاثم بالتأخير ولو قل كيوم او يومين، لأنهم فسروا الفور بأول اوقات الامكان وقد يقال المراد أن لا يؤخر الى العام القابل لما في البدائع عن المنتقى بالنون اذا لم يؤد حتى مضى حولان فقد أساء وأثم فتأمل.

اگر سال بھر میں یہ رقم خرچ نہیں ہوئی تو اس رقم کو کسی دوسرے مصرف میں مثلاً دینی ادارے

جو دین کی اشاعت کا کام کرتے ہیں اور زکوۃ کی رقم کا بہترین مصرف ہیں ان میں خرچ کر دینا چاہیے موجودہ دور میں دین کی اشاعت کی سخت ضرورت ہے اور عموماً زکوۃ کی رقم سے کسی درجہ میں یہ ضرورت پوری ہورہی ہے ایسے اداروں میں زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی کے ثواب کے علاوہ دینی اشاعت میں تعاون کرنے کا بھی ثواب الگ ملے گا۔

(۳) زکوۃ کی رقم مضاربت پر میزان بنک میں رکھنا جائز نہیں کیونکہ مضاربت میں صرف نفع پر شرکت ہوتی ہے اور نقصان کی صورت میں صرف رأس المال سے نقصان پورا کیا جاتا ہے دوسرا یہ کہ جب تک رقم مستحقین تک نہیں پہنچتی زکوۃ ادا نہیں ہوتی خدانخواستہ اگر صاحب زکوۃ کی موت واقع ہو جائے تو رقم ورثاء کی میراث میں شامل ہو جائیگی اور زکوۃ ادا نہ ہوگی، لہٰذا تاخیر کرنا مناسب نہیں۔

لمافی الشامی:(۲/۲۷۰ طبع سعید) وفتاویٰ دار العلوم:(۶/۱۹۹) مسائل زکوٰۃ:(ص۴۲)
بحواله احسن الفتاوی:(۲/۲۶۵ طبع سعید)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۳

﴿عام رفاہی اداروں میں زکوۃ کی ادائیگی کی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے ایک رفاہی ادارہ بنایا ہے جس کے ذریعے سے وہ غریب ونادار بچوں کی عصری تعلیم کا بندوبست کرتا ہے (یعنی کتابیں، یونیفارم اور فیس وغیرہ بچوں کو دیتا ہے) اور اسی طرح اگر کسی غریب کا انتقال ہو جائے تو ان کے ورثاء کو کفن وغیرہ فراہم کرتا ہے۔ زید اس رفاہی ادارے کو چلانے کے لئے لوگوں سے زکوۃ، فطرہ اور قربانی کی کھالیں وغیرہ وصول کرتا ہے۔

غرض مسئلہ یہ ہے کہ کیا زید رفاہی ادارے کے لئے زکوۃ وغیرہ دینے سے زکوۃ وغیرہ ادا ہو جائیں گی؟

﴿جواب﴾ زید اگر عالم دین نہیں ہے اور اپنا رفاہی ادارہ علماء کرام کی نگرانی میں نہیں چلاتا تو زکوہ اور دیگر صدقات واجبہ زید کو نہیں دینا چاہیے اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی اس لئے کہ زکوۃ کے مشکل مسائل ہیں ہر کوئی زکوۃ کے احکامات کا پوری طرح خیال نہیں رکھ سکتا زکوۃ کا معاملہ چونکہ نازک ہے فرض حکم ہے اس لئے احتیاط زیادہ ہونا چاہیے۔

دراصل رفاہی اداروں کے ذمہ دار لوگ زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں زکوٰۃ محض ان کے حوالہ کرنے سے ادا نہیں ہوتی۔

لہذا ادارہ نے زکوٰۃ کی رقم اگر وصول کی ہے تو اس پر لازم ہے کہ مستحقین بچوں کو باقاعدہ مالک وقابض بنا کر دیدے، ورنہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے باقاعدہ غریب ونادار کا مالک بننا شرط ہے جس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مستحقین بچوں میں وہ کتابیں، یونیفارم اور فیس وغیرہ بطور تملیک دیدے اسی طرح میت کے کفن دفن کے لئے جو سامان لائے اس کا مالک پہلے کسی مستحق وارث کو بنادے تو اب زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوجائیگی۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ رفاہی اداروں کے ملازمین کو اگر زکوٰۃ کی مد سے تنخواہ دی جاتی ہے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، تنخواہیں بھی زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کے علاوہ سے دینا ضروری ہے۔

لما فی الهندیه:(۱۹۰/۱، طبع رشیدیه کوئٹه)

اذا دفع الزکوة الی الفقیر لایتم الدفع مالم یقبضها او یقبضها للفقیر من له ولایة علیه نحو الاب والوصی ...ولو قبض الصغیر وهو مراهق جاز وکذا لو کان یعقل القبض بان کان لا یرمی ولا یخدع عنه ولو دفع الی فقیر معتوه جاز کذا فی فتاوی قاضی خان.

ولما فی العالمگیریه ۱۷۰/۱، طبع رشیدیه کوئٹه)

اما تفسیرها فهی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالی هذا فی الشرع کذا فی التبیین.

ولما فی تنویر الابصار مع الدر المختار ۲۵۶/۲، طبع سعید کراچی)

شرعا(تملیک)خرج الاباحة فلو اطعم یتیما ناویا الزکاة لایجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم کما لو کساه بشرط ان یعقل القبض الا اذا حکم علیه بنفقتهم (جزء مال) خرج المنفعة .فلو اسکن فقیرا داره سنة ناویا لایجزیه (عینه الشارع) وهو ربع عشر نصاب حولی خرج النافلة والفطرة (من مسلم فقیر)ولو معتوها (غیر هاشمی ولامولاه)ای معتقه وهذا معنی قول الکنز تملیک المال ای المعهود اخراجه شرعا(مع قطع المنفعة عن المملک من کل وجه)فلا یدفع لاصلیه وفرعه(لله تعالی)بیان لاشتراط النیة.

ولما فی فتاوی عالمگیریه ۱۹۰/۱، طبع رشیدیه کوئٹه)

ولو نوی الزکوة بما یدفع المعلم الی الخلیفة ولم یستأجره ان کان الخلیفة بحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان ایضا اجزأه والافلا وکذا مایدفعه الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرها بنیة الزکاة کذا فی معراج الدرایة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد اویس غفر اللہ لہ ولوالدیہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　　فتوی نمبر: ۳۶۳۳

﴿سید کی مدد پاک مال سے کریں زکوۃ سے نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں دس بارہ خاندان پر مشتمل سادات خاندان کی برادری ہے لیکن کثرت عیال کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہے جبکہ ملازمت کی آمدنی سے ان کا گزارہ نہیں ہوتا ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا سادات حضرات کو زکوۃ کی رقم دینا جائز ہے کہ نہیں اگر کوئی شخص کسی سید کی مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو زکوۃ کی رقم دیدے تو کیا اس شخص کی زکوۃ ادا ہوجائیگی کہ نہیں براہ کرم وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ مفتی بہ اور راجح مذہب یہی ہے کہ جس طرح دور نبوی علیہ الصلوۃ والسلام میں سادات حضرات کو زکوۃ دینا جائز نہیں تھا اس زمانہ میں بھی سادات حضرات کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے لہذا اگر کسی شخص نے کسی مجبور سید کو زکوۃ کی رقم ادا کردی تو زکوۃ ادا نہ ہوگی دوبارہ ادا کرنی ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال زکوۃ کو (أوساخ الناس) یعنی لوگوں کا میل کچیل قرار دیا ہے لہذا اصحاب حیثیت اور اہل خیر حضرات کو چاہیے کہ پاک مال سے سادات حضرات کی امداد کریں۔

لما في الدر مع رد: ۳۵۰/۲ طبع: سعيد)

(و)لا الى (بني هاشم) ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع

لما في البدائع: ۸۰/۲ طبع دار الكتب العلميه بيروت)

ومنها ألا يكون من بني هاشم لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال "يامعشر بني هاشم ان الله كره لكم غسالة الناس وعوضكم منها بخمس الخمس من الغنيمة".

ولما في أعلاء السنن: ۸۳/۸ طبع دار الكتب العلميه بيروت)

عن المطلب بن ربيعة بن حارث بن عبدالمطلب أنه والفضل بن عباس انطلقا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ثم تكلم أحدنا فقال يارسول الله جئناك لتؤمرنا على هذه الصدقات فنصيب مايصيب الناس من المنفعة وتؤدى مايؤدى الناس فقال ان الصدقة لاتنبغى لمحمد ولا لآل محمد انما هى أوساخ الناس

ولما في الهداية: ۲۲۳/۱ طبع رحمانيه)

ولاتدفع الى بنى هاشم وهم آل على وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل حارث بن عبدالمطلب ومواليهم

ولما في الأشباه (۱۲۹ طبع قديمى) كل الصدقات حرام على بن هاشم

ولما في قاضى خان: ۲۳۲/۱ قديمى)

وبنو هاشم الذين لاتحل لهم الصدقة آل عباس آل على وآل جعفر وآل عقيل وولد

حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم

الجواب صحیح مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب فضل حق زیزاروی

۳ صفر الخیر ۱۴۲۳ھ — فتویٰ نمبر ۳۶۹۹

﴿سید کا سید کو زکوٰۃ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے سے متعلق (۱) کہ سید صاحب نصاب کا سید غیر صاحب نصاب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں۔ (۲) سید کی بیوی غیر سیدہ ہو اور مستحق زکوٰۃ ہو تو اسے زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ مستفتی: سید عاصم شاہ کوہاٹی

﴿جواب﴾ سید کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے چاہے زکوٰۃ دینے والا سید ہو یا غیر سید اگر وہ ضرورت مند ہے تو نفلی صدقات سے ان کی مدد کی جائے (۲) سید کی بیوی غیر سیدہ ہو اور واقعتاً مستحق زکوٰۃ ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

لما فی الشامی: (۲/ ۳۵۰ طبع سعید)

و(لا) الی (بنی ہاشم) الا من ابطل النص قرابته وہم بنو لہب فتحل لمن اسلم منہم کما تحل لبنی المطلب. ثم ظاہر المذہب اطلاق المنع. وقول العینی والہاشمی یجوز له دفع الزکوٰۃ لمثله صوابه لا یجوز نہر وقال فی النہر: وجوز ابو یوسفؒ دفع بعضہم الی بعض وہو روایة عن الامام. وقول العینی والہاشمی یجوز له ان یدفع زکاته الی ہاشمی مثله عند ابی حنیفةؒ خلافا لابی یوسفؒ صوابه لا یجزی ولا یصح حمله علی اختیار الروایة السابقة عن الامام لمن تأمل.

ولما فی الہندیه: (۱/ ۱۸۹، طبع رشیدیه)

ولا یدفع الی بنی ہاشم وہم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل حارث بن عبد المطلب کذا فی الہدایه ...... ہذا فی الواجبات کالزکاۃ والنذر والعشر والکفارة فاما التطوع فیجوز الصرف الیہم کذا فی الکافی.

ولما فی جامع الرموز: (۱/ ۳۲۱ طبع سعید)

والا اولاد عباس وحارث واولاد ابی طالب من علی وجعفر وعقیلؓ فانه لا یصرف الیہم وسوقه مشیر الی جواز صرف التطوع الیہم وذہب بعضہم الی بعضہم عنده خلافا لابی یوسفؒ کما فی المضمرات وشرح الآثار لا یصرف التطوع الیہم عند ہما وعن ابی حنیفةؒ روایتان وبالجواز نا خذ لان الحرمة مخصوصة بزمانه النبی ﷺ

ولما فی حاشیة الطحطاوی: (۷۲۰، طبع قدیمی)

(ولا یصح دفعہا لکافر وبنی ہاشم) اطلق المنع فعم کل زمان وسوله فی ذلک دفع بعضہم

لبعضهم ودفع غيرهم لهم وجوز ابو يوسف دفع بعضهم لبعض وهو رواية عن الامام بنهر

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوھاٹی

۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۲۲

﴿جس کی صرف ماں سیّدہ ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کی صرف ماں سیدہ ہو تو اسکو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔ مستفتی: محمد مبشر

﴿جواب﴾ جسکی صرف ماں سیدہ ہو اور باپ غیر سیّد ہو تو اسکو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسلئے کہ نسب باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ ماں کیطرف، لہٰذا وہ شخص اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

لما في الشامي: (۲/۸۷ طبع سعيد)

من كانت أمها علوية مثلا وابوها عجمي يكون العجمي كفوء لها وان كان لها شرف ما لأن النسب للأباء، ولهذا اجاز دفع الزكوة اليها فلا يعتبر التفاوت بينهما من جهة شرف الأم.

ولما في البدائع: (۲/۳۲۰ طبع سعيد)

فالكفاءة تعتبر للنساء لا للرجال على معنى انه تعتبر الكفاءة في جانب الرجال للنساء ولا تعتبر في جانب النساء للرجال لأن النصوص وردت بالاعتبار في جانب الرجال خاصة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۶۵

﴿سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی سوتیلی ماں مستحق زکوٰۃ ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا زید اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ اصول اور فروع کو دینا جائز نہیں، یعنی ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، اولاد اسطرح اولاد کی اولاد، سوتیلی ماں چونکہ اصول او فروع میں سے نہیں ہے لہٰذا سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ زکوٰۃ کی مستحق ہو۔

لما في الشامي: (۲/۳۴۶ طبع سعيد)

ويبدء في الصدقات بأقارب ثم الموالي ثم الجيران ولو دفع زكاته الى من نفقته واجبة عليه

من الاقارب جاز اذا لم یحسبها من النفقۃ ویجوز دفعها لزوجۃ ابیہ وابنہ تاترخانیۃ

وایضا فی التاتارخانیۃ :(۲/۲۰۶،طبع قدیمی)

وفی تجنیس خواہر زادہ" ویجوز أن یعطی أمرءۃ ابیہ وابنہ وزوج ابنتہ

ولما فی البحر الرائق:(۲/۲۴۳،طبع سعید)

(واصلہ اون علا وفرعہ وان سفل)......ای لایجوز الدفع الی ابیہ وجدہ وان علا ولا الی ولدہ وولد ولدہ وان سفل لان المنفعۃ لم تنقطع عن المملک من کل وجہ ....وفیہ اشارۃ الی ہذاالحکم لایخص الزکاۃ بل کل صدقۃ واجبۃ لا یجوز دفعہا لہم کا حد الزوجین کالکفارات وصدقۃ الفطر والنذر الخ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن دیروی

یکم رجب المرجب ۱۴۳۲ھ   فتویٰ نمبر:

﴿بہو کو زکوۃ دینا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں ،علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بیٹا مجھ سے الگ ہے،اوراس کی بیوی مستحق زکوۃ ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا میں اپنی بہو کو زکوۃ دے سکتا ہوں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زکوۃ اور صدقات واجبہ اصول اور فروع کو دینا جائز نہیں ،یعنی ماں ،باپ ،دادا، دادی ،نانا ،نانی ،اولاد اسطرح اولاد کی اولاد، بہو چونکہ اصول اور فروع میں سے نہیں ہے لہذا بہو کو زکوۃ دے سکتے ہیں ،بشرطیکہ وہ زکوۃ کی مستحق ہو۔

لما فی تنویر الابصار مع الدر المختار:(۲/۳۴۶،طبع: سعید)

(و)لا(من بینہما ولاد) ولو مملوکا کالفقیر (أو)بینہما(زوجیۃ)

وفی الشامیۃ قولہ (من بینہما ولاد)ای بینہ وبین المدفوع الیہ لأن منافع ألاملاك بینہما متصلۃ فلایتحقق التملیک علی الکمال ....وکذا کل صدقۃ واجبۃ کالفطرۃ والنذر والکفارات اماالتطوع فیجوز بل ہو اولی ....یجوز دفعہا لزوجۃ أبیہ و ابنہ وزوج ابنتہ.

وایضا فی التاتارخانیۃ :(۲/۲۰۶،طبع: قدیمی)

وفی "الحجۃ" ولایحل لولد الغنی یأخذ زکوۃ مال ابیہ ....وفی "تجنیس خواہر زادہ" ویجوز ان یعطی أمرءۃ ابیہ وابنہ وزوج ابنتہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن دیروی

۲۸ جمادی الاول ۱۴۳۲ھ   فتویٰ نمبر:

﴿زکوۃ کی رقم مسجد میں لگانے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زکوۃ کی رقم کو مسجد وغیرہ میں یا کسی ایسے کام میں صرف کرنا جس سے اکثر لوگوں کو نفع پہنچتا ہو جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس رقم کو اگر کسی ایک شخص پر صرف کیا جائے تو اس کا فائدہ بمقابلہ اس چیز پر صرف کرنے کے جس سے عام لوگوں کا نفع وابستہ ہو کم ہوگا۔ براہ کرم رہنمائی فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے شرط یہ ہے کہ زکوۃ کی رقم وغیرہ کسی مستحق زکوۃ کو باقاعدہ مالک وقابض بنا کر دی جائے، اس کے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہوگی، مسجد تو اللہ کا گھر ہے، اسی طرح دیگر رفائی کاموں میں پیسہ لگانے کا اگرچہ بظاہر فائدہ زیادہ نظر آرہا ہے لیکن اس شرط کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

لما فی التنویر مع الدر: (۳۴۴/۲ طبع سعید)

(ویصرف الی کلهم او الی بعضهم تملیکا) لا اباحة کما مر (لا) یصرف (الی بناء) نحو مسجد ولا الی (کفن میت وقضاء دینه)

وفی الشامیة: (قوله نحو مسجد) کبناء القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانهار والحج والجهاد وکل مالا تملیک فیه.

ولما فی الهندیة: (۱۸۸/۱ طبع رشیدیه)

ولا یجوز ان یبنی بالزکوۃ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات..... وکل مالا تملیک فیه.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ فتوی نمبر: ۲۶۱۳

﴿مستحق کو آٹا، گھی وغیرہ دینے سے بھی زکوۃ ادا ہو جائیگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک جنرل اسٹور ہے مجھ پر سالانہ جتنی زکوۃ فرض ہوتی ہے تو وہ میں اس طور پر ادا کرتا ہوں کہ میرے پاس جو غریب گاہک آتے ہیں (جو مستحق زکوۃ ہوتے ہیں) ان کو چاول، آٹا، گھی، چینی، وغیرہ زکوۃ کی مد میں دیتا ہوں تو کیا اس طور پر دینے سے میری زکوۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زکوۃ کی ادائیگی کے لیے کسی مستحق زکوۃ کو مالک بنانا ضروری ہے، اشیاء کی شکل

میں زکوۃ دینا بھی جائز ہے مثلاً چاول، آٹا، گھی وغیرہ کی شکل میں زکوۃ اگر کوئی ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے، البتہ نقد رقم کی صورت میں دینا زیادہ بہتر ہے تاکہ مستحق اپنی ضرورت کی چیزیں حسب ضرورت اس سے خرید سکے، لہذا صورت مسئولہ میں آپ زکوۃ کی نیت سے یہ چیزیں جن کو دے رہے ہیں وہ اگر واقعی زکوۃ کے مستحق ہیں تو اس طور پر دینے سے بھی زکوۃ ادا ہو جائیگی۔

لما في البدائع الصنائع:(۲/۴۱،طبع سعيد)

واما الذي يرجع الى المؤدى فمنها ان يكون مالا متقوماً على الاطلاق سواء كان منصوصاً عليه اولا من جنس المال وجبت فيه الزكوة اومن غير جنسه والاصل ان كل مال يجوز التصدق به تطوعاً يجوز اداء الزكوة منه وما لا فلا.

ولما في الدر المختار مع الشامي:(۲/۲۵۶،۲۵۷، كتاب الزكوة،طبع سعيد)

وشرعاً(تمليك) خرج الاباحة ،فلو أطعم يتيما ناويا الزكوة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض ، وفي الشامية(قوله كما لو كساه) أي كما يجزئه لو كساه ......اذا كان يعول يتيما ويجعل مايكسوه ويطعمه من زكاة ماله ففي الكسوة لا شك في الجواز لوجود الركن وهو التمليك ،واما الطعام فما يدفعه اليه بيده يجوز أيضاً۔ بخلاف ما يأكله بلا دفع اليه.

ولما في البحر الرائق :(۲/۲۰۱، كتاب الزكوة، طبع سعيد)

لو عال يتيماً فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التمليك ،واما الاطعام ان دفع الطعام اليه بيده يجوز ايضا لهذه العلة وان كان يدفع الى وياكل لم يجز لانعدام الركن وهو التمليك.

ولما في الهندية:(۱/۱۹۲،طبع سعيد)

ان اداء القيمة أفضل من عين المنصوص عليه وعليه الفتوى كذا في الجوهرة النيرة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۳ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ　　　فتوی نمبر: ۳۷۲۲

﴿ادائیگی زکوۃ کی نیت سے مسکینوں کو طعام کھلانا﴾

﴿سوال﴾ کیا زکوۃ کی رقم سے دعوت کر کے مسکینوں کو کھلا دینے سے زکوۃ ادا ہو جائیگی؟

﴿جواب﴾ مسکینوں کو دعوت کے طور پر کھانا کھلانے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، البتہ اگر بطور ملک انہیں کھانا دیدیا جائے تو اس کھانے کی قیمت کی بقدر زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

لما في الدر المختار:(۱۷۱/۲،طبع امدادیه)

وشرعاً(تمليك)خرج الاباحة،فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم كذا في البحر والولوالجية.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین ڈیروی

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۲۶

﴿جس کی ملکیت میں ٹی وی ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ (۱) اگر کسی عورت کے گھر میں ٹی وی ہے لیکن وہ بہت غریب ہے خاوند کام نہیں کرتا تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ جب کہ وہ صاحب نصاب بھی نہ ہو۔

(۲) اگر کوئی عورت کہہ رہی ہے کہ وہ زکوٰۃ کی مستحق ہے لیکن ہم اس کی اشیاء ضرورت وغیرہ سے ناواقف ہیں وہ دوسرے شہر میں رہتی ہے ہم جا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ (۱) چونکہ ٹی وی کی قیمت عموماً ساڑھے باون تولے چاندی سے کم نہیں ہوتی یا دیگر غیر ضروری اشیاء اس کے ساتھ مل کر تمام کی مالیت اتنی ہو جاتی ہے، اس لئے ایسے شخص کو زکوٰۃ نہ دے۔

لما في الدر المختار:(۳۳۹/۲،طبع سعيد)

اى مصرف الزكوة والعشر ــ وهو فقير وهو من له ادنى شئ أى دون نصاب اوقدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة.

ولما في الشامي:(۳۳۷/۲،طبع سعيد)

قال في البدائع:قدر الحاجة هو ماذكره الكرخي في مختصره فقال:لا بأس ان يعطى من الزكوة من له مسكن وما يتأثث به في منزله وخادم ــ فان كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مائتى درهم حرم عليه اخذ الصدقة.

(۲) اس عورت کے کہنے پر اگر آپکو اطمینان ہے کہ یہ سچ کہہ رہی ہے تو آپ اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں گھر جا کر تحقیق کا حکم نہیں ہے مسلمان ظاہر کا مکلف ہے، البتہ آپ کو اعتماد ہونا ضروری ہے۔

لما في رد المحتار:(۳۵۲/۲،طبع سعيد)

(قوله دفع بتحر)اى اجتهاد وهو لغة الطلب والابتغاء..... وعرفا طلب الشئ بغالب الظن عند عدم الوقوف على حقيقته..... واعلم ان المدفوع اليه لو كان جالسا في صف الفقراء يصنع صنعهم لو كان عليه زيهم اوسأله فاعطاه كانت هذه الاسباب بمنزلة التحرى

كذافي المبسوط حتى لو ظهر غناه لم يعد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرلہ

۱۸ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۱۰۰۰

﴿وکیل بالزکوٰۃ کا خود یا اپنے بیوی بچوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کسی کو اگر زکوٰۃ دینے کا وکیل بنایا جائے تو وہ اپنے بیوی بچوں کو جو مستحق زکوٰۃ ہوں زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ نیز اگر وکیل فقیر ہو تو خود استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی بلال امجد

﴿جواب﴾ اگر کسی خاص شخص کو زکوٰۃ دینے کا نہیں کہا ہے تو وکیل اپنی اولاد اور بیوی کو بھی زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے بشرطیکہ بیوی اور اولاد مستحق ہوں۔

وکیل زکوٰۃ کی رقم خود استعمال نہیں کر سکتا اگرچہ فقیر ہو صرف ایک صورت میں اجازت ہے کہ جب مؤکل نے کہا ہو "جہاں چاہو صرف کرو" تو ایسی صورت میں اگر وکیل محتاج ہو تو خود بھی استعمال کر سکتا ہے۔

لما في خلاصة الفتاوى: (۱/۲۲۲، طبع رشيديه)

والوكيل اذا اعطى ولده الكبير او الصغير او امرأته وهم محاويج جاز ولا يمسك لنفسه شيئا وهكذا في الهندية: (۱/۱۸۹، طبع رشيديه)

ولما في الدر المختار: (۲/۲۶۹، طبع سعيد)

وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها ضعها حيث شئت.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرلہ

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۸۸۸

﴿مستحق زکوٰۃ کون ہے؟﴾

﴿سوال﴾ میرا ایک مسئلہ ہے کہ میرے شوہر کی تنخواہ 2500 مہینہ اور بیٹے کی 5000 مہینہ ہے میری دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے بیٹی کی شادی کر چکی ہوں بیٹے کی منگنی ایک سال پہلے کی ہے میری چھوٹی بیٹی ذہنی معذور ہے اور میں بھی ہر وقت بیمار رہتی ہوں، میری مالی حالات کو دیکھتے ہوئے کسی نے مجھے زکوٰۃ میں سے اوپر نیچے کا گھر رہنے کو دیا ہے جسمیں اوپر میں رہتی ہوں اور نیچے کا 3000 کرایہ پر دیا ہے، میرے پاس کوئی زیور نہیں ہے، میرا سب کچھ چوری ہو چکا ہے،

اس مکان میں رہتے ہوئے تین سال ہو گئے ہیں لیکن اسکو اب تک اپنے نام نہیں کرایا ہے کیونکہ میرے حالات اتنی اجازت نہیں دیتے، اب آپ مجھے بتائیں کیا میں اپنے ان مسائل کو حل کرنے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرسکتی ہوں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جسکو دیجائے وہ زکوٰۃ کا مستحق بھی ہو یعنی سید، سیدہ نہ ہو اور بقدر نصاب مال بھی اسکے پاس نہ ہو خواہ وہ ضرورت سے زائد سامان وغیرہ کی صورت میں ہو (جس میں ٹی وی بھی داخل ہے) یا نقد روپے، سامان تجارت، سونا، چاندی، کی صورت میں ہو، ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت نصاب کہلاتی ہے جسکے پاس اتنا مال یا ضرورت سے زیادہ سامان موجود ہو مثلاً (ٹی وی وغیرہ) اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی اور جس کے پاس اتنا مال نہ ہو اور سید، سیدہ، بھی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

لہٰذا مذکورہ وضاحت کے مطابق آپ اگر زکوٰۃ کی مستحق ہیں تو زکوٰۃ لے سکتی ہیں یہ مکان اگر زکوٰۃ کے پیسہ سے دیا گیا ہے اور جس وقت آپکو ملا ہے اس وقت آپ زکوٰۃ کی مستحق تھیں تو اب اسکو اپنے نام بھی کرا سکتی ہیں اور اس سے حاصل شدہ کرایہ وغیرہ بھی اپنی ضروریات میں خرچ کرسکتی ہیں۔

لمافی الهندية: (۱۷۰/۱ طبع رشيديه)

فهي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى هذا في الشرع كذافي التبيين.

ولمافي الشامي: (۳۳۹/۲ طبع سعيد)

(هو من فقير وهو من له ادنى شئ) أي دون نصاب اوقدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۹۲۵

﴿پرندوں کو دانہ ڈالنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں کراچی کا باشندہ ہوں کراچی میں متعدد چوراہوں پر کبوتر ہوتے ہیں لوگ ثواب کی نیت سے دانے خرید کر کبوتروں کو ڈالتے ہیں، اگر کوئی زکوٰۃ کی نیت سے دانے ڈال دے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح دیگر کیڑے مکوڑے کو دانے ڈالنے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ براہ کرم راہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ کبوتر اور دیگر جاندار مخلوق کو دانے وغیرہ کھلانا اگرچہ ثواب کا کام ہے لیکن اس سے

زکوۃ ادا نہیں ہوتی، زکوۃ کے ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ کسی مسلمان کو باقاعدہ مالک وقابض بنا کر دی جائے جو کہ سید، سیدہ نہ ہو اور صاحب نصاب بھی نہ ہو یعنی شریعت کے نظر میں فقیر ہو۔

لما في الهندية:(۱۷۰/۱ طبع رشيدية)

فهي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن الممك من كل وجه لله تعالى هذا في الشرع كذا في التبيين.

ولما في التنوير الابصار:(۲۵۶/۲_۲۵۸ طبع سعيد)

هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن الممك من كل وجه.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ جوی غفر لہ ولوالدیہ

۸ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۵۳۵

﴿زکوۃ کی رقم سے کسی شخص کا قرض ادا کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کا کسی پر قرض ہو تو وہ اپنا قرضہ اس آدمی کو زکوۃ میں دے سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اگر کوئی تیسرا شخص زکوۃ کی رقم سے اس قرض دار کا قرضہ ادا کرے تو اس تیسرے شخص کی زکوۃ ادا ہو جائیگی؟

﴿جواب﴾ مذکورہ مسئلہ میں دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ قرض خواہ، قرض دار کو اپنا قرض معاف کرے اور اس میں زکوۃ کی نیت کرے تو اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ زکوۃ ادا ہونے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ پہلے اس کو زکوۃ کی رقم دیکر باقاعدہ مالک وقابض بنادے پھر اسی رقم کو اپنے قرضے میں وصول کرے تو اس سے زکوۃ ادا ہو جائیگی بشرطیکہ وہ زکوۃ کا مستحق ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر قرض ہے ایک تیسرے شخص نے چاہا کہ زکوۃ کی رقم سے اس قرض دار کا قرضہ ادا کرے تو ایسی صورت میں اگر قرض خواہ، قرض دار کی اجازت سے زکوۃ کی رقم وصول کرے تو اس آدمی کی زکوۃ ادا ہو جائیگی، اسلئے کہ قرض خواہ قرض دار کا نائب ہو کر زکوۃ کی رقم وصول کر رہا ہے گویا قرض دار خود (جو کہ مستحق ہے) زکوۃ کا مال قبض کر رہا ہے اور یہ بات زکوۃ کی ادائیگی کیلئے شرط ہے۔

لما في الدر المختار :(۱۹۰/۲ طبع امدادیہ)

واعلم اداء الدين عن العين..... وعن دين سيقبض لايجوز وحيلة الجواز ان يعطى مديونه

الفقیر زکاته ثم یاخذها عن دینه.

ولمافی التاتارخانیة:(۲۴۰/۲،طبع قدیمی)

بشر عن ابی یوسفؒ: رجل له علی رجل الف درهم دین حال علیه الحول ثم ان رب الدین وهب ذلک الدین من الذی علیه الدین ینوی زکاة الدین اوزکاة مال عنده سواه والذی علیه محتاج فان اباحنیفةؒ قال لایجزیه ذلک من زکاة الدین ولامن زکاة العین وهوقول ابی یوسفؒ.

ولمافی الهندیة:(۱۷۱/۱،طبع رشیدیه)

ولووهب دینه من فقیرونوی زکاة دین آخرله علی رجل آخراوزکاة عین له لم یجز.

ولمافی الدرالمختاروشرحه:(۲۹۲/۲-۲۹۳،طبع امدادیه)

(اما دین الحی الفقیر فیجوزلوبامره)ای یجوزعن الزکوٰة علی انه تملیک منه والدائن یقبضه لحکم النیابة عنه ثم یصیرقابضالنفسه.

ولمافی فتح القدیر:(۲۰۸/۲،طبع رشیدیه)

امااذاکان باذنه وهوفقیرفیجوزعن الزکوٰة علی انه تملیک منه والدائن یقبضه بحکم النیابة عنه ثم یصیرقابضالنفسه.

ولمافی شرح الوقایة:(۲۹۸/۱،طبع امدادیه)واماقضاء دین الحی فیجوزان کان بامره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرارعزیز دیروی

۲ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۰۷

﴿قرضہ معاف کرنے سے زکوٰۃ ادانہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھائی پر میرا دو لاکھ روپے کا قرضہ ہے اوراس کے حالات کافی خراب ہیں تو کیا میں زکوٰۃ کی مد میں یہ قرضہ اس کو معاف کرسکتا ہوں یا اس کو دولاکھ روپے دینا ضروری ہے؟ اور کیا اس کو یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ(دولاکھ) زکوٰۃ کے پیسے ہے؟ مستفتی: قذ انی صراف ٹوبہ ٹیک سنگھ پنجاب

﴿جواب﴾ قرضہ معاف کرنے سے زکوٰۃ ادانہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ میں مستحق کو باقاعدہ مالک وقابض بناکر مال دیناشرط ہے البتہ آپ اپنے بھائی کوزکوٰۃ کی رقم دیکر باقاعدہ اس کواس کا مالک بنادیں اور پھر وہی مال اپنے قرضہ میں دوبارہ اس سے وصول کرلیں تو آپ کی زکوٰۃ اداء ہوجائیگی اور آپ کے بھائی کوقرضہ سے خلاصی بھی مل جائیگی ،اور زکوٰۃ دینے والے کو یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ میں یہ زکوٰۃ کی رقم آپ کودے رہاہوں بغیر بتائے بھی زکوٰۃ اداہوجاتی ہے

ہاں دل میں زکوۃ دینے کی نیت ضروری ہے۔

لما فی الدر المختار مع الرد المختار :(۲/ ۲۷۰،۲۷۱،مطبع سعید)

واعلم ان اداء الدین عن الدین والعین عن العین وعن الدین یجوزواداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لایجوز،وحیلة الجوازان یعطی مدیونه الفقیرزکاته ثم یاخذها عن دینه.

ولما فی الهدایه:(۱/ ۱۸۸،مطبع رحمانیه)

ولایجوز اداء الزکوۃالا بنیة مقارنه للاداء او مقارنة لعزل مقدارالواجب لان زکوۃ عبادۃ فکان من شرائطها النیة.

ولما فی البزازیه علی هامش الهندیه:(۴/ ۸۶،مطبع رشیدیه)

ولو نوی الزکاۃ فیما یدفعه الی صبیان اقاربه عیدیا او لمن یهدی الیه الباکورۃ او یبشر بقدوم فلان صدیقه یجوز .

ولما فی التنویر الابصار:(۲/ ۲۵۶،مطبع سعید)

وهی تملیک جزء مال عینه الشارع من مسلم فقیر غیر هاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعة عن المملک من کل وجه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد تنویر عفااللہ عنہ

۲۳جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر:۳۸۱۵

﴿وکیل زکوۃ کی رقم خود اپنے اوپر خرچ کردے تو موکل کی زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں نے ایک شخص کو زکوۃ کے پیسے دیدئے کہ یہ فلاں مدرسہ میں دیدو لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ رقم خود اس نے اپنے اوپر خرچ کرلی اور وہ خود مستحق زکوۃ بھی ہے،سوال یہ ہے کہ اس صورت میں زکوۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر موکل وکیل کو کسی متعین شخص یا مدرسہ میں زکوۃ کی رقم دینے کیلئے کہے اور وہ اسمیں نہ دے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی،وکیل ضامن ہوگا اور اگر موکل اسکو مطلقا اختیار دے کہ جہاں چاہے خرچ کردے کسی غیر کو زکوۃ دینے کا نہ کہے تو اس صورت میں اگر وہ مستحق ہو اور اپنے اوپر خرچ کیا تو زکوۃ ادا ہو جائے گی ورنہ نہیں،سوال مذکور کے مطابق چونکہ موکل نے متعین مدرسہ میں دینے کو کہا تھا اور اس نے نہیں دیا،لہٰذا زکوۃ ادا نہیں ہوئی۔

لما فی التنویرمع الدر:(۲/ ۲۶۹،مطبع سعید)

وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیروزوجته لالنفسه الااذاقال ربهاضعهاحیث شئت۔۔۔ الخ.

وفی الشامیة:وهنا الوکیل انما یستفید التصرف من الموکل وقد أمره بالدفع الی فلان فلا یملک الدفع الی غیره کما لواوصی لزید بکذا لیس للوصی الدفع الی غیره.

ولمافی الفقه الاسلامی وادلته:(۱۹٤٦/۲ طبع رشیدیه)

وللوکیل ان یدفع الزکوٰة لولده الفقیر أو زوجته الفقیرة اذالم یأمره بالدفع الی شخص معین ولایجوز له ان یأخذ الزکوٰة لنفسه اذا قال له الموکل ضعها حیث شئت وان أمره بالدفع الی شخص معین فدفعها الوکیل لغیره ففیه قولان عندالحنفیة قول بانه لا یضمن..... وقول رجحه ابن عابدین یضمن لان الوکیل یستمد سلطته بالتصرف من الموکل وقد امره بالدفع الی فلان فلا یملک الدفع الی غیره.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد حسن پورلوی غفرلہ

۲۳رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۷۳۰

﴿صاحب نصاب یتیم بچے کو زکوٰۃ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صاحب نصاب یتیم بچے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ یتیم بچہ اگر خود مالدار ہے تو اسکو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے،زکوٰۃ صرف فقراء ومساکین کا حق ہے۔

لمافی التنویرمع الدر:(۲۸۳/۲ طبع امدادیه)

(هوفقیروهومن له ادنی شئی)ای دون نصاب اوقدرنصاب غیرتام مستغرق فی الحاجة)

وفی الشامیة:قوله(هوفقیر)......ولان الفقرشرط فی جمیع الاصناف الاالعامل والمکاتب وابن السبیل.

ولمافی البدائع:(۴۷/۲ طبع سعید)

وکمالایجوزصرف الزکوٰة الی الغنی لایجوز صرف جمیع الصدقات المفروضة والواجبةالیه ــ لعموم قوله تعالی انما الصدقات للفقراء......ولا یجوزالا نتفاع بالخبیث.

وهکذا فی فقهی مقالات للشیخ مفتی محمد تقی العثمانی دام اقباله:(۱۵۱/۲ طبع اسلامک پبلشر)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عزیز الرحمٰن چارسدوی

۲۶ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۹۵

﴿غیر مصرف زکوٰۃ کو مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرتبہ بندہ نے ایک آدمی

کی ظاہری شکل وصورت کو دیکھ کر فقیر محتاج سمجھ کر زکوٰۃ دیدی اسکے بعد معلوم ہوا کہ وہ آدمی صاحب نصاب اور مالدار ہے، پوچھنا یہ ہے کہ میری زکوٰۃ ادا ہوگئی یا دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ زکوٰۃ مساکین وفقراء کا حق ہے، اس میں انتہائی احتیاط کرنا ضروری ہے اگر لاپرواہی کیساتھ غیر مستحق کو دیدی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ کوشش کے باوجود کسی کی ظاہری وضع وقطع سے آپ نے مستحق سمجھ کر دیدی تو دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ دوبارہ ادا کردیں تو بہتر ہے۔

لما فی الشامی:(۳۰۲/۲،طبع امدادیہ)

واعلم ان المدفوع الیه لوکان جالسافی صف الفقراء یصنع صنعهم او کان علیه زیهم الی قوله.....حتی لو ظهر غناه لم یعد.

ولما فی المبسوط:(۱۲/۲،طبع دارالمعرفۃبیروت)

فان اعطاه غنیاوهولایعلم بحاله فانه یجزی ان وقع عنده انه فقیرالی قوله.....ولم یجز عند ابی یوسف وهوقول الشافعیؒ وفی النهرالفائق:(۴۶۷/۱،طبع قدیمی)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر: ۱۲۴۷

﴿مسجد کے امام صاحب کو زکوٰۃ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میں گاؤں میں ایک مسجد کا پیش امام ہوں اہل محلہ والے مجھے زکوٰۃ میں گندم اور جو کی دانیں دیتے ہیں جبکہ میں نے پچاس ہزار کے قریب روپیہ لوگوں کو بطور قرضہ بھی دیا ہے، جس میں اکثر لوگ غریب ہیں اور فی الحال میرے پاس پندرہ بیس ہزار روپیہ موجود ہیں اس کے علاوہ کوئی نقدی سامان وغیرہ ضرورت سے زائد میرے پاس نہیں ہے جبکہ میں بہت ضرورت مند بھی ہوں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ میرے لئے اہل محلہ والوں سے زکوٰۃ میں گندم اور جو کی دانیں وصدقۃ الفطر وغیرہ لینا جائز ہے کہ نہیں، براہ کرم وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: مولانا حفیظ الحق صاحب

﴿جواب﴾ آپ کو مقتدی لوگ معاوضہ کے طور پر زکوٰۃ عشر وغیرہ اگر دیتے ہیں تو اس سے ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اگرچہ آپ زکوٰۃ کے مستحق ہوں اس لئے کہ بطور اجرت زکوٰۃ لینا دینا ہرگز جائز نہیں ہے اور آپ کو چونکہ معلوم ہے کہ مقتدی حضرات مجھے تنخواہ کے عوض زکوٰۃ دیتے

ہیں اس لئے منع کرنا ضروری ہے، البتہ اگر آپ کی تنخواہ مقرر ہے اور مقتدی حضرات آپ کے ساتھ زکوۃ عشر وغیرہ کے ذریعہ بھی تعاون کرنا چاہتے ہیں تو اس صورت میں لینا دینا جائز ہے، بشرطیکہ آپ کے پاس بقدر نصاب نقد روپے سامان تجارت اور ضرورت سے زائد گھریلوں اشیاء نہ ہوں اور موصول ہونے والا قرضہ بھی بقدر نصاب نہ ہو لہذا جن لوگوں پر آپ کا قرضہ ہے اور وہ لوگ آپ کا قرضہ ادا کرنے سے قاصر ہیں تو سر دست یہ موصول ہونے والا قرضہ چونکہ نہیں ہے اس لئے آپ زکوۃ لے سکتے ہیں۔

لما في الهندية: ۱۲۷/۱ (رشيديه)

ولاتحسب أجرة العمال ونفقة البقر وكرى الأنهار وأجرة الحافظ ،

(منها الفقير) وهو من له ادنى شئى وهو مادون النصاب أوقدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة فلايخرج عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية اذا كان مستغرقا بالحاجة كذافي فتح القدير.

ولما في التنوير مع الدر: ۳۴۲/۲ (سعيد)

ومنه مالو كان ماله مؤجلا أوعلى غائب أومعسرا أوجاحد ولوله بينه في الاصح يصرف المزكي الى كلهم أوالى بعضهم وفي الشامية (قوله مالو كان ماله مؤجلا) اذا احتاج الى النفقة يجوز له أخذ الزكوة قدر كفايته الى حلول الأجل (قوله أوعلى غائب) أي لو كان حالا لعدم تمكنه من أخذه (قوله أومعسرا) فيجوز له الأخذ في أصح الأقاويل لأنه بمنزلة ابن السبيل ولو كام مو سر امعترفا لايجوز.

ولما في البحر: ۲۴۵/۲ (سعيد)

والذى له دين مؤجل على انسان اذا احتيج الى النفقة يجوز له أن يأخذمن الزكوة قدر كفايته الى حلول الأجل وان كان الدين غير مؤجل ،فان كان من عليه الدين معسرا يجوزله أخذالزكوة في أصح لأقاويل لأنه بمنزلة ابن السبيل وان كان المديون موسر امعترفالايحل له أخذالزكوة.

ولمافي الهندية ج ۱۹۰/۱ (رشيديه)

والذى له دين مؤجل على انسان اذا احتاج الى النفقة يجوله أن يأخذالزكوة قدر كفايته الى حلول الأجل وان كان الدين غير مؤجل ،فان كان من عليه الدين معسرا يجوزله أخذالزكوة في أصح الأقاويل لأنه بمنزلة ابن السبيل كذافي قاضي خان.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیزاروی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۹۷۷

﴿اصول وفروع کوعشر دینا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب کی تقریباً ۱۰۰ کنال زمین ہے، ہر سال اس سے گندم اور چنا کی فصل حاصل کی جاتی ہے، میرے والد صاحب اس کا عشر اپنی تین پوتیوں (جو انتہائی غریب اور شادی شدہ ہیں) کو دیتا ہے اب پوچھنا یہ ہے کیا اس سے اس کا عشر ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: پولیس کانسٹیبل

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں آپ کے والد صاحب کا اپنی پوتیوں کو عشر دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ عشر اصول وفروع کو یعنی آباء واجداد اور اولاد کو نہیں دیا جا سکتا لہٰذا آپ کے والد نے واقعی اپنی پوتیوں کو عشر اگر دیا ہے، تو اس سے ان کا عشر ادا نہیں ہوا، دوبارہ کسی مستحق کو دینا ضروری ہے۔ البتہ اپنی پوتیوں کے بجائے ان کے شوہروں کو عشر اگر دیا ہے، اور وہ مستحق بھی تھے، تو عشر ادا ہو گیا ہے، دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما في التنوير مع الرد: (۲/۳۴۹، طبع:سعيد):(ولا)الى (من بينهما ولاد)

ولما في البحر الرائق: (۲/۲۴۳،طبع:سعيد)

لا يجوز الدفع الى ابيه وجده وان علاولا الى ولده و ولدولده وان سفل ...وفيه اشارة الى ان هذاالحكم لا يخص الزكوة بل كل صدقة واجبة لا يجوز دفعهالهم ...وقيد باصله وفرعه لان من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم وهو اولى لما فيه من الصلة مع الصدقة

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۸ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۳۲۹۱

﴿ملازمت پیشہ آدمی اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ایک آدمی کی ماہانہ تنخواہ اتنی مقدار میں ہے کہ گزارا چل جاتا ہے لیکن یہ آدمی صاحب نصاب نہیں ہے تو کیا اسے زکوۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زکوۃ کے استحقاق کا تعلق تنخواہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لیے ایک معیار ہے، وہ یہ کہ جس کو زکوۃ دی جا رہی ہے وہ سید نہ ہو، دینے والے کے اصول وفروع نہ ہو اور اس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کے برابر نقد روپے، سونا چاندی، سامان تجارت اور غیر ضروری قابل فروخت اشیاء بھی نہ ہوں جن میں آلات لہو ولعب مثلاً ٹی وی اور اس طرح کی

دیگر فضولیات والی اشیاء نہ ہوں تو زکوٰۃ دے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

لما فی التنویر والدر:(۳۳۹/۲،طبع سعید)

(هو فقير وهو من له ادنى شيء)اى دون نصاب او قدر نصاب غير تام مستغرق فى الحاجة.

ولما فی الهندية:(۱۸۹/۱،طبع رشيدية

ويجوز دفعها الى من يملك اقل من نصاب وان كان صحيحاً مكتسباً كذا فى الزاهدى.

ولما فی الفتاوى التاتارخانية:(۲۰۱/۲،طبع قديمى كتب خانه)

وفى "الفتاوى العتابية" الفقير من له قوت يومه وعياله او يقدر على كسب ما ينفق على نفسه وعياله تحل له الزكوة ولا يحل له السوال.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اکی

۶ رجب ۱۴۳۳ھ　　　　فتوی نمبر:

﴿بیٹی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیٹی شادی شدہ ہے، بچوں کی ماں بھی ہے مگر غریب ہے اور اسکا شوہر مر گیا ہے اور بچوں کا خرچہ انکے چچا وغیرہ برداشت کرتے ہیں، پاک مال کے علاوہ والدین اگر اپنی بیٹی یا نواسوں کو زکوٰۃ کی رقم دیں تو جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ماں باپ اولاد کو اور اولاد اپنے ماں باپ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتیں، اسی طرح شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، اسکے علاوہ بھائی، بہن، پھوپھی وغیرہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، یاد رہے بیٹی کی اولاد بھی اولاد شمار ہوتی ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۳۴۶/۲،طبع سعید)

(ولا)الى (من بينهما ولاد)ولو مملوكا لفقير(أو)بينهما زوجية ولو مبانة.

ولما فی الخلاصة:(۲۴۲/۱،طبع رشيديه)

واصل هذا انه لا يجوز دفع الزكوة الى اولاده واولاد اولاده من قبل الذكورة والاناث وان سفلوا ولا الى والديه واجداده وجداته وان علو من قبل الاباء والامهات ويجوز الى سائر قرابته نحو الاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات.

ولما فی الهندية:(۱۸۸/۱،طبع رشيديه)

ولا يدفع الى اصله وان علا وفرعه وان سفل كذا فى الكافى.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ　　　　فتوی نمبر: ۱۱۲۵

﴿داماد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ میرے داماد کافی غریب اور مستحق زکوٰۃ ہے اور میں صاحب نصاب ہوں، سوال یہ ہے کہ کیا اپنے داماد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ برائے مہربانی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾ داماد اگر سید نہیں ہے اور زکوٰۃ کا واقعی مستحق ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

لما فی الشامی:(۲/۲۶۳،طبع امدادیه)

ویجوز دفعها لزوجة ابیه وابنه وزوج ابنته.

ولما فی بدائع الصنائع:(۲/۵۰،طبع سعید)

ویجوز دفع الزکوة الی من سوی الوالدین والمولودین من الاقارب ومن الاخوة وغیرهم لانقطاع منافع الاملاک بینهم

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالرزاق غفرلہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۲۸

﴿داماد اگر مستحق زکوٰۃ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے گھر کے معاشی حالات کافی کمزور ہیں میرے والد صاحب ہر سال زکوٰۃ نکالتے ہیں تو کیا میں یا میری بیٹی ان سے زکوٰۃ لے سکتے ہیں جبکہ ہمارے حالات بہت کمزور ہیں، اگر نہیں تو پھر شریعت اسلامیہ کی روشنی میں راہنمائی فرما کر اس مسئلہ کے متعلق کوئی بہترین متبادل صورت تجویز فرمادیں۔

﴿جواب﴾ والد صاحب اپنے مال کی زکوٰۃ اولاد کو نہیں دے سکتے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی آپ اور آپ کی اولاد بھی آپ کے والد صاحب کی اولاد ہیں، البتہ آپ کے شوہر اگر زکوٰۃ کے مستحق ہیں یعنی صاحب نصاب نہیں ہیں تو سسر اپنے داماد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے پھر وہی پیسہ گھریلو ضروریات میں شوہر کی اجازت سے آپ خود بھی استعمال کرسکتی ہیں۔

لما فی ردالمحتار:(۲/۳۴۶،طبع سعید)

(قوله والی من بینهما ولاد) ای بینه وبین المدفوع الیه لان منافع الاملاک بینهم متصلة فلایتحقق التملیک علی الکمال ـــ ای صلة وان علا کابویه واجداده وجداته من قبلهما وفرعه وان سفل.

ولما فی الهدایة:(١/٢٢٣ طبع رحمانیه)

ولا یدفع المزکی زکوۃ ماله الی ابیه وجده وان علاوالی ولده وولد ولده وان سفل لان منافع الاملاك بینهم متصلة فلا یتحقق التملیک علی الکمال۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین بھکر

٢٩ جمادی الثانی ١٤٣٢ھ — فتویٰ نمبر: ٣٨٢٧

﴿مقروض کو زکوۃ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص صاحب نصاب ہے جبکہ وہ اس سے کئی گناہ زیادہ کا مقروض بھی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اسکو قرض کی ادائیگی کے لئے زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ جو شخص سید نہ ہو اور نصاب کے بقدر سونا، چاندی، نقدروپیہ یا سامان تجارت اسکے پاس موجود نہ ہو یا اتنا مقروض ہو کہ قرضہ اتارنے کی صورت میں وہ صاحب نصاب نہیں رہتا تو ایسے شخص کو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔

لما فی الهندیة:(١/١٨٨ طبع رشیدیه)

(ومنها الغارم) وهو من لزمه دین ولا یملک نصابا فاضلا عن دینه اوکانله مال علی الناس لا یمکنه اخذه.

ولما فی فقه الاسلامی:(٢/٢٠١ طبع دارالفکر بیروت)

وقال الحنفیة: الغارم من لزمه دین، ولا یملک نصابا فاضلا عن دینه.

ولما فی التنویر مع الدر:(٢/٢٨٩ طبع امدادیه)

(ومدیون لا یملک نصابا فاضلا عن دینه) وفی الظهیریة: الدفع للمدیون اولی منه للفقیر.
وفی الشامیة: ای اولی من الدفع للفقیر الغیر المدیون لزیادة احتیاجه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفااللہ عنہ

٦ جمادی الاولیٰ ١٤٢٩ھ — فتویٰ نمبر: ١٤٢٦

﴿بہن کو زکوۃ دینے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ بہن کو زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: علی خان

﴿جواب﴾ جی ہاں، بہن کو زکوۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ زکوۃ کی مستحق ہو۔

لمافی البحر الرائق:(۲/۲۲۳،طبع سعید)

لان من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم وهو اولى لمافيه من الصلة مع الصدقة كالاخوة والاخوات الاعمام و العمات الاخوال والخالات الفقراء.

ولمافی الشامی:(۲/۳۴۶،طبع سعید)

لجوازه بقية الاقارب كلاخوة والاعمام والاخوال الفقراء بل هم اولى لانه صلة وصدقة.

ولمافی الهندية:(۱/۱۹۰،طبع رشیدیه)

والافضل فى الزكوٰة والفطر والنذور الصرف اولا الى الاخوة والاخوات ثم الى اولادهم ثم الى الاعمام والعمات ثم الى اولادهم ثم الى الاخوال والخالات ثم الى اولادهم ثم الى ذوى الارحام ثم الى الجيران ثم الى اهل حرفته ثم الى اهل مصره اوقريته.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :محمد وارث خان سواتی

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۲۸

﴿غیر مسلم محتاجوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا مال زکوٰۃ سے غیر مسلم محتاجوں بیواؤں اور یتیموں کا امداد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ — مستفتی: حاجی حیات اللہ چمن

﴿جواب﴾ زکوٰۃ کا مال صرف مستحق مسلمان کو دینا ضروری ہے، البتہ غیر مسلم بیواؤں اور یتیموں کیساتھ زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے علاوہ مد میں تعاون کرنا چاہئے، اور دین اسلام کیطرف راغب کرنے کی نیت سے تعاون کریں تو زیادہ اجر وثواب ہوگا۔

لمافی الهداية: (۱/۲۲۲تا۲۲۴،طبع رحمانیه)

لايجوز ان يدفع الزكوٰة الى ذمى لقوله عليه السلام لمعاذؓ خذها من اغنيائهم وردها فى فقرائهم ويدفع اليه ماسوى ذلك من الصدقة ـ قال ابو حنيفةؒ ومحمدؒ اذادفع الزكوٰة الى رجل يظنه فقيرا ثم بان انه غنى او هاشمى او كافر او دفع فى ظلمة فبان انه ابوه او ابنه فلا اعادة عليه

ولمافی خلاصة الفتاوى :(۱/۲۴۲،طبع رشیدیه)

فان دفع الى شخص ظن انه فقير فظهر انه كان غنيا يجوز عند ابى حنيفةؒ ومحمدؒ ولو دفع الى فقير فظهر انه دفع الى ابيه او ابنه جاز عند ابى حنيفةؒ ومحمدؒ فى رواية الاصل ولا يجوز الصرف الى كافر حربيا كان او ذميا فان ظن انه مسلم فدفع فاذا هو كافر جاز

ولمافی الهندية :(۱/۱۸۶،طبع رشیدیه)

وأما أهل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة اليهم بالاتفاق ويجوز صرف صدقة التطوع

الیهم بالاتفاق واختلفوا فی صدقة الفطر والنذر والکفارات قال ابو حنیفة ومحمد یجوز الا أن فقیر اهل الاسلام احب الینا ،واما حربی المستأمن فلا یجوز دفع الزکاة وصدقة الواجبة الیه بالاجماع ویجوز صرف التطوع الیه کذافی السراج الوهاج

واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:

۶ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

﴿مالدار شخص کی اولاد کو زکوٰۃ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مالدار ہے اس کے بالغ بیٹے بھی ہیں جو خود مالدار نہیں ہیں، اس لئے کہ انکی ذاتی ملکیت میں کچھ نہیں ہے والد انکا خرچہ برداشت کرتا ہے، کیا ایسے لڑکوں کو زکوٰۃ دیجا سکتی ہے۔

مستفتی: شاہ گل وادی سواتی

﴿جواب﴾ بالغ لڑکوں کا خرچہ والد کے ذمہ واجب نہیں ہے، یہ محض اسکا احسان ہے، لہٰذا نادار بالغ لڑکوں کا والد اگر چہ مالدار ہے انکو زکوٰۃ دیجا سکتی ہے۔

لمافی الهندیة:(۱/۱۸۹،طبع رشیدیه)

ولا یجوز دفعها الی ولد الغنی الصغیر کذافی التبیین ولو کان کبیرا فقیرا جاز.

ولمافی الهدایة:(۱/۲۲۳،طبع رحمانیه)

بخلاف ما اذا کان کبیرا فقیرا لانه لایعد غنیا بیسار ابیه وانکانت نفقته علیه.

ولمافی البحر:(۲/۲۴۶،طبع سعید) لان الدفع لولد الغنی اذا کان کبیرا جائز.

ولمافی الشامی:(۲/۳۵۰،طبع سعید)

(و) لا الی (طفله) بخلاف ولده الکبیر أن الطفل یعد غنیا بغنی أبیه بخلاف الکبیر فانه لایعد غنیا بغنی أبیه.

واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۴۷۳

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

﴿نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نابالغ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

مستفتی: ضیاء اللہ سفل بانڈی

﴿جواب﴾ نابالغ بچہ اگر زکوٰۃ کا مستحق ہے تو اس کے ولی یعنی باپ وغیرہ کو زکوٰۃ دینی

چاہیے تاکہ وہ بچے کیلئے اس پر قبضہ کریں اور اسی پر خرچ کریں، براہ راست اگر بچے کو دینا چاہے تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ بچہ سمجھدار ہو، پیسہ کو سمجھتا ہو اور فضول ضائع کرنے والا نہ ہو۔

لمافی الهندیة:(۱/۱۹۰،طبع رشیدیه)

ولودفع الزکوٰة الی مجنون أوصغیر لا یعقل فدفع الی ابویه أو وصیه قالوا لایجوز کما لو وضع علی دکان ثم قبضها فقیر لایجوز ولو قبض الصغیر وهو مراهق جاز وکذا لو کان یعقل القبض بان کان لایرمی ولا یخدع عنه ولودفع الی فقیر معتوه جاز.

ولمافی الدرمع الرد:(۲/۳۵۶،طبع سعید)

دفع الزکوٰة الی صبیان اقاربه برسم عید اوالی مبشر اومهدی الباکورة جاز (قوله الی صبیان اقاربه) ای العقلاء والافلایصح الابالدفع الی ولی الصغیر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۴۷۵

﴿زکوٰۃ وعشر اور صدقۂ فطر اجرت کے طور پر دینا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ بعض علاقوں میں امام مسجد کی مستقل تنخواہ نہیں ہوتی، اہل محلہ اپنی زکوٰۃ وعشر اور صدقہ فطر امام کو دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ امام صاحب کے لئے بطور اجرت ان چیزوں کو لینا شرعاً درست ہے؟ نیز اگر امام غریب ہو تو اس کو زکوٰۃ وغیرہ دیجا سکتی ہے؟

﴿جواب﴾ امام مسجد مالدار ہو یا غریب، اُجرت کے طور پر انکو زکوٰۃ، عشر اور صدقہ فطر دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا مقامی لوگوں کو چاہیئے کہ امام کی مستقل تنخواہ مقرر کردیں ورنہ انکی زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں ہوگی، البتہ امام اگر غریب ہے اور امامت کی اجرت کے طور پر نہیں ویسے ہی ہمدردی اور احسان کے طور پر اس کو زکوٰۃ وغیرہ دیجائے تو بلاشبہ جائز ہے۔

لمافی الهندیة:(۱/۱۸۹-۱۹۰،طبع رشیدیه)

ولایجوز دفع الزکوٰة الی من یملک نصابا أی مال کان دنانیر أو دراهم أو سوائم أو عروضا للتجارة أولغیر التجارة فاضلا عن حاجته فی جمیع السنة...... ولونوی الزکوٰة بما یدفع المعلّم الی الخلیفة ولم یستاجره ان کان الخلیفة بحال لولم یدفعه یعلّم الصبیان أیضا أجزأه والا فلا.

ولمافی الاشباه والنظائر:(ص ۱۲۹ طبع قدیمی)

وفی الملتقط من الاجارة: المعلّم اذا أعطی خلیفته شیئا ناویا الزکاة فان کان بحیث یعمل له لو لم یعطه یصح عنها والا فلا.

ولمافی الھندیۃ:(۱/۱۹۲،طبع رشیدیہ)

ومصرف ھذہ الصدقۃ ماھو مصرف الزکوٰۃ کذا فی الخلاصۃ.

ولمافی البحرالرائق:(۲/۲۵۶،طبع سعید)وصدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف.

واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۱۶۲۹

۹رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

باب فی صدقۃ الفطر

صدقۂ فطر کا بیان

رمضان سے پہلے صدقہ فطر کے ادا کرنے کا حکم

سوال کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص رمضان سے پہلے صدقہ فطر ادا کرلے تو ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

مستفتی: ابوحیات سنل بانڈی

جواب رمضان سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنے کی گنجائش ہے، لہٰذا اگر کسی نے رمضان سے پہلے صدقہ فطر ادا کردیا تو ادا ہوجائے گا، رمضان میں دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

لمافی خلاصۃ الفتاوی:(۱/۲۶۵،طبع رشیدیہ)

قال والصحیح انہ یجوز لسنۃ اولسنتین وھورو ایۃ الحسن عن ابی حنیفۃؒ وذکر السنۃ والسنتین وقع اتفاقا بل یجوز مطلقالو ادی عن عشر سنین اواکثر.

ولمافی البحر الرائق:(۲/۲۵۵،طبع سعید)

(قولہ وصح لو قدم اواخر) ... واطلق فی التقدیم فشمل ما اذادخل رمضان وقبلہ وصححہ المصنف فی الکافی وفی الھدایہ والتبیین وشروح الھدایۃ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۳جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر:۳-۱۵

بالغ اولاد اور بیوی کیطرف سے صدقہ فطر کی ادئیگی واجب نہیں

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص پر صدقہ فطر واجب ہو تو اسکے لئے اپنی طرف سے ادائیگی کے ساتھ ساتھ اولاد اور بیوی کیطرف سے بھی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟

مستفتی: فاروق شاہ مینگورہ

جواب بیوی اور بالغ اولاد کیطرف سے صدقہ فطر ادا کرنا ضروری نہیں ہے، وہ خود

مالدار ہوں تو ان کے ذمہ واجب ہے، البتہ اپنی طرف سے ان کا بھی ادا کر دے تو ادا ہو جائیگا۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۳۶۳،طبع سعید)

ولاعن زوجته وولده الکبیر العاقل ولوادی عنهما بلااذن اجزأ استحسانا للاذن عادۃ ای لوفی عیاله.

ولمافی مختصر القدوری:(ص ۶۸،طبع قدیمی)

ولایؤدی عن زوجته ولاعن اولاد الکبار وان کانوافی عیاله.

ولمافی مراقی الفلاح:(ص ۲۶۳،طبع قدیمی)وعن ولده الکبیر وزوجته.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر ۱۱۳۴

﴿دوسرے شہر یا ملک میں رہنے والے کا صدقہ فطر اپنے گاؤں یا شہر میں اداء کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں بعض لوگوں کا کوئی رشتہ دار کسی دوسرے شہر یا کسی دوسرے ملک میں ہوتا ہے وہ گھر والوں کو کہہ دیتا ہے کہ میرا صدقہ فطر ادا کریں، پوچھنا یہ ہے کہ اس صورت میں کہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا، گاؤں کی یا دوسرے شہر یا ملک کی؟ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔ مستفتی: عتیق الرحمن کوہاٹی

﴿جواب﴾ صدقہ فطر کی واجب مقدار پونے دوکلو گندم یا ساڑھے تین کلو کشمش، کھجور وغیرہ یا اس مقدار کی قیمت جو بھی بنتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر وہ خود صدقہ فطر ادا کر رہا ہے تو وہاں پونے دوکلو گندم وغیرہ یا انکی قیمت جو وہاں بنتی ہو ادا کرے گا، البتہ اگر ان کے والدین وغیرہ اپنے ہی ملک وشہر میں انکی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیں تو پونے دوکلو گندم وغیرہ یا انکی قیمت جو یہاں پر بنتی ہے ادا کریں گے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۳۶۴،طبع سعید)

(نصف صاع)فاعل یجب(من بر اودقیقه اوسویقه اوزبیب)وجعلاه کالتمر وهو روایة عن الامام وصححه البهنسی وغیره وفی الحقائق والشرنبلالیة عن البرهان وبه یفتی(اوصاع تمراوشعیر)ولوردیئا ومالم ینص علیه کذرۃ وخبزیعتبر فیه القیمة(وهو):ای الصاع المعتبر.

ولمافی حاشیة الطحطاوی:(ص ۳۹۴،طبع قدیمی)

انما وجبت لقوله صلی اللہ علیه وسلم فی خطبته أدوا عن کل حر وعبد صغیر او کبیر نصف صاع من بر او صاعا من شعیر او صاعا من تمر.

ولما فی البحر الرائق:(۲/۲۵۲ طبع سعید)

(قوله نصف صاع من براو دقیقه او سویقه او زبیب او صاع تمر او شعیر و هو ثمانیة ارطال)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۱۶۸

﴿صدقہ فطر دوسرے شہر بھیجنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ میں سعودی عرب (ریاض) میں کام کرتا ہوں میرا گھر پاکستان میں ہے میں نے اس سال صدقہ فطر یہاں (ریاض) سے اپنے گاؤں کے مستحق بیمار شخص کیلئے بھیجا ہے ایک صاحب نے مجھ سے کہا آپ کا صدقہ فطر بھیجنا صحیح نہیں ہے تو کیا میرا صدقہ فطر ادا ہو گیا یا نہیں؟ دوسری جگہ بھیجنے میں کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

(۲) صدقہ فطر دینے میں کونسی جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟　　مستفتی: عزیز الرحمٰن دیروی

﴿جواب﴾ (۱) صدقہ فطر سے متعلق اصل حکم تو یہی ہے کہ جس آبادی میں آپ ہیں اسی آبادی کے مستحقین میں کسی کو دیں بلا وجہ کسی دوسری آبادی میں بھیجنا مکروہ ہے البتہ دوسری آبادی میں کوئی زیادہ مستحق اور محتاج ہو یا وہاں اپنے عزیز واقارب میں سے کوئی مستحق ہو تو ایسی صورت میں دوسری آبادی میں بھیجنا بلا کراہت جائز ہے۔

(۲) صدقہ فطر اگر منصوصات (پونے دوکلو گندم ساڑھے تین کلو کشمش کھجور وغیرہ) سے دینا چاہے تو کوئی فرق نہیں اور اگر اس کے قیمت ادا کرنے چاہے تو جس علاقے میں ادا کرنا ہے اسی علاقے میں ان چیزوں کی جو بھی قیمت بنتی ہے اسکا ادا کرنا ضروری ہے۔

لما فی التاتارخانیة:(۲/ ۲۲۱ طبع جدیدی)

ویکره صدقة الفطران یبعث الی موضع آخر الا لذی قرابة من ذوالحاجة

ولما فی مبسوط السرخسی:(۳/ ۱۰۲، طبع بیروت)

ویؤدی صدقة الفطر عن نفسه حیث هو ویکره ان یبعث بصدقته الی موضع آخر الخ...

ولما فی الدر المختار:(۲/ ۵۵ طبع سعید)

وفی الفطرة مکان المؤدی عندمحمد وهوالاصح وفی الشامیة قوله(مکان المؤدی)لامکان الرأس الذی یؤدی عنه قوله(هوالاصح) بل صرح فی النهایة والعنایة بانه ظاهر الروایة

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن دیروی

۳ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۴۳۹

﴿بالغ مجنون بیٹے کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صاحب نصاب شخص پر اپنے بالغ بیٹے کی طرف سے جو مجنون بھی ہو صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر بالغ بیٹا مجنون ہونے کے ساتھ ساتھ فقیر بھی ہو تو مالدار باپ پر اسکی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہوگا، البتہ اگر بیٹا خود صاحب نصاب ہو تو اسی کے مال سے صدقہ فطر ادا کیا جائے گا۔

لما فی البحر الرائق:(۲۵۲/۲ طبع سعید)

ولذا لم يشترط لها كمال الاهلية فوجبت في مال الصبي والمجنون۔۔كذا في البزازية الا اذا كان الاب مجنونا فقيرا فان صدقة فطره واجبة على ابنه كذا في الاختيار وكذا الولد الكبير اذا كان مجنونا فان صدقة فطره على ابيه سواء بلغ مجنونا او جن بعد بلوغه.

ولما فی بدائع الصنائع:(۶۹/۲ طبع سعید)

تجب صدقة الفطر على الصبي والمجنون اذا كان لهما مال يخرجها الولي من مالهما.

ولما فی التاتارخانیۃ:(۲۲۱/۲ طبع قدیمی)

والمعتوه والمجنون بمنزلة الصغير سواء كان المجنون اصليا بان بلغ مجنونا او عارضيا وهو ظاهر من المذهب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۴۲۶

﴿ایک آدمی کا صدقہ فطر کئی فقیروں پر تقسیم کرنا﴾

﴿سوال﴾ آدمی اپنا صدقہ فطر ایک ہی فقیر کو دیدے یا دو تین فقیروں پر بھی تقسیم کر سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ جس طرح ایک آدمی کو کئی صدقات فطر دیئے جا سکتے ہیں اسی طرح ایک صدقہ فطر کئی آدمیوں پر بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔

لما فی البدائع:(۷۵/۲ طبع سعید)

ويجوز ان يعطى ما يجب في صدقة الفطر عن انسان واحد جماعة مساكين ويعطى ما يجب عن جماعة مسكينا واحدا.

ولما فی الھندیۃ:(۲۲۱/۱ طبع رشیدیہ)

ويجوز أن يعطى الواجب عن واحد جماعة او على العكس.

ولمافی التنویر مع الدر:(۲/۲۲۳،طبع امدادیه)

(وجاز دفع کل شخص فطرته الی)مسکین او(مساکین علی)ماعلیه الأکثر وبه جزم فی الولوالجیة والخانیة والبدائع والمحیط وتبعهم الزیلعی فی الظهار من غیر ذکر خلاف وصححه فی البرهان فکان هو(المذهب)کتفریق الزکاة والامرفی حدیث "اغنوهم" للندب فیفیدالاولویة.

واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفااللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتوی نمبر: ۷۸۴

۱۷ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿روزہ نہ رکھنے والے مریض پر بھی صدقہ فطر واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میرے دادا جو کہ سالہا سال سے بیمار ہیں اور روزے نہیں رکھ سکتے تو کیا روزے کے فدیہ کے علاوہ ان پر صدقہ فطر بھی واجب ہے؟ تقریبا سات سال سے ہم ان کا صدقہ فطر اسلئے ادا نہیں کررہے کہ روزے نہ رکھ سکنے کی وجہ سے ان کی تو عید ہوتی نہیں، لہٰذا ان پر صدقہ فطر بھی واجب نہ ہوگا، شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ سے آگاہ فرمائیں اور موجودہ زمانہ میں صدقہ فطر کی صحیح قیمت کیا بنتی ہے؟

﴿جواب﴾ روزہ، صدقہ فطر اور نماز عید الگ الگ مستقل احکام ہیں کسی عذر کی وجہ سے کوئی شخص روزہ نہ رکھ سکے تو اسکی وجہ سے صدقہ فطر یا نماز عید اس سے ساقط نہیں ہوتی، البتہ ایسی بیماری یا ایسا کوئی عذر ہو کہ نماز عید پڑھنے نہیں جاسکتا تو یہ الگ بات ہے۔

اسی طرح یہ شخص عید الفطر سے پہلے اگر صاحب نصاب ہے یعنی سونا، چاندی، نقد روپیہ یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان وغیرہ اتنا اس کے پاس ذاتی ملکیت میں موجود ہے جو کہ کم از کم ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہے تو ایسے شخص پر صدقہ فطر واجب ہے جسکی مقدار نصف صاع (تقریبا پونے دوکلو) گندم یا اسکی قیمت ہے جو کسی مستحق کو دینا ضروری ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۳۵۸-۳۶۲،طبع سعید)

(تجب علی کل مسلم)ولوصغیرامجنونا(ذی نصاب فاضل عن حاجته الأصلیة عن نفسه وطفله الفقیر)والکبیرالمجنون،۔۔۔۔وعبده لخدمته۔۔۔۔ولوکان عبد(کافرالاعن زوجته)وولده الکبیرالعاقل(نصف صاع من براودقیقه اوسویقه اوزبیب او صاع تمراوشعیر)

ولمافی ردالمحتار:(۲/۳۶۱،طبع سعید)

ثم رأیت فی البدائع ما یشعر بذالک حیث قال:وکذا وجود الصوم فی شهر رمضان

لیس بشرط لوجوب الفطرۃ حتی ان من افطر لکبر او مرض او سفر یلزمہ صدقۃ الفطر لان الامر بادائها مطلق عن هذا الشرط اھ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: مزمل شاہ حتر خیل

ا ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۲۲۵۳

﴿صدقۂ فطر کے وجوب کے لئے صاحب نصاب ہونا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقہ میں یہ رواج چلا آرہا ہے کہ ہر شخص صدقۂ فطر ادا کرتا ہے خواہ غریب ہو یا امیر، سوال یہ ہے کہ صدقۃ الفطر کے وجوب کے لئے بھی صاحب نصاب ہونا ضروری ہے، یا ہر ایک کے ذمہ اسکی ادائیگی ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے صدقۂ فطر عید کے دن ادا نہ کیا تو پھر بعد میں بھی اس کے ذمہ قضاء باقی رہے گی، یا یہ صرف وقت کے ساتھ خاص ہے بعد میں اسکے ذمہ قضاء نہیں؟

﴿جواب﴾ صدقۂ فطر شریعت میں ہر ایسے مسلمان کے ذمہ واجب ہے، جو صاحب نصاب ہو اور حاجت اصلیہ سے زائد مال بقدر نصاب اسکی ملکیت میں ہو اگرچہ اس مال پر سال نہ گزرا ہو تب بھی صدقۃ الفطر واجب ہے، اگر کوئی شخص غریب ہے اور صاحب نصاب نہیں تو اسکے ذمہ صدقۃ الفطر نہیں ہے، اسکے باوجود کوئی ادا کرے تو اسکو ثواب ملیگا کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ ثواب کا کام سمجھ کر اس جذبہ سے صدقۃ الفطر ادا کرے رواج کیوجہ سے فقیر پر بھی اسکو لازم سمجھنا جہالت ہے اور غلط سوچ ہے۔

(۲) دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ صدقۃ الفطر عید کے دن صبح صادق کے بعد واجب ہو جاتا ہے اور عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کرنا چاہیے اور اگر کسی نے عید کے دن سے بھی پہلے ادا کیا تب بھی جائز ہے اور اگر کسی نے عید کے دن صدقہ فطر ادا نہیں کیا تو وہ اسکے ذمہ باقی رہتا ہے وقت کے گزرنے سے وہ ساقط نہیں ہوتا اور صدقۂ فطر کا ادا کرنا اسکے ذمہ ہے اگرچہ لمبا عرصہ گزر جائے۔

لما فی فقه الحنفی:(۲۷۵/۱ طبع دار الکلم الطیب)

صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكاً لمقدار النصاب فاضلاً عن حوائجه الاصلية.

ولما فی فقه الحنفی:(۲۷۸/۱ طبع دار الکلم الطیب)

تجب صدقة الفطر بطلوع فجر يوم الفطر وبعد مطور فان قدموها على يوم الفطر جاز قال انا لخرت صدقة الفطر عن يوم الفطر لم تسقط وكان عليهم اخراجها وان طالت المدة وتباعدت.

ولما فی التنویر مع الدر (۲/۳۵۸-۳۶۰ طبع سعید)

تنویر الابصار (علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته (الاصلیة) کدینه وحوائج عیاله (وان لم یحل) ... (تجب - وقیل مضیقا فی یوم الفطر عینا) فبعده یکون قضاء واختاره الکمال فی تحریره ورجحه فی ...

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۲۰۷۰

﴿صدقۂ فطر تاخیر سے ساقط نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر کوئی آدمی صدقہ فطر عید الفطر تک ادا نہیں کر سکا تو کیا اس پر عید الفطر کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری ہوگا یا نہیں؟ اور کسی نے اگر بہت سے سالوں کے صدقہ فطر ادا نہ کیے ہوں تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟ مستفتی: راشد محمود کراچی

﴿جواب﴾ صدقۂ فطر عید الفطر کی نماز سے پہلے ادا کرنا چاہیے تاکہ غریب لوگ بھی عید کی خوشیوں میں سب کے ساتھ شریک ہوسکیں تاہم اگر کسی عذر کی بناء پر صدقۂ فطر ادا نہیں کر سکا تو وہ ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا ادا کرنا اب بھی ضروری ہے اور گزشتہ سالوں کا بھی جو صدقہ فطر رہ گیا ہے اسے بھی ادا کرنا ضروری ہے۔

لما فی الهندیة: (۱/۱۹۲ طبع رشیدیه)

وان قدموها علی یوم الفطر جاز ولا تفصیل بین مدة ومدة هو الصحیح وان أخروها عن یوم الفطر لم تسقط وکان علیهم اخراجها کذا فی الهدایة وقال ایضا: وأما وقت ادائها فجمیع العمر عند عامة مشایخنا.

ولما فی الهدایة: (۱/۲۲۱ طبع رحمانیه)

وان أخروها عن یوم الفطر لم تسقط وکان علیهم اخراجها لأن وجه القربة فیها معقول فلا یتقدر وقت الاداء فیها بخلاف الاضحیة.

ولما فی الکفایة: (۲/۸۱ طبع رشیدیه) قلنا انها قربة مالیة لا تسقط بعد الوجوب الا بالاداء کالزکوٰة

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ صوابی

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۳۹۴

﴿صدقہ فطر اپنے رشتہ داروں کو دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنے بہن، بھائیوں کو صدقہ فطر دینا کیسا ہے؟ جبکہ وہ محتاج ہوں۔ مستفتی: حاجی شیر افضل

﴿جواب﴾ اپنے بہن، بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر دینا جائز ہے

بلکہ افضل ہے جبکہ وہ محتاج ہوں اور حساب کتاب الگ ہو۔

لمافی الهندية:(۱۹۰/۱،طبع رشيديه)

والافضل فی الزكاة والفطر والنذور الصرف اوّلاالى الاخوة والاخوات ثم الى اولادهم ثم الى الاعمام والعمات ثم الى أولادهم ثم الى الاخوال و الخالات۔۔۔الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی غفرلہ ولوالدیہ

اجمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۳۵۹

﴿کیا بیوی کا فطرانہ شوہر کے ذمہ واجب ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی کا فطرانہ شوہر کے ذمہ واجب ہے یا بیوی خود ادا کرے گی؟ مستفتی: نور الدین

﴿جواب﴾ عورت خود اگر صاحب نصاب ہے تو صدقۃ الفطر ادا کرنے کی بھی ذمہ دار ہے شوہر کے ذمہ اس کا فطرانہ ادا کرنا واجب نہیں تاہم اگر شوہر نے اس کی طرف سے فطرانہ ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا، صاحب نصاب نہیں ہے تو کسی کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

لمافی الهداية:(۲۲۵/۱طبع رحمانيه)

ولا يؤدى عن زوجته لقصور الولاية والمؤنة فانه لايليها فى غير حقوق النكاح ولا يمونها فى غير الرواتب كالمداواة.

ولمافى الهندية:(۱۹۳/۱طبع رشيديه)

ولا يؤدى عن زوجته ولاعن اولاده الكبار وان كانوا فى عياله ولو أدى عنهم أو عن زوجته بغير أمرهم أجزاهم استحساناً كذا فى الهداية وعليه الفتوى

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۴۴۰

﴿باب الصدقة الفاضلة﴾

﴿نفلی صدقات کے مسائل﴾

﴿صدقہ بڑی برکت اور ثواب کا باعث ہے﴾

﴿سوال﴾ صدقہ میں جتنی زیادہ رقم لگائی جائے کیا اتنا ہی ثواب بھی زیادہ ملے گا؟ کھانے

میں کوئی اچھی چیز مثلاً گوشت، مرغی پکا کر گھر والوں (اپنے بچوں وغیرہ) کو کھلانا بھی صدقہ ہے؟

﴿جواب﴾ ظاہر ہے کہ جتنی زیادہ رقم (یا کوئی اور قیمتی چیز) صدقہ کردیں گے اتنی ہی برکت ثواب میں بھی زیادتی ہوگی تاہم اخلاص ضروری ہے، چنانچہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ کوئی چھوٹی چیز بھی صدقہ کردے اخلاص کے ساتھ، تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر پہاڑوں سے بھی بڑھا کر اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیتے ہیں اور اگر خدانخواستہ اخلاص نہ ہو ریا ہو تو بڑی سے بڑی چیز بھی صدقہ کرنے کے باوجود کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ مؤاخذہ ہوگا اپنے بال بچوں کو اچھی چیزیں کھلانا بھی صدقہ ہے۔

لمافی مشکوٰۃ المصابیح:(ص۱۷۰ طبع سعید)

عن أبی مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا انفق المسلم نفقةً علیٰ أهله وهو یحتسبها كانت له صدقة متفق علیه.

وعن ام سلمةؓ قالت قلت یارسول الله ألیٰ أجران أنفق علی بنی ابی سلمة انما هم بنیّ فقال انفقی علیهم فلک أجر ما انفقت علیهم متفق علیه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

فتویٰ نمبر: ۱۴۲۷ھ

﴿نفلی صدقہ میں گوشت افضل ہے یا نقدی؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نفلی صدقہ میں بکرا وغیرہ ذبح کرکے اس کا گوشت غرباء میں تقسیم کرنا افضل ہے یا نقد رقم مستحقین کو دینا؟

﴿جواب﴾ صدقہ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کیلئے خیر کے کاموں میں مال خرچ کرنا، بکرا وغیرہ ذبح کرنا اور گوشت تقسیم کرنا بھی ٹھیک ہے، البتہ نقد رقم کسی محتاج کو دینا زیادہ افضل ہے، اس لئے کہ اس سے غریب کی صحیح ضرورت پوری ہوتی ہے مثلاً اگر غریب کو کپڑوں کی ضرورت ہے تو وہ ضرورت گوشت سے پوری نہیں ہوگی، اسی طرح گندم اور آٹے کی ضرورت بھی پوری نہ ہوگی، البتہ پیسوں سے اکثر ضرورتیں پوری ہوجاتی ہیں۔

لمافی الشامی:(۲/۲۶۶ طبع سعید)

(قوله ای الدراهم) ربما یشعر انها المراد بالقیمة مع ان القیمة تکون ایضا من الفلوس والعروض کما فی البدائع والجوهرة، ولعله اقتصر علی الدراهم تبعا للزیلعی لبیان

انها الافضل عند ارادة دفع القيمة لان العلة فى افضلية القيمة كونها اعون على دفع حاجة الفقير لاحتمال انه يحتاج غير الحنطة مثلا من ثياب ونحوها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالستار

۱۳ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۸۶

﴿نفلی صدقات کی تفصیل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صدقہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟ اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ نیز کونسے صدقہ سے صدقہ کرنے والا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ اور جو بکرا یا کوئی اور جانور گھر میں لایا جائے اور بچوں سے اس پر ہاتھ پھرایا جائے تو کیا وہ صدقہ کیلئے متعین ہو جاتا ہے اور اس بکرے سے گھر والے بھی کھا سکتے ہیں؟ یا پورے بکرے کا گوشت غرباء اور مساکین کو دینا لازم ہے۔ مستفتی حاجی طارق علیم ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ (۱) صدقہ کا لغوی معنی خیرات ہے (بحوالہ مصباح اللغات، المنجد، فیروز اللغات) اصطلاح فقہ میں وہ مال جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا جائے۔

لما فى قواعد الفقه: (ص ۳۴۸، طبع میر محمد)

الصدقة ☆ محركة هى العطية التى تبتغى بها المثوبة من الله تعالى.

جبکہ حدیث شریف میں مال خرچ کرنے کے علاوہ ہر کار خیر پر صدقہ کا اطلاق ہوا ہے:

لما فى صحيح البخارى: (۲/ ۲۱۵، طبع رحمانيه)

عن جابر بن عبدالله عن النبى ﷺ قال رسول الله ﷺ كل معروف صدقة.

(۲) صدقہ تین قسم پر ہے، فرض جیسے زکوٰۃ واجب جیسے صدقۂ فطر، کفارات ونذر وغیرہ صدقات نفلیہ، جیسے عام حالات کی خیرات وغیرہ یہاں تک کہ اپنے اہل وعیال پر حلال کمائی سے خرچ کرنا بھی صدقہ میں داخل ہے۔

لما فى مرقاة المفاتيح: (۲/ ۳۶۷، طبع رشيديه)

قال رسول الله ﷺ "اذا انفق المسلم نفقة على اهله وهو يحتسبها كانت له صدقة".

(۳) فرض وواجب صدقات کا حکم یہ ہے کہ وہ غریب ونادار مسلمان کا حق ہے خود صدقہ دینے والا اسے استعمال نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے اصول وفروع یعنی اہل وعیال اور باپ دادا

وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی امیر کو دیا جا سکتا ہے۔

لمافی الهداية:(۱/۲۲۳،طبع رحمانيه)

ولا يدفع المزكى زكوٰة ماله الى ابيه وجده وان علا ولا الى ولده وولدولده وان سفل لان منافع الاملاك بينهم متصلة فلا يتحقق التمليك على الكمال ولا الى امراته للاشتراك فى المنافع عادة.

(۴) صدقات نفلیہ کو خود استعمال کر سکتے ہیں غریب کے علاوہ امیر کو بھی دے سکتے ہیں اور صدقہ دینے والے کے اصول وفروع بھی استعمال میں لا سکتے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنے آپ پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا بہترین صدقہ ہے، واضح رہے کہ بچوں کے ہاتھ پھرانے سے کوئی چیز صدقہ کیلئے متعین نہیں ہو جاتی۔

لمافی مرقاة المفاتيح:(۴/۳٦٧،طبع رشيديه)

عن ابى هريرة وحكيم بن حزام قالا:قال رسول الله ﷺ:"خير الصدقة ماكان عن ظهر غنى، وابدأبمن تعول".

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۴ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۳۲

﴿صدقات میں محتاجوں کو ترجیح دینا بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی میت مثلاً والدین کے ایصال ثواب کے لیے خیرات کرنا یا کپڑے وغیرہ غریبوں اور محتاجوں کو دینے سے ثواب ملتا ہے یا امیر لوگوں یا برادری کے لوگوں یا محلے والوں کو دینے سے بھی ثواب ملتا ہے؟

﴿جواب﴾ ایصال ثواب کرنا نفلی صدقات کے حکم میں ہے لہذا اخلاص کے ساتھ خیرات کرنا اور کپڑے وغیرہ غریبوں، محتاجوں کو دینا بلا شبہ مرحوم کے لیے رفع درجات ومغفرت کا باعث ہے۔ اور امیر وغنی کے بجائے غریب وحاجت مند کو دینا زیادہ ثواب کا باعث ہے اگرچہ غنی کو دینے سے بھی صدقہ کا ثواب مرحوم اور صدقہ کرنے والے کو بھی مل جاتا ہے۔

لمافى الشامى:(۲/۲۴۳،مطلب فى القراءة للميت واهداء ثوابها له،طبع سعيد)

صرح علماؤنا فى باب الحج عن الغير بان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة او صوما او صدقة او غيرها كذا فى الهداية بل فى الذكاة التتارخانيه عن المحيط :الافضل لمن يتصدق نفلا ان ينوى لجميع المومنين والمومنات لانها تصل اليهم ولا

ينتقص من اجره شيء وهو مذهب اهل السنة الجماعة.

ولما في فقه الاسلامي: ۲/ ۲۰۵۱، ۲۰۵۶، ۲۰۵۷ مطبع رشيديه

الكلام عن احكام صدقة التطوع: يشمل استحبابها، الاسرار بها، التصدق بجميع المال، الاولىٰ في الصدقة، المتصدق عليه(الغني، الكافر القريب، صاحب الحاجة الشديد، الصدقة على الميت)

المتصدق عليه: ا۔الاقارب: الافضل ان يخص با لصدقة الاقرب ثم الجيران، فهم اولى من الاجانب ۔۔۔۔۔۔ لقوله ﷺ لزينب امراة عبد الله ابن مسعودؓ "زوجك وولدك احق من تصدقت عليهم" ولقوله ﷺ في حديث احمد "الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم اثنتان: صدقة وصلة" ولخبر البخاري" عن عائشةؓ ان لي جارين فالى ايهما اهدي؟ فقال الى اقربهما منك باباً" ۔۔۔۔۔۔ يستحب فيها تقديم الاقارب اذا كانوا مستحقين.

ب۔صاحب الحاجة الشديدة: تستحب الصدقة على من اشتدت حاجته لقول الله تعالى: (او مسكيناً ذا متربة)

ج۔الغني الخ: تحل الصدقة لغني ولو من ذوي القربى.

د۔الصدقة على الميت: ينتفع الميت كما قدمنا الجنائز. صدقة عليه من أكل او شرب او كسوة او درهم او دينار وينفعه ايضاً دعاله بنحو: "اللهم اغفرله" "اللهم ارحمه" بالاجماع.

ولما في البدائع الصنائع: ۲/ ۴۷ مطبع: العلمية بيروت)

واما صدقة التطوع، فيجوز صرفها الى الغني؛ لانها تجري مجرى الهبة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ ۔۔۔۔ واللہ اعلم بالصوب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ ۔۔۔۔ فتوی نمبر: ۳۷۰۷

﴿پیشہ ور بھیک مانگنے والوں کو صدقہ دینا کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں خانہ بدوش قسم کے لوگ ہیں جو خیموں میں رہتے ہیں جن کو ہم کٹانویان کہتے ہیں یہ لوگ نماز، روزہ وغیرہ عبادات ادا نہیں کرتے یہاں تک کہ ان کے دین کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ مسلمان ہیں یا نہیں اور ان کی عورتیں گھروں میں جا جا کر بھیک مانگتی ہیں اور اسی پر ان کا گزارہ ہوتا ہے مزید یہ کہ ان کی عورتیں بے پردہ آوارہ پھرتی ہیں اور ان میں بعض عورتیں علاقے میں بے حیائی اور فحاشی کا سبب بھی بنتی ہیں تو اب پوچھنا یہ ہے کہ ان کی عورتوں کو گھروں میں چھوڑنا اور ہماری عورتوں کا ان سے پردہ کرنا کیسا ہے مزید یہ کہ ان کو صدقہ وخیرات دینا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ ایسی عورتوں کو گھروں میں نہیں چھوڑنا چاہئے اور ان سے عورتوں کو پردہ کرنا چاہئے

چونکہ یہ عورتیں پیشہ ور بھیک مانگنے والیاں ہیں اس لئے ان کو صدقہ و خیرات بھی نہیں دینا چاہئے۔

لما فی بذل المجهود:(۲/۵۲طبع:مکتبة الشیخ)

قال قال رسول الله ﷺ للسائل حق وان جاء علیٰ فرس .... وهذا العله باعتبار القرون الاولیٰ واما فی هذا الزمان فنشاهد کثیرا من الناس اتخذوا السؤال حرفتهم ولهم فضول مال فحینئذ یحرم السؤال ویحرم علی الناس اعطائهم والله اعلم

ولما فی رد المحتار:(۱/۴۷۱، طبع:سعید)

ولا تنبغی للمرأة الصالحة ان تنظر الیها المرأة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها کما فی السراج

ولما فی التنویر مع الدر والرد:(۲/۲۵۴ طبع:سعید)

(ولا)یحل ان (یسأل)شیأ من القوت (من له قوت یومه)بالفعل او بالقوة کالصحیح المکتسب و یأثم معطیه ان علم بحاله لاعانته علی المحرم

و قال الشامی تحته (قوله ولا یحل ان یسأل الخ)قید بالسؤال لان الاخذ بدونه لا یحرم، بحر و قید بقوله شیأ من القوت لان له سؤال ما هو محتاج الیه غیر القوت ـــ قوله (کالصحیح المکتسب)لانه قادر بصحته و اکتسابه علی قوت الیوم بحر قوله (و یاثم معطیه)قال الاکمل فی شرح المشارق واما الدفع الی مثل هذا السائل عالما بحاله فحکمه فی القیاس الاثم به لانه اعانة علی الحرام لکنه یجعل هبة وبالهبة للغنی او لمن لا یکون محتاجا الیه لایکون آثما ای لان الصدقة علی الغنی هبة کما ان الهبة للفقیر صدقة لکن فیه ان المراد بالغنی من یملک نصابا اما الغنی بقوت یومه فلا تکون الصدقة علیه هبة فما فر منه وقع فیه افاده فی النهر وقال فی البحر لکن یمکن دفع القیاس المذکور بان الدفع لیس اعانة علی المحرم لان الحرمة فی الابتداء انما هی بالسؤال وهو متقدم علی الدفع ولا یکون الدفع اعانة الا لو کان الاخذ هو المحرم فقط فلیتأمل قال المقدسی فی شرحه وانت خبیر بان الظاهر ان مرادهم ان الدفع الی مثل هذا یدعوا الی السؤال علی الوجه المذکور وبالمنع ربما یتوب عن مثل ذلک فلیتأمل

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۲۷۷

﴿نفلی صدقات کی تفصیل بمعہ چند احکام﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں کہ (۱) اگر کسی کو کھانا کھلایا جائے اور صدقہ کی نیت نہ ہو تو یہ صدقہ ہوگا؟

(۲) مانگنے والے کو جو رقم دی جائے تو یہ بھی صدقہ شمار ہوگا؟

(۳) جو سائل اللہ تعالیٰ کے نام سے مانگے اور ہم نہ دیں تو اس میں گناہ تو نہیں؟

(۴) سائل کو مال صدقہ کے علاوہ مال زکوٰۃ بھی دیا جاسکتا ہے؟

(۵) صدقہ وخیرات کی رقم مسجد اور مدرسہ کے مصارف میں لائی جاسکتی ہے؟ باحوالہ جواب عنایت فرماکر عنداللہ ماجور ہوں مستفتی: حبیب الرحمٰن شورکوٹی

﴿جواب﴾ کسی شخص کو غریب اور ضرورت مند سمجھ کر اعانت وامداد کے طور پر ثواب کی نیت سے جو کچھ دیا جائے شریعت کی اصطلاح میں وہ صدقہ کہلاتا ہے خواہ وہ فرض وواجب ہو، جیسے زکوٰۃ، صدقہ فطر، یا نفلی ہو جس کو ہماری زبان میں امداد اور خیرات کہا جاتا ہے۔

اور اگر عقیدت ومحبت، اعزاز واکرام کی وجہ سے اپنے استاد، شیخ یا کسی محبوب وغیرہ کی خدمت میں کچھ پیش کیا جائے تو وہ ہدیہ (تحفہ) کہلاتا ہے واضح رہے کہ فرض اور واجب صدقات کیلئے دینے والے کی نیت اور مستحق کی بلاعوض تملیک شرط ہے جبکہ نفلی صدقات وخیرات میں یہ چیزیں ضروری نہیں ہیں، مذکورہ بالا تمہید کے بعد بالترتیب جوابات ملحوظ ہوں:

(۱) کسی شخص کو غریب اور ضرورت مند سمجھ کر ثواب کی نیت سے کھانا کھلایا جائے تو نفلی صدقہ کا ثواب ملے گا اور اگر عقیدت ومحبت اور تعظیم کی وجہ سے کھانا کھلایا جائے تو پھر ہدیہ کا ثواب ملے گا بسا اوقات ہدیہ کا ثواب صدقہ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

لمافی المرقاۃ شرح المشکوٰۃ: (۲۸۷/۴ طبع رشیدیہ)

قیل: ھی منحۃ لثواب الآخرۃ والھدیۃ ان یملک الرجل تقربا الیہ واکراما لہ ففی الصدقۃ نوع ترحم وذل للآخذ ولذلک حرمت علی النبی ﷺ بخلاف الھدیۃ۔۔۔ الخ۔

(۲) کسی سائل کو ضرورت مند سمجھ کر جو رقم دی جائے تو یہ بھی صدقہ میں شمار ہوگا اور نفلی صدقہ کا ثواب ملے گا۔

لمافی سنن ابی داود: (۲۳۸/۱ رحمانیہ)

عن ابی سعید عن النبی ﷺ قال ایما مسلم کسی مسلما ثوبا علی عری کساہ اللہ من خضر الجنۃ وایما مسلم اطعم مسلما علی جوع اطعمہ اللہ من ثمار الجنۃ وایما مسلم سقا مسلما علی ظما سقاہ اللہ عزوجل من الرحیق المختوم۔

(۳) سائل اللہ تعالیٰ کے نام پر مانگنے سے مستحق نہیں بنتا اور نہ دینے میں کوئی گناہ نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ کے نام کے تقدس اور اعزاز کا تقاضا یہ ہے کہ اسے خالی ہاتھ نہ لوٹایا جائے بلکہ کچھ دے دینا چاہیے۔

لمافی سنن ابی داود:(۲۲۷/۱،طبع رحمانیه)

عن عبدالله بن عمرؓ قال رسول الله ﷺ من استعاذ بالله فاعیذوه ومن سأل بالله فاعطوه ومن دعاکم فاجیبوه ومن صنع الیکم معروفا فکافئوه فان لم تجدوا ماتکافئونه فادعوا له حتی تروا انکم قد کافأتموه.

(۴) لوگوں سے مانگنے والے چونکہ عام طور پر پیشہ ور ہوتے ہیں اور قرآن وحدیث کی رو سے اصل فقیر ومسکین وہ ہے جس نے حیا کی وجہ سے اپنی غربت وافلاس چھپایا ہو تاہم اگر مانگنے والے کی ظاہری حالت فقیرانہ ہے تو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائیگی۔

لمافی سنن ابی داود:(۲۲۲/۱،طبع رحمانیه)

عن عبیدالله بن عدی بن الخیار اخبرنی رجلان انهما اتیا النبی ﷺ فی حجة الوداع وهو یقسم الصدقة فسئلاه منها فرفع فینا البصر وخفضه فرآنا جلدین فقال ان شئتما اعطیتکما ولاحظ فیها لغنی ولا لقوی مکتسب.

(۵) مسجد اور مدرسہ کے مصارف میں نفلی صدقات، خیرات خرچ کر سکتے ہیں، مال زکوٰۃ اور صدقات واجبہ میں سے بلاعوض کسی کو مستحق بنانا ضروری ہے، لہٰذا جن مدارس دینیہ میں مستحق طلباء زیر تعلیم ہوں، وہاں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ بھی دے سکتے ہیں اور جن مصارف میں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا استعمال درست نہ ہو، جیسا کہ تعمیر مساجد، مدارس، تکفین میت وغیرہ تو اس میں فقہاء نے حیلہ تملیک کا طریقہ بتایا ہے کہ پہلے کسی فقیر اور مسکین کو مالک بنایا جائے پھر وہ اپنی رضا اور رغبت کے ساتھ ان مصارف میں خرچ کرے، واضح رہے کہ حیلۂ تملیک سے معروف طریقہ پر حیلہ کرنا مراد نہیں ہے کہ دینے والا بھی جانتا ہے کہ اس کو مستقل مالک نہیں بنایا اور لینے والا بھی جانتا ہے کہ مجھے یہ رقم مستقل نہیں مل رہی صرف حیلہ کے طور پر دی جا رہی ہے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

لمافی قوله تعالی:(سورة التوبة،آیت ۶۰) انما الصدقات للفقراء والمساکین ...... الآیة.

ولمافی الدر المختار:(۳۴۰/۲،طبع سعید) ان طالب العلم یجوز له اخذ الزکاة الخ.

ولمافی الدر المختار:(۲۷۱/۲،طبع سعید)

وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد.

واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروت الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۶۹۱ ۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

﴿باپ کی صدقہ کی ہوئی رقم بیٹا واپس نہیں لے سکتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میرے چچا نے میری شادی کے وقت میری غربت کیوجہ سے مجھے بیس ہزار روپے دیئے تھے جس پر میں نے مہمانوں کی ضیافت کی تھی میرے چچا نے نہ اس وقت کچھ کہا تھا کہ یہ قرض ہے اور نہ بعد میں کسی کو بتایا ہے، میری شادی کے تقریبا تین سال بعد چچا کا انتقال ہوا ہے، اب انکی وفات کے دو سال ہونے کو ہیں اب انکا بڑا بیٹا کہتا ہے کہ میرے والد صاحب نے آپکو بطور قرض بیس ہزار روپے دیے تھے اور مجھ سے واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے تو کیا مجھ پر شرعا بیس ہزار روپے واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور وہ مطالبہ کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: نور رحمٰن دیروی

﴿جواب﴾ بظاہر آپکے چچا نے بغرض تعاون آپ پر احسان کیا ہے اور یہ صدقہ کے حکم میں ہے چچازاد بھائی کو مطالبہ کا حق نہیں ہے، البتہ چچازاد بھائی اگر گواہوں کے ذریعے ثابت کردے کہ انکے والد نے بطور قرض یہ مال دیا تھا تو ایسی صورت میں لوٹانا واجب ہوگا۔

لمافی تنویر الابصار: (۷۰۹/۵، طبع سعید)

(والصدقة كالهبة لا تصح غير مقبوضة ولا في مشاع يقسم ولا رجوع فيها)

ولمافی ردالمحتار: (۶۸۸/۵، کتاب الهبة، طبع سعید)

قلت: فتدافاد ان التلفظ بالايجاب والقبول لايشترط بل تكفي القرائن الدالة على التمليك كمن دفع لفقير شيئا وقبضه ولم يتلفظ واحد منهما بشئ.

ولمافی شرح المجلة: (۳۸۵/۲، المادة: ۸۶۶، طبع رشیدیه)

(من وهب لاصوله وفروعه أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما أو لعمه او لعمته شيئا فليس له الرجوع)

ولمافيها ايضا: (۳۹۷/۲، المادة: ۸۷۲، طبع رشيديه)

(وفاة كل من الواهب والموهوب له مانعة من الرجوع بناء عليه ليس للواهب الرجوع عن الهبة اذا توفي الموهوب له. كذلك ليس للورثة استرداد الموهوب اذا توفي الواهب)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر:

﴿صدقہ کی رقم غریب اپنی صوابدید پر خرچ کرسکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص نفلی صدقہ دے کر یہ

فرمائے کہ اس کو صرف فلاں مخصوص چیز میں استعمال کرو یعنی اس سے آپ کتابیں لے لو اب پوچھنا یہ ہے کہ اس نفلی صدقہ سے وہی مخصوص چیز لینا ضروری ہے یا اس سے کوئی دوسری چیز بھی لے سکتے ہیں؟

﴿جواب﴾ دراصل صدقہ ہبہ کی طرح ہے صدقہ پر قبضہ کرنے سے یہ شخص مالک ہوجاتا ہے اب یہ مختار ہے کہ اس سے جو چیز خریدنا چاہے خرید سکتا ہے اس میں شرط لگانے کی کوئی گنجائش نہیں جس طرح ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا اس طرح صدقہ بھی شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔ صدقہ یا ہبہ پر قبضہ کرنے کے بعد انسان خود مالک ہوجاتا ہے اور مالک کو مملوکہ چیز میں اپنی مرضی سے ہر طرح تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے البتہ بطور صدقہ یا ہبہ کوئی دیدے تو اس کا احسان بھی ہے اور احسان کا تقاضہ یہ ہے کہ احسان کرنے والے کی فرمائش کا بھی خیال رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے اس لئے کتابوں کے علاوہ کوئی چیز لینا اگرچہ جائز ہے تاہم احسان کا تقاضہ یہ ہے کہ کتب ہی خرید لے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۵/۷۰۹، فصل فی مسائل المتفرقہ، طبع: سعید کراچی)

(والصدقة كالهبة) بجامع التبرع وحينئذ (لا تصح غير مقبوضة ولا مشاع يقسم ولا رجوع فيها) ولو على غنی لان المقصود فيها الثواب لا العوض.

ولما فی الھندیۃ:(۴/۲۲۳، طبع: قدیمی)

قال اصحابنا جميعا انه لو وهب هبة وشرط فيها شرطا فاسدا فالهبة جائزة والشرط باطل كمن وهب لرجل امة فاشترط عليه ان لا يبيعها او شرط عليه ان يتخذها ام ولد او ان يبيعها من فلان او يردها عليه بعد شهر فالهبة جائزة وهذه الشروط كلها باطلة كذا فی السراج الوهاج.

ولما فی الھدایۃ:(۳/۲۹۵، فصل فی الصدقة، طبع: رحمانیہ، لاہور)

قال والصدقة كالهبة لا تصح الا بالقبض لانه متبرع كالهبة فلا يجوز فی مشاع يحتمل القسمة لما بينا فی الهبة ولا رجوع فی الصدقة.

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۴۰۴۴

﴿باب فی العشر﴾

﴿عشر کے مسائل﴾

﴿وجوب عشر کیلئے بالغ ہونا شرط نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس طرح بچے کے مال میں زکوٰۃ

واجب نہیں ہوتی ،تو کیا بچے کی زمین میں پیدا ہونے والی پیداوار میں عشر دینا اسکے ذمہ لازم ہے؟

﴿جواب﴾ وجوب عشر میں جسطرح نصاب کا ہونا شرط نہیں ہے ،تو اسی طرح زمین کا مالک ہونا یا بالغ ہونا بھی شرط نہیں ۔ بلکہ جب بھی مالک زمین سے پیدوار حاصل کرے ، چاہے بالغ ہو یا نابالغ ،اگر وہ زمین نہری ہے ،تو نصف عشر اور اگر بارانی ہے ،تو عشر واجب ہوگا۔

لما فی الشامی:(۲/۲۵۸،طبع:سعید)

(قوله عقل وبلوغ)فلا تجب علی مجنون وصبی لانها عبادة محضة ولیسا مخاطبین بها، وایجاب النفقات والغرامات لکونها من حقوق العباد والعشر وصدقة الفطر لا ن فیها معنی المؤنة.

ولما فی البحر الرائق:(۲/۲۰۲،طبع:سعید)

واما نفقات، والغرمات فی مالهما فلانهما من حقوق العباد لعدم التوقف علی النیه وأما ایجاب العشر والخراج وصدقة الفطر فلانها لیست عبادة محضة لما عرف فی الاصول.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:ارشد سعید کوہائی

۴رجب المرجب ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر:۳۳۳۲

﴿سبزی، درختوں اور چارے میں عشر کے متعلق ایک سوال﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جانوروں کے چارے کے طور پر ایک فصل کاشت کی جاتی ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ کاٹنے کے بعد دوبارہ اگتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ فصل میں ہر دفعہ کاٹنے کے بعد عشر دینا ہوگا یا صرف پہلی مرتبہ کاٹنے کے بعد؟ نیز کھیتوں میں جو اپنے استعمال کیلئے سبزیاں لگائی جاتی ہیں کیا ان میں بھی عشر واجب ہے؟ اس طرح کھیتوں اور نالیوں کے کناروں پر جو غیر پھلدار درخت ہوتے ہیں کیا ان میں بھی عشر واجب ہے؟ بینوا توجروا۔ مستفتی:ابوحمزہ کوہائی

﴿جواب﴾ ایسی پیداوار میں ہر دفعہ کاٹنے کے بعد عشر ادا کرنا لازم ہے ایک دفعہ کافی نہیں اور کھیتوں میں جو سبزیاں اگائی جاتی ہیں چاہے اپنے استعمال کیلئے ہوں یا بیچنے کی غرض سے ہوں ان میں بھی عشر واجب ہے بشرطیکہ ایک صاع یا کم از کم نصف صاع (۳،۱۸۰ کلوگرام) تک پہنچ جائے اور جہاں تک غیر پھلدار درختوں میں عشر کا تعلق ہے تو اس بارے میں یہ بات یاد رہے کہ اگر وہ درخت کھیتوں کے کناروں پر لگے ہوئے ہوں تو ان میں عشر واجب نہیں لیکن اگر ان کا باغ لگایا جائے تو ایسی صورت میں ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔

لما فی الشامی:(۳۲۷/۲،طبع سعید)

حتی لو اخرجت الارض مرارا وجب فی کل مرۃ(قولہ بلا شرط نصاب)وبقاء فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعا وقیل نصفہ وفی الخضروات التی لاتبقی وھو قول الامام وھو الاصح.

ولما فی الجوھرۃ:(ص ۱۶۱، مکتبہ میر محمد)

(قال ابو حنیفۃ فی قلیل ما اخرجت الارض وکثیرہ العشر)حد القلیل الصاع فمادونہ لاشیء فیہ.

ولما فی تنقیح الحامدیۃ:(۹/۱ طبع حقانیہ پشاور)

ولو جعل أرضہ مشجرۃ او متصبۃ یقطعہا ویبیعہا فی کل سنۃ کان فیہ العشر وکذا لو جعل التت فیہا للدواب.

ولما فی المحیط:(۲۶۲/۳،طبع ادارۃ القران کراچی)

أرض عشر فیہ شجر لیس لہ ثمر مثل التوت والخلاف قال لاعشر فیہ لان مالیس لہ ثمر من الشجر فہو حطب وبعض مشائخنا قالوا اذا استنمی الرجل ارضہ بقوائم الخلاف اوبالقصب وما اشبہہما وکان یقطع ویبیع یجب فیہ العشر عند ابی حنیفۃ فانہ حسن

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمٰن کوہائی

۱۱ربیع الاول ۱۴۳۲ھ   فتویٰ نمبر:۳۰۵۵

﴿پہاڑوں میں لگے ہوئے درختوں کے پھلوں میں عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ہمارا پہاڑی علاقہ ہے جس میں چلغوزہ کے درخت بڑے کثرت سے پائے جاتے ہیں یہ درخت کسی کی ملکیت نہیں ہیں، ہر سال لوگ بڑی تعداد میں جا کر چلغوزہ توڑتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان پہاڑوں کے درختوں سے جو پھل حاصل کئے جاتے ہیں ان میں عشر ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا اس کا کوئی نصاب بھی ہے؟

﴿جواب﴾ پہاڑوں کے درختوں سے جو پھل چلغوزہ وغیرہ حاصل کئے جاتے ہیں ان میں بھی عشر ہے اور اس میں نصاب کی بھی کوئی شرط نہیں، ہاں اگر نصف صاع سے کم ہو تو ایسی صورت میں عشر نہیں ہے کیونکہ پیداوار میں عشر کے لئے ضروری ہے کہ پیداوار کیل اور وزن کے معیار شرعی (نصف صاع) سے کم نہ ہو۔

لما فی التنویر مع الدر:(۳۲۵/۲ طبع سعید)

(یجب العشر(فی عسل)وان قل(ارض غیر الخراج)ولو غیر عشریۃ کجبل ومفازۃ.. (وکذا) یجب العشر (فی ثمرۃ جبل اومفازۃ ان حماہ الامام)لانہ مال

مقصودة أي لا شرط نصاب لو بقاء، راجع للكل.

وفي الشامية (قوله في ثمرة جبل) يدخل فيه القطن لأن الثمر اسم لشيء متفرع من أصل يصلح للزرع والنبات ... والمشهور ما في المغرب أنه اسم لكل ما يستطعم من أحمال الشجر ويجب العشر ولو كان الشجر غير مملوك ولم يعالجه أحد (قوله إن حماه الإمام) الضمير عائد إلى المذكور وهو العسل والثمر والظاهر أن المراد الحماية من أهل الحرب والبغاة وقطاع الطريق لا عن كل أحد لأن ثمر الجبل مباح لا يجوز منع المسلمين عنه. (قوله لأنه مال مقصود) أي مقصود للإمام بالحفظ أو مقصود بالأخذ فلذا اشترط حمايته حتى يجب فيه العشر. (قوله بلا شرط نصاب أو بقاء) فيجب فيما دون النصاب بشرط أن يبلغ صاعا وقيل نصفه

ولما في الهداية: (۲/ ۸۳ مطبع رحمانيه)

وما دون نصف الصاع فهو في حكم الحفنة لأنه لا تقدير في الشرع بما دونه.

ولما في الهندية: (۱/ ۱۸۶ مطبع رشيديه)

وما يجمع من ثمار الأشجار التي ليست بمملوكة كأشجار الجبال يجب فيها العشر.

ولما في الهداية على صدر فتح القدير: (۲/ ۲۵۵ مطبع رشيديه)

وكذا في قصب السكر وما يوجد في الجبال من العسل والثمار ففيه العشر وعن أبي يوسف أنه لا يجب لانعدام السبب وهو الأرض النامية وجه الظاهر أن المقصود حاصل وهو الخارج وفي فتح القدير (قوله أن المقصود حاصل وهو الخارج) فلا يلتفت إلى كونه مالكا للأرض أو غير مالك

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عبد الوہاب عفا اللہ عنہ

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۷۱۴

﴿مشین وغیرہ کے ذریعہ جو کھیت سیراب ہو اس میں نصف عشر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے مہمند ایجنسی کی زمینیں بارانی ہیں وہاں کوئی نہر وغیرہ نہیں ہے لیکن جن لوگوں کے پاس پیسے ہوتے ہیں، وہ لوگ اپنے پیسوں سے وہاں بجلی لگاتے ہیں اور کنواں کھود کر مشین لگاتے ہیں، جس پر تقریباً ۳، ۴ لاکھ خرچہ آتا ہے پھر اس کنوے سے کھیت سیراب کرتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ جو زمینیں مذکورہ کنویں سے سیراب کیجاتی ہیں ان پر عشر ہے یا نصف عشر؟ واضح رہے کہ بجلی کا بل نہیں ہوتا، لیکن بجلی کے کھمبے، تاریں اور ٹرانسفارمر وغیرہ اپنے پیسوں سے لیتے ہیں اور ایک آدمی مسلسل مشین چلانے کیلئے بیٹھا رہتا ہے۔

﴿جواب﴾ جو زمینیں کنویں سے مشین وغیرہ کے ذریعے سیراب کی جاتی ہیں اور سیراب

کرنے میں مشقت بھی ہوتی ہے اس پر نصف عشر ہے۔

لمافی الهداية:(۲۱۸/۱طبع رحمانیه)

وماسقى بغرب اودالية او سانية ففيه نصف العشر على القولين لان المؤنة تكثر فيه وتقل فيما يسقى بالسماء اوسيحا.

ولمافی الدرالمختار:(۳۲۸/۲طبع سعید)

ويجب نصفه فی مسقی غرب اودلو کبیر ودالية ای دولاب لكثرة المؤنة وفی كتب الشافعية او سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تأباه.

وفی الشامية:لان العلة فی العدول عن العشر الى نصفه فی مسقی غرب ودالية هی زيادة الكلفة كما علمت وهی موجودة فی شراء الماء.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:فرمان اللہ غفرلہ

۴جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۹۳۶

﴿کھاد اور اس جیسے دوسرے خرچوں کی وجہ سے عشر میں کمی کرنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب!پہلے زمانے میں لوگ کاشتکاری کرتے تھے تو صرف ہل چلا کر اور پانی لگا کر پیداوار حاصل کرتے تھے لیکن موجودہ دور میں ٹریکٹروں کے ذریعے سے ہل چلائے جاتے ہیں اور پھر زمین میں کیمیائی کھاد ڈالنی پڑتی ہے اور ساتھ ساتھ کیڑے مار اسپرے اور دوائیاں ڈالی جاتی ہیں اور دوسرے گوڈی وغیرہ کرائی جاتی ہے تو آیا ہماری ان زمینوں میں عشر (یعنی دسواں) واجب ہوگا یا نصف عشر یعنی بیسواں حصہ؟

﴿جواب﴾ بارانی زمینوں کی پیداوار میں عشر واجب ہے اور جن زمینوں کو سیراب کرنے میں خرچے ہوتے ہیں مثلاً ٹیوب ویل کے ذریعے یا کنویں سے سیراب ہونے والی زمینیں تو ایسی پیداوار میں عشر کا آدھا یعنی بیسواں ادا کرنا ضروری ہے،باقی ہل چلانے ،کھاد ڈالنے اور کٹائی تھریشر وغیرہ کے خرچے عشر کی مقدار واجب پر مزید اثر انداز نہیں ہونگے۔

لمافی الشامی:(۳۲۸/۲طبع سعید)

(و)يجب (نصفه فی مسقی غرب)ای دلو كبير(ودالية)ای دولاب لكثرة المؤنة—(قوله لكثرة المؤنة)علة لوجوب نصف العشر فی ماذكر.

ولمافی الهداية:(۲۱۸/۱طبع رحمانيه)

قال وماسقى بغرب اودالية او سانية ففيه نصف عشر على القولين لان المؤنة تكثر فيه.

ولما فی البحر الرائق:(۲/۲۲۸،طبع سعید)

(قوله ونصفه فی مسقی غرب ودالیة)ای یجب نصف العشر فی ماسقی بآلة للحدیث والغرب دلو عظیم والدالیة دولاب عظیم تدیره البقر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

واللہ اعلم بالصواب:محمد وارث سواتی فتویٰ نمبر ۱۷۴۴

﴿فصل تیار ہونے سے قبل فروخت کرنے پر عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اگر اپنے کھیت کی فصل کو کاٹنے سے پہلے کسی دوسرے شخص کو فروخت کردے تو فصل کاٹنے کے بعد عشر کی ادائیگی کس کے ذمہ واجب ہوگی؟

مستفتی:فضل علی

﴿جواب﴾ فصل تیار ہونے کے بعد اگر فروخت کی جائے تو عشر کی ادائیگی بائع (بیچنے والے) کے ذمہ ہے،البتہ اگر کچی فصل کو فروخت کردیا اور مشتری کی ملکیت میں فصل تیار ہوئی تو اس صورت میں عشر مشتری (خریدنے والے) کے ذمہ واجب ہے۔

لما فی الهندیة:(۲/۲۰۶،طبع قدیمی)

واذاباع الاض العشریةوفیهازرع قدأدرک مع زرعهاأوباع الزرع خاصةفعشره علی البائع دون المشتری ولوباعهاوالزرع بقل ان قصله المشتری فی الحال یجب علی البائع ولوترکه حتی ادرک فعشره علی المشتری.

ولما فی الدر المختار:(۲/۲۷۱،طبع امدادیه)

ولوباع الزرع ان قبل ادراکه فالعشرعلی المشتری ولوبعده فعلی البائع وکذافی بدائع الصنائع:(۲/۵۶،طبع سعید)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

واللہ اعلم بالصواب:رضوان اللہ فتویٰ نمبر:۱۷۹۱

﴿فصل تیار ہونے کے بعد والے خرچے نکال کر کے عشر ادا کیا جائیگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ بارانی زمین سے زکوٰۃ وعشر میں دسواں حصہ اور کسی اور ذریعے سے سیراب کی ہوئی زمین میں سے بیسواں حصہ زکوٰۃ وعشر میں ادا کیا جاتا ہے،مگر جو چیز زمین سے پیدا ہوتی ہے اسکی زکوٰۃ کب ادا کروں؟ کیا خرچہ نکال کر

زکوٰۃ ادا کروں یا خرچہ نکالنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کروں خرچے سے میرا مطلب کھیتی باڑی یا پانی لگانے کا خرچ نہیں ہے بلکہ کھیتی وغیرہ پک جانے کے بعد مزدور کا خرچ، مارکیٹ تک لانے کا خرچ مثلاً کریٹ یا بوری کا خرچ، گاڑی کا خرچ، چونگی اور کمیشن کا خرچ مراد ہے۔

میں نے جن علماء سے زبانی پوچھا ہے انھوں نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ کسی قسم کا خرچ نہیں نکال سکتے اور آپکو اختیار ہے کہ زکوٰۃ وہیں اپنے باغ و کھیتی میں ادا کریں یا مارکیٹ میں فروخت ہونے کے بعد ادا کریں لیکن آپ خرچہ کسی قسم کا نہیں نکال سکتے، اب اگر زمیندار اپنی زکوٰۃ باغ و کھیتی میں ادا کرتا ہے تو اس میں زمیندار کو تو فائدہ ہے مگر فقراء و مساکین کو اس میں نقصان ہے، کیونکہ صرف فروٹ وغیرہ دینے سے فقراء و مساکین کی حاجات پوری نہیں ہوتیں بلکہ فقیر کا فائدہ تو اس میں ہے کہ اس مال کو مارکیٹ میں فروخت کر کے نقد رقم سے زکوٰۃ ادا کی جائے تاکہ انکی ضروریات و حاجات پوری ہوسکیں۔

لہذا گزارش ہے کہ سبزی اور پھل فروٹ کی زکوٰۃ ادا کرنے کی ایسی صورت بتائی جائے جس میں فقراء و مساکین کا بھی فائدہ ہو اور زمیندار کا فرض بھی پوری طرح ادا ہو جائے، جواب تفصیل سے اور مدلل عنایت فرمائیں، اور اس جواب کی بنیاد فتویٰ پر ہو تقویٰ پر نہ ہو کیونکہ آجکل کے پرفتن دور میں لوگ فرائض سے چشم پوشی کرتے ہیں تقویٰ تو دور کی بات ہے۔ مستفتی: موسیٰ جان کاکڑ

﴿جواب﴾ باغ اور کھیتی سے حاصل شدہ پیداوار پر جتنے اخراجات ہوتے ہیں یعنی زمین کو کاشت کے قابل بنانے سے لیکر پیداوار حاصل ہونے اور اس کو سنبھالنے تک جو اخراجات ہوتے ہیں مثلاً ہل چلانا، زمین کو جڑی بوٹیوں سے خالی کرنا، اسے ہموار کرنا، تخم ریزی کرنا، آب پاشی کرنا، کھاد ڈالنا، فروٹ کی حفاظت کیلئے سپرے وغیرہ کرنا اور مزدوروں کو کٹائی وغیرہ کی اجرت دینا، خلاصہ یہ کہ پیداوار حاصل کرنے تک تمام مراحل میں جتنے اخراجات آتے ہیں وہ فقہی اصطلاح میں "مئونۃ الزرع" کہلاتے ہیں، بلاشبہ یہ خرچہ عشر ادا کرنے سے پہلے پیداوار سے منہا نہیں کیا جائیگا بلکہ پوری پیداوار سے عشر (دسواں یا بیسواں) نکالا جائیگا۔

ولما فی مجمع الأنھر: (۲۱۶/۱) وفی الشامیة: (۳۲۸/۲)

قوله المئونة المثقل و المعنی بلا اخراج ما صرف له من نفقة العمال و البقر و کری الأنهار وغیرها مما یحتاج الیه فی الزرع۔۔۔

اور اگر مالک اس فروٹ وغیرہ کو یہاں سے دور کسی منڈی میں لیجانا چاہے اور ابھی تک عشر نہیں نکالا گیا تھا تا کہ فروٹ زیادہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کیا جائے جس میں فقراء کا بھی فائدہ ہے اور اس فروٹ کو یہاں سے لیکر منڈی تک پہنچانے پر کرایہ، پیکنگ وغیرہ کا خرچہ ہوجائے تو اس صورت کا کوئی صریح جزئیہ تو نہیں ملا لیکن اس کی نظیروں اور دلائل میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خرچہ پیداوار کی کل رقم سے نکالکر بعد میں عشر دیا جائے، مثلاً باغ سے حاصل شدہ فروٹ اگر اپنے مقام پر فروخت کیا جائے تو اسکی قیمت بیس (۲۰۰۰۰۰۰) لاکھ روپے ہیں، اور اگر اسے منڈی تک پہنچایا جائے تو اس پر مزید دس (۱۰۰۰۰۰۰) لاکھ روپے خرچ ہونگے لیکن منڈی میں اس فروٹ کی قیمت پچاس (۵۰۰۰۰۰۰) لاکھ روپے ہوگی۔

اس صورت میں مالک اگر باغ یا کھیتی میں عشر ادا کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے کہ اسی باغ میں فروٹ کی جو قیمت ہے اسی میں سے عشر یعنی ایک (۱۰۰۰۰۰) لاکھ روپے ادا کریں یا عمدہ اور گھٹیا قسم کے فروٹ ملا کر اسی فروٹ کا عشر ادا کریں۔

اور اگر فروٹ کو عشر نکالے بغیر منڈی تک پہنچایا جائے تو فروٹ کی کل رقم یعنی پچاس (۵۰۰۰۰۰۰) لاکھ روپے سے کرایہ وغیرہ پر خرچ شدہ رقم یعنی دس (۱۰۰۰۰۰۰) لاکھ روپے نکال کر چالیس (۴۰۰۰۰۰۰) لاکھ روپے کا عشر یعنی دو (۲۰۰۰۰۰) لاکھ روپے نکالے جائینگے۔

ولما فی الفتاوی التاتارخانیه: (۳۲۸/۲)

قوله: اذا كانت الأرض عشرية فأخرجت طعاما و فی حمله الی الموضع الذی يعشر فيه مئونة فانه يحمله اليه و تكون المئونة منه.

ولما فی حاشية العلامة الشيخ شبلیؒ علی هامش تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق: (۲۹۲/۱)

قوله و فی للمرغينانی مئونة حمل العشر علی السلطان دون صاحب الأرض.

نیز شریعت نے مال عشر یا زکوٰۃ مستحقین تک پہنچانے کی اصل ذمہ داری حکومت پر عائد کی ہے نہ کہ مالک پر، کہ حکومت وقت عاملین مقرر کرے اور ارباب الأموال سے فقراء کا حق وصول کرے اور پھر فقراء تک پہنچائے۔

ولما فی بدائع الصنائع: (۳۵/۲)

قوله قال الله تعالی: انما الصدقات للفقراء و المساكين و العاملين عليها.....الأية.

فقد بين الله تعالی ذلك بيانا شافيا حيث جعل للعاملين عليها حقا فلو لم يكن

للامام ان يطالب ارباب الأموال بصدقات الأنعام في أماكنها، و كان ادائها الى ارباب الأموال لم يكن لذكر العاملين عليها وجه ، و اما السنة فان رسول الله ﷺ كان يبعث المصدقين الى احياء العرب و البلدان و الأفاق لأخذ الصدقات من الأنعام و المواشي في أماكنها و على ذلك فعل الأئمة من بعده من الخلفاء الراشدين أبي بكر و عمر و عثمان و علي رضي الله عنهم اجمعين.

اب اگر کہیں حکومتی سطح پر اس بات کا انتظام نہیں ہے اور یہ ذمہ داری مالک خود بجالاتا ہے تو کم از کم وہ خرچہ جو فقراء کے مال کو ان تک پہنچانے میں ہو وہ تو واپس لینا ان کا حق بنتا ہے۔

اور جن علماء کرام نے آپ کو باغ سے مارکیٹ تک پہنچانے کا خرچ منہا کئے بغیر عشر ادا کرنے کا فرمایا ہے، سو انہوں نے اس خرچ کو مؤنۃ الزرع میں داخل سمجھا ہے حالانکہ یہ تو بعد کا خرچ ہے مؤنۃ الزرع کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خرچ اس میں شامل نہ ہو، کیونکہ مؤنۃ الزرع اس خرچ کو کہتے ہیں جو پیداوار کو حاصل کرنے تک کیا جائے ، جیسا کہ مجمع الانھر کی عبارت بالا سے واضح ہے. بلکہ یہ خرچ عاملین کے خرچ کے معنی میں ہے یعنی عامل کو فقراء کے مال أرباب الأموال سے حاصل کرنے اور پھر حکومت کے مقرر کردہ مقامات تک پہنچانے اور پھر تقسیم وغیرہ کا انتظام کرنے میں جو کچھ خرچ ہوتا تھا وہ تمام فقراء کے مال سے منہا کیا جاتا تھا، لہذا موجودہ دور میں یہ خرچہ چونکہ خود مالک کرتا ہے تو انکو اپنا خرچ شدہ مال جو فقراء کی خاطر خرچ ہوا ہے واپس لینا چاہیے۔

فقہاء حنابلہ کی عبارات میں تصریح موجود ہے کہ اگر حکومت عاملین کا انتظام نہ کرے تو اس صورت میں مالک زمین عامل کے قائم مقام ہوگا، چونکہ یہ حکم قواعد احناف کے خلاف نہیں ہے لہذا قابل استدلال ہے۔

و لما في كتاب الفروع للامام شمس الدين محمد بن مفلح: (۴۲۲/۲)

و ان لم يبعث الامام خارجا فعلى رب المال من الخرص ما يفعله الساعي ليعرف قدر الواجب قبل التصرف لأنه مستخلف فيه.

(وفي الانصاف ۱۱۱/۳ تأليف شيخ الاسلام المحقق علاؤ الدين علي بن سليمان)

قوله (ويجب ان يترك في الخرص لرب المال الثلث او الربع)(فان لم يفعل فلرب المال الأكل بقدر ذلك ولا يحتسب) نص عليه.وكذا ان لم يبعث الامام ساعيا فعلى رب المال من الخرص مايفعله الساعي ليعرف قدر الواجب قبل ان يتصرف ،لانه مستخلف فيه ولو ترك الساعي شيأ من الواجب أخرجه المالك نص عليه.

ورنہ اگر منڈی تک پہنچانے کا خرچہ منہا کئے بغیر تمام حاصل شدہ قیمت فروخت سے عشر دینا لازم قرار دیا جائے جس میں مالک کا اپنی جیب سے خرچ شدہ رقم دس لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰) روپے بھی شامل ہے تو اس صورت میں مالک سے پیداوار کے علاوہ دوسری نقد رقم کا بھی عشر لیا گیا کیونکہ یہ دس لاکھ روپے زمین سے پیداوار کا حصہ نہیں ہے، فقہا کرام نے عاملین کا خرچہ فقراء کے حصہ سے نکالنے کی حکمت بھی یہی بتائی ہے تاکہ مالک سے پیداوار کے علاوہ مزید کچھ نہ لیا جائے کیونکہ ان کے ذمے فقط پیداوار کا عشر ہے۔ شیخ یوسف قرضاوی اپنی کتاب "فقہ الزکاۃ" میں تحریر فرماتے ہیں:

ولمافی فقه الزكاة:(۵۷۹/۲)

المصرف الثالث من مصارف الزكوة بعد الفقراء والمساكين هم العاملون عليها ويقصد بهم كل الذين يعملون فی الجهاز الاداری لشؤن الزكوة من جباة يحصلونها ومن خزنة وحراس يحفظونها ومن كتبه وحاسبين يضبطون واردها ومصروفها ومن موزعين يفرقونها علی اهلها۔۔۔ كل هؤلاء جعل الله اجورهم فی مال الزكاة لئلا يؤخذ من ارباب الاموال سواها وللتنبيه علی ان تكون للزكاة حصيلة قائمة بذاتها ينفق منها علی القائمين بامرها.

لہٰذا مذکورہ صورت میں صرف چالیس لاکھ روپیہ کا عشر یعنی دو لاکھ روپیہ ادا کرنا ضروری ہے۔

الجواب صحیح: مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی　　　واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمٰن ڈیروی عفی عنہ

دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر۱۴

۱۴۱۳ھ

﴿فصل تیار ہونے کے بعد کے خرچے نکال کر عشر ادا کیا جائے گا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تمباکو کا عشر سبز پتوں سے دینا ہوگا یا اس کی قیمت لگا کر؟ جبکہ تمباکو کو بھٹی میں پکانے پر کافی خرچہ آتا ہے اگر کوئی شخص پک جانے کے بعد عشر ادا کرنا چاہے تو بھٹی میں پکانے کا خرچہ الگ کیا جائے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ کسی بھی فصل میں عشر اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ وہ تیار ہو جائے یعنی استعمال کے قابل ہو جائے اس کے بعد اس پر مزید خرچہ کر کے اس کی قیمت میں اضافہ کیا جائے یا مارکیٹ تک لانے میں جو خرچہ آئے تو اس کا عشر کیساتھ شرعاً کوئی تعلق نہیں یعنی اس خرچے کو پیداوار کی قیمت سے منہا کرنے کے بعد عشر ادا کیا جائے، البتہ پیداوار کے قابل

استعمال ہونے تک جو خرچ آئے وہ منہا نہیں کیا جائیگا، لہٰذا بھٹی میں پکانے کے خرچ کا تعلق فصل سے نہیں ہے، ایسے خرچوں کو منہا کیا جا سکتا ہے۔

لما فی بدائع الصنائع:(۶۳/۲ طبع سعید)

فالواجب جزء من الخارج لانه عشر الخارج أو نصف عشره وذلک جزء ه الأنه واجب من حیث أنه مال لا من حیث انه جزء حتیٰ یجوز اداء قیمته عندنا.

ولما فی الشامی:(۳۲۸/۲ طبع سعید)

(قوله بلا رفع مؤن)أی یجب العشر فی الأول ونصفه فی الثانی بلا رفع أجرة العمال ونحو ذلک قال فی الفتح یعنی لا یقال بعدم وجوب العشر فی قدر الخارج الذی بمقابلة المؤنه بل یجب العشر الکل.....فعلمنا أنه لم یعتبر شرعاً عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوی للمؤنة اصلاً.

ولما فی الهندیة:(۱۸۷/۱ طبع رشیدیه)

ولا تحسب أجرة العمال ونفقة البقر وکری الانهار وأجرة الحافظ وغیره ذلک.

ولما فی بدائع الصنائع:(۶۲/۲ طبع سعید)

ولا یحتسب لصاحب الارض ما أنفق علی الغلة من سقی أو عمارة أو أجر الحافظ أو أجر العمال أو نفقة البقر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی غفرلہ

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۲۹

﴿سبزیوں میں عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر لوگ سبزیوں میں عشر ادا نہیں کرتے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عشر صرف گندم، چاول، مکئی وغیرہ میں ادا کیا جاتا ہے باقی چیزوں میں نہیں۔ براہ کرم اسکی وضاحت فرمائیں کہ سبزیوں میں بھی عشر ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ عشر زمین کی ہر قسم کی پیداوار میں واجب ہے بشرطیکہ پیداوار سے آمد مقصود ہو اور کم از کم ایک صاع یا نصف صاع کی مقدار میں حاصل ہو، لہٰذا سبزیوں اور پھلوں میں بھی عشر واجب ہے۔

ولما فی التاتارخانیة:(۲۲۲/۲ طبع قدیمی)

کالبقول والباذنجانات والبطیخ والقثاء وفی السغناقی "الخضروات" الفواکه کالتفاح و الکمثری وغیرهما، والبقول کالکراث وعند ابی حنیفة یجب.

ولمافی الشامی:(۲/۳۲۵-۳۲۷،طبع سعید)

لاتخرج حقها یوم الحصاد ای القطع بل بعد التنقیة والکیل لیظهر مقدارها علی انه عند ابی حنیفةؒ یجب العشر فی الخضروات.....بل لمایخرج منه وهو الخضروات، وفیها العشر کمامر قال فی البدائع للخضروات کالبقول والرطاب والخیار والبصل والثوم ونحوها اه وفی البحر، ویجب فی العصفر الکتان وبزره لان کل واحد منهامقصود فیه.

ولمافی شرح الوقایة:(۱/۲۹۳،طبع امدادیه)

واعلم أن ..ندابی حنیفةؒ یجب فی الخضروات صدقة یؤدیها المالک الی الفقیر لانه یاخذها السلطان.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمدوارث خان سواتی

۱۵جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۴۷۶

﴿خودروگھاس میں عشر کاحکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری زمین میں خود روگھاس بکثرت ہے،ہم اس کی حفاظت کرتے ہیں اوردوسروں کواس میں آنے جانے سے روکتے ہیں توکیااس میں عشرواجب ہے؟ مستفتی:ابوحیات سواتی

﴿جواب﴾ خودروگھاس میں اگرچہ عشرواجب نہیں لیکن جب اسکی حفاظت کرکے اسکو باقاعدہ ذریعہ آمدنی بنایاجائے توپھراس میں بھی عشرواجب ہے۔

لمافی العالمگیریة:(۱/۱۸۶،طبع رشیدیه)

فلاعشرفی الحطب والحشیش والقصب والطرفاء والسعف لان الاراضی لاتستنمی بهذه الاشیاء بل تفسدهاحتیٰ لواستنمیٰ بقوائم الخلاف والحشیش والقصب وغصون النخل اوفیهادلب اوصنوبرونحوهاوکان یقطعه ویبیعه یجب فیه العشرکذافی المحیط.

ولمافی التاتارخانیة:(۲/۲۲۵،طبع قدیمی)

و"الحشیش"یریدبه الذی ینبت بغیرزراعة،الاتری ان الرطبة حشیشة یجب فیه العشر.

ولمافی الشامی:(۲/۳۲۷،طبع سعید)

(قوله حتیٰ لواشغل ارضه بهایجب العشر)فلواستنمیٰ ارضه بقوائم الخلاف وماشبهه اوبالقصب اوالحشیش وکان یقطع ذلک ویبیعه کان فیه العشر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمدوارث خان سواتی

۱۴جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۵۳۵

﴿نہری زمین میں نصف عشر کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم اپنی زمینوں کو نہری پانی سے سیراب کرتے ہیں اور اس نہری پانی پر کوئی محصول نہیں آتا تو آیا ہماری ان زمینوں میں عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہوگا؟

﴿جواب﴾ ایسی زمینوں کی پیداوار میں سے عشر (دسواں حصہ) دینا واجب ہوگا۔

لما فی الشامی:(۳۲۶/۲ طبع سعید)(وتجب فی (مسقی سماء)ای مطر(وسیح)کنھر.

ولما فی الھدایۃ:(۲۱۸/۱ طبع رحمانیہ)

قال ابو حنیفۃ فی قلیل ما اخرجتہ الارض وکثیرہ العشر سواء سقی سیحاً او سقتہ السماء.

ولما فی البحر الرائق:(۲۲۷/۲ طبع سعید)

یجب فی عسل ارض العشر ومسقی السماء وسیح.

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب محمد وارث خان سواتی

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر:۱۳۸۶۲

﴿فارمی مکھیوں پر زکوٰۃ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ شہد کے فارم میں موجود شہد کی فارمی مکھیوں اور ان کے ساتھ دیگر سامان میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ شہد کی فارمی مکھیوں اور ان کے ساتھ موجود سامان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ شہد میں عشر واجب ہوتا ہے البتہ اگر شہد کی کمائی کی رقم نصاب کے برابر ہو جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لما فی الترمذی:(باب فی زکوٰۃ العسل ۸۰/۱۰ طبع فاروقی کتب خانہ ملتان)

عن ابی عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ فی العسل فی کل عشرۃ أزق زق.

ولما فی التنویر مع الدر:(۳۲۵/۲ طبع سعید کراچی)

(یجب)العشر(فی عسل)وان قل(ارض غیر الخراج)ولو غیر عشریۃ کجبل ومفازۃ بخلاف الخراجیۃ لئلا یجتمع العشر والخراج.

ولما فی الشامی:(۲۸۲/۲ طبع سعید کراچی)

(ولا فی عوامل)۔(قولہ وعلوفۃ)بالفتح ما یعلف من الغنم وغیرھا الواحد والجمع سواء مغرب.

ولما فی الفقہ الاسلامی وادلتہ:(۱۱۱۸/۳ طبع رشیدیہ کوئٹہ)

تجب الزکوٰۃ فی الابل والبقر والغنم واوجب ابو حنیفۃ خلافاً لصاحبیہ الزکوٰۃ فی

الخيول والفتوى على قولهما انه لازكوة فى الخيل الا اذا كانت للتجارة.

ولما فيه ايضا:(۱۹۲۸/۳، طبع رشيديه كوئٹه)

لاتجب الزكوة فى اعيان العمائر الاستغلاليه والمصانع السفن والطائرات وما اشبهها بل تجب فى صافى غلتها عند توافر شروط النصاب وحولان الحول.

ولما فى فتاوى عالمگيريه:(۱۷۹/۱، طبع رشيديه كوئٹه)

الزكوة واجبة فى عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب كذا فى الهداية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اویس غفر اللہ لہ ولوالدیہ

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۳۸

﴿ گھر میں پھل دار درخت اور نابالغ کی زمین میں سے عشر کا حکم ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) اگر مالک زمین نابالغ ہو تو اسکی زمین کی پیداوار میں سے عشر اداء کیا جائیگا یا نہیں؟ (۲) گھر میں ایک دو درخت پھل دار ہوں تو اس پر عشر واجب ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ وجوب عشر کیلئے دو شرائط فقہاء کرام نے ذکر فرمائی ہیں: (۱) زمین کا عشری ہونا۔ (۲) مالک زمین کا مسلمان ہونا، لہٰذا زمین اگر عشری ہے اور مالک اس کا مسلمان ہے خواہ وہ نابالغ ہے تو اس کی آمدنی میں سے عشر ادا کرنا ضروری ہے۔

(۲) گھر کے پھل دار درخت کے پھل میں عُشر اداء کرنا ضروری نہیں ہے۔

لما فى الهندية:(۱۸۵/۱، طبع رشيديه)

وشرط وجوبه نوعان الاول شرط اهلية وهو الاسلام-----واما العقل والبلوغ فليسا من شرائط الوجوب حتى يجب العشر فى ارض الصبى والمجنون---والنوع الثانى شرط المحلية وهو ان تكون عشرية.

ولما فى الدر مع الرد:(۳۲۶/۲، طبع سعيد)

ويؤخذ من التركة ويجب مع الدين وفى ارض صغير ومجنون ومكاتب ومأذون ووقف. وفى الشامية بقوله (وفى ارض صغير ومجنون ومكاتب) من مدخول العلة فلا يشترط فى وجوبه العقل والبلوغ والحرية.

ولما فى التاتارخانية:(۲۲۹/۱، طبع قديمى)

ويؤخذ العشر من الارض العشرية اذا كان المالك مسلما صغيرا كان او كبيرا عاقلا كان او مجنونا.

ولما فی الهندیة:(۱۸۶/۱ طبع رشیدیه)

لو کان فی دار رجل شجرة مثمرة لا عشر فیها کذا فی شرح المجمع لابن الملک.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۰۱

﴿اجارہ پر دی گئی زمین کا عشر مستاجر کے ذمہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی زمین کسی کو اجارہ پر دی تھی، فصل میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے، پوچھنا یہ ہے کہ عشر ادا کرنا میرے ذمہ ہے؟

مستفتی: گوہر علی سواتی

﴿جواب﴾ عشر کی ادائیگی آپ کے ذمہ واجب نہیں ہے بلکہ کرایہ پر لینے والے شخص کے ذمہ ہے۔

لما فی الدر المختار:(۳۳۲/۲ طبع سعید)

وقالا علی المستاجر کالمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولهما ناخذ.

ولما فی بدائع الصنائع:(۵۶/۲ طبع سعید)

وعندهما علی المستاجر وجه قولهما ظاهر لما ذکرنا ان العشر یجب فی الخارج والخارج ملک المستاجر فکان العشر علیه کالمستعیر — والعشر یجب فی الخارج عندهما والخارج یسلم للمستاجر من غیر عوض فیجب فیه العشر.

ولما فی البحر الرائق:(۲۲۷/۲ طبع سعید) وعندهما علی المستاجر کالمستعیر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۳۳

﴿گھر کے پھلدار درختوں اور سبزیوں میں عشر کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! ہمارے گھر میں پھلوں کے دو تین درخت ہیں اور تھوڑی سی ترکاری بھی ہم اپنے گھر میں بوتے ہیں تو کیا ان مذکورہ چیزوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ گھر میں لگے پھلدار درختوں اور سبزیوں میں عشر واجب نہیں ہے۔

لما فی الولوالجیة:(۲۰۰/۱ طبع فاروقیه پشاور)

رجل فی داره شجرة مثمرة لا یجب فی ذالک عشر وان کانت البلدة عشریة بخلاف الثمار التی تکون فی الجبل والطرق: ان بقعة داره لیست بعشریة والجبل عشری.

ولما فی التاتارخانیة:(۲۲۶/۲ طبع قدیمی)

ولو کان فی دار رجل شجرة وفی الینابیع: مثمرة لا یجب فی ذلک عشر وان کانت تلک

البلدة عشرية، وفي الخانية: بخلاف ما اذا كانت في الارض.

ولما في العالمگيرية: (۱/۱۸٦، طبع رشيديه)

ولو كان في دار رجل شجرة مثمرة لا عشر فيها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

٦ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۴۲۴

﴿بھوسہ میں عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام کہ بھوسہ میں عشر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

﴿جواب﴾ عشر گندم میں واجب ہے بھوسہ میں نہیں اسلئے کہ کاشت سے مقصود گندم ہے بھوسہ نہیں، البتہ کوئی بھوسہ حاصل کرنے کی غرض سے ہی کاشت کرے اور بھوسہ کو با قاعدہ آمدنی کا ذریعہ بنالے تو اس صورت میں بھوسہ میں بھی عشر واجب ہوگا۔

لما في التنوير مع الدر: (۲/۳۲۷، طبع سعيد)

ما لا يقصد به استغلال الارض (نحو حطب وقصب) فارسي (وحشيش) وتبن .... حتى لو اشغل أرضه بها يجب العشر.

وفي الشامية: (قوله وتبن) بالباء الموحدة قال في الفتح غير انه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه لانه صار هو المقصود.

ولما في الهداية: (۱/۲۰۲ رحمانيه) بخلاف السعف والتبن لان المقصود الحب والثمر دونهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۳ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۷۱۵

﴿نہری زمین پر عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں اپنی مدد آپ کے تحت ایک نہر بنائی گئی ہے جس سے زمینیں سیراب کی جاتی ہیں اور ہر سال اپنی مدد آپ کے تحت اس نہر کی مرمت کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ چشمے کا پانی بھی ملا ہوا ہے، جہاں نہر کا پانی آبادی تک پہنچ جاتا ہے، وہاں سے لوگ چھوٹی چھوٹی نہریں بنا کر اپنی اپنی زمین تک لے جاتے ہیں اور سیراب کرتے ہیں، ایسی زمین پر عشر واجب ہے یا نصف عشر؟

﴿جواب﴾ صورتِ مسئولہ میں نصف عشر واجب ہے کیونکہ سائل کے کہنے کے مطابق چشمے کا پانی مغلوب ہے۔

لمافی التنویر مع الدر: (۳۲۸/۲، طبع سعید)

ویجب نصفه فی مسقی غرب أی دلو کبیر ودالیة أی دولاب لکثرة المؤنة وفی کتب الشافعیة أو سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تأباه ولو سقی سیحا وبآلة اعتبر الغالب ولو استویا فنصفه وقیل ثلاثة أرباعه.

وفی الشامیة: (قوله وقواعدنا لا تأباه) کذا نقله الباقانی فی شرح الملتقی عن شیخه — لان العلة فی العدول عن العشر الیٰ نصفه فی مسقی غرب ودالیة هی زیادة الکلفة کما علمت وهی موجودة فی شراء الماء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۶

﴿عشر کی ادائیگی سے پہلے اخراجات نکالنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری زمینیں ہیں جن پر ہم زراعت کرتے ہیں اور زمینوں کی آبیاری بارش کے پانی سے کرتے ہیں جبکہ بیج اور اسپرے وغیرہ بیرون ملک سے منگواتے ہیں جو کافی مہنگا پڑتا ہے، اسی طرح ٹریکٹر چلوائی، مزدوروں کی مزدوری یہ سب ملا کر لاگت وخرچہ کافی زیادہ ہو جاتا ہے۔

جبکہ پیداوار اتنی بھی نہیں ہوئی کہ خرچ کردہ رقم ہی واپس مل جائے، کافی خسارہ ہوا اور مشکلات بڑھ گئی ہیں، ایسی صورت میں اگر ہم کچھ اخراجات کی رقم اس سے منہا کرلیں اور مابقیہ سے عشر ادا کردیں تو عشر ادا ہو جائیگا؟ — مستفتی: ابوخزیمہ میانوالی

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا اخراجات نکالے بغیر زمین کی کل پیداوار کا عشر نکالنا واجب ہے۔

لمافی الشامی: (۳۲۸/۲، طبع سعید)

(قوله بلا رفع مؤن) ای یجب العشر فی الاول نصفه فی الثانی بلا رفع اجرة العمال ونفقة البقر وکری الانهار واجرة الحافظ ونحو ذلک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۹۴

﴿جو درخت باقاعدہ کاشت کئے جاتے ہیں اسمیں عشر ہے یا نصف عشر؟﴾

﴿سوال﴾ ہماری زمین نہری ہے جسکی آمدنی پر ہم نصف عشر ادا کرتے ہیں، اس زمین پر ہم مختلف فصلیں کاشت کرتے ہیں اور زمین کے کناروں پر سفیدے کے درخت لگاتے ہیں اور چند

سال بعد انکو فروخت کرتے ہیں جس سے کافی آمدنی حاصل ہوتی ہے، ان درختوں پر نصف عشر واجب ہے یا نہیں؟ مستفتی: وزیرزادہ مقدر قلاری چارسدہ

﴿جواب﴾ مذکورہ درختوں کی چونکہ باقاعدہ کاشت کی جاتی ہے اوران سے مقصود زمین کی آمدن ہے، لہٰذا ان میں بھی نصف عشر واجب ہے۔

لمافی الھندیۃ:(۱/۱۸۶،طبع رشیدیہ)

فلاعشر فی الحطب والحشیش والقصب والطرفاء والسعف لان الاراضی لاتستنمی بھذہ الاشیاء بل تفسدھا حتی لواستنمی بقوائم الخلاف والحشیش والقصب وغصون النخل اوفیھادلب اوصنوبرونحوھاوکان یقطعہ ویبیعہ یجب فیہ العشر کذافی المحیط.

ولما فی البدائع:(۲/۵۸،طبع سعید)

ومنھا ان یکون الخارج من الارض ممایقصدبزراعتہ نماء الارض وتستغل الارض بہ عادۃ فلاعشر فی الحطب والحشیش ......حتی قالوافی الارض اتخذھا مقصبۃ وفی شجر الخلاف التی یقطع فی کل ثلاث سنین او اربع سنین انہ یجب فیھا العشر لان ذلک غلۃ وافرۃ.وفی الدرالمختار:(۲/۳۲۷،طبع سعید)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرلہ

۵رجب المرجب ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۰۵۲

﴿مقروض آدمی کی زمین کے عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی مقروض ہے لیکن ساتھ ساتھ زمین کی پیداوار اتنی ہے کہ ان پر عشر واجب ہے، سوال یہ ہے کہ مقروض آدمی پر زمین کی پیداوار سے عشر واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: نورالحق

﴿جواب﴾ قرض عشر کے واجب ہونے سے مانع نہیں ہے عشر کا وجوب زمین کی آمدنی پر ہے اس کے لئے زکوۃ کی طرح صاحب نصاب ہونا ضروری نہیں ہے، لہٰذا مقروض پر پیداوار کے حساب سے عشر ادا کرنا ضروری ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۲/۱۷۷-۱۷۸،طبع امدادیہ)

ولایمنع الدین وجوب عشر وخراج وکفارۃ.

ولمافی الدرالمختار:(۲/۲۶۶،طبع امدادیہ)ویجب مع الدین.

ولمافی البحر الرائق:(۲/۲۰۳،طبع سعید)لان الدین لایمنع وجوب العشر والخراج.

ولمافي الهداية:(۱/۲۰۱، رحمانيه)

قال ابو حنيفة في قليل ما اخرجته الأرض وكثيره العشر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ　　　　فتوی نمبر: ۳۶۱

﴿عشر اور نصف عشر کا معیار﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ عشر (دسواں حصہ) کس زمین پر واجب ہوتا ہے اور نصف عشر (بیسواں حصہ) کس زمین پر؟ نیز اگر سال میں کئی فصلیں ہوں تو کیا ہر فصل پر عشر واجب ہوتا ہے؟

﴿جواب﴾ بارش اور نہری پانی (جس کا آبیانہ نہیں دینا پڑتا) سے جو کھیت سیراب ہو تو اس سے عشر (دسواں حصہ) دینا ضروری ہے اور جس کھیت کو سیراب کرنے میں خرچے یا مشقت کرنی پڑتی ہو مثلاً ٹیوب ویل یا کنویں کے پانی سے جو سیراب ہو تو اس فصل سے عشر کا آدھا یعنی بیسواں حصہ ادا کرنا ضروری ہے اور ہر وہ فصل جسکی کاشت مقصود ہو تو اس سے عشر دینا واجب ہے خواہ سال میں کئی فصلیں کاشت کی جائیں۔

لمافي التنوير مع الدر:(۲/۳۲۸-۳۲۶ طبع سعيد)

(و) تجب في (مسقى سماء) اى مطر (وسيح) كنهر (بلاشرط نصاب) راجع للكل (و) بلاشرط (بقاء) وحولان حول......(الا فيما) لايقصد به استغلال الارض (نحو حطب وقصب)......حتى لواشغل ارضه بها يجب العشر (و) يجب (نصفه في مسقى غرب) اى دلو كبير (ودالية) اى دولاب لكثرة المؤنة وفي كتب الشافعية اوسقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتاباه. وفي الشامي:(۲/۳۲۶، طبع سعيد)

ولمافي بدائع الصنائع:(۲/ ۶۲، طبع سعيد)

اما الاول فماسقي بماء السماء اوسقي سيحا ففيه عشر كامل وماسقي بغرب اودالية وسانية ففيه نصف العشر والاصل فيه ماروى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال ماسقته السماء ففيه العشر وماسقي بغرب اودالية اوسانية ففيه نصف العشر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدابخش

۶ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ　　　　فتوی نمبر: ۲۴۹۸

﴿رہائشی مکان کے پودوں اور درختوں میں عشر واجب نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا رہائشی مکان ہے

جس میں ہم نے چمن لگایا ہے جس کے اردگرد پھولدار اور پھل دار پودے اور درخت وغیرہ لگائے ہیں تو کیا اس میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔　　مستفتی: سعید محمد سواتی

﴿جواب﴾ رہائشی مکان کے پھولدار اور پھل دار پودوں اور درختوں میں عشر واجب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ گھر کے تابع ہیں۔

ولما فی الشامی: (۲/۳۳۰، کتاب الزکاة، طبع سعید)

(قوله جعلت بستانا) هو أرض يحوط عليها حائط وفيها أشجار متفرقة كذا في المعراج قيد بجعلها بستانا، لأنه لو لم يجعلها بستانا وفيها نخل تغل أكرار الاشئى فيها بحر، وكذالك ثمر بستان الدار، لأنه تابع لها كما في قاضيخان قهستان وفي التنوير مع الدر: (۲/۳۳۱، كتاب الزكاة، طبع سعيد)

ولما في الهندية: (۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، طبع رشيديه)

ولو كان في دار رجل شجرة مثمرة لاعشر فيها كذا في شرح المجمع لابن الملك.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۴ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۹۱۱

﴿فارمی مکھیوں کے شہد میں عشر واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارا شہد کی مکھیوں کا فارم ہے، سال گذرنے پر ہمیں اس سے کتنی زکوۃ نکالنی چاہیے؟　　مستفتی: دیدار صاحب جاسل سواتی

﴿جواب﴾ شہد کی مکھیوں کے فارم سے جو شہد حاصل ہوتا ہے، اس پر زکوۃ نہیں بلکہ عشر واجب ہوگا کیونکہ یہ عشری زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار کے حکم میں ہے، لہٰذا ہر مرتبہ شہد نکالنے کے بعد کل مقدار کا دسواں حصہ بطور عشر واجب ہوگا۔

لما في الدر المختار: (۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه امداديه)

(يجب) العشر (في عسل) وان قل (أرض غير الخراج) ولو غير عشرية كجبل ومفازة.

ولما في الهندية: (۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار طبع رشيديه)

ويجب العشر في العسل ان كان في أرض العشر......" وفي جامع الجوامع "عسلت النحل مرات يؤخذ كل مرة ......" الينابيع "ان اتخذ النحل موضعا في أرض رجل فيحصل منه عسل كثير فهو لصاحب الأرض وفيه العشر وليس عليه لأحد سبيل.

ولما في الهداية: (۱/۲۱۹، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه رحمانيه)

وفي العسل العشر اذا أخذ من أرض العشر......ولنا قوله عليه السلام في العسل

ألعشر لأن النحل يتناول من الأنوار والثمار وفيهما العشر فكذا فيما يتولد منهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۸۱۹

﴿فروخت شدہ گنے میں عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں گنے کی فصل زیادہ ہے اور لوگ اس سے گڑ نکالتے ہیں لیکن اکثر لوگ اسکو شوگر ملز میں فروخت کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ اگر گنے کی تیار فصل کو شوگر ملز میں فروخت کیا جائے تو اس صورت میں اسکی رقم سے عشر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو اس پر جو خرچہ ہوا ہے اس رقم سے اس خرچے کو نکالیں گے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ گنے کی فصل میں عشر واجب ہے، اس سے گڑ نکالا جائے یا اس کی تیار فصل فروخت کی جائے، ہر صورت میں عشر یا نصف عشر ادا کرنا واجب ہے اور کاشت کے وقت سے لیکر فصل کے تیار ہونے تک جتنے خرچے ہوئے ہیں انکو نکالے بغیر گنے کی کل مالیت سے عشر ادا کرنا واجب ہے، البتہ گڑ بنانے کی محنت چونکہ بعد میں ہوتی ہے، اس لئے یہ خرچے فصل کے خرچے شمار نہیں ہوتے مالک پر گنے یا اسکی قیمت سے عشر یا نصف عشر ادا کرنا ضروری ہے۔

لما في الشامي: (۳۲۷/۲، طبع سعيد)

قوله وقصب هو كل نبات يكون ساقه أنابيب وكعوبا..... واحترز بالفارسي عن قصب السكر وقصب الذريرة وهو قصب السنبل ففيها العشر. وفي الهندية: (۲۰۲/۱، قديمي)

لما في الهندية (۲۰۲/۱، طبع قديمي)

ولا تحسب أجرة العمال ونفقة البقر وكرى الانهار وأجرة الحافظ وغير ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما أخرجته الارض عشرا ونصفا. وفي تبيين الحقائق: (۱۰۱/۲، سعيد)

ولما في فتح القدير: (۲۵۱/۲، طبع رشيديه)

اما قصب السكر وقصب الذريرة ففيهما العشر لأنه يقصد بهما استغلال الارض ..... لا تحتسب فيه أجرة العمال ونفقة البقر وكرى الأنهار وأجرة الحارس وغير ذلك.

ولما في الهندية: (۲۰۵/۱، طبع قديمي)

واذا باع الارض العشرية وفيها زرع وقد ادرك مع زرعها اوباع الزرع خاصة فعشره على البائع دون المشتري.

ولما في الشامي: (۳۳۳/۲، طبع سعيد)

ولو باع الزرع قبل ادراكه فالعشر على المشتري ولو بعده فعلى البائع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد عمران غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۸۹۳

﴿پھلوں کے درخت پر عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا امرود کا باغ تھا پھر کسی وجہ سے اسکو کاٹا، تو کیا اس لکڑی پر عشر واجب ہے یا نہیں؟　　مستفتی: عبدالرحمٰن صاحب

﴿جواب﴾ عشر زمین کی اس پیداوار پر واجب ہے جو مقصودی ہو یا آمد کی غرض سے اگائی جائے، غیر مقصودی اشیاء پر عشر نہیں ہے، پھلدار درختوں میں بھی چونکہ مقصود پھل ہوتا ہے نہ کہ لکڑی اس لئے پھلوں پر تو عشر ہوگا لیکن لکڑی پر عشر واجب نہیں۔

لمافی البحر الرائق:(۲/۲۳۸،طبع سعید)

كل مالا يقصد به استغلال الارض لا يجب فيه العشر مثل السعف والتبن ــ وكذا لاعشر في ماهو تابع للارض كالنخل والاشجار لانه بمنزلة جزء الارض لانه يتبعها في البيع وفي البدائع:(۲/۵۸،طبع سعيد)

ولما في الدر المختار:(۲/۳۲۶،طبع سعيد)

الا في ما يقصد بها استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسي وحشيش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمي واشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطيخ وقثاء وادوية كحلبة وشونيز حتى لو اشغل الارض بها يجب العشر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

ا ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۹۵۳

﴿عشر پوری فصل میں واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں مختلف قسم کے مزدوروں کو ان کی اجرت فصل ہی کی ایک مخصوص مقدار کی صورت میں دیجاتی ہے مثلاً گندم کاٹنے کی اجرت، اونٹوں کے ذریعے ایک جگہ جمع کرنے کی اجرت، اسی طرح نائی جو کہ سال بھر بال کٹوانے کی خدمت انجام دیتا رہا اور لوہار جو کہ درانتی وغیرہ تیز کرتا رہا، ان سب کو اجرت تھریشر کے مرحلے سے پہلے فصل ہی میں سے دیجاتی ہے پھر تھریشر والے کو بھی انکی اجرت گندم کی صورت میں دیجاتی ہے، اسکے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے اسکا حساب کر کے عشر نکالا جاتا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ عشر نکالنے کا مذکورہ طریقہ درست ہے یا سب کا حساب کر کے عشر نکالا جائیگا؟

﴿جواب﴾ سوال میں ذکر کردہ اجرت کی بعض صورتوں میں اگر اسی فصل میں سے اجرت

دینا طے ہو تو یہ قفیز طحان کا معاملہ ہے اس لئے ناجائز ہے، لہٰذا فصل کو اونٹوں کے ذریعہ ایک جگہ جمع کرنے کی اجرت، کاٹنے والوں کی اجرت اور تھریشر کی اجرت اس طرح طے نہ کریں کہ اسی فصل سے حاصل ہونے والے گندم سے اتنی مقدار میں گندم دیں گے بلکہ یوں طے کریں کہ اس خدمت کے بدلے میں بس اتنا گندم دیں گے، بعد میں بیشک اسی گندم میں سے دیدیں اور لوہار اور نائی کی اجرت کا معاملہ بھی اصل کے اعتبار سے تو فاسد ہے، اسلئے کہ اس میں مزدور کا کام اور پھر اسکی اجرت مجہول ہوتی ہے لیکن اگر اس علاقہ میں یہ معاملہ رائج ہے اور آپس میں ناراضگی و جھگڑے کا اندیشہ بھی نہیں ہے تو شرعاً اسکی گنجائش ہے۔

جہاں تک عشر کا معاملہ ہے تو اس میں ضابطہ یہ ہے کہ زمین سے جتنی فصل اگتی ہے ان سب میں عشر واجب ہے، نہ اس میں سے کسی کی اجرت مستثنیٰ ہو سکتی ہے نہ کوئی خرچہ، بلکہ عشر نکالنے سے پہلے نہ خود کھانے کی اجازت ہے نہ کسی کو دینے کی، اگر کھایا ہو یا کسی کو دیا ہو تو اسکا بھی حساب لگا کر عشر نکالا جائے گا۔

لما فی رد المحتار:(۷۹/۹،طبع امدادیه)

(أو استاجر بغلا ليحمل طعامه ببعضه أو ثورا ليطحن بره ببعض دقيقه) فسدت في الكل،لأنه استاجره بجزء من عمله،والاصل في ذلك نهيه صلى الله عليه وسلم عن قفيز الطحان،وقدمناه في بيع الوفاء،والحيلة أن يفرز الاجر أولا،أو يسمى قفيزا بلا تعيين ثم يعطيه قفيزا منه فيجوز.

ولما في البدائع:(۱۷۹/۴-۱۸۰،طبع سعيد)

منها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلوما علما يمنع من المنازعة،فان كان مجهولا ينظر ان كانت تلك الجهالة مفضية الى المنازعة تمنع صحة العقد والافلا.

ولما في الشامي:(۳۲۸/۲،طبع سعيد)

(قوله بلا رفع مؤن)اى يجب العشر في الاول ونصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وكرى الانهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك.

ولما في الهندية:(۱۸۷/۱،طبع رشيديه)

ولا يأكل من طعام العشر حتى يؤدى عشره كذا في الظهيرية،وان أفرز العشر يحل له أكل الباقي وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالى ما أكل من الثمر أو أطعم غيره ضمن عشره.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ غفر لہ ولوالدیہ

۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۹۶۷

﴿موقوفہ زمین میں عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی مدرسہ یا مسجد کیلئے جو زمین وقف کی جاتی ہے اس زمین میں عشر یا نصف عشر کا کیا حکم ہے حالانکہ وہ زمین کسی کی شخصی ملکیت میں نہیں ہوتی؟

مستفتی: محمد علی صوابی

﴿جواب﴾ وجوب عشر میں زمین کی ملکیت شرط نہیں ہے بلکہ اس زمین سے جو حاصل ہو اس حاصل شدہ کا کسی کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے تو حاصل شدہ غلہ جسکی ملکیت میں جتنا آجائے اسکے مطابق عشر ادا کریگا چاہے مدرسے کا ذمہ دار ہو یا مسجد کا متولی ہو۔

لمافی الدر المختار:(۳۲۶/۲،طبع سعید)

ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب ومأذون ووقف.(قوله وقف)افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج لانه یجب فی الخارج لافی الارض فکان ملکه وعدمه سواء.

ولمافی الهندیة:(۲۲۴/۲،طبع رشیدیه)

ارض الوقف اذا کانت عشریة دفعها القیم مزارعة اومعاملة فعشر جمیع الخارج فی نصیب الدافع وهذا علی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی.

ولمافی البدائع:(۵۶/۲،طبع سعید)

وکذاملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانماالشرط ملک الخارج فیجب فی الارض التی لامالک لهاوهی الاراضی الموقوفةلعموم قوله تعالی ومما اخرجنالکم من الارض.

ولمافی المحیط:(۲۶۹/۳،طبع ادارة القرآن)

یؤخذ العشر من الاراضی العشریة اذا کان المالک مسلما صغیرا کان اوکبیرا عاقلا کان اومجنونا وکذلک یجب فی ارض المکاتب وفی ارض الوقف لان هذا حق مالی یجب بسبب ارض نامیة فیجب علی هؤلاء کالخراج.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۶۳۶

﴿اجارے اور مزارعت کی صورت میں عشر کی تفصیل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) جب مالک اپنی عشری زمین کو اجارے پر دیدے، تو اس زمین سے حاصل ہونیوالی فصل کا عشر مالک کے ذمہ

واجب ہوگا یا مستاجر کے ذمہ واجب ہوگا؟ (۲) مزارعت سے جو غلہ مزارع (کاشتکار) کے حصہ میں آئے اس کا عشر مالک زمین پر ہے یا مزارع پر؟ مستفتی: تاج محمد

﴿جواب﴾ (۱) جب مالک اپنی عشری زمین کو اجارے پر دیدے تو زمین سے حاصل ہونے والی فصل کا عشر مستاجر کے ذمہ واجب ہوگا۔ (۲) مزارعت سے جو غلہ حاصل ہو جائے مالک زمین اور کاشتکار دونوں پر اپنے اپنے حصے کی تناسب سے عشر واجب ہوگا۔

ولما فی رد المحتار: (۲/۳۳۵، طبع سعید)

والحاصل ان العشر عند الامام علی رب الارض مطلقا و عندهما کذلک لو البذر منه ولو من العامل فعلیهما وبه ظهران ماذکره الشارح هو قولهما اقتصر علیه لما علمت من ان الفتوی علی قولهما بصحة المزارعة فافهم لکن ماذکر من التفصیل یخالفه مافی البحر والمجتبی والمعراج والسراج والحقائق والظهیریة وغیرها من ان العشر علی رب الارض عنده وعلیهما عندهما من غیر ذکر هذا التفصیل وهو الظاهر.

ولما فی البدائع: (۲/۳۳۵، طبع سعید)

المزارعة جائزة فالعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروتی

۲۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:

﴿مالک زمین سے متعلق عشر کی دو صورتوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) جب مالک زمین گنے کی نئی فصل فروخت کردے تو اس کا عشر مالک ادا کرے گا یا مشتری کو ادا کرنا ہوگا؟

(۲) مزدور فصل کی کٹائی سے جو گندم مزدوری کے عوض حاصل کرے تو اس کا عشر بھی مالک زمین کے ذمہ واجب ہے یا مزدور ادا کرے گا؟ مستفتی: تاج محمد

﴿جواب﴾ (۱) جب مالک زمین گنے کی تیار فصل فروخت کردے تو اسکا عشر یا نصف عشر مالک زمین ادا کرے گا مشتری کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

(۲) مزدور فصل کی کٹائی سے جو گندم حاصل کر لیتا ہے اس کا عشر بھی بقیہ گندم کی طرح مالک زمین ادا کرے گا مزدور کے ذمہ اس کا عشر واجب نہیں ہے۔

لما فی الهندیة: (۱/۱۸۷، طبع رشیدیه)

واذا باع الارض العشریة وفیها زرع قد ادرک مع زرعها او باع الزرع خاصة فعشره علی

البائع دون المشتری.

ولمافی البحر الرائق:(۲/۲۳۸،طبع سعید)

(قوله ولاترفع المؤن)ای لاتحسب اجرۃ العمال ونفقة البقر وکری الانهار واجرۃ الحافظ وغیرذلک لان النبی صلی الله علیه وسلم حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلامعنی لرفعها اطلقه فشمل مافیه العشرومافیه نصفه فیجب اخراج الواجب من جمیع ماأخرجته الارض عشرا اونصفا الاان ماتکلفه یأخذه بلاعشراونصفه ثم یخرج الواجب من الباقی کماتوهمه بعض الناس.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروتی

۲۳جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۱۰۱۴

﴿عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ میں جو فصلیں کاشت کرتا ہوں وہ زیادہ تر سبزیوں مثلاً لہسن، پیاز، کھیرا، آلو وغیرہ اور پھلوں مثلاً تربوز، خربوزہ، شکرقندی وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہیں تو کیا ان میں بھی عشر واجب ہے؟ اگر ہے تو انہی میں سے ادا کرنا ضروری ہے یا ان کی قیمت بھی ادا کرسکتا ہوں کونسی صورت بہتر ہے؟

﴿جواب﴾ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشری زمین کی ہر مقصودی پیداوار میں عشر واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ غلہ ہو یا سبزی پھل ہو یا چارہ وغیرہ، البتہ خودرو اور غیر مقصودی پیداوار میں عشر نہیں ہے، اصل واجب تو پیداوار سے ہے اور قیمت تبدیل ہونے کی وجہ سے جائز ہے جبکہ بعض حالات میں قیمت دینے کا ثواب زیادہ ہوجاتا ہے۔

لمافی الهندیة:(۱/۱۸۶طبع رشیدیه)

ویجب العشر عند ابی حنیفةؒ فی کل ماتخرج الارض من الحنطة والشعیر والدخن والارز واصناف الحبوب والبقول والریاحین والاوراد والرطاب وقصب السکر والزیرعو البطیخ والقثاء والخیار والباذنجان والعصفر واشباه ذلک مما له ثمرة باقیة او غیرباقیة قل اوکثر هکذافی فتاوی قاضیخان.

ولمافی الشامی:(۲/۲۶۷طبع امدادیه)

الافیما لایقصد به استغلال الارض(نحو حطب وقصب)۔۔۔حتی لواشغل ارضه بها یجب العشر. (قوله:الافیما لایقصد۔۔۔)اشار الی ان مااقتصر علیه المصنف کالکنز وغیره لیس المراد به ذاته بل لکونه من جنس مالایقصد به استغلال الارض غالبا،وان المدار علی القصد حتی لو قصد بذلک وجب العشر.

ولما فی الهندیة:(۱۸۱/۱،طبع رشیدیه)

ویجوز دفع القیم فی الزکاۃ عندنا وکذا فی الکفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر.

ولما فی الشامی:(۲۱۰/۲،طبع امدادیه)

(وجاز دفع القیمة فی زکاۃ وعشر وخراج وفطرۃ ونذر وکفارۃ غیر الاعتاق)(قوله:وجاز دفع القیمة)......ثم ان المعتبر عند محمد الانفع للفقیر من القدر والقیمة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:خضر حیات کمالوی

۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　　　فتوی نمبر:۸۶۹

﴿عشر مالک زمین پر ہے یا مزارع پر؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر ایک آدمی دوسرے کو زمین زراعت کیلئے ٹھیکہ پر دیتا ہے تو اس صورت میں عشر کس کے ذمہ ہے یا زمین اس شرط پر دیتا ہے کہ تمام اخراجات یعنی ہل بیج کھاد وغیرہ میرے ذمہ ہیں آپ نے صرف دیکھ بھال کرنی ہے اور پانی لگانا ہے، اس پر آپکو پیداوار کا چوتھائی حصہ دونگا تو اس صورت میں عشر کس طرح ادا کیا جائے گا؟ یا خرچ وغیرہ نصف نصف ہوں اور پیداوار بھی نصف نصف ہو تو عشر کس طرح ادا کیا جائے گا؟ یا خرچ نصف نصف ہو لیکن پیداوار میں تیسرا حصہ زراعت والے کا ہو تو عشر کس کے ذمہ ہے؟

﴿جواب﴾ اول صورت میں عشر ٹھیکہ دار پر ہے اور بقیہ تمام صورتوں میں عشر دونوں پر مشترک واجب ہے یعنی ہر ایک کے پاس جتنی پیداوار ہے اس پر اس میں عشر واجب ہے۔

لما فی البحر الرائق:(۲۲۷/۲،طبع سعید)

وفی المزارعة علی قولهما العشر علیهما بالحصة وعلی قوله علی رب الارض لکن یجب فی حصته فی عینه وفی حصة المزارع یکون دینا فی ذمته.

ولما فی خلاصة الفتاوی:(۲۲۵/۱،طبع رشیدیه)

ولو آجرارضه العشریة کان العشر علی رب الأرض عند ابی حنیفةؒ وعندهما علی المستاجر.

ولما فی الدر مع الرد:(۲۷۸/۲،طبع امدادیه)

وفی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة.

وفی الشامیة:والحاصل ان العشر عند الامام علی رب الارض مطلقا وعندهما کذلک لو البذر منه ولو من العامل فعلیهما وبه ظهر ان ماذکره الشارح هو قولهما اقتصر علیه لما علمت من ان الفتوی علی قولهما بصحة المزارعة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:بلال احمد

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ　　　　فتوی نمبر:۷۷۳

﴿زمین کی پیداوار سے عشر ادا کرنا مقروض کے ذمہ بھی واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص حالاً قرض کی ادائیگی سے عاجز ہو، اس کے ذمہ زمین سے حاصل شدہ پیداوار کا عشر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: یعقوب جان چارسدہ

﴿جواب﴾ عشر کے وجوب کا تعلق زمین سے حاصل شدہ پیداوار کے ساتھ ہے، جس کے لئے کوئی نصاب بھی مقرر نہیں ہے، پیداوار کم حاصل ہو یا زیادہ، مالک زمین غنی ہو یا فقیر ہو، عشر بہرصورت واجب ہوتا ہے، لہٰذا یہ شخص اگرچہ مقروض ہے، تاہم عشر ادا کرنا ضروری ہے۔

لمافی الدر مع الرد:(۲/۷۷،طبع امدادیہ)ولا یمنع الدین وجوب عشر وخراج و کفارۃ.

وفی الشامیۃ:ولا یمنع الدین وجوب عشر وخراج)مرفع الدین والکلام الآن فی موانع الزکوٰۃ لکن لما کان کل من العشر والخراج زکاۃ الزروع والثمار قد یتوهم ان الدین یمنع وجوبهما نبه علی دفعه وذکر الکفارۃ استطراداً وهکذا فی الدرر:(۲/۲۲۲،طبع ماجدیه) ویجب مع الدین وفی ارض صغیر(الخ)وهکذافی الخانیۃ علی هامش الهندیۃ: (۱/۲۵۶،طبع رشیدیه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم: عزیز الرحمٰن چارسدوی غفرلہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر: ۱۳۹۸

﴿فروخت کرنے کی نیت سے اگائے ہوئے بیج (پنیری) پر عشر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے علاقے میں مرچ، پیاز، ٹماٹر، بینگن وغیرہ کا بیج (پنیری) کاشت کیا جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اسے باقاعدہ فصل حاصل کرنے کیلئے دوسرے کھیت میں منتقل کیا جاتا ہے، اس طرح کے بیج (پنیری) کچھ لوگ تو صرف اپنے لئے کاشت کرتے ہیں اور بعض لوگ فروخت کرنے کیلئے کاشت کرتے ہیں تو کیا ایسے بیج سے عشر ادا کیا جائے گا یا نہیں؟ مستفتی: شکیل احمد زیدہ صوابی

﴿جواب﴾ پنیری اپنی زمین میں کاشت کرنے کی غرض سے اگر لگائی ہے تو اس میں عشر نہیں ہے بلکہ اس سے کاشت شدہ کھیت سے جو فصل حاصل ہوگی اس میں عشر ادا کرنا لازم ہوگا، البتہ دوسروں کو فروخت کرنے کی غرض سے پنیری اگر لگائی ہے تو ایسی صورت میں پنیری ہی سے چونکہ آمد مقصود ہے اس لئے اس کی آمد میں عشر واجب ہے۔

لما فی الرد المحتار:(۲/۳۲۷، طبع سعید)

قوله الا فیما لا یقصد الخ اشار الی ان ما اقتصر علیه المصنف کالکنز و غیره لیس المراد به ذاته بل لکونه من جنس ما لا یقصد به استغلال الارض غالبا و ان المدار علی القصد حتی لو قصد به ذلک وجب العشر کما صرح به بعده.

ولما فی الهندیة:(۱/۱۸۶، طبع رشیدیه)

وان یکون الخارج منها ما یقصد بزراعته نماء الارض هکذا فی البحر الرائق فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب والطرفاء والسعف لان الاراضی لا تستنمی بهذه الاشیاء بل تفسدها حتی لو استنمی بقوائم الخلاف والحشیش والقصب وغصون النخل او فیها دلب او صنوبر ونحوها وکان یقطعه ویبیعه یجب العشر کذا فی محیط السرخسی.

ولما فی بدائع الصنائع:(۲/۵۸، طبع سعید)

وان یکون الخارج من الارض ما یقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادتا.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۶۶۳

﴿فصل جس کی ملکیت ہو عشر بھی اس کے ذمہ واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے ایک سال کیلئے امرود کا ایک باغ زمین سمیت دو لاکھ میں ٹھیکہ پر لیا، جس سے مقصود صرف امرود ہوتا ہے لیکن پھر ہمیں بیس لاکھ کا نقصان ہوا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اس باغ کا عشر ہمارے ذمہ ہے یا زمین مالک کے ذمہ ہے؟

مستفتی: مولوی ابرار بنوی

﴿جواب﴾ اس مسئلہ میں فتوی صاحبین کے قول پر دیا جاتا ہے لہذا عشر آپ لوگوں کے ذمہ واجب ہے، مالک کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

لما فی الهندیة (۱/۱۸۷، طبع رشیدیه کوئٹه)

ولو آجر ارضا عشریة کان العشر علی الآجر عند ابی حنیفةؒ وعندهما علی المستأجر کذا فی الخلاصة.

لما فی الدر المختار:(۲/۳۳۴، طبع سعید)

وقالا علی المستاجر کالمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولهما ناخذ.

ولما فی بدائع الصنائع:(۲/۵۶، طبع سعید)

وعندهما علی المستاجر وجه قولهما ظاهر لما ذکرنا ان العشر یجب فی الخارج والخارج ملک المستاجر فکان العشر علیه کالمستعیر..... والعشر یجب فی الخارج

عندهما والخارج يسلم للمستاجر من غير عوض فيجب فيه العشر

ولما في البحر الرائق:(۲/۲۲۷،طبع سعيد)

ويجب على الموجر عنده وعندهما على المستاجر كالمستعير.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفر لہ ولوالدیہ

۲۷ جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر:۴۲۰۶

﴿کتاب الصوم وما یتعلق بہ﴾

﴿روزہ اور اس سے متعلقہ احکام کا بیان﴾

﴿''کل اگر گرمی نہیں ہوئی تو روزہ ہوگا'' یہ کوئی نیت نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی رمضان کی قضاء کے بارے میں رات سے اس طرح نیت کرے کہ اگر کل سخت گرمی ہوگی تو میں روزہ نہیں رکھوں گا اور اگر گرمی نہیں ہوگی تو روزہ رکھوں گا تو اس کی اس نیت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ مثلاً دن کے بارہ بجے سے پھر اس نے پختہ ارادہ روزہ رکھنے کا کیا تو روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نیت دل کے پختہ ارادے اور قصد کا نام ہے گرمی ہوگی تو روزہ نہیں رکھوں گا اور گرمی نہ ہوگی تو روزہ ہوگا ایسی نیت کا اعتبار نہیں ہے نیت آپکے پختہ فیصلے کے بعد شمار ہوتی ہے روزہ کیلئے فقہائے کرام نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ رمضان کے روزے نذر معین اور نفل روزوں کیلئے غروب آفتاب سے لیکر نصف النہار سے پہلے تک نیت کرنا جائز ہے انکے علاوہ باقی روزوں جیسے قضاء رمضان قضاء نذر معین نذر مطلق کفارات وغیرہ کیلئے نیت رات سے کرنا ضروری ہوتا ہے یعنی غروب آفتاب سے لیکر صبح صادق تک اس کے بعد نیت کرنے سے قضاء روزہ شمار نہ ہوگا بلکہ نفلی شمار ہوگا۔

لما فی الشامی ۲/۳۸۰ طبع سعید

(قوله والشرط للباقی من الصیام) ای من انواعه ای الباقی منها بعد الثلاثة المتقدمة فی المتن وهو قضاء رمضان والنذر المطلق وقضاء نذر المعین والنفل بعد افساده والکفارات السبع وما الحق بها من جزاء الصید والحلق والمتعة ـــ (قوله تبییت النیة) فلو نوی تلک الصیامات نهارا کان تطوعا واتمامه مستحب ولا قضاء بافطاره

لما فی الفتاوی العالمگیریة ۱/۱۹۶ طبع مکتبة رشیدیة

وشرط القضاء والکفارات ان یبیت ویعین کذا فی النهایة

ولما فی المحیط البرهانی ۳/۳۴۳ طبع ادارة القرآن

وکذلک الصوم المنذور فی وقت بعینه یجوز بنیة ما قبل انتصاف النهار وما وجب

فی وقته من الصوم ولیس له وقت معین کالقضاء، والنذور المطلقة، والکفارات لایجوز بنیة ما قبل انتصاف النهار

ولما فی الاشباه والنظائر ص ۶۱

ولا بد من نیة الفرض فی الکفارات ،ولذا قالوا ان الصوم الکفارة وقضاء رمضان یحتاج الی تبییت النیة فی اللیل،لان الوقت صالح لصوم النفل؛

ولما فی مراقی الفلاح ۲۳۲طبع قدیمی

اما القسم الذی لا یشترط فیه تعین النیة وتبییتها فهو اداء رمضان النذر المعین زمانه والنفل فیصح بنیة من اللیل الی ما قبل النصف النهار علی الاصح وعلی هذه صفحة اما القسم الثانی وهو ما یشترط له تعین النیت وتبییتها فهوقضاء رمضان وقضاء ما افسده من النفل وصوم الکفارات بانواعها والنذر المطلق۔

ولما فی الاشباه والنظائرص ۲۷ طبع قدیمی

واما الصوم:فلا یخلو ان یکون فرضا او نفلا فان کان فرضا فلا یخلو ان یکون اداء رمضان او غیره فان کان اداء رمضان جاز بنیة متقدمة من غروب الشمس وبمقارنة وهو الاصل وبمتاخرة عن الشروع الی ماقبل النصف النهار الشرعی تیسیرا علی الصائمین،وان کان غیر اداء رمضان من قضاء او نذر او کفارة، فیجوز بنیة متقدمة من غروب الشمس الی طلوع الفجر ،ویجوز بنیة مقارنة لطلوع الفجر:

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شفقت اللہ

۸صفرالخیر۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر:۳۹۰۳

﴿ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے اعلان نشر ہونے پر روزہ رکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ریڈیو یا ٹی وی کے ذریعے ہلال رمضان کے حوالے سے جو اعلان نشر ہوتا ہے، کیا اس سے ماہِ رمضان کے روزے رکھنا لازم ہو جاتے ہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: رحیم اللہ صاحب بنگرامی

﴿جواب﴾ ہلالِ رمضان کے ثبوت کے لئے حکومت کی اجازت سے جو کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے وہ باقاعدہ رؤیتِ ہلال پر گواہوں کی جانچ پڑتال اور اس پر متفقہ طور پر فیصلہ کرنے کے بعد اعلان نشر کرتی ہے جس میں جھوٹ یا غلط خبر کا کوئی شبہ نہیں رہتا، اس لئے ریڈیو یا ٹیلی ویژن (ٹی وی) پر جو ہلالِ رمضان کا اعلان نشر ہوتا ہے، اس سے عوام الناس پر ماہِ رمضان کے روزے

رکھنا لازم ہو جاتے ہیں۔

لما فی الشامی:(۳۸۶/۲،مبحث فی صوم یوم الشک،طبع سعید کراچی)

قلت:والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أورؤية القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن،وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد إذلا يفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك الا لثبوت رمضان.

ولما فی أحکام القرآن:(۲۰۰/۱،طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراچی)

ولنا قول الله تعالى:"فمن شهد منكم الشهر فليصمه"وأجمع المسلمون على وجوب صوم شهر رمضان،وقد ثبت أن هذا اليوم من شهر رمضان بشهادة الثقات،فوجب صومه على جميع المسلمين.ولأن شهر رمضان ما بين الهلالين وقد ثبت أن هذا اليوم منه في سائر الأحكام-من حلول الدين.....فيجب صيامه بالنص والاجماع.ولأن البينة العادلة شهدت برؤية الهلال فيجب الصوم كما لو تقاربت البلدان انتهى.

ولما فی الهندیة:(۱۹۹/۱،الباب الثانی فی رؤیة الهلال،طبع رشیدیه کوئٹه)

ولو شهدوا أن قاضي بلدة كذا شهد عنده اثنان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى بشهادتهما جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به كذا في فتح القدير.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۷ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر:۲۹۹۲

﴿صوم رمضان اور اداءِ حج کیلئے حیض روکنے والی گولیوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کے لئے اداءِ حج یا صوم رمضان کی نیت سے حیض روکنے کی گولیاں کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ رمضان کے بعد اکیلے روزے رکھنا اور حج کے لئے دوبارہ جانا بسا اوقات بہت مشکل ہوتا ہے اگر جائز ہے تو کیا حیض روکنے کے یہ ایام حیض شمار ہونگے یا ایام طہر؟ اگر طہر میں سے ہے تو کیا اس عورت کیساتھ ان ایام میں جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟　　　مستفتی:خلیل احمد سواتی

﴿جواب﴾ عورت کے لئے حیض روکنے کی گولیاں کھانے کی گنجائش ہے لیکن چونکہ حیض فطری وطبعی عمل ہے،اسکے خلاف کرنے سے عام طور پر نقصان ہوتا ہے،اس لئے اگر کسی جگہ اشد ضرورت نہ ہو تو اس طرح کی گولیوں کے استعمال سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیے۔

حیض عورت کے رحم سے خاص وقت میں نکلنے اور ظاہر ہونے والے خون کو کہتے ہیں جبکہ مذکورہ گولیوں کے استعمال سے خون کا آنا مکمل بند ہو جاتا ہے، اس لئے جب تک باقاعدہ خون ظاہر نہ ہو ماہواری شمار نہ ہوگی، لہذا ان ایام طہر میں اگر کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو تو دیگر احکام کیطرح جماع کرنا بھی جائز اور حلال ہے، البتہ صورت مذکورہ میں روزے کے حالت میں دن میں اور ادائے حج کے دوران حالت احرام میں جماع کرنا مانع شرعی کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ :(سورة البقرة، آیت ۱۸۷)

أحل لكم ليلة الصيام الرفث الى نسآئكم هن لباس لكم وانتم لباس لهن..... ثم أتموا الصيام الى الليل..... الأية.

ولما فی قوله تعالیٰ:(سورة البقرة، آیت ۱۹۷)

ألحج أشهر معلومت فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج..... الأية.

ولما فی الدر المختار:(۱/ ۷۵، باب الحیض، طبع امدادیه) ورکنه: بروز الدم من الرحم.

ولما فی البدائع:(۲/ ۷۵، کتاب الصوم، طبع سعید)

وأما الشرعی فهو الامساك عن أشياء مخصوصة وهی الأكل والشرب والجماع.

ولما فی المحيط البرهانی:(۱/ ۳۹۹، کتاب الطهارات، طبع ادارة القرآن)

يجب أن يعلم بأن حكم الحيض والنفاس والاستحاضة لا يثبت الا بخروج الدم وظهوره، وهذا ظاهر مذهب أصحابنا رحمهم الله، وعليه عامة المشائخ رحمهم الله تعالیٰ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۹۷

﴿اگر عذر نہ ہو تو مسافر کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا کیا قصر نماز کی طرح ضروری ہے؟ یا اس میں اختیار ہے؟ مستفتی: محمد بابر

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ نے سفر شرعی کے دوران نماز قصر کرنے کو واجب قرار دیا ہے یہ نعمت خداوندی ہے، اس پر عمل ضروری ہے بصورت دیگر گنہگار ہوگا، برخلاف روزوں کے کہ ان کے متعلق شریعت نے اختیار دیا ہے اور مشقت کا اندیشہ نہ ہو تو سفر میں بھی روزہ رکھنے کو افضل قرار دیا ہے۔

لما فی البحر:(۲/۲۸۲-۲۸۳ طبع سعید)

ای جاز للمسافر الفطر لان السفر لا یعری عن المشقة فجعل نفسه عذرا بخلاف المریض لانه قد یخف بالصوم فشرط کونه مفضیا الی الحرج وانما کان الصوم أفضل ان لم یضره لقوله تعالیٰ وأن تصوموا خیر لکم ولان رمضان أفضل الوقتین فکان فیه الاداء أولیٰ ولا یرد علینا القصر فی الصلوات فانه واجب حتی یأثم بالاتمام لان القصر هو العزیمة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد عزیز چترالی

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۷

﴿وقت الافطار بعد غروب الشمس﴾

﴿ہوائی جہاز میں وقت افطار کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ سافرنا فی رمضان ورکبنا الطیارة قبیل غروب الشمس فلما ارتفعت الطیارة فی السماء وجدنا الشمس مرتفعة کأنه اول وقت الشمس فالمسئول انه هل یجب علینا الامساک الی غروب الشمس ام نعتبر غروب اهل الارض ونفطر معهم؟

﴿جواب﴾ وقت الافطار بعد غروب الشمس ولو لم یوجد الغروب فی حق من فی الطیارة فلا یحل لهم الافطار حتی تغرب الشمس باعتبارهم اذا کانوا یرون غروب الشمس.

لما فی قوله تعالیٰ:(سورة البقرة آیت ۱۸۷)

ثم اتموا الصیام الی اللیل — الآیة.

ولما فی البدائع:(۲/۸۳ طبع سعید)

عن ابی عبدالله بن ابی موسیٰ الضریر انه استفتی فی اهل اسکندریة ان الشمس تغرب بها ومن علی منارتها یری الشمس بعد ذلک بزمان کثیر فقال یحل لاهل البلد الفطر ولا یحل لمن علی رأس المنارة اذا کان یری غروب الشمس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد غفرلہ ولوالدیہ

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۳۲

﴿کتنی عمر کے بچوں سے روزہ رکھوانا چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان میں ہم سحری

کے لئے اٹھتے ہیں تو چھوٹے نابالغ بچے بھی اٹھ جاتے ہیں اور روزہ رکھنے پر اصرار کرتے ہیں، اب ظاہر ہے منع بھی نہیں کر سکتے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد عمران

﴿جواب﴾ نابالغ بچے کے روزہ رکھوانے کی کوئی عمر متعین نہیں ہے کیونکہ یہ بچے کی صحت پر منحصر ہے جن بچوں میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو ان سے روزہ رکھوانا چاہیے تاکہ ابھی سے عادت پڑ جائے، البتہ دس سال کے بچے کو روزہ رکھنے کا پابند بنانا چاہیے پھر اگر وہ روزہ مکمل نہ کر سکے تو بھی زیادہ فکر کی بات نہیں اس لئے کہ اس وقت اس کی تربیت مقصود ہے۔

لما فی الدر: (۴۰۹/۲ طبع سعید)

ویؤمر الصبی بالصوم اذا أطاقه ویضرب علیه ابن عشر کالصلاۃ فی الاصح.

وفی الشامیة: (قوله اذا اطاقه) یقال اطاقه وطاقه طوقا اذا قدر علیه والاسم الطاقة کما فی القاموس قال ط: وقدر بسبعین والمشاهد فی صبیان زماننا عدم اطاقتهم الصوم فی هذا السن اه. قلت: یختلف ذلک باختلاف الجسم واختلاف الوقت صیفا وشتاء والظاهر أنه یؤمر بقدر الاطاقة اذا لم یطق جمیع الشهر..... الصبی اذا افسد صومه لا یقضی لأنه یلحقه فی ذلک مشقة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری غفرلہ

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۸۷

﴿باب مایفسد الصوم و مایکرہ فیه﴾

﴿روزے کے مفسدات اور مکروہات کا بیان﴾

﴿کیا ڈرپ اور انجکشن سے روزہ فاسد ہوتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایام بیض کے روزے رکھے تھے لیکن آخری روزہ میں میری طبیعت بیماری کی وجہ سے بہت خراب ہو گئی جس کی وجہ سے ڈاکٹر نے ڈرپ اور انجکشن لگا دیے، معلوم یہ کرنا ہے کہ ڈرپ اور انجکشن کی وجہ سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ شرعی حکم بتا کر ممنون فرمائیں۔ مستفتی: رفیع اللہ لاہوری

﴿جواب﴾ ہر اس چیز سے روزہ ٹوٹتا ہے جو منفذ اصلی کے ذریعے پیٹ یا دماغ تک پہنچ جائے، ڈرپ اور انجکشن سے دوائی چونکہ مسامات کے ذریعے رگوں میں پھیل جاتی ہے، پیٹ

تک براہ راست نہیں پہنچتی، لہٰذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۳۹۵،طبع سعید)

(أو ادهن أو اكتحل أو احتجم) وان وجد طعمه في حلقه.

وفي الشامية:(قوله وان وجد طعمه في حلقه)اى طعم الكحل أو الدهن كما في السراج وكذا لو بزق فوجد لونه في الأصح بحر. قال في النهر لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر.

ولما في الهندية:(۱/۲۰۴،الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد،طبع رشيديه كوئته)

وفي دواء الجائفة والآمة أكثر المشائخ على أن العبرة للوصول الى الجوف والدماغ لا لكونه رطباً أو يابساً حتى اذا علم أن اليابس وصل يفسد صومه ولو علم أن الرطب لم يصل لم يفسد هكذا في العناية. واذا لم يعلم أحدهما وكان الدواء رطباً فعند أبي حنيفة رحمه الله تعالى يفطر للوصول عادةً وقالا لا لعدم العلم به فلا يفطر بالشك وان كان يابساً فلا فطر اتفاقاً هكذا في فتح القدير.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ — فتوی نمبر: ۲۹۸۸

﴿روزے کی حالت میں انسولین کا ٹیکہ لگانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں شوگر کا مریض ہوں مجھے ہر کھانا کھانے سے دس منٹ پہلے انسولین کا ٹیکہ لگانا پڑتا ہے، رمضان میں بھی میں افطاری سے پہلے یہ انجکشن لگاتا ہوں تو کیا اس صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ انجکشن عضلاتی ہو یا وریدی اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ انجکشن کی دواء مسامات کے ذریعہ بدن میں پھیلتی ہے اگرچہ معدہ میں بھی پہنچ جاتی ہے، براہ راست یا کسی طبعی منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں دواء پہنچے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً ناک یا کان کے راستے سے دواء اگر معدہ میں پہنچے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن انجکشن ایسا نہیں ہے۔

لما في التنوير مع الرد:(۲/۳۹۵،طبع سعيد)(او ادهن او اكتحل او احتجم)

وفي الشامية:(قوله وان وجد طعمه في حلقه)اى طعم الكحل او الدهن كما في السراج وكذا لو بزق فوجد لونه في الاصح بحر قال في النهر لان الموجود في حلقه اثر داخل

من المسام الذی هو خلل البدن والمفطر انما هو للداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لا یفطر.

ولمافی الهندیۃ:(۱/۲۰۳،طبع قدیمی)

وما یدخل من مسام البدن من الدهن لایفطر هکذا فی شرح المجمع،ومن اغتسل فی ماء وجد برده فی باطنه لایفطره هکذا فی النهر الفائق،ولواقطرشیئا من الدواء فی عینه لا یفطر صومه عندنا وان وجد طعمه فی حلقه واذا بزق فرأی اثرالکحل ولونه فی بزاقه عامة المشائخ علی انه لا یفسد صومه کذ فی الذخیرة،وهوالاصح هکذافی التبیین.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد فاروق چارسدوی

۱۲صفرالخیر۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۸۳۹

﴿بعض ٹیسٹ کیوجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض میڈیکل ٹیسٹ ایسے ہوتے ہیں کہ دبر یعنی پاخانے کے راستہ میں ڈاکٹر انگلی داخل کر کے ہی ٹیسٹ کرسکتا ہے، روزہ کی حالت میں ایسے ٹیسٹ کرانے سے روزے کا کیا حکم ہوگا،روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟اور کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ — مستفتی:فوجی اکرام اللہ لکی مروت

﴿جواب﴾ انگلی پانی یا تیل وغیرہ سے تر ہو تو دبر میں داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جائیگا،صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں۔

لمافی التاتارخانیہ ج ۲/۲۸۸طبع قدیمی

وفی "الظهریة" اذاادخل الرجال اصبعه فی استه اوسراه فی فرجهالایفسد وکذالواستنجی رجل وبالغ حتی دخل الماء باطنه

لمافی الدر المختار ج۲/۲۹۷کتاب الصوم باب مایفسد الصوم (سعید)

(اوادخل اصبعه الیابسة فیه) ای دبره اوفرجهاولو مبتله فسد.

لمافی تبیین الحقائق:(۱/۳۳۰باب مایفسد الصوم)

قال فخرالدین الزیلعی:لوادخلت الصائمة اصبعهافیفرجهااودبرهالایفسدعلی المختارالاان تکون مبلولةبماء اودهن.

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۷ربیع الاول۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۱۸

﴿سحری کے بعد جماع کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے رمضان میں سحری کھانے کے بعد یہ سمجھ کر اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کی کہ شاید ابھی وقت باقی ہے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ طلوعِ فجر ہو چکا تھا تو کیا اس صورت میں روزہ فاسد ہوا؟ اور فساد کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا یا قضاء؟

مستفتی: ذیشان یونس

﴿جواب﴾ اگر واقعی آپ نے یہ سمجھ کر جماع کیا ہو کہ ابھی طلوعِ فجر نہیں ہوا تو اس صورت میں کفارہ نہیں ہے لیکن ایک روزہ بنیتِ قضاء لازمی ہے کیونکہ بہر صورت روزہ جاتا رہا اور آئندہ کیلئے احتیاط کریں۔

لمافی الشامی: (۲/۴۰۱ طبع سعید)

ولو جامع على ظن انه بليل ثم علم انه بعد الفجر فنزع من ساعته فصومه فاسد لانه مخطئ ولا كفارة عليه لعدم قصد الافساد اه.

ولمافی فتح القدیر: (۲/۲۷۶ طبع رشیدیہ)

(او تسحر وهو يظن ان الفجر لم يطلع فاذا هو قد طلع او افطر ـــ وعليه القضاء ولا كفارة عليه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۳۸

﴿جانور کی مخصوص جگہ کے چھونے یا ہاتھ داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک ویٹرنری ڈاکٹر ہوں میری نگرانی میں اور بھی کام کرنے والے ہیں، دورانِ علاج بعض اوقات جانور کی مخصوص جگہ کو چھونے اور بعض اوقات تو ہاتھ داخل کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے، اس دوران یعنی چھونے اور داخل کرنے کے وقت بعض دفعہ کچھ ساتھی منتشر ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ نوبت انزال تک بھی پہنچ جاتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اگر یہ صورت ماہِ رمضان میں ہو تو اس سے روزے پر کوئی اثر تو نہیں پڑتا یعنی ٹوٹتا تو نہیں؟

﴿جواب﴾ صورتِ مسئولہ میں روزہ نہیں ٹوٹتا تاہم پھر بھی دورانِ علاج جانور کی مخصوص

جگہ کے چھونے یا ہاتھ اندر کرنے کی ضرورت ہو تو عمر رسیدہ یا کم از کم شادی شدہ افراد سے ایسے کام انجام دلایا کریں۔

لما فی التنویر مع الرد:(۲/۳۹۹،طبع سعید)

(مس فرج بهيمة او قبلها فانزل..... لم يفطر)وفي الشامية:(قوله او قبلها)عطف على مس فهو فعل ماض من التقبيل(قوله فانزل)وكذا لا يفسد صومه بدون انزال بالاولى ونقل في البحر وكذا الزيلعي وغيره الاجماع على عدم الافساد مع الانزال واستشكله في الامداد بمسئلة الاستمناء بالكف.قلت والفرق ان هناك انزالاً مع مباشرة بالفرج و هنا بدونها وعلى هذا فالاصل ان الجماع المفسد للصوم هو الجماع صورة وهو ظاهر او معنى فقط..... اما الانزال بمس او تقبيل بهيمة فانه لم يوجد فيه شيء من معنى الجماع فصار كالانزال بنظر او تفكر فلذا لم يفسد الصوم اجماعاً فهذا ما ظهر لي من فيض الفتاح العليم.

ولما في الهندية:(۱/۲۰۵،طبع رشيديه)

وان مس فرج بهيمة فانزل لا يفسد صومه كذا في السراج الوهاج.

ولما في التاتارخانية:(۲/۲۸۱،طبع قديمى)

واما اذا قبل بهيمة او مس فرج بهيمة فانزل لا يفسد صومه بلا خلاف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۰۴

﴿روزہ دار کیلئے غسل کرنا، کلی کرنا بلا کراہت جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ روزہ دار کا شدت پیاس کی وجہ سے غسل کرنا یا کلی کرنا کیسا ہے؟ یعنی روزہ میں کراہت تو نہیں آئے گی؟ میں نے کراہت کا سنا ہے؟

﴿جواب﴾ شدت پیاس کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہے، اس سے روزہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا خود حضور ﷺ سے بھی ثابت ہے، البتہ کلی کرتے ہوئے مبالغہ سے پرہیز ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ روزہ ٹوٹ جائے۔

لما في سنن أبي داؤد:(۱/۳۲۲-۳۲۳،طبع رحمانيه)

حدثنا عبدالله ـــ عن بعض أصحاب النبي ﷺ قال رأيت النبي ﷺ أمر الناس في سفره عام الفتح بالفطر وقال تقووا لعدوكم وصام رسول الله ﷺ قال ابوبكر قال الذي حدثني لقد رأيت رسول ﷺ بالعرج يصب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أو من الحر ـــ حدثنا قتيبة بن سعيد قال..... عن ابيه لقيط بن صبرة قال قال رسول الله ﷺ بالغ

فی الاستنشاق الا ان تكون صائما.

ولمافي الدرالمختار:(۲/۳۹۹،طبع امدادیه)

وكذالاتكره حجامة..... ومضمضة أواستنشاق أواغتسال للتبردعندالثاني وبه يفتي.شرنبلالية عن البرهان.هكذا قال الشامیؒ تحته.

واللہ اعلم بالصواب: عزیزالرحمٰن چارسدوی
فتویٰ نمبر:۱۷۰۹

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
۱۳رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

﴿بغیر بوس وکنار کے شوہر کو انزال ہوجائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص رمضان المبارک میں روزہ کے دوران اپنی بیوی کے پاس بیٹھا ہوا اور کمزوری کی وجہ سے اسے انزال ہوجائے، پوچھنا یہ ہے کہ اسکا روزہ فاسد ہوگیا یا نہیں؟ نیز روزہ فاسد ہونیکی صورت میں کفارہ بھی واجب ہوگا یا صرف قضاء لازم ہوگی؟

مستفتی: محمد اسحاق سواتی

﴿جواب﴾ بیوی سے بوس وکنار کے نتیجہ میں انزال ہوا ہو تو صرف ایک روزہ کی قضاء واجب ہے اور اگر انزال صرف قریب بیٹھنے سے ہوا ہے، بوس وکنار وغیرہ کچھ نہیں کیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

لمافي التنويرمع الدر:(۲/۳۶۷،طبع امدادیه)

(أوأنزل بنظر)ولوالى فرجها مرارا(أوبفكر)وان طال مجمع.....(لم يفطر)

ولمافي هامش شرح الوقاية:(۱/۳۱۲،طبع امدادیه)

وامافي الانزال بالنظروالفكرفلعدم وجودالمفطروهوالجماع لاحقيقة ولا معنى بخلاف ما اذاقبل أولمس بشهوة فأنزل فانه يفطرالخ.

واللہ اعلم بالصواب: عزیزالرحمٰن چارسدوی
فتویٰ نمبر:۱۶۶۵

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
۵رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

﴿احتلام سے روزہ نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا روزہ تھا اور جب دوپہر کو میں سویا تو مجھے احتلام ہوگیا تو کیا میرا روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں؟

مستفتی: عامر رحمٰن

﴿جواب﴾ احتلام ہوجانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس لیے آپ کا روزہ صحیح ہے۔

لما فی التنویر:(۲/۳۹۴،۳۹۶،۴۰۰،طبع سعید)

(اذا اكل الصائم أو شرب أو جامع ----أو احتلم أو انزل بنظر ---لم يفطر)

و لما فی البنایه:(۴/۲۸۳،طبع حقانیه)

(فان نام فاحتلم)أى انزل(لم يفطر)باجماع الأئمة الاربعة رحمهم الله تعالى (لقوله عليه الصلوة و السلام ثلاث لا يفطرن الصيام القئ و الحجامة و الا حتلام و لانه لم توجد صورة الجماع) و هو ايلاج الفرج(و لا معناه)أى و لا معنى الجماع (و هو الانزال عن شهوة لمباشرة) يعنى بمس الرجل والمرأة.

و لما فی فتاوی قاضی خان:(۱/۱۸۵،طبع: قدیمی)

الغيبة لا تفسد صومه و كذا الاحتلام ---لان فساد الصوم فى الجماع عرف نصاً والجماع قضاء الشهوة بمماسة العضو العضو ولم يوجد.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد شعیب عفی عنہ

۲۴ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۸۷

﴿روزے میں استمناء بالید کرنے سے صرف قضاواجب ہوتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر روزہ دار رمضان کے مہینہ میں استمناء بالید یعنی ہاتھ کے ذریعے منی کا اخراج کرے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ نیز روزہ ٹوٹ جانے کی صورت میں قضالازم ہوگی یا کفارہ بھی؟

﴿جواب﴾ روزہ دار رمضان کے مہینہ میں استمناء بالید یعنی ہاتھ کے ذریعے منی کا اخراج کرے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، صرف قضا لازم ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا اور یاد رکھیں یہ گناہ کا کام ہے۔

ولما فی حاشیۃ الهدایة:(۱/۲۲۵،طبع رحمانیه)

وعامة المشائخ على ان الاستمناء مفطروقال المصنف فى التجنيس انه المختار.

ولما فی الشامی:(۲/۳۹۹،طبع سعید)

(قوله وكذا الاستمناء بالكف)اى فى كونه لا يفسد لكن هذا اذالم ينزل اما اذاانزل فعليه القضاء.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد وارث خان سواتی

۴جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۵۲۹

﴿غروب آفتاب سے پہلے افطاری کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب اگر کوئی شخص غلطی سے وقت داخل ہونے سے پہلے روزہ افطار کرے تو اس روزے کی صرف قضاء لازم ہوگی یا کفارہ بھی؟ مستفتی حیدر امان کوٹ

﴿جواب﴾ اگر کوئی غلطی سے غروب آفتاب سے پہلے روزہ افطار کرلے تو اسپر صرف ایک روزے کی قضاء لازم ہے، کفارہ لازم نہیں ہے۔

لما فی الهندية:(۲۱۲/۱ طبع قديمی)

تسحر على ظن ان الفجر لم يطلع وهو طالع او افطر على ظن ان الشمس قد غربت ولم تغرب قضاه ولا كفارة عليه لانه ماتعمد الافطار كذا فی محيط السرخسی۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۶رجب المرجب ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۶۸۹

﴿سونے کی حالت میں کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں سونے کی حالت میں چلنا پھرنا شروع کردیتا ہوں مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا بعض دفعہ کھانے کی چیز اگر مل جائے تو اسے بھی کھا جاتا ہوں، اور کچھ پتہ ہی نہیں چلتا بعد میں دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ تو چلا پھرا ہے یا تو نے کچھ کھایا ہے۔ یہ صورت اگر رمضان کے مہینہ میں روزہ کی حالت میں پیش آئے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائیگا یا نہیں؟ مستفتی: اکرام اللہ بونیر

﴿جواب﴾ مسئولہ صورت یعنی سونے کی حالت میں کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جائیگا چاہے فرض ہو یا نفل۔

لما فی الشامی:(۴۰۱/۲ طبع سعید)

(قوله اوشرب نائما)فيه ان النائم غير مخطیء لعدم قصده الفعل نعم صرح فی النهر بان المكره والنائم كالمخطیء اه وليس هو كالناسی لان النائم اوذاهب العقل لم تؤكل ذبيحته وتؤكل ذبيحة من نسی التسمية بحرعن الخانية قال الرحمتی ومعناه: ان النسيان اعتبر عذرا فی ترك التسمية بخلاف النوم والجنون، فكذا يعتبر عذرا فی تناول المفطر لان النسيان غير نادر الوقوع، وأما الذبح وتناول المفطر فی حال النوم والجنون

فتاتر فلم يلحق بالنسيان.

ولما فی التاتارخانية:(۲/ ۲۷۰،طبع قدیمی)

وفی "المنتقی": اذا شرب الصائم لعليه القضاء، قال لانه ليس هو كالناسی واشار الی الفرق وقال: الاترى ان الصائم أو ذاهب العقل الذابح لم يؤكل ذبيحته والناسی للتسمية يؤكل ذبيحته، وهكذا فی البحر:(۲/ ۲۷۲،طبع سعيد)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۰۱

﴿عورت کو ہاتھ لگانے سے انزال ہو جائے تو روزے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ رمضان میں ایک آدمی نے اپنی بیوی کو محبت کے ساتھ ہاتھ لگایا اور جماع کے بغیر انزال ہو گیا، کیا اس پر قضاء ہے یا کفارہ؟ مستفتی: شاکر اللہ سواتی

﴿جواب﴾ شوہر کا جسم بیوی کے جسم کے ساتھ بغیر حائل (کپڑا) کے مس ہوا ہو یا کپڑے سمیت لیکن اتنا باریک کپڑا تھا کہ جسم کی حرارت کا احساس ہو رہا تھا جس سے انزال ہو گیا تو ایسی صورت میں شوہر پر صرف اسی روزہ کی قضاء لازم ہے کوئی کفارہ واجب نہیں ہے اور مس کرتے وقت موٹا کپڑا اگر حائل تھا جس سے جسم کی حرارت کا احساس نہیں ہو رہا تھا اس کے باوجود انزال ہو گیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

لما فی الهندية:(۱/ ۲۰۲-۲۰۳،طبع رشيديه)

والمفسد على نوعين (النوع الاول ما يوجب القضاء دون الكفارة)— واذا قبل امرأته وانزل فسد صومه من غير كفارة كذا فی المحيط— والمس والمباشرة والمصافحة والمعانقة كالقبلة كذا فی البحر الرائق.

ولما فی البحر:(۲/ ۲۷۲،طبع سعيد)

او قبلها بشهوة فانزل فسد صومه— واللمس والمباشرة والمصافحة والمعانقة كالقبلة ولا كفارة عليه— والمراد باللمس اللمس بلا حائل فان مسها وراء الثياب فأمنى فان وجد حرارة جلدها فسد والا فلا.

ولما فی حاشية الطحطاوی:(ص ۳۶۱،طبع قدیمی)

(او انزل بنظر) ليه بالنظر لان الانزال بالمس ولو بحائل لو جد معه الحرارة مفسد.

وفي خلاصة الفتاوى (۱/ ۲۵۱ طبع رشیدیه)

ولو لمس امرأته بشهوة فأمنى أو مسها بشهوة فأمنى فعليه القضاء دون الكفارة.

وفي التنوير مع الدر (۲/ ۴۰۲ طبع سعید) (أو لمس) ولو بحائل لا يمنع الحرارة.

وفي الشامية تحته (ولو بحائل لا يمنع الحرارة) أي يفهم ما بعد لو وهو عدم الحائل بالأولى بالحكم وهو وجوب القضاء — وقيد الحائل بكونه لا يمنع الحرارة فلو كان يمنعها لم يفسد ... لو مسها وراء الثياب فأمنى فإن وجد حرارة جلدها فسد وإلا فلا.

وفي شرح الوقاية (۱/ ۲۱۲ طبع امدادیه) وقبّل أو لمس إن أنزل قضى وإلا فلا.

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ — فتوی نمبر: ۱۱۲۷

﴿روزہ کی حالت میں دانت سے خون نکل کر حلق میں چلا جائے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ روزہ کی حالت میں دانت سے خون نکل کر حلق میں چلا جائے تو روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر فاسد ہوتا ہے تو روزہ کی قضاء ہے یا کفارہ؟

﴿جواب﴾ خون قلیل مقدار میں ہو اور تھوک کا غلبہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا لیکن اگر خون کا مزہ حلق میں محسوس ہو جس کی وجہ سے پیٹ میں جانے کا یقین ہو تو روزہ فاسد ہوگا اور اگر خون تھوک سے زیادہ ہو یا برابر ہو تب بھی روزہ فاسد ہوگا اور اس صورت میں صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

لما في الهندية (۱/ ۲۰۳ طبع رشیدیه)

الدم الخارج من الأسنان دخل حلقه إن كانت الغلبة للبزاق لا يضره وإن كانت الغلبة للدم يفسد صومه وإن كان سواء أفسده استحسانا.

وفي الدر المختار (۲/ ۳۹۶ طبع سعید)

(أو خرج الدم من بين أسنانه ودخل حلقه) يعني ولم يصل إلى جوفه أما إذا وصل فإن غلب الدم أو تساويا فسد وإلا لا إلا إذا وجد طعمه بزازيه.

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: حبیب الوہاب سواتی عفا اللہ عنہ

۱۱ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ — فتوی نمبر: ۱۶۹۲

﴿روزہ دار کیلئے دوسری چیز کے ذائقہ والی مسواک کا استعمال﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل ایک مسواک ملتی

ہے جسمیں ذائقہ ڈالا جاتا ہے مثلاً الائچی، دارچینی کا، پوچھنا یہ ہے کہ اس مسواک کو روزے کی حالت میں استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: فیاض الدین

﴿جواب﴾ جس مسواک میں الائچی، دارچینی وغیرہ کا ذائقہ ملایا گیا ہو تازہ مسواک کی طرح اصلی اور ذاتی ذائقہ اس کا نہ ہو تو ایسی مسواک روزے کی حالت میں استعمال کرنا مکروہ ہے خصوصاً جبکہ فرض روزہ ہو۔

لما فی فتح القدیر: (۲/۳۲۸-۳۲۹، طبع رشیدیہ)

(ومن ذاق شیئا بفمه لم یفطر)لعدم الفطر صورة ومعنی (ویکره له ذلک)لمافیه من تعریض الصوم علی الفساد(قوله ویکره له ذلک)قیده الحلوانی بما اذا کان فی الفرض اما فی النفل فلا لانه یباح الفطر فیه بعذر وبلا عذر فی روایة الحسن عن ابی حنیفة وابی یوسف ایضا فالذوق اولی بعدم الکراهة لانه لیس بافطار بل یحتمل ان یصیر ایاه.

ولما فی الدر المختار: (۲/۴۱۶، طبع سعید)

(وکره)له(ذوق شیء و)کذا(مضغه بلا عذر)...... الخ.

وفی الشامیة: وکره له ذوق شئی قوله وکره الظاهر ان الکراهة فی هذه الاشیاء تنزیهیة.

ولما فی منحة الخالق علی البحر: (۲/۲۸۰، طبع سعید)

قال صاحب المنحة: (قوله وفیه بحث الخ)قال فی النهر یمکن ان یقال انما لم یکره فی النفل وکره فی الفرض اظهار التفاوت المرتبتین.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمن کوہاٹی

۱/۱/۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۷۶

﴿صبح صادق کے بعد پان کی سرخی کو تھوک کے ساتھ نگل لیا تو روزے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے صبح صادق سے پہلے پان کھایا اور منہ کو اچھی طرح دھولیا لیکن صبح صادق ہونے کے بعد منہ میں پان کی سرخی اسکو دکھائی دی تو کیا اس صورت میں تھوک نگلنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: جاوید خان

﴿جواب﴾ کلی کر کے منہ کو اچھی طرح دھونے کے بعد بھی منہ میں پان کی سرخی اگر باقی رہے تو اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تھوک نگلنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

لما في التنوير مع الدر:(۲/۳۹۶،طبع سعيد)

(اوبقى بلل في فيه بعد المضمضة وابتلعه مع الريق) كطعم ادوية ومص اهليلج.

وفي الشامية:(قوله اوبقى بلل في فيه بعد المضمضة) جعله في الفتح والبدائع شبيه دخول الدخان والغبار ومقتضاه ان العلة فيه عدم امكان التحرز عنه، وينبغي اشتراط البصق بعد مج الماء لاختلاط الماء بالبصاق فلا يخرج بمجرد المج نعم لا يشترط المبالغة في البصق لان الباقي بعده مجرد بلل ورطوبة لا يمكن التحرز عنه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق

۲۶ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۷۲۵

﴿غیر اختیاری طور پر دھواں یا مکھی حلق میں جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ اگر روزے کی حالت میں غیر اختیاری طور پر اگربتی کا دھواں یا کوئی مکھی گلے میں چلی جائے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

﴿جواب﴾ اگر کوئی مکھی یا اگربتی کا دھواں غیر اختیاری طور پر حلق میں چلا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں اگر جان بوجھ کر دھواں گلے میں داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

لما في التنوير مع الدر:(۲/۳۹۵،طبع سعيد)

(اودخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان) ولو ذاكرا استحسانا لعدم امكان التحرز عنه، ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولو عودا أو عنبرا لو ذاكرا لامكان التحرز عنه فليتنبه له كما بسطه الشرنبلالي.

وفي الشامية:(قوله استحسانا) وفي القياس يفسد أي بدخول الذباب لوصول المفطر الى جوفه وان كان لا يتغذى به كالتراب والحصاة فأشبه الغبار والدخان لدخولهما من الانف اذا أطبق الفم كما في الفتح وهذا يفيد أنه اذا وجد بدا من تعاطي ما يدخل غباره في حلقه أفسد لو فعل شرنبلالية (قوله ومفاده) أي مفاد قوله دخل اي بنفسه بلا صنع منه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۱۷

﴿سحری کے بعد منہ میں کھانے کے باقی ذرات کا حکم﴾

﴿سوال﴾ (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ سحری کھانے کے بعد کھانے کے کچھ ذرات منہ اور دانتوں کے بیچ میں باقی تھے کہ سحری کا وقت ختم ہو گیا بعد میں ان ذرات کو نگل لیا تو کیا اس

صورت میں روزہ ٹوٹ گیا؟ ٹوٹنے کی صورت میں صرف قضاء ہے یا کفارہ بھی؟

(۲) ایک شخص روزے کی حالت میں غسل کررہا تھا کہ غلطی سے کچھ پانی منہ کے اندر چلا گیا اس صورت میں روزے کی قضا لازم ہے یا کفارہ؟ مستفتی: محمد طاہر

﴿جواب﴾ (۱) مذکورہ صورت میں منہ اور دانتوں کے بیچ میں باقی ماندہ کھانے کے ذرات اگر چنے کے دانے کے برابر یا اس سے زیادہ ہوں تو روزہ ٹوٹ جائے گا، قضاء اور کفارے کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، اصح یہی ہے کہ صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

لما في الهندية: (۲۰۲/۱ طبع رشيديه)

وان أكل مابين أسنانه لم يفسد ان كان قليلاً وان كان كثيراً يفسد والحمصة وما فوقها كثير ومادونها قليل وان أخرجه وأخذه بيده ثم أكل ينبغي أن يفسد كذا في الكافي وفي الكفارة أقاويل قال الفقيه رحمه الله تعالىٰ والاصح أنه لاتجب الكفارة كذا في الخلاصة.

(۲) روزے کی حالت میں غسل کرنے والے شخص کے منہ میں پانی جانے کے وقت اس کو اگر اپنا روزہ یاد تھا تو روزہ ٹوٹ گیا اور قضاء لازم ہے لیکن اگر اس کو روزہ یاد نہ تھا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹا۔

ولما في الهندية: (۲۰۲/۱ طبع رشيديه)

وان تمضمض أو استنشق فدخل الماء جوفه ان كان ذاكراً لصومه فسد صومه وعليه القضاء وان لم يكن ذاكراً لا يفسد صومه ---لانه بمنزلة المخطئ وكذا اذا اغتسل فدخل الماء حلقه.

ولما في الخانية: (۱۸۶/۱ طبع قديمي)

تمضمض حتى دخل الماء حلقه، ان زاد في المضمضة على الثلاث ووصل الماء جوفه فسد صومه وقال ابن أبي ليلىٰ رحمه الله تعالىٰ ان توضأ للصلوٰة المكتوبة لم يفسد صومه وان توضأ للتطوع فسد صومه وقال بعضهم لا يفسد فيهما وعن الحسن وهو قول أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ ان كان ذاكراً صومه فسد صومه وان كان ناسياً لاشئ عليه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد عزیز فیض آبادی

۲ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ   فتویٰ نمبر: ۳۶۷

﴿روزہ دار کے لیے استنجاء میں احتیاط کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ایک بات جو عوام میں مشہور ہے کہ روزہ دار کے

لئے استنجاء میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیئے یہ کہاں تک درست ہے؟ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ مستفتی: مختار احمد

﴿جواب﴾ روزہ دار کو احتیاط کرنی چاہیے، البتہ روزے کا اس سے ٹوٹنا بعید ہے کیونکہ مخرج سے پانی جب تک موضع حقنہ تک نہ پہنچ جائے، روزہ نہیں ٹوٹے گا، استنجاء میں پانی موضع حقنہ تک نہیں پہنچتا ہے۔۔

لمافی الهندية:(۱/۲۰۲،طبع رشيديه)

والصائم اذااستقصى فى الاستنجاء حتى بلغ الماء مبلغ الحقنة يفسد صومه هكذافى البحر.

ولمافى البحر:(۲/۲۷۹،طبع سعيد)

وذكر الولوالجى أن الصائم اذااستقصى فى الاستنجاء حتى بلغ مبلغ المحقنة فهذا أقل مايكون ولوكان يفسد صومه والاستقصاء لايفعل لانه يورث داء عظيماً.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۵

﴿بطور غذا استعمال نہ ہونے والی اشیاء کے نگلنے سے صرف قضاء لازم ہوتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ایک شخص سکہ (چونی) منہ میں رکھ کر کھیل رہا تھا کہ اچانک پیٹ میں چلا گیا تو اس شخص کا روزہ ٹوٹ گیا؟ اس پر صرف قضاء ہے یا کفارہ؟

﴿جواب﴾ وہ چیزیں جو نہ غذاء استعمال ہوتی ہوں اور نہ دواء مثلاً پتھر، لکڑی، مٹی وغیرہ ان کے نگلنے کی صورت میں روزہ تو ٹوٹ جائے گا لیکن کفارہ نہیں آئے گا محض قضا لازم ہوگی۔

لمافی الهندية:(۱/۲۰۲،طبع رشيديه)

واذاابتلع مالا يتغذى به ولايتداوى به عادة كالحجر والتراب لايوجب الكفارة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۳ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۶

﴿سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگوں سے سننے

میں آیا ہے کہ سرمہ لگانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، کیا ان حضرات کی یہ بات صحیح ہے؟

﴿جواب﴾ سرمہ لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا یہ بات غلط مشہور ہے۔

لما فی التاتارخانیة:(۲/۲۷۷،طبع قدیمی)

واما اذا اکتحل او اقطر بشیء من الدواء فی عینه لا یفسد الصوم عندنا وان وجد طعم ذلک فی حلقه.

ولما فی الجوهرة النیرة(ص ۱۷۹ طبع میر محمد)

(قوله او احتجم او اکتحل)سواء وجد طعم الکحل او لا فانه لا یفطر.

ولما فی الدر المختار:(۲/۳۹۵،طبع سعید)

(او ادهن او اکتحل او احتجم)وان وجد طعمه فی حلقه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۳ رجب ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۹۰

﴿روزہ دار کی آنکھ، کان اور ناک میں دوائی ڈالنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کی آنکھ، کان یا ناک میں تکلیف ہو اور وہ روزہ کی حالت میں آنکھ، کان اور ناک میں دوا ڈالے تو اس سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

مستفتی: جواد علی

﴿جواب﴾ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو۔

لما فی الهندیة:(۱/۲۰۳،فیما یفسد وما لا یفسد ،طبع رشیدیة)

ولو أقطر شیئا من الدواء فی عینه لا یفطر صومه عندنا وان وجد طعمه فی حلقه.

ولما فی الشامی:(۱/۳۹۵،باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد،طبع سعید)

(قوله وان وجد طعمه فی حلقه)أی طعم الکحل أو الدهن کما فی السراج وکذا لو بزق فوجد لونه فی الاصح بحر...الخ.

البتہ کان اور ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

لما فی المحیط البرهانی:(۲/۳۲۷،فیما یفسد الصوم،طبع دار القرآن)

واذا (استعط) أو اقطر فی اذنه فان کان شیئا یتعلق به صلاح البدن نحو الدهن، والدواء، یفسد صومه من غیر کفارة، وان کان شیئا لا یتعلق به صلاح البدن کالماء،قال مشایخنا: ینبغی ان لا یفسد صومه،الا ان محمدا رحمه الله تعالى لم یفصل بین ما

یتعلق صلاح البدن وبین ما لا یتعلق۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب عفی عنہ

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۹۳

﴿رمضان المبارک میں بغیر شہوت منی نکلنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ اگر رمضان میں روزے کی حالت میں بغیر شہوت اور بغیر جماع کے منی نکل جائے تو اس صورت میں روزے کا کیا حکم ہے؟ نیز مسوڑھوں سے جو خون نکلتا ہے اس کے نکلنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: نور حسین

﴿جواب﴾ روزہ کی حالت میں اگر ازخود منی خارج ہوجائے یعنی بغیر جماع یا بغیر کسی اختیاری فعل کے تو اس صورت میں روزے کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی البحر الرائق: (۲۷۲/۲ طبع سعید)

(او احتلم او انزل بنظر) ای لا یفطر لحدیث السنن لا یفطر من قاء ولا من احتلم ولا من احتجم ولانہ لم یوجد الجماع صورۃ لعدم الایلاج حقیقۃ ولا معنی لعدم الانزال عن شهوۃ المباشرۃ.

دانتوں اور مسوڑھوں سے نکلنے والے خون میں قدرے تفصیل ہے اگر نگلے ہوئے خون میں تھوک غالب تھا تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر خون غالب تھا تو روزہ فاسد ہوگا اور قضاء لازم ہوگی لیکن اگر دونوں مساوی تھے تو پھر بھی احتیاط اسی میں ہے کہ روزے کی قضاء کرے۔

لما فی الولوالجیۃ: (۲۱۷/۱ طبع فاروقیہ)

الدم اذا خرج من الاسنان ودخل الحلق ان کانت الغلبۃ للبزاق لا یفسد صومہ لانہ للغالب حکم الکل وان کانت الغلبۃ للدم یفسد صومہ لما ذکرنا وان کانا علی السواء یلزمہ القضاء استحسانا ترجیحا للسواد احتیاطا.

ولما فی الهندیۃ: (۲۰۳/۱ طبع رشیدیہ)

الدم اذا خرج من الاسنان ودخل حلقہ ان کانت الغلبۃ للبزاق لا یضرہ وان کانت الغلبۃ للدم یفسد صومہ وان کانا سواء افسد ایضا استحسانا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: راحت اللہ عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۴۳

﴿داڑھی کا بال منہ میں لینے کے بعد دوبارہ لعاب نگلنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان کے مہینے میں تبلیغی جماعت کے ساتھ جانا ہوا، جماعت میں ہمارے ایک ساتھی داڑھی کے بال منہ میں لئے ہوئے تھے، ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر داڑھی کے بال منہ سے نکال کر دوبارہ منہ میں داخل کرو گے تو تمہارا روزہ ٹوٹ جائیگا، یہ مسئلہ کس حد تک درست ہے وضاحت فرمائیں؟

﴿جواب﴾ داڑھی مبارک کو منہ میں لینا خلاف وضع عمل ہے، اس سے بچنا چاہیے اور مولوی صاحب نے جو مسئلہ بیان کیا ہے، یہ اس صورت پر محمول ہے کہ منہ میں بال ڈالنے سے لعاب لگے اور دوبارہ منہ میں ڈالدے اور وہ لعاب نگل جائے تو اس سے روزہ واقعی ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے کہ لعاب منہ میں ہوتے ہوئے نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن نکالنے کے بعد دوبارہ منہ میں ڈال کر نگلنے سے بلاشبہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

لما فی الشامی:(۲/۲۰۰طبع سعید)

وكذالو فتل الخيط ببزاقه مرارايعنى اذاراد فتل الخيط وبله ببزاقه وأدخله فى فمه مرارالا يفسد صومه وان بقى فى الخيط عقدالبزاق وفى النظم للزندويستى انه يفسد كذافى التنيه،وحكى الأول فى الظهيرية عن شمس الأئمة الحلوانى ثم قال،وذكر الزندويستى اذا فتل السلكة و بلها بريقه ثم أمرها ثانياً فى فمه ثم ابتلع ذلك البزاق فسدصومه ثم لا يخفىٰ ان المحكىٰ عن شمس الأئمةمقيد بما اذا بتلع البزاق و الافلا فائدةفى التنبيه على انه لايفسد صومه فهو محمول على ما صرح به فى النظم فكان مراد صاحب الظهيرية ان ذلك المطلق محمول على هذا المقيدفهمامسألة واحدة خلافاً لمااستظهره فى شرح الوهبانيةمن انهمامسألتان بحمل الأولىٰ على ما اذالم يبتلع البزاق والثانية على ما اذا ابتلعه اذ لا يبقىٰ خلاف حينئذٍ اصلا كما لايخفىٰ وهو خلاف المفهوم من القنيةوالظهيرية.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد طیب حسن زکی

۳۰ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۱۰۵

﴿رمضان کے روزہ میں بیوی کے ساتھ کپڑے سمیت جماع کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص رمضان المبارک میں روزہ کی حالت

میں بیوی کیساتھ کپڑے سمیت جماع کرلے تو اس صورت میں صرف روزہ کی قضاء لازم ہوگی یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟ مستفتی: اکرام اللہ داوڑی

﴿جواب﴾ روزہ کی حالت میں بیوی کیساتھ جماع کرنا روزہ کے منافی ہے اور حرمت رمضان کی وجہ سے اسکی شناعت اور بڑھ جاتی ہے اسلئے رمضان کے ایام میں اپنے بیوی کیساتھ قصداً جماع کرنے سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوجاتے ہیں، البتہ مذکورہ صورت میں کپڑا حرارت جسم کیلئے اگر مانع تھا تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اگر کپڑا حرارت جسم کیلئے مانع نہیں تھا تو قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

لمافی الخلاصة:(۲۵۹/۱،طبع رشیدیہ)

الصائم اذا جامع امرأته متعمدا فی نهار رمضان فعليه القضاء والكفارة اذا توارت الحشفة انزل اولم ينزل وعلى المرأة مثل ما على الرجل ان كانت مطاوعة.

ولمافی الهندية:(۲۰۴/۱،طبع رشیدیہ)

ولومس الامرأة وراء ثيابها فامنى فان وجد حرارة جلدها فسد والافلا كذافی معراج الهداية.

ولمافی الاشباه والنظائر:(ص۳۲۷،طبع قدیمی)

لافرق فی الايلاج بين ان يكون بحائل اولالكن بشرط ان تصل الحرارة معه هكذا ذكروه فی التحليل، فتجری فی سائر الابواب.

ولمافی البحر الرائق:(۲۷۲/۲،طبع سعید)

والمراد باللمس اللمس بلا حائل فان مسها وراء الثياب فامنى فان وجد حرارة جلدها فسد والافلا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر: ۱۸۶۳

﴿دانت نکالتے وقت نکلنے والے خون کے روزہ پر اثرات﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکلیف کی وجہ سے روزہ دار کے لئے دانت نکلوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر دانت نکالتے وقت یا بعد میں خون آئے تو اس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: حبیب اللہ

﴿جواب﴾ روزہ کی حالت میں دانت نکلوانا کوئی منع نہیں ہے اور خون نکلنے سے روزہ پر کوئی

اثر نہیں پڑتا، البتہ خون نکل جائے یا دانت سن کرنے کے لیے انجکشن کی دواء یا کوئی اور چیز نکل جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور غالب یہی ہے کہ دانت نکلوانے کی صورت میں خون وغیرہ نکلا ہی جاتا ہے، اس لئے روزہ کی حالت میں دانت نکلوانے سے منع کیا جاتا ہے بہت مجبوری ہو تو نکلوا کر بعد میں کم از کم ایک روزہ قضاء کرے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۳۹۶،طبع سعید)

(أوخرج الدم من بين أسنانه ودخل حلقه) يعنى ولم يصل الى جوفه أمااذا وصل فان غلب الدم أوتساويافسدوالآلا.

وفى الشامية:من قلع ضرسه فى رمضان ودخل الدم الى جوفه فى النهارولونائمافيجب عليه القضاء الاأن يفرق بعدم امكان التحرزعنه فيكون كالقئى الذى عادبنفسه.

ولما فى الهندية:(۱/۲۰۳،طبع رشيديه)

الدم اذاخرج من الاسنان ودخل حلقه ان كانت الغلبة للبزاق لايضره وان كانت الغلبة للدم يفسدصومه وان كانا سواء أفسدأيضاًاستحساناً.

ولما فى البحرالرائق:(۲/۲۷۳،طبع سعيد)

وفى الولوالجية الدم اذاخرج من الاسنان ودخل الحلق ان كانت الغلبة للبزاق لايفسد صومه وان كانت للدم فسدوكذاان استويااحتياطاً.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

۲۸ جمادالاولی ۱۴۳۰ھ　　　فتوی نمبر: ۲۲۳۶

﴿پیٹ میں بندوق کی گولی لگنے سے روزے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر روزے کی حالت میں کسی کے پیٹ میں بندوق کی گولی لگ جائے تو اس سے اسکا روزہ خراب ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بندوق کی گولی اگر پیٹ میں لگی اور نکل گئی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ اگر گولی پیٹ میں ہی رہ گئی تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

لما فی خلاصۃ الفتاوی:(۱/۲۵۳،طبع رشیدیه)

ولوطعن برمح فوصل الى جوفه ثم نزعه لاتفسدصومه ولوبقى الرمح فى جوفه اختلف المشايخ والصحيح انه لايفسدصومه هذافى نسخةالامام فخرالدين وفى التجريديفسد.

ولما فی المبسوط:(۹۸/۳،طبع دار المعرفة بیروت)

ولو طعن برمح حتیٰ وصل الیٰ جوفه لم یفطره لان کون الرمح بید الطاعن یمنع وصوله الیٰ باطنه حکماً فان بقیٰ الزج فی جوفه فسد صومه۔

ولما فی الهندیة:(۲۰۴/۱،طبع رشیدیه)

ولو طعن برمح أو اصابه سهم وبقی فی جوفه فسد وان بقی طرفه خارجاً لا یفسد.

ولما فی التجنیس والمزید:(۳۸۲/۲،طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة)

ولو طعن الصائم برمح وعلیه سنانه فأخرجه وبقیٰ الزج فی جوفه فطره، لأنه وصل الفطر الیٰ جوفه وان أخرجه مع الزج لا یفطره.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

ربیع الاول ۱۴۳۰ھ   فتوی نمبر: ۲۰۱۱

﴿فصل فی صوم النفل والنذر﴾

﴿نفلی اور نذر کے روزوں کا بیان﴾

﴿نذر کے روزوں سے عاجز آنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں ساری عمر روزے رکھوں گا اور اس کا وہ کام ہو گیا اور پھر کسی بیماری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتا ہو تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں۔   مستفتی: توفیق اللہ چارسدہ

﴿جواب﴾ نذر کو پورا کرنا واجب ہے بشرطیکہ کسی گناہ کی نذر نہ ہو، لہٰذا مذکورہ صورت میں جب اس آدمی نے یہ کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں ساری عمر روزے رکھوں گا اور پھر وہ کام ہو گیا تو اس آدمی پر اس نذر کو پورا کرنا یعنی روزے رکھنا واجب ہے لیکن یہ آدمی چونکہ روزے رکھنے پر قادر نہیں رہا تو اب اس کے ذمہ فدیہ دینا ضروری ہے بشرطیکہ مالدار ہو یعنی ایک مسکین کو صدقۂ فطر کے برابر غلہ دیدے، البتہ عید الفطر کا ایک روزہ، عید الاضحیٰ کے موقع پر ایامِ تشریق کے چار روزے واجب نہیں ہیں اور اگر نادار ہے یعنی فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو استغفار کرتا رہے اللہ معاف فرمانے والا ہے۔

لما فی الدر المختار:(۴۲۸/۲،طبع سعید)

نذر صوم رجب......أو صوم الأبد فضعف لاشتغاله بالمعیشة أفطر وکفر لحوله وکفر أی فدی.

ولما فی الشامی :(۲/۴۲۱،طبع سعید)

لو نذر صوم الأبد فأکل لعذر فدی،قوله لعذر وکذالدونه،قوله فدی أی لکل یوم نصف صاع من برأو صاعا من شعیر وان لم یقدر استغفر الله.

ولما فی الهندیة:(۱/۲۳۰،طبع قدیمی)

ولو أخر القضاء حتی صار شیخافانیاأوکان النذر بصیام الأبدفعجزلذلک.....فله أن یفطرویطعم لکل یوم مسکیناعلی ماتقدم وان لم یقدرعلی ذلک لعسرته یستغفرالله انه هوالغفورالرحیم.

ولما فی التاتارخانیة:(۲/۲۰۷،طبع قدیمی)

واذاقال لله علی صوم الابد یفطر ایام العید ویطعم عن کل یوم مسکینا نصف صاع من حنطة ،هشام عن محمد فیمن جعل علی نفسه صوم الابد فأفطر یوم الفطر ویوم الاضحی لایطعم عن هذه الایام فی حیاته وعلیه أن یطعم ......اذاقال لله علی ان أصوم ابدا فضعف عن الصوم ......کان له ان یفطر ویطعم لکل یوم نصف صاع من الحنطة.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :محمد عمران غفرلہ ولوالدیہ

۲۸صفرالخیر ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر:۲۹۳۵

﴿شوال کے چھ روزوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے متعلق کہ شوال کے چھ روزے کب رکھنے چاہیے مسلسل چھ دن رکھنا ضروری ہے یا متفرق بھی رکھ سکتے ہیں؟

﴿جواب﴾ شوال کے یہ چھ روزے ماہ شوال میں کسی بھی وقت رکھے جا سکتے ہیں، متفرق طور پر رکھنا مستحب ہے لیکن اگر کسی نے مسلسل رکھ لئے تب بھی درست ہے مکروہ نہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۴۳۵،طبع سعید)

(وندب تفریق صوم الست من شوال) ولا یکره التتابع علی المختار خلافاً للثانی حاوی والاتباع المکروہ أن یصوم الفطر وخمسةً بعده.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم :محمد عزیز چترالی

۱۴جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:۳۰۸

﴿نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں، کہ ۹ ذی الحجہ کا روزہ رکھنا

کیسا ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا رکھنا صحیح نہیں ہیں، برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔
مستفتی: عبداللہ

﴿جواب﴾ نویں ذی الحجہ یعنی عرفہ کے دن روزہ رکھنا حاجیوں کے علاوہ عام لوگوں کیلئے ایک بہترین عمل ہے، اور بہت سارے احادیث میں انکے فضائل آئے ہیں، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ نویں ذی الحجہ کے روزہ رکھنے سے پچھلے اور آنے والے دونوں سالوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں، کہ اس دن کا روزہ رکھنا عام لوگوں کیلئے صحیح نہیں ہیں، انکی بات غلط ہے، حاجی لوگوں کے لیے جو حکم ہے اس کو یہ لوگ عام قرار دے رہے ہیں گویا ان کو اشتباہ ہو گیا ہے۔

لما فی صحیح مسلم (۳۶۸/۱ طبع قدیمی)

حدثنا محمد بن المثنی ــــ عن ابی قتادة الانصاری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سئل عن صومه. الی آخر ماقال وسئل عن صوم یوم عرفة فقال یكفر السنة الماضية والباقية الی آخر الحديث.

حدثنا يحی بن الیحی التمیمی ــــ عن ابی قتادة رجل اتی الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال كیف تصوم. الی آخر ما قال صیام یوم عرفة احتسب علی الله ان یكفر السنة التی قبله والسنة التی بعدهالی آخر الحدث. (رواه مسلم ۳۶۷/۱، طبع: قدیمی)

وكذا فی ابی داؤد (۳۵۰/۱ باب فی صوم الدهر) طبع رحمانیه

وكذا فی ابن ماجه (ص ۱۲۴ ،باب صوم یوم عرفة) طبع قدیمی

وكذا فی الترمذی (۹۳/۱ طبع فاروقی باب ما جاء فی فضل صوم یوم عرفة)

ولما فی ابن ماجه (ص ۱۲۴ ،باب صیام یوم عرفة) طبع قدیمی

حدثنا هشام بن عمار ــــ عن قتادة بن نعمان قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: من صام یوم عرفة غفرله سنة امامه وسنة بعده"

ولما فی الترغیب والترهیب (۲۲/۲ طبع حقانیه)

عن سهل بن سعدرضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صام یوم عرفة غفر له ذنب سنتین متتابعین. رواه ابو یعلی ورجاله رجال الصحیح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۵۰۶

﴿یوم عاشوراء کے ساتھ نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! میں دس محرم کا روزہ رکھ رہا تھا کہ ایک بزرگ نے سمجھایا کہ صرف دس محرم کا روزہ نہیں رکھنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملانا چاہیے تو کیا اس بات کی کوئی حقیقت ہے؟ مستفتی: نیاز احمد سواتی

﴿جواب﴾ اہل کتاب کے ساتھ مشابہت سے بچنے کیلئے دسویں محرم کے روزہ کے ساتھ نویں یا گیارہویں کا روزہ بھی رکھنا چاہیے مستحب ہے۔

لمافی الشامی:(۳۷۵/۲،طبع سعید)

ویستحب ان یصوم یوم عاشوراء بصوم یوم قبله اویوم بعده لیکون مخالفاًلأهل الکتاب ونحوه فی البدائع.

ولمافی مشکوٰة المصابیح:(۱۸۰/۱ طبع سعید)

عن ابن عباسؓ ان رسول الله ﷺقدم المدینة فوجد الیهود صیاماًیوم عاشوراء فقال لهم رسول الله ﷺماهٰذاالیوم الذی تصومونه فقالواهٰذایوم عظیم انجی الله فیه موسیٰ وقومه وغرق فرعون وقومه فصامه موسیٰ شکرافنحن نصومه فقال رسول الله ﷺ فنحن احق واولیٰ بموسیٰ منکم فصامه رسول الله ﷺ وامربصیامه.متفق علیه.

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد وارث خان سواتی

۳شعبان المعظم۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۷۷۲

﴿فصل فی قضاء الصوم و کفارته﴾

﴿روزے کی قضاء اور کفارے کا بیان﴾

﴿بیماری کیوجہ سے روزہ توڑ دیا تو کفارہ واجب نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کو گردوں کی تکلیف تھی رمضان میں اس نے روزہ رکھا جسکی وجہ سے تکلیف میں اضافہ ہوا۔ ڈاکٹر نے اس سے کہا کہ آئندہ آپ روزہ نہ رکھے تو اس نے وہ روزہ بھی توڑ دیا جو اس دن رکھا تھا۔ کیا ازروئے شرع اس عورت پر کفارہ ہے یا نہیں؟ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اس عورت پر صرف ایک روزہ کی قضاء ہے کفارہ واجب نہیں ہے۔

لما فی الهنديه (۱/۲۲۷،طبع قديمی)

المريض اذاخاف على نفسه التلف اوذهاب عضو يفطر بالاجماع وان خاف زيادة العلة وامتداده عندنا وعليه القضاء اذاافطر كذافى المحيط،ثم معرفة ذلك باجتهادالمريض والاجتهاد غيرمجردالوهم بل هو غلبة ظن عن امارة او تجربة اوباخبار طبيب مسلم غير ظاهرالفاسق وكذا فى التاتارخانية (۲/۲۹۱، قديمی)

ولما فی الدرمع الرد (۲/۲۲۲،طبع سعيد)

(اومريض خاف الزيادة)لمرضه (قوله خاف الزيادة)اوابطاء البرء اوفساد عضو بحر اووجع العين اوجراحة اوصداعااوغيره

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد دیروی

۲۸صفر ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر ۳۹۱۸

﴿ایامِ نفاس میں خون بند ہونے کی وجہ سے روزوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت نے پہلی مرتبہ ۲۲ شعبان کو بچہ جن لیا، جبکہ نفاس کا خون نو (۹) دن بعد تیس شعبان کو بند ہوگیا، اس لئے اس نے پورے ماہِ رمضان کے روزے رکھ لئے، واضح رہے کہ اس پورے مہینے میں خون نہیں آیا تھا پھر چالسویں (۴۰) دن اس نے دوبارہ خون دیکھ لیا، پوچھنا یہ ہے کہ ولادت کے نو (۹) دن بعد یکم رمضان سے لیکر دو (۲) شوال تک یہ ایام نفاس ہیں یا نہیں؟ اگر ایامِ نفاس ہیں تو کیا اس ماہِ رمضان کے روزوں کی قضاء لانا لازمی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں پورا ماہِ رمضان ایامِ نفاس میں سے شمار ہوگا، لہٰذا اس عورت پر پورے ماہِ رمضان کے روزوں کی قضاء واجب ہے۔

لما فی ردالمحتار:(۱/۲۹۷،كتاب الطهارة،باب الحيض،طبع امداديه)

لأن من الأصل للامام أن الدم اذاكان فى الأربعين ،فالطهرالمتخلل لايفصل طال أوقصرت حتى لورأت ساعةدماوأربعين الاساعتين طهرأثم ساعةدماكان الأربعون كلهانفاساوعليه الفتوى كذافى الخلاصة.

ولما فی الهنديه:(۱/۳۷،كتاب الطهارة،ألفصل الثانى فى النفاس،طبع رشيديه)

ألطهرالمتخلل فى الأربعين بين الدمين نفاس عندأبى حنيفة رحمه الله تعالى وان كان خمسة عشريوماًفصاعداًوعليه الفتوى.

ولما فی خلاصة الفتاوی:(۱-۲/۲۳۳،کتاب الحیض،الفصل الخامس،طبع رشیدیه)

ألطهر المتخلخل فی الأربعین بین الدمین ان کان أقل من خمسة عشر یوماً لایکون فاصلاً وهو کالدم المتوالی بالاتفاق وان کان خمسة عشر یوماً فصاعداً فکذالک عند أبی حنیفة وعلیه الفتوی۔۔۔۔وکذالو بلغت بالحمل فولدت فرأت الدم یوماً ثم طهرت ثمانیة وثلثین ثم رأت الدم یوماً ثم انقطع ثم ۔۔۔تمر بها الدم فکذلک عند أبی حنیفة.

ولما فی البحر:(۱/۱۹۴،باب الحیض،طبع سعید)

وانما وجب علیها قضاء الصوم وان نفست رمضان کله ،لأن وجوده فی رمضان کله نادر ،فلا یعتبر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۸ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۸۲۷

﴿غیر فطری راستے سے جماع کرنے میں قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنی بیوی سے جماع کرنے کی صورت میں قضاء وکفارہ دونوں ہیں، بالفرض اگر کوئی رمضان المبارک میں دن کو بیوی کے ساتھ غلط راستہ میں جماع (لواطت) کرے تو کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد معاذ سواتی

﴿جواب﴾ غلط راستہ سے جماع کرنا سخت گناہ ہے، رمضان المبارک میں روزوں کی حالت میں ایسا غلط کام کیا تو میاں بیوی پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں ،البتہ بیوی کی رضامندی اگر شامل نہ تھی تو اس پر صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں ہے۔

لما فی الدر مع الرد:(۲/۳۸۵-۳۸۶،کتاب الصوم،مکتبه امدادیه)

(وان جامع)المکلف آدمیاً مشتهی(فی رمضان آداء)لما مر(أو جومع)أو توارت الحشفة(فی أحد السبیلین)أنزل أولا۔۔۔الخ.

وفی الشامیة:(وان جامع الخ)شروع فی القسم الثالث وهو مایوجب القضاء والکفارة ووجوبها بما یأتی من کونه عمداً لامکرهاً۔۔۔(قوله لما مر)ای من أن الکفارة انما وجبت لهتک حرمة شهر رمضان فلاتجب بافساد قضاء ه ولا بافساد صوم غیره۔۔۔(قوله فی أحد السبیلین)ای ألقبل والدبر وهو الصحیح فی الدبر والمختار أنه بالاتفاق۔۔۔فالکفارة التی فیها معنی العبادة أولی.

ولمافي المحيط:(۲/ ۲۵۵، کتاب الصوم ،ألفصل الخامس ،طبع ادارة القرآن)

ألجماع في الدبر عندهما يوجب الكفارة وكذلك عندأبي حنيفة رحمه الله على أحد الرو ايتين وهو الصحيح ،لأن وجوب الكفارة بالجماع ،لأنه قضاء الشهوة على سبيل التمام وقد وجدذلك ههنا.

ولمافي الهندية:(۱/ ۲۰۵،کتاب الصوم ،طبع رشيديه كوئٹه)

(ألنوع الثاني مايوجب القضاء والكفارة)من جامع عمداًفي أحدالسبيلين فعليه القضاء والكفارة ولايشترط الانزال في المحلين كذافي الهداية وعلى المرأة مثل ما على الرجل ان كانت مطاوعة وان كانت مكرهة فعليها القضاء دون الكفارة وكذا اذا كانت مكرهة في الابتداء ثم طاوعته بعدذلك كذافي قاضي خان.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

صفرالخیر ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۲۸۵۱

﴿کفارے کے روزوں میں تسلسل شرط ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کفارہ کے روزے رکھے لیکن درمیان میں بیمار ہوگیا جس کی وجہ سے کفارہ کے روزے پورے نہ کرسکا تو کیا اب از سرِ نو دوبارہ رکھے گا یا باقی ماندہ رکھے گا؟ مستفتی: مولوی زبیر ڈی، آئی، خان

﴿جواب﴾ اس صورت میں یہ شخص دوبارہ از سرِ نو کفارہ کے روزے رکھے گا، کفارہ کے روزوں میں تسلسل ضروری ہے، صرف عورتوں کے ماہواری کے دن اس حکم سے مستثنیٰ ہیں بیماری وغیرہ کی وجہ سے تسلسل ٹوٹ جائے تو واپس رکھنے کا حکم ہے۔

لمافي الشامي ،۲/ ۴۱۲،طبع: سعيد)

"فان لم يجدصام شهرين متتابعين فان لم يستطع اطعم ستين مسكينا لحديث الاعرابي في الكتب الستة فلوافطر ولوبعذراستانف الابعذرالحيض".

ولمافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۶۷۰ طبع: قديمي)

"صام شهرين متتابعين ــــ فان افطر ولوبعذرغيرالحيض استانف ويلزمها الوصل بعدطهرها من الحيض حتى لولم تصل تستانف ذكره السيد".

ولمافي البحرالرائق ،۲/ ۲۷۷،طبع: سعيد)

"فلوافطريومافي خلال المدة بطل ماقبله ولزمه الاستقبال سواء افطرلعذراولا وكذفي كفارة

القتل والظهار للنص على التتابع الالعذر الحيض لانها لاتجد شهرين عادة لاتحيض فيها".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین کلکتی

۲۴ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۴۳

﴿غلطی سے روزہ توڑنے پر صرف قضاء لازم ہوتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے رمضان المبارک میں طلوع فجر کے بعد یہ سمجھتے ہوئے کہ ابھی طلوع فجر نہیں ہوئی اپنی بیوی سے ہمبستری کی، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان دونوں کا روزہ فاسد ہوا یا نہیں؟ اور اگر ہوا ہے تو کیا ان دونوں پر قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہونگے یا صرف قضاء لازم ہوگی؟ اور کیا دن کے باقی حصہ میں کچھ کھا، پی سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں ان دونوں کا روزہ فاسد ہوا ہے اور ان پر صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں، غلطی سے روزہ توڑنے کی صورت میں دن کے باقی حصہ میں کھانا پینا منع ہے یعنی روزہ داروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ضروری ہے۔

لمافی الدر مع الرد: (۲/۴۰۱، طبع سعید)

(وان افطر) خطأ كأن تمضمض فسبقه الماء اوشرب نائما اوتسحر او جامع على ظن عدم الفجر.

وفي الشامية: (قوله اوتسحر اوجامع) افاد ان الجماع قد يكون خطأ و به صرح في المعراج فقال ولوجامع على ظن انه بليل ثم علم انه بعد الفجر فنزع من ساعته فصومه فاسد لانه مخطئ ولا كفارة عليه لعدم قصد الافساد.

ولمافي الهداية: (۱/۲۲۳، طبع رحمانيه)

واذا تسحر وهو يظن ان الفجر لم يطلع فاذا هو قد طلع او افطر وهو يرى ان الشمس قد غربت فاذا هي لم تغرب امسك بقية يومه.

ولمافي البدائع: (۲/۱۰۲، طبع سعيد)

من وجب عليه الصوم في اول النهار لوجود سبب الوجوب والاهلية ثم تعذر عليه المضي فيه بان افطر متعمدا او اصبح يوم الشك مفطرا ثم تبين انه من رمضان اوتسحر على ظن ان الفجر لم يطلع ثم تبين له انه طلع فانه يجب عليه الامساك في بقية اليوم تشبها بالصائمين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: افتخار احمد کلکتی

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۹۳

﴿متعدد ایام رمضان میں بیوی سے جماع کرنے پر ایک کفارہ کافی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص ایام رمضان میں اپنی بیوی سے کئی دفعہ جماع کر چکا ہے، تقریباً کفارہ دس ماہ بنتا ہے، وہ کفارہ میں فدیہ دینا چاہتا ہے تو کیا اس کیلئے فدیہ دینا جائز ہے اس سے کفارہ اداء ہو جائیگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ایک روزے کا کفارہ، کفارۂ ظہار جیسا ہی ہے، کفارہ ظہار میں ترتیباً تین چیزیں ادا کی جاسکتی ہیں: (۱) غلام آزاد کرنا (۲) مسلسل ساٹھ روزے رکھنا (۳) ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا، سب سے پہلے غلام آزاد کرنا ہے لیکن آج کل غلام آزاد کرنا ناممکن ہے اسلئے دوسرے نمبر پر مسلسل ساٹھ روزے رکھنے ہیں اور بغیر کسی شرعی عذر کے اسکو چھوڑ کر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر آپ تندرست ہیں اور کوئی شرعی عذر نہیں ہے تو آپ کفارہ میں صرف روزے رکھ سکتے ہیں۔ آپ نے ایک ہی رمضان میں کئی مرتبہ جماع کر کے روزہ اگر توڑا ہے تو مسلسل صرف ساٹھ روزے رکھنے سے تمام روزوں کا کفارہ اداء ہو جائیگا البتہ جتنے روزے توڑے ہیں ہر ایک کی قضاء مستقل ضروری ہے۔

لما فی الهندية:(۱/۲۱۵ طبع رشيديه)

كفارة الفطر وكفارة الظهار واحدة وهى عتق رقبة مؤمنة أو كافرة فان لم يقدر على العتق فعليه صيام شهرين متتابعين وان لم يستطع فعليه اطعام ستين مسكينا كل مسكين صاعا من تمر أو شعير أو نصف صاع من حنطة وانما يعتبر حال المكفر فى جميع الكفارات وقت الاداء لا وقت وجوبها فان كان وقت الاداء معسرا يجزيه الصيام وان كان موسرا وقت الوجوب ـــ ولو جامع مرارا فى ايام من رمضان واحد ولم يكفر كان عليه كفارة واحدة ولو جامع وكفر ثم جامع عليه كفارة أخرى فى ظاهر الرواية ـــ ولو جامع فى رمضانين ولم يكفر للاول فعليه لكل جماع كفارة فى الظاهر كذا فى البدائع.

ولما فى ردالمحتار:(۲/۴۱۲ طبع سعيد)

(قوله ككفارة المظاهر) مرتبط بقوله وكفر اى مثلها فى الترتيب فيعتق اولا فان لم يجد صام شهرين متتابعين فان لم يستطع أطعم ستين مسكينا لحديث الاعرابى المعروف فى الكتب الستة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمن سواتی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۲۰۳۸

﴿مریض کو قضا کا موقع نہ ملے تو اسکی طرف سے فدیہ دینا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک مریض رمضان شریف میں روزہ رکھنے پر قادر نہیں تھا اور رمضان کے آخر میں اسکا انتقال ہوا تو کیا اس کی طرف سے قضاء روزوں کا فدیہ دیا جائے گا یا نہیں؟ نیز آج کل مروجہ اوزان کے اعتبار سے فدیہ کی وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ چونکہ مریض کا رمضان ہی میں انتقال ہوا اور اسکو صحت کی حالت میں اتنا موقع نہیں مل سکا کہ وہ روزوں کی قضاء کر لیتا، لہٰذا اس پر فدیہ کی وصیت لازم نہیں تھی اور اب فدیہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے، ورثاء اپنی طرف سے ادا کریں تو مرحوم کو ثواب ملیگا اور آج کل مروجہ اوزان کے اعتبار سے فدیہ پونے دو سیر گندم یا اسکی قیمت صدقہ کرنا ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۰٦،طبع امدادیه)

(فان ماتوا فیه)فی ذلک العذر(فلا تجب)علیهم(الوصیة بالفدیة) لعدم ادراکهم عدة من ایام اخر.هکذا قال الشامیؒ تحته.وکذافی جواهر الفقه:(۱/۲۹۲،طبع دار العلوم)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۵ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۶۴

﴿لا قضاء علی من افسد صوم یوم النحر﴾

﴿عید الاضحیٰ کا روزہ توڑنے والے پر قضاء نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ شرعت فی صوم یوم النحر علی انه یوم عرفة فظهر انه یوم النحر، وقیل لی افطر فانه لایجوز الصیام فی هذه الایام فافطرت فهل یجب علی قضائه؟

﴿جواب﴾ لایجب القضاء علی من شرع فی صوم یوم النحر لم افسده وکذا فی باقی أیام المنهیة،لان القضاء تکون بترک الواجب والشروع فی الصوم یوم النحر لیس بموجب فلا یجب علیک القضاء.

لما فی الهدایة:(۱/۲۲٦،طبع رحمانیه)ومن اصبح یوم النحر صائما ثم افطر لا شیء علیه.

ولما فی التنویر مع الدر:(۲/۲۱۱-۲۱۲،طبع امدادیه)

(ولزم نفل شرع فیه قصدا)......(اداء وقضاء)ای یجب اتمامه — (الافی العیدین وایام

التشریق) فلا یلزم لصیرورته صائما بتلبس الشروع فیصیر مرتکبا للنهی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد غفرلہ ولوالدیہ

اا ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۲۹

﴿روزوں کی قضاء اور فدیہ کے لزوم کے لئے وقت ملنا شرط ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک نوجوان عارضی بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکا اور اس کا ارادہ تھا کہ ٹھیک ہو جاؤں گا تو پھر رکھ لوں گا، اسی دوران اس کا انتقال ہو گیا یعنی اسکو اتنی مدت نہیں ملی کہ جسمیں وہ اپنے روزوں کی قضا کر سکتا، تو اس نوجوان کا کیا حکم ہے اس پر وصیت واجب تھی یا نہیں؟ اور فدیہ کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: عتیق اللہ

﴿جواب﴾ مریض کو اچھا ہونے کے بعد اتنی مدت اگر مل جائے کہ وہ اس میں قضا کر سکتا ہے تو روزوں کی قضاء اس کے ذمہ واجب ہے اگر نہیں کیا اور انتقال ہو گیا تو اس صورت میں فدیہ دینے کی وصیت کرنا لازم ہوگا اور اگر وصیت نہیں کی تو اس صورت میں ورثاء کو چاہیے کہ میت کو آخرت کی گرفت سے بچانے کے لیے فدیہ ادا کر دیں، اور صحت یاب ہونے کے بعد مریض کو اتنی مدت اگر نہیں ملی کہ وہ اس میں قضاء کر سکتا تو اس صورت میں نہ قضاء لازم ہوگی اور نہ فدیہ، لہذا صورت مسئولہ میں اس نوجوان پر وصیت کرنا واجب نہیں تھا اور نہ ہی فدیہ دینا، البتہ ورثاء اپنی طرف سے مرحوم کی نماز، روزوں کا فدیہ ادا کر دیں تو بلاشبہ مرحوم کے لیے رفع درجات کا باعث ہوگا اور ورثاء کے لیے اجر وثواب کا باعث۔

لما فی الدر المختار: (۲/۴۲۳، کتاب الصوم طبع: سعید)

فان ماتوا فیه ای فی ذالک العذر فلا تجب علیهم الوصیة بالفدیة لعدم ادراکهم عدة من ایام اخر، ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیة بقدر ادراکهم عدة من ایام أخر.

ولما فی الهندیه: (۱/۲۰۷، ۲۰۸ طبع رشیدیه)

ولو فات صوم رمضان بعذر المرض او السفر واستدام المرض والسفر حتی مات لاقضاء علیه لکنه ان اوصی بان یطعم عنه صحت وصیته وان لم تجب علیه، ویطعم عنه من ثلث ماله ، فان بریء المریض او قدم المسافر وادرک من الوقت بقدر ما فاته فیلزمه قضاء جمیع ما ادرک فان لم یصم حتی ادرکه الموت فعلیه ان یوصی بالفدیة--- فان لم یوص وتبرع عنه الورثة جاز ولا یلزمه من غیر ایصاء---فان صح

المریض او قام المسافر ثم ماتا لزمهما القضاء بقدر الصحة والاقامة وهذا قولهم جميعاً من غير خلاف هذا هو الصحيح.

وفيه ايضاً ص۲۸٦

كل من الفطر لعذر ومات قبل زواله لايلزمه شئي — وللشيخ الفاني وهو يفدى فقط اى له الفطر وعليه الفديه وليست على غيره من المريض والمسافر والحامل والمرضع لعدم ورود نص فيهم وروده فی الشيخ الفانی.

ولما فی التبيين الحقائق:(۳٦۱/۲، الفصل السابع الاسباب المبيحة للفطر)

الشيخ الفانی يفطر ويفدی ، يطعم عن كل يوم مقدار صدقة الفطر، لانه وقع اليائس له عن الصوم لان الشيخ الفانی يكون عاجزاً عن الاداء فی الحال ، ويزداد عجزه كل يوم الى ان يموت، وفرق بينه وبين المريض اذا لم يدرك عدة من ايام اخر حيث لم يوجب عليه الفديه، لان شرط وجوب الفديه تحقق اليائس، اما فی حق المريض لايتحقق اليائس الا فی أخرجزء من اجزاء حياته، لانه قبل ذالک احتمال البرء قائم وفی أخر جزء من اجزاء حياته هو عاجزعن الايصاء.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ　　　　فتوی نمبر: ۳٦۸۹

﴿حالت صوم میں استمناء بالید سے قضاء لازم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ روزے کی حالت میں اگر کوئی شخص استمناء بالید کرلے تو کیا ایسے شخص پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ استمناء بالید سے صرف قضاء لازم ہے، کفارہ واجب نہیں ہے لیکن یہ عمل چونکہ سخت گناہ ہے، اس لئے توبہ واستغفار لازم ہے۔

لما فی الشامی:(۳۹۹/۲،طبع سعید)

(قوله وكذاالاستمناء بالكف)قال علامه ابن عابدينؒ أى فی كونه لايفسدلكن هذااذالم ينزل امااذاانزل فعليه القضاء كماسيصرح به وهوالمختار.

ولما فی قاضی خان بهامش الهندية:(۲۰۸/۱مطبع رشيديه)

وكذااذاجامع بهيمة ولم ينزل أوميتة ولم ينزل أوناكع بيده ولم ينزل لوجامع فيمادون الفرج ولم ينزل وان أنزل فی هذه الوجوه كان عليه القضاء دون الكفار لوجود قضاء الشهوة بصفة النقصان.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　　فتوی نمبر: ۲۰۰۹

﴿رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھنے سے صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں روزہ ہی نہ رکھے تو قضاء کیساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا؟

﴿جواب﴾ اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں کسی مجبوری اور عذر کی بناء پر روزہ نہ رکھ سکا تو شرعاً اسکی اجازت ہے لیکن بلا عذر شرعی روزہ نہ رکھنا سنگین جرم اور بڑی محرومی ہے، حدیث شریف میں ہے: کہ "بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جاوے" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ "جو شخص قصداً بلا عذر شرعی ایک دن بھی رمضان کے روزہ کو افطار کردے غیر رمضان میں چاہے تمام عمر کے روزے رکھے اسکا بدل نہیں ہوسکتا" اسلئے اس سے بچنا چاہیے تاہم کوئی شخص قصداً روزہ نہ رکھے تو اس کی قضاء لازم ہے کفارہ نہیں، شرعی عذر ہو تو گناہ نہیں ہے بغیر عذر کے ایسی جسارت کرے تو کفارہ کی طرح ساٹھ روزے تو کیا عمر بھر روزے رکھے تو بھی تلافی نہیں ہوگی۔

لمافی ردالمحتار:(۲/۴۰۳مطبع سعید)

ولما عندنا فلا بد من النية لان الواجب الامساك بجهة العبادة ولا عبادة بدون نية ، فلو أمسك بدونها لا يكون صائما ويلزمه القضاء دون الكفارة أما لزوم القضاء فلعدم تحقق الصوم لفقد شرطه وأما عدم الكفارة......والاولى التعليل بعدم تحقق الصوم لان الكفارة انما تجب على من أفسد صومه والصوم هنا معدوم وافساد المعدوم مستحيل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۷ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۳۷

﴿حواس باختہ قصداً روزہ توڑے تو صرف قضاء لازم آئیگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے خاوند کو رمضان المبارک کے مہینے میں کسی نے گھر کے سامنے قتل کیا، جب میں نے خاوند کو ایسی حالت میں دیکھا تو حواس باختہ ہوکر میں نے روزے کی حالت میں قصداً پانی پی لیا، اب فی الحال میری حالت ایسی ہے کہ پے درپے ساٹھ روزے نہیں رکھ سکتی تو کفارہ کے طور پر کتنے مسکینوں کو کھانا کھلانا میرے اوپر لازم ہے؟ ایک حاجی صاحب نے بتایا کہ میں نے کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک سو

ہیں مسکینوں کو کھانا کھلانا لازمی ہے شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ بغیر عذر کے قصداً رمضان المبارک کا روزہ توڑنے سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوجاتے ہیں، البتہ مذکورہ صورت میں جب آپ نے شوہر کی حالت دیکھی اور حواس باختہ ہوکر روزہ توڑا تو اس سے آپ پر صرف روزہ کی قضاء لازم ہے کفارہ نہیں کیونکہ قصد تام نہیں پایا گیا، البتہ احتیاطاً روزے کی قضاء اور کفارہ ادا کریں اب اگر آپکی حالت واقعی ایسی ہے کہ ایام ماہواری کے علاوہ پے درپے ساٹھ روزے رکھنے پر قادر نہیں ہو تو آپ کفارہ کیطور پر ساٹھ مسکینوں کو دو ۲ وقت کا کھانا کھلائیں یا ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو دو دو کلو گندم وغیرہ یا اسکی قیمت دیں تو روزے کا کفارہ ادا ہوجائے گا، نیز جن ساٹھ مسکینوں کو ایک وقت کا کھانا کھلایا ہو تو دوسرے وقت بھی انہی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا لازمی ہے، ورنہ پورا کفارہ ادا نہ ہوگا۔

لمافی الصحیح لمسلم:(۱/۳۵۵،طبع قدیمی)

ان النبی ﷺ امر رجلاافطر فی رمضان أن یعتق رقبۃ او یصوم شھرین اویطعم ستین مسکینا.

ولمافی ردالمحتار:(۳/۲۴۴،طبع سعید)

والذی یظھرلی ان کلامن المدھوش والغضبان لایلزم فیہ ان یکون بحیث لایعلم ما یقول بل یکتفی فیہ لغلبۃ الھذیان واختلاط الجدبالھزل کماھوالمفتی بہ فی السکران علی مامرولاینافیہ تعریف الدھش بذھاب العقل فان الجنون فنون ولذا فسرہ فی البحرباختلال العقل وادخل فیہ العتہ والبرسام والاغماء والدھش ویؤید ماقلنا قول بعضھم العاقل من یستقیم کلامہ وافعالہ الانادراوالمجنون ضدہ ایضا فان بعض المجانین یعرف مایقول ویریدہ ویذکرہ مایشھدالجاھل بہ بانہ عاقل ثم یظھرمنہ فی مجلسہ ماینافیہ فاذا کان المجنون حقیقۃ قدیعرف مایقول ویقصدہ فغیرہ بالاولی فالذی ینبغی التعویل علیہ فی المدھوش ونحوہ اناطۃ الحکم بغلبۃ الخلل فی اقوالہ وافعالہ الخارجۃ عن عادتہ وکذا یقال فیمن اختل عقلہ لکبر او لمرض اولمصیبۃ فاجأتہ فمادام فی حال غلبۃ الخلل فی الاقوال والافعال لاتعتبر..... کمالاتعتبرمن الصبی العاقل.وفی ردالمحتار:(۲/۴۱۲،طبع سعید)وفی قاضیخان:(۱/۱۸۸،قدیمی)

ولمافی الدرمع الرد:(۳/۴۸۲،طبع سعید)

اطعم مائۃ وعشرین لم یجزالاعن نصف الاطعام فیعیدعلی ستین منھم غداۃ أو عشاء.....الخ.

وفی الشامیۃ:(قولہ اطعم مائۃ وعشرین)ای کل واحد اکلۃ واحدۃ (قولہ فیعید علی ستین

منهم) ای من المائة والعشرين وينبغی انه اذاغدی العددثم غابوا أن ينتظر حضورهم اويعيد الغداء مع العشاء علی غيرهم.

ولمافی روح المعانی:(ج۲۷ص۲۹۶طبع رشیدیه)

ولا فرق بين التمليك والاباحة عندنافان غدی الستين وعشاهم اوغداهم مرتين او عشاهم كذلك اوغداهم وسحرهم اوسحرهم مرتين واشبعهم بخبزبراوشعيراو نحوه كذرة بادام اجزأه وان لم يبلغ ماشبعوا به المقدارالمعتبر فی التمليك ويعتبر اتحاد الستين فلو غدی مثلا ستين مسكينا وعشی ستين غيرهم لم يجزالا ان يعيد علی احدی الطائفتين غداء أوعشاء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۸۴

﴿شدت مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ ادا کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری والدہ صاحبہ شوگر کی مریضہ ہیں، رمضان میں ایک دو روزے تو آسانی سے رکھ لیتی ہیں لیکن مزید رکھنے پر شوگر بڑھ جاتی ہے اور صحت نہایت خراب ہو جاتی ہے اور انھیں دو تین روزوں کی وجہ سے دس پندرہ دن پریشانی میں گذر جاتے ہیں تو شریعت مطہرہ میں اسکے لئے کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپکی والدہ کے لئے فدیہ ادا کرنے کا حکم ہے یعنی ہر ایک روزے کے بدلے میں کم از کم ایک فطرانہ (تقریباً پونے دو کلو گندم) یا اسکے حساب سے رقم غریبوں کو دیا کریں۔

لمافی قوله تعالی:(سورة البقرة آيت ۱۸۴)

فمن كان منكم مريضاً او علیٰ سفر فعدة من ايام اخر وعلی الذين يطيقونه فدية طعام مسكين.

لمافی التنويرمع الدر:(۴۲۷/۲ طبع سعيد)

(وللشيخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ويفدی)وجوباً.

وفی الشامية:المريض اذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز غفرلہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۰۶۱

﴿رمضان المبارک میں سحری کر کے روزہ نہ رکھنے کی نیت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک کے مہینے کے دوران میں سحری میں اٹھتا تھا اور سحری بھی کرتا تھا لیکن نیت یہ ہوتی کہ مجھے روزہ رکھنا ہی نہیں، انیس یا بیس روزے میں نے اس طرح چھوڑ دیئے، پوچھنا یہ ہے کہ میرے ذمہ ان روزوں کی قضاء کے ساتھ کفارہ ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد صدیق کوئٹہ

﴿جواب﴾ نیت روزہ کے لئے بھی شرط ہے بغیر نیت کے روزہ نہیں ہوتا اور کفارے کا تعلق روزہ توڑنے سے ہے آپ نے چونکہ روزہ توڑا نہیں، اس لئے کفارہ واجب نہیں صرف قضاء لازم ہے لیکن رمضان کا روزہ شرعی عذر کے بغیر چھوڑنے کا جو گناہ آپ نے کیا ہے اسکا اندازہ اس حدیث سے ہوسکتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: جس نے رمضان المبارک کا ایک بھی بغیر کسی عذر کے چھوڑا اب اگر وہ عمر بھر بھی روزے رکھے تو بھی اسکی تلافی نہیں کرسکتا ہے، اس لئے قضاء کے ساتھ آپ توبہ واستغفار بھی کرتے رہیں۔

لمافی جامع الترمذی:(۱/۹۰،طبع فاروقی ملتان)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من افطر یوما من رمضان من غیر رخصۃ ولا مرض لم یقض عنہ صوم الدھر کلہ وان صامہ.

ولمافی الھدایۃ:(۱/۲۲۲،طبع رحمانیہ)

ومن اصبح غیرناو للصوم فاکل لاکفارۃ علیہ.

ولمافی کنزالدقائق:(۱/۷۰،طبع قدیمی)

ویقضی باغماء سوی یوم حدث فی لیلتہ وبجنون غیر ممتدوبامساک بلانیۃ صوم وفطر.

ولمافی تنویرالابصار:(۲/۳۷۷،طبع امدادیہ)

(أو أصبح غیرناو للصوم فاکل عمدا)۔۔۔(قضی)۔۔۔(فقط)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۷۳

﴿کفارہ رمضان کے روزوں کے ساتھ خاص ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کوئی آدمی رمضان کا قضا رکھے یا نذر کا روزہ رکھے

اور جان بوجھ کر توڑ دے تو آیا اس پر قضاء کے ساتھ کفارہ بھی ہوگا یا صرف قضاء ہوگی؟

﴿جواب﴾ قضاء یا نذر کا روزہ قصداً توڑنا سخت گناہ ہے، تاہم ایسی صورت میں کفارہ کا کوئی حکم نہیں ہے، کفارہ صرف رمضان المبارک میں فرض روزہ توڑنے سے واجب ہوتا ہے۔

لما فی الهندية: (۲۱۵/۱ طبع رشیدیه)

ولا كفارة بافساد صوم غير رمضان كذا فى الكنز.

ولما فى الهداية: (۲۲۷/۱ طبع رحمانيه)

ان الكفارة تعلقت بجناية الافطار فى رمضان على وجه الكمال.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود عفا اللہ عنہ

۲ شعبان ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۵۹

﴿غیر اختیاری طور پر قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران حمل رمضان شریف میں روزے قے ہونے کیوجہ سے توڑ دیئے اور قے کی حالت بھی شدت سے ہوتی تھی اور کافی کمزوری بھی ہوتی تھی، اور پہلے یہ بات علم میں تھی کہ قے ہونے کیوجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے میرے پانچ بچے ہیں یہ مسئلہ پانچوں رمضان میں آیا ہے اب میرے مسئلے کا کیا حل ہے؟ کیا مجھے صرف قضاء روزے رکھنے ہوں گے یا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

﴿جواب﴾ غیر اختیاری طور پر قے آجائے اگرچہ منہ بھر کر ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن مسئلہ صحیح معلوم نہ ہونے کیوجہ سے آپنے روزے توڑ دیئے ہیں، تو ایسی صورت میں صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں، لہذا جتنے دنوں کے روزے اسطرح غلطی سے توڑ دیئے ہیں صرف ان دنوں کی قضاء کریں، اور ساتھ ساتھ توبہ واستغفار بھی کریں اس لئے کہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کیوجہ سے روزے توڑ کر کفارہ اگرچہ لازم نہیں آتا، لیکن گناہ ضرور ہے اس لئے توبہ و استغفار بھی کریں۔

ولما فى الفتاوى العالمگيرية: (۲۲۶/۲ طبع قديمى)

ولو ذرعه القيء فظن أنه يفطره فافطر فلا كفارة عليه وان علم أن ذلك لا يفطره فعليه كفارة

ولما فی درالمختار:(۴۰۲/۲،طبع سعید)

ولو ذرعه القیء وظن أنه یفطره فأفطر فلا کفارة علیه لوجود شبهة الاشتباه بالنظیر فان القیء والاستسقاء متشابهان لأن مخرجهما من الفم وکذالو احتلم للتشابه فی قضاء الشهوة وان علم أن ذلک لا یفطره فعلیه الکفارة لانه لم توجد شبهة الاشتباه ولا شبهة الاختلاف اه

ولما فی الهدایة :(۲۲۶/۱،طبع:رحمانیه)

فان ذرعه القیء لم یفطر لقوله ﷺ من قاء فلا قضاء علیه ومن استقاء عامداً فعلیه القضاء ویستوی فیه ملء الفم فمادونه

ولما فی بدائع الصنائع:(۹۷/۲،طبع سعید)

فقدروی عن النبی ﷺ أنه قال ان الله وضع عن المسافر شطر الصلاة وعن الحبلی والمرضع الصیام وعلیهما القضاء ولافدیة علیهما عندنا

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۲۱ جمادالاولیٰ ۱۴۳۳ھ　　　فتویٰ نمبر:۳۲۳۷

﴿قے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہے علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قے (منہ بھر کر ہو) سے وضوتو ٹوٹ جاتا ہے، کیاروزہ بھی اس سے ٹوٹتا ہے یا نہیں؟　　　مستفتی:عبداللہ راولپنڈی

﴿جواب﴾ قصداً منہ بھر کر قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح منہ بھر کر غیر اختیاری طور پر قے آجائے اور روزہ دار قصداً دوبارہ اس کو لوٹا دے تو اس صورت میں بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ویسے قے ہوجانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

لما فی الشامی:(۴۱۴/۲ مطلب فی الکفاره بطبع سعید).

(قوله وان ذرعه القیء) ای غلبه وسبقه قاموس والمسئلة تتفرع الی اربع و عشرین صورة لانه اما ان یقیء او یستقیء وفی کل اما ان یملاء الفم او دونه، وکل من الاربعة اما ان خرج او عاد او عاده وکل اما ذاکراً لصومه او لا ولا فطر فی الکل علی الاصح الا فی الاعادة والاستقاء بشرط الملء مع التذکر شرح الملتقی،

ولما فی الهدایه :(۲۲۶/۱).

فان ذرعه القیء لم یفطر.....فان استقاء عمدا ملاء فیه فعلیه القضاء،

ولما فی المبسوط: (۹۲/۳ کتاب الصوم).

فان نزعه القئ، لم یفطر لما روینا ولقول ابن عباس الصوم مما دخل وان تقیأ متعمداً فعلیه القضاء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تاجد محمود کبوڑ

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۳۵

﴿روزہ میں ازخود قے کرنے سے صرف قضاء لازم آتی ہے کفارہ نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں رمضان میں بیمار تھا منہ کا ذائقہ بہت زیادہ خراب ہوگیا اور حالت بگڑ گئی تو میں نے ازخود منہ میں ہاتھ ڈال کر قے کر لی اور وہ کافی زیادہ تھی اسکا روکنا مشکل تھا، اب سوال یہ ہے کہ مجھ پر صرف روزہ کی قضاء لازم ہے یا کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا؟ مستفتی: شاہنواز ناتھا خان گوٹھ

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا صورت میں آپ پر صرف روزہ کی قضاء لازم ہے کفارہ لازم نہیں ہے۔

لما فی الجوهرة النيرة: (۱۸۰/۱ میر محمد کتب خانه)

و ان استقاء عامدا ملأ فمه افطر فعلیه القضاء وان كان أقل لم يفطر عند ابی یوسفؒ لانه يعد داخلا ولهذا لا ينتقض الوضوء و عند محمدؒ يفطر لوجود الصنع فان عاد لا يفطر عند ابی یوسفؒ لعدم سبق الخروج ولا يتأتى على قول محمدؒ ههنا لانه قد افطر بخروجه.

ولما فی المراقی الفلاح: (ص ۱۷۷ طبع قدیمی)

(او استقاء) ای تعمد اخراجه (ولو دون ملء الفم فی ظاهر الرواية) لاطلاق قوله ﷺ ومن استقاء عمدا فليقض (و شرط ابو یوسفؒ ان يكون (ملء الفم وهو الصحيح) لانه مادونه كالعدم حكما حتى لا ينتقض الوضوء.

ولما فی الدر المختار: (۴۱۲/۲ طبع امدادیه)

(وان استقاء) ای طلب القئ (عامدا) ای متذکرا لصومه (ان كان ملء الفم فسد بالاجماع) مطلقا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرلہ ولوالدیہ

۶ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۵۷

﴿تردد نیت میں روزہ توڑنے سے صرف قضاء لازم ہوتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں رمضان شریف

میں یہ نیت کر کے سویا تھا کہ سحری کیلئے جاگوں گا لیکن جاگ نہ سکا، صبح میں نے سوچا کہ اگر قدرت ہوئی تو روزہ رکھ لوں گا ورنہ نہیں یعنی پختہ ارادہ نہیں تھا پھر میں نے قبل الزوال روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں قضاء لازم ہے یا کفارہ بھی؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں صرف قضاء لازم ہے کیونکہ یقینی طور پر روزہ کی نیت نہیں تھی۔

لما فی الدرالمختار:(۴۰۲/۲ طبع سعید)

(او اصبح غیرناو للصوم فأكل عمدا) ولو بعد النية قبل الزوال لشبهة خلاف الشافعي.

وفی الشامية:(قوله قبل الزوال) هذا عند ابي حنيفة وعندهما كذلك ان أكل بعد الزوال وان كان قبل الزوال تجب الكفارة لانه فوت امكان التحصيل فصار كغاصب الغاصب بحر،اى لانه قبل الزوال كان يمكنه انشاء النية وقد فوته بالاكل بخلاف مابعد الزوال والاول ظاهر الرواية كما في البدائع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد غفرلہ ولوالدیہ

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۸۴

﴿رمضان میں بیوی کو جماع پر مجبور کیا تو بیوی پر قضاء لازم ہے﴾

﴿سوال﴾ دوران روزہ رمضان اگر شوہر نے بیوی کو جماع پر مجبور کیا اور جماع کر لیا تو کیا عورت پر صرف قضاء لازم ہے یا کفارہ بھی؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں عورت پر صرف قضاء لازم ہے۔

لما فی العالمگیریة:(۲۰۵/۱ طبع رشیدیه)

وان كانت مكرهة فعليها القضاء دون الكفارة وكذا اذا كانت مكرهة في الابتداء ثم طاوعته بعد ذلك كذا في فتاوى قاضيخان.

ولما فی التاتارخانیه:(۳۸۷/۲ طبع قدیمی)

وان كانت مكرهة فلا كفارة عليها وفي الابانة وعليه الفتوى وفي الخانية وكذا اذا كانت مكرهة في الابتداء ثم طاوعته بعد ذلك لانها طاوعته بعد فساد الصوم.

ولما فی البحر الرائق:(۲۶۷/۲، طبع سعید)

ولو حصلت الطواعية في وسط الجماع بعد ما كان ابتداؤه بالاكراه لانها انما حصلت بعد الافطار كما في الظهيرية ،قال في الاختيار الا اذا كان الاكراه منها فانها تجب عليهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد غفرلہ ولوالدیہ

۳ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۵۸

﴿بوسہ لینے سے اگر انزال ہو جائے تو روزے کی صرف قضاء لازم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی نے دوران روزہ اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا اور اسے انزال ہو گیا تو کیا اس شخص پر صرف قضاء لازم ہے یا کفارہ بھی؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اس آدمی پر صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

لما فی العالمگیریة:(۱/۲۰۲،طبع رشیدیه)

واذاقبل امرأته وانزل فسدصومه من غیرکفارة.

ولما فی الدرالمختار:(۲/۴۰۲،طبع سعید)

(اوقبل)ولوقبلة فاحشة بان یدغدغ اویمص شفتیها قوله(ولوقبلة فاحشة)ففی غیرالفاحشة مع الانزال لاتجب الکفارة بالاولی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:سعید احمد غفرلہ ولوالدیہ

۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۰۴۰

﴿قضاء روزوں کے کفارہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک عورت ولادت کے ایام میں چند دن بیمار رہی، ولادت کے ایک دن بعد فوت ہوئی، مہینہ چونکہ رمضان المبارک کا تھا اس لئے اب اس کے قضاء شدہ روزوں اور نمازوں کا کیا حکم ہے؟

اس کی طرف سے فدیہ ادا کرنا درست ہے؟ جبکہ انہوں نے وصیت بھی نہیں کی تھی، نیز فدیہ کی مقدار کیا ہے اور نمازوں کے فدیے کی صورت کیا ہوگی؟　　　مستفتی:عمر اشرف

﴿جواب﴾ (۱) مذکورہ صورت میں مرحومہ چونکہ بیمار رہیں اور صحت یاب ہونے سے پہلے انتقال فرما گئیں ایسی صورت میں مرحومہ کے ذمہ روزے واجب نہ ہوئے اور نہ ہی وصیت ان پر لازم تھی تاہم ورثاء اپنی طرف سے ادا کردیں تو مرحومہ کو اس کا اجر ملے گا۔

لما فی الدرالمختار:(۲/۴۲۳،طبع سعید)

(فان ماتوافیه)ای فی ذلک العذر(فلاتجب)علیهم(الوصیةبالفدیة)لعدم ادراکهم عدة من ایام أخر(ولوماتوابعدزوال العذروجبت)الوصیة بقدرادراکهم عدةمن ایام أخر.

(۲) نماز اور روزوں کے فدیے کی مقدار وہی ہے جو صدقۃ الفطر کی ہے یعنی پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت ہر نماز اور ہر روزے کا الگ الگ فدیہ ادا کیا جائے گا، وتر چونکہ مستقل نماز ہے، لہٰذا اس کا الگ فدیہ ادا کیا جائے گا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۷۲،طبع سعید)

(ولو مات وعليه صلوٰت فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلوٰة صاع من بر) كالفطرة (وكذاحكم الوتر) والصوم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد عزیز چترالی

۷ ا ربیع الاول ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۴۴

﴿ کفارے کی نیت سے رکھے ہوئے روزے قضاء کی شمار نہیں ہوں گے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ زید نے رمضان المبارک میں ایک روزہ جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے توڑ دیا اور بعد میں ''نو'' روزے رکھے ہی نہیں، اب زید کے ذمے ایک کفارہ اور دس روزوں کی قضاء لازم تھی چنانچہ اس نے کفارہ کے ساٹھ روزے رکھنے شروع کیے لیکن درمیان میں کسی وجہ سے تسلسل ٹوٹ گیا تو کیا اب زید کیلئے دوبارہ نئے سرے سے ساٹھ روزے رکھنا ضروری ہے؟ اور جو روزے اس نے کفارہ کی نیت سے رکھے تھے وہ قضاء کے قائم مقام ہو جائیں گے یا نہیں؟　　　　مستفتی: یاسر علی

﴿جواب﴾ شرعی عذر کے بغیر قصداً روزہ توڑنا گناہ ہے، کفارہ کے علاوہ زید پر توبہ واستغفار بھی لازم ہے، اور کفارہ کے روزوں کا سلسلہ اگر ٹوٹ گیا ہے تو از سر نو رکھنا ضروری ہے، کفارہ کے روزے حکماً واجب اور قضاء کے روزے حکماً فرض ہیں، اس لئے کفارہ کی نیت سے رکھے ہوئے روزے قضاء کی شمار نہ ہوں گے۔

لما فی الشامی:(۲/۴۱۲،طبع:سعید)

(قوله ككفارة المظاهر) مرتبط بقوله وكفر اى مثلها فى الترتيب فيعتق اولا فان لم يجد صام شهرين فان لم يستطع اطعم ستين مسكينا لحديث الاعرابى المعروف فى الكتب الستة فلو أفطر ولو لعذر استأنف الا لعذر الحيض

ولما فی الفقه الاسلامی:(۲/۱۷۲۱،طبع،رشیدیه)

ولصيام عند العجز عن الرقبة: صيام شهرين متتابعين ليس فيهما يوم عيد ولا أيام

لتشریق ـــ فلو أفطر ولو لعذر الا لعذر الحیض استأنف عند الحنفیة الصوم من جدید.

ولما فی الخلاصة الفتاوی: (۱/۲۶۱، طبع رشیدیہ)

فنقول کفارة الفطر وکفارة الظهار واحدة وهی عتق رقبة مؤمنة اوکافرة وان لم یقدر علی العتق فعلیه صیام شهرین متتابعین وان لم یستطع فعلیه اطعام ستین مسکینا.

ولما فی الهدایة: (۱/۲۲۰، طبع رحمانیہ)

والضرب الثانی ماثبت فی الذمة کقضاء شهر رمضان وصوم الکفارة فلا یجوز الا بنیة من اللیل لانه غیر متعین ولا بد من التعین من الابتداء.

ولما فی بدائع الصنائع: (۲/۱۰۵، طبع سعید)

وأما شرط جواز القضاء فهو شرط جواز أداء صوم رمضان فهو شرط جواز قضائه الا الوقت وتعیین النیة من اللیل فانه یجوز القضاء فی جمیع الا وقات الا الا وقات المستثناة ولا یجوز الا بنیة معینة من اللیل بخلاف الاداء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا چمنی

صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۱۶۱

﴿رمضان کا روزہ توڑنے کے بعد حیض آنے کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی عورت نے رمضان المبارک کے ایام میں کسی دن قصداً روزہ توڑا اور کچھ دیر بعد حائضہ ہوگئی تو کیا اس عورت پر قضاء مع الکفارہ واجب ہے یا صرف قضاء؟　　　　مستفتی: شفیع اللہ

﴿جواب﴾ رمضان المبارک کا فرض روزہ قصداً توڑنا گناہ کبیرہ ہے اگرچہ بعض صورتوں میں کفارہ لازم نہیں ہوتا لہٰذا کسی عورت نے بلا وجہ قصداً رمضان کا روزہ اگر توڑ دیا ہے تو اس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ جسکا بوجھ کفارہ سے بھی زیادہ سمجھنا چاہئے ہاں اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ سچے دل سے توبہ کرنے سے گناہ معاف ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس عورت پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ اور کفارہ بھی واجب ہوتا لیکن اتفاق سے اسی روز چونکہ اسکو ماہواری آئی جس سے معلوم ہوا کہ روزہ دن کے آخری حصہ تک پہنچا تا اس عورت پر لازم نہیں رہا۔ اس لئے کفارہ ادا کرنا لازم نہیں رہا۔ البتہ صرف ایک قضاء لازم ہے فقہاء کرامؒ کے ہاں معروف ضابطہ ہے "الکفارات والحدود تندرء بالشبهات" یعنی وجوب کفارات یا حدود میں معمولی سا شبہ بھی آئے تو ساقط

ہوجاتے ہیں۔اور گناہ کا ارتکاب اس لیئے ہے کہ جب تک ماہواری ظاہر نہ ہو روزہ توڑنا جائز نہیں ہوتا اس لئے اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔

لما فی الشامی:(۲/۴۱۲،طبع:سعید)

(قوله ولم يطره) أى بعد افطاره عمدا مقيما ناويا ليلا فتجب الكفاره لو المسقط(مسقط) أى سماوى لا صنع له فيه ولا فى سببه رحمتى:(كمرض وحيض) أى مبيح للافطار.

ولما فی خلاصة الفتاوى:(۱/۲۵۷،طبع:رشیدیه)

وكذا المرأة اذا افطرت ثم حاضت والصحيح اذا افطر ثم مرض مرضا لا يستطيع معه الصوم يسقط الكفاره عند الثلاثه والاصل عند نا انه اذا صار فى اخر النهار على صفة لو كان عليها فى اول النهار يباح له الفطر يسقط عنه الكفاره.

ولما فی الهندیه:(۱/۲۰۶،طبع:رشیدیه)

ولو أفطرت المرأة متعمدا ثم حاضت أو مرضت يومها ذلك قضت ولا كفارة.

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:ارشد سعید کوحاٹی

۲۹ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:۳۲۱۹

﴿روزے کے فدیے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی رمضان میں بیمار ہوا اس سے کچھ روزے رہ گئے جن کا اس نے فدیہ ادا کردیا پھر وہ تندرست ہوگیا اور روزہ رکھنے کی اس میں استطاعت بھی آگئی،کیا اب اس پر ان فوت شدہ روزوں کی قضاء بھی لازم ہے یا کہ ادا کردہ فدیہ ہی کافی ہے؟　　　　مستفتی:سرتاج عالم

﴿جواب﴾ موصوف نے جن روزوں کے واسطے فدیہ ادا کیا ہے حالت مرض میں ان کے لئے اداشدہ فدیہ کافی نہیں ہے،اس لئے اب ان کی قضاء کرنا اس پر ضروری ہے کیونکہ روزے کے بدلے فدیہ دینے کا حکم شیخ فانی کے علاوہ صرف ایسے مریض کے لئے خاص ہے جو صحت یابی سے بالکل مایوس ہو چکا ہو،لہٰذا مذکورہ شخص کا فدیہ روزے کا قائم مقام نہیں بن سکتا بلکہ اس پر قضاء واجب ہے۔

لما فی قوله تعالى:(سورة البقرة،آیت ۱۸۴)وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين— الآية.

ولما فی روح المعانى:(۲/۵۹،طبع رشیدیه)

وقال:ان الاية نزلت فى الشيخ الكبير الهرم والعجوز الكبيرة الهرمة.—(وان تصوموا)

ای ایہا المطیقون المقیمون الاصحاء او المطرقون من الشیوخ والعجائز.....
(خیر لکم) من الفدیة.

ولما فی الدر المختار:(۲/۴۲۷،طبع سعید)
ومتی قدر قضی، لان استمرار العجز شرط للخلفیة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین
۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۷۵

﴿بھول کر روزہ توڑنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے بھول کر روزہ توڑ دیا پھر اس نے یہ سمجھ کر کہ روزہ تو ویسے بھی ٹوٹ گیا جان بوجھ کر کھانا شروع کر دیا تو اب اس پر قضا لازم ہوگی یا کفارہ؟

مستفتی: مبارک خان

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں صرف قضاء لازم ہوگی اور استغفار بھی۔

لما فی الهندية:(۱/۲۰۶،طبع رشیدیه)
لو أكل أو شرب أو جامع ناسيا وظن أن ذلك فطره فأكل متعمداً لا كفارة عليه.

ولما فی الهداية:(۱/۲۲۶،طبع رحمانیه)
ومن أكل في رمضان ناسيا وظن أن ذلك يفطره فأكل بعد ذلك متعمداً عليه القضاء دون الكفارة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی
ا ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۸۱

﴿قضاء روزہ توڑنے پر قضاء ہی لازم ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی نے رمضان کا روزہ کسی عذر کی وجہ سے توڑ دیا پھر اس روزے کی قضا کرتے ہوئے اس نے روزہ جان بوجھ کر توڑ دیا تو کیا اس پر قضا روزہ توڑنے کی وجہ سے صرف قضا ہی لازم ہوگی یا کفارہ بھی؟ جو کہ اصل روزہ رمضان کا توڑنے کی وجہ سے لازم ہوئی ہے۔

﴿جواب﴾ رمضان کا قضاء روزہ توڑنے کی وجہ سے کفارہ لازم نہیں ہوتا بلکہ صرف قضا روزہ ہی رکھنا ہوگا۔

لما فی الدر المختار:(۲/۴۰۹،طبع سعید)
(وان جامع) المكلف آدميا مشتهى (في رمضان أداء) لما مر (قوله لما مر) اى من ان

الكفارة فانما وجبت لهتك حرمة شهر رمضان فلا تجب بافساد قضائه ولا بافساد صوم غيره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۳

﴿رمضان میں دن کو قصداً جماع کرنے سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی کیساتھ اختیاری طور پر قصداً جماع کرے، تو اس صورت میں قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء واجب ہے؟ مستفتی: محمد عظیم عبدل خیل

﴿جواب﴾ رمضان المبارک میں فرض روزہ یاد ہوتے ہوئے میاں بیوی اگر قصداً جماع کریں تو دونوں پر قضاء کیساتھ کفارہ بھی لازم ہے۔

لمافی التنویر مع الدر: (۲/۴۰۹، طبع سعید)

(وان جامع) المكلف آدميا مشتهى (فى رمضان أداء) لما مر (او جومع) أو توارت الحشفة (فى أحدى السبيلين) انزل أولا ـــ (عمدا) راجع للكل ـــ قضى) فى الصور كلها (وكفر)

وفى الشامية: قوله: (عمدا) خرج المخطئ والمكره، بحر. قلت: وكذا الناسى لان المراد تعمد الافطار، والناسى وان تعمد استعمال المفطر لم يتعمد الافطار.

ولمافى البحر: (۲/۲۷۶، طبع سعید)

(قوله ومن جامع أو جومع أو أكل أو شرب عمدا غذاء أو دواء قضى وكفر ككفارة الظهار) اما القضاء فلاستدراك المصلحة الفائتة واما الكفارة فلتكامل الجناية أطلقه فشمل ما اذا لم ينزل لان الانزال شبع ـــ وقيد بالعمد لاخراج المخطئ والمكره فانه وان فسد صومهما لاتلزمهما الكفارة ولو حصلت الطواعية فى وسط الجماع بعد ما كان ابتداء بالاكراه لانها حصلت بعد الافطار كما فى الظهيرية.

ولمافى الهندية: (۱/۲۱۲، طبع قدیمی)

اذا أصبح صائما فى رمضان فجامع مع امرأته متعمدا عليه القضاء والكفارة اذا توارت الحشفة أنزل أو لم ينزل وعلى المرأة مثل ما على الرجل ان كانت مطاوعة عندنا ـــ وان كانت المرأة مكرهة عليها القضاء دون الكفارة وكذا اذا كانت مكرهة فى الابتداء ثم طاوعته بعد ذالك لانها طاوعته بعد فساد الصوم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۵۹

﴿نفلی روزے کے توڑنے پر قضاء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے نفلی روزہ شروع کیا اور پھر اسکو درمیان میں توڑ دیا تو اس پر قضاء واجب ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اس پر اس روزے کی قضاء واجب ہے۔

لمافی القدوری :(ص۷۱،طبع رحمانیه)

ومن دخل فی صوم التطوع ثم افسده قضاه۔۔۔وجوبا لان المئودی قربة وعمل فتجب صیانته بالمضی عن الابطال واذاوجب المضی وجب القضاء بترکه وفی الهدایة:(۱/۲۲۳،طبع رحمانیه)

ولمافی شرح الوقایة والحاشیة:(۱/۳۱۵،طبع امدادیه)

ویلزم صوم نفل شرع فیه اداء وقضاء ای یجب علیه اتمامه فان افسد فعلیه القضاء ۔۔۔قوله یجب علیه اشارة ای انه لیس المراد لزوم الاداء بلزومه ابتداء بل بقاء قوله اتمامه لقوله تعالی ولا تبطلوا اعمالکم وقوله تعالیٰ اتموا الصیام الی اللیل ۔۔۔قوله فعلیه لماروی ان عائشة وحفصة کانتا صائمتین تطوعا فاهدی لهما طعاما فافطرتا فقال لهما رسول الله ﷺ اقضیا یوما مکانه.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :محمد وارث خان سواتی

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر :۱۲۷۰

﴿کسی حرکت کے بغیر روزہ دار کے انزال کا حکم﴾

﴿سوال﴾ غلط دیکھنے سے روزہ دار کو اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صرف دیکھنے سے اگر انزال ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ کوئی ہاتھ وغیرہ استعمال نہ کیا ہو۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۳۹۶،طبع سعید)

اواحتلم اوانزل بنظر)ولوالی فرجها مرارا(اوبفکر)وان طال(لم یفطر) مجمع.

ولمافی حاشیة الطحطاوی:(ص۲۸۵،طبع قدیمی)

(اوانزل بنظر)الی فرج امراة لم یفسد)اوفکروان ادام النظر والفکر حتی انزل لانه لم یوجد منه صورة الجماع ولامعناه وهو الانزال عن المباشرة.وفی

البحر الرائق:(۲/ ۲۷۲، طبع:سعید) وفی الهدایۃ:(۱/ ۱۷۷، طبع رحمانیہ)

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث سواتی

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۵۳۶

﴿فصل فی اعذار المبیحۃ للافطار﴾

﴿ان اعذار کا بیان جن کی وجہ سے روزہ توڑنا جائز ہے﴾

﴿بھوک یا پیاس کی شدت سے جان کو خطرہ ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی آدمی کو بھوک یا پیاس کی شدت سے جان کا خطرہ ہو تو روزہ توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد طارق آزاد کشمیر

﴿جواب﴾ کسی شخص کو مرض یا بھوک و پیاس کی شدت سے ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے اگر روزہ نہ توڑا اور مر گیا تو گنہگار ہوگا۔

لما فی البدائع:(۲/ ۹۴، طبع سعید)

ذکر الکرخی فی مختصره ان المرض الذی یبیح الافطار هو مایخاف منه الموت او زیادة العلة کائنا ماکانت العلة روی عن أبی حنیفة انه ان کان بحال یباح له أداء صلاة المرض قاعدا فلا بأس بأن یفطر والمبیح المطلق بل الموجب هو الذی یخاف منه الهلاك لان فیه القاء النفس الی التهلکة لا لاقامة حق الله تعالیٰ وهو الوجوب والوجوب لا یبقی فی هذه الحالة وانه حرام فکان الافطار مباحا بل واجبا.

ولما فی الدر المختار:(۲/ ۴۲۱، طبع سعید)

فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم وقد ذکر المصنف منها خمسة وبقی الاکراه وخوف هلاك و نقصان عقل ولو بعطش أو جوع شدید ولسعة حیة.

ولما فی الشامیة:(۲/ ۴۲۱، طبع سعید)

(قوله خمسة) هی السفر والحبل والارضاع والمرض والکبر وهی تسع نظمتها بقولی: وعوارض الصوم التی قد یغتفر للمرء فیها الفطر تسع تستطر حبل وارضاع واکراه سفر مرض جهاد جوعه عطش کبر.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

۲۶ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر ۱۹۳۰

﴿مرض کے دوبارہ لوٹنے کا خوف ہو تو روزہ چھوڑنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص رمضان میں بیماری سے ٹھیک ہو گیا لیکن ابھی تک اسکو ڈر ہے کہ اگر روزہ رکھوں گا تو دوبارہ بیمار ہو جاؤنگا تو کیا ایسی صورت میں اس کیلئے روزہ چھوڑ دینا جائز ہے؟ مستفتی: راشد حسین

﴿جواب﴾ روزہ رکھنے کیوجہ سے عام طور پر کوئی بیمار نہیں ہوتا اور نہ بیماری عود کر آتی ہے تاہم اس شخص کیلئے اگر کسی مسلمان دیندار، ماہر ڈاکٹر نے روزہ رکھنا مضر قرار دیا ہو یا خود اسکو علامات وقرائن سے دوبارہ بیمار ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس کیلئے روزہ چھوڑ دینا جائز ہے بعد میں ایام صحت میں ان کی قضاء ضروری ہے۔

لما فی الدر المختار: (۲/۲۲۲ طبع سعید)

وصحیح خاف المرض..... بغلبة الظن بامارة أو تجربة أو باخبار طبیب حاذق مسلم مستور.

ولما فی الهندية: (۱/۲۰۷ طبع رشیدیه)

والصحیح الذی یخشیٰ ان یمرض بالصوم کالمریض.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبد الرزاق عفا اللہ عنہ

۲۴ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۲۶

﴿بیمار آدمی کا روزے کی نیت کرنے کے باوجود افطار کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی رمضان شریف میں بیمار تھا بعض دنوں میں روزے رکھتا تھا اور بعض دنوں میں افطار کرتا تھا اتفاق سے ایک دن روزے کی نیت کی اور پھر فجر کی نماز کے بعد افطار کیا تو اس صورت میں کیا حکم ہے قضاء یا کفارہ؟ ابھی تک وہ مکمل صحت یاب نہیں ہوا تھا۔ مستفتی: نوران شاہ صاحب

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا صورت میں صرف اس روزے کی قضاء واجب ہے کفارہ نہیں کیونکہ یہ آدمی پہلے سے بیمار ہے اور بیمار کیلئے روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: (سورة البقرة پاره ۲ آیت ۱۸۴)

ومن کان منکم مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر ـــ الآیة.

ولما فی الهندية:(۲۰۷/۱،طبع رشيديه)

(منها المرض)المريض اذاخاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالاجماع وان خاف زيادة العلة وامتداده فكذالک عندنا وعليه القضاء اذا افطر كذا فی المحيط.

ولما فی الشامی:(۴۰۳/۲،طبع سعيد)

(او مريض خاف الزيادة) قوله (خاف الزيادة)اوابطاء البرء اوفساد عضو بحر،اووجع العين او جراحة او صداعااوغيره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۷۶

﴿انہیلر پمپ کے استعمال کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ زید کو سانس کی بیماری ہے اور وہ سانس کے اکھڑ جانے پر انہیلر پمپ استعمال کرتا ہے جس کے استعمال سے وِنٹولین نامی دوا ہوا کے ذریعہ حلق میں جاتی ہے اور اس کا سانس بحال ہو جاتا ہے اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ وہ شرعاً معذور ہے کہ نہیں۔

﴿جواب﴾ انہیلر پمپ کے استعمال سے دوا کے اجزاء چونکہ حلق تک پہنچ جاتے ہیں اس لئے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ زید کو چونکہ ایک مستقل بیماری ہے لہٰذا وہ شرعاً معذور قرار پاتا ہے۔ بجائے روزے کہ وہ فدیہ دے سکتا ہے یعنی ہر روزے کے بدلے صبح وشام ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

لما فی بدائع الصنائع:(۹۴/۲،طبع سعيد کراچی)

ذكر الكرخی فی مختصره ان المرض الذی يبيح الافطار هومايخاف منه الموت اوزيادة العلة كائناما كانت.

لما فی رد المحتار :(۷۲/۲، مطلب فی بطلان الوصية ، طبع سعيد)

(قوله ولو فدى عن صلاته فی مرضه لايصح) ... اقول ووجه ذلک ان النص انما ورد فی الشيخ الفانی انه يفطر ويفدی فی حياته ، حتى ان المريض او المسافر اذا افطر يلزمه القضاء اذا ادرك اياما اخر و الا فلا شیء عليه ، فان ادرك ولم يصم يلزمه الوصية بالفدية عماقدر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نثار احمد

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۶۳

﴿مرض بڑھنے کی صورت میں کیا مریض فرض روزہ چھوڑ سکتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ بیمار شخص اگر روزہ رکھ لے اور اس سے مرض بڑھنے کا قوی اندیشہ ہو اور طبیب کی رائے ہو کہ وہ ضرور گھنٹے دو گھنٹے بعد پانی پی لیا کرے تو ایسی صورت میں وہ روزہ افطار کر سکتا ہے یا نہیں؟ کمزور آدمی اگر روزے کیوجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو روزہ افطار کرلے یا روزہ رکھے اور بیٹھ کر نماز پڑھا کرے؟ مستفتی: راحت اللہ

﴿جواب﴾ ایسے مریض کو روزہ افطار کرنے کی شرعاً اجازت ہے مریض کا غلبہ ظن یا مسلمان طبیب کا مشورہ دینا اس شرعی رخصت کیلئے کافی ہے۔

لما فی الهندية:(۲۰۷/۱،طبع رشيديه)

(ومنها المرض) المريض اذا خاف على نفسه التلف او ذهاب عضو يفطر بالاجماع وان خاف زيادة العلة وامتداده فكذالك عندنا وعليه القضاء اذا افطر كذا فى المحيط ثم معرفة ذلك باجتهاد المريض والاجتهاد غير مجرد الوهم بل هو غلبة ظن عن امارة او تجربة اوباخبار طبيب مسلم غير ظاهر الفسق.

ولما فی البحر:(۲۸۲/۲ طبع سعيد)

(فى قوله) اطلق فى المريض فشمل ما اذا مرض قبل طلوع الفجر اوبعده بعد ما شرع.

ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی رخصت ہے، اس عذر کیوجہ سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

لما فی الخانية على هامش الهندية:(۲۰۲/۲ طبع رشيديه)

رجل لو صام فى شهر رمضان لا يمكنه ان يصلى قائما وان لم يصم يمكنه ان يصلى قائما فانه يصوم ويصلى قاعدا جمعا بين العبادتين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروتی

۸ رجب ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۶۸

﴿صبح صادق کے بعد سفر پر جانے سے رخصت افطار پر عمل کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی رمضان کے مہینے میں سفر پر جا رہا ہے، اور سفر نماز فجر کے بعد شروع کرتا ہے، کیونکہ نماز سے پہلے گاڑیاں نہیں چلتی ہیں یا اس نے دس بجے کا ٹکٹ لیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس آدمی کے

لئے رخصت سفر پر عمل کرتے ہوئے روزہ چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمود شاہ وزیرستانی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ روزہ نہ رکھنا اس مسافر کے لئے جائز ہے جو صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے شہر کی آبادی سے باہر نکل چکا ہو، اگر طلوع صبح صادق (سحری) کے وقت اپنے گھر پر یا شہر کی آبادی کے اندر ہو تو شرعاً ابھی وہ مقیم ہی ہے اس لئے اس پر روزہ رکھنا فرض ہے، مسافر بننے کے لئے صرف سفر کی نیت کافی نہیں، بلکہ سفر کی نیت کر کے اپنے شہر کی آبادی سے باہر نکل جانے سے آدمی مسافر بنتا ہے، لیکن اگر اس شخص نے روزہ رکھا اور مسافر ہونے کے بعد توڑ دیا تو اس پر کفارہ نہیں آئیگا صرف ایک روزہ قضاء کا لازم آئے گا۔

لما في الفقه الاسلامي وادلته :(۱۶۹۵/۳، الاعذار المبيحة للفطر، طبع :رشيديه)

والسفر المبيح للفطر هو السفر الطويل الذي يبيح قصر الصلاة الرباعية وذلك لمسافة تقدر بحوالي ۸۹كم ،ويشترط عند الجمهور ان ينشئ السفر قبل طلوع الفجر ويصل الى مكان يبدأ فيه جواز القصر وهو بحيث يترك البيوت وراء ظهره ،اذ لا يباح له الفطر بالشروع في السفر بعد ما اصبح صائما ،تغليبا لحكم الحضر على السفر اذا اجتمعا فاذا شرع بالسفر بان جاوز عمران بلدة قبل طلوع الفجر جاز له الافطار وعليه القضاء.

ولما في التنوير وشرحه الدر :(۱۲۱/۲، باب صلاة المسافر ،طبع: سعيد)

(من خرج من عمارة موضع اقامة)من جانب خروجه وان لم يجاوز من جانب الاخر .قال ابن عابدين تحت هذه العبارة (قوله من خرج من عمارة موضع اقامته)ارادبالعمارة ما يشمل بيوت الاخبية لان بها عمارة موضعها ،قال في الامداد فيشترط مفارقتها ولو متفرقة ـ واشار الى انه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الاقامة كربض المصر وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح الخ (قوله من جانب خروجه الخ)قال في شرح المنية :فلا يصير مسافرا قبل ان يفارق عمران ما خرج منه من الجانب الذي خرج الخ.

ولما في الهندية:(۲۰٦/۱ ،كتاب الصوم طبع:رشيديه)

(ومنها السفر)الذي يبيح الفطر وهو ليس بعذر في اليوم الذي انشاء السفر فيه ،كذا في الغياثية ،فلو سافر نهارا لا يباح له الفطر في ذلك اليوم وان افطر لاكفارة عليه الخ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد بلال شاہ جنوبی وزیرستان

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۲۰۷۵

محنت ومزدوری کی خاطر روزہ چھوڑنے کا حکم

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ میں کپڑے کی فیکٹری میں کام کرتا ہوں، رمضان المبارک میں بھی ہمارا کام ہوتا ہے لیکن ہم لوگ رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتے کیونکہ ایک تو ویسے ہی گرمی ہوتی ہے اور دوسرا کام بھی سخت ہوتا ہے تو کیا ہمارے لیے مذکورہ عذر کی بناء پر روزے چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: محمد انور پنڈی گھیب

جواب فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر ایسے آدمی کے پاس اتنا مال ومتاع اور وسائل ہوں جو اس کے لیے اور اس کے اہل وعیال کے لیے ضرورت کے درجے میں کافی ہوں یعنی لوگوں سے سوال کرنے کی نوبت نہیں آتی تو ایسی صورت میں روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے، اور اگر اس کو اپنی ذات اور اہل وعیال کے نفقہ اور ضروری اخراجات کے لیے کمانے کی ضرورت ہے اور روزہ چھوڑے بغیر ایسی ضرورت پورا کرنے کی اور کوئی صورت نہیں بنتی تو صرف ضرورت کی حد تک چھوڑنے کی گنجائش ہے بعد میں قضاء بھی لازم ہے۔

لما في الدر المختار مع رد المحتار: (۲/۴۲۰ طبع سعید)

لا يجوز ان يعمل عملاً يصل به الى الضعف فيخبز نصف النهار ويستريح الباقي (قوله لا يجوز) عزاه في البحر الى القنية، وقال في التاتارخانية: وفي الفتاوى سئل علي ابن احمد عن المحترف اذا كان يعلم انه لو اشتغل بحرفته يلحقه مرض يبيح الفطر وهو محتاج الى النفقة هل يباح له الاكل قبل ان يمرض، فمنع من ذلك اشد المنع وهكذا حكاه عن استاذه الوبري ......والذي ينبغي في مسألة المحترف حيث كان الظاهر ان ما مر من تفقهات المشايخ لا من منقول المذهب ان يقال اذا كان عنده ما يكفيه وعياله لا يحل له الفطر لنه يحرم عليه السوال من الناس فالفطر اولى والا فله العمل بقدر ما يكفيه

ولما في الهندية ۱/۲۰۸ طبع رشيدية)

المحترف المحتاج الى نفقته علم انه لو اشتغل بحرفته يلحقه ضرر مبيح الفطر يحرم عليه الفطر قبل ان يمرض كذا في القنية

ولما في التاتارخانية ۲/۲۹۲)

"اليتيمة" سئل علي ابن احمد عن المحترف اذا كان يعلم انه لو اشتغل بحرفته يلحقه مرض يباح الفطر وهو محتاج الى تحصيل النفقة هل يباح له الاكل قبل ان

بمرض؟فمنع من ذلک اشد المنع ،وھکذا حکاہ عن استاذہ الوہری۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفی اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق امکی

۱۱ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۳۸۵

﴿روزوں سے متعلق متفرق مسائل﴾

﴿ماہِ رمضان المبارک میں ہوٹل کھولنا اور روزے نہ رکھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) رمضان المبارک کے مہینہ میں علی الاعلان روزے نہ رکھنے کا رواج عام ہو گیا ہے بعض لوگ رمضان المبارک کے مہینہ میں دن کے وقت بھی ہوٹل کھول کر ان لوگوں کو کھانے وغیرہ تیار کر کے دیتے ہیں جو روزے نہیں رکھتے، پوچھنا یہ ہے کہ بلا عذر روزہ نہ رکھنا یا روزہ نہ رکھنے والوں کو کھانا کھلانا شریعت میں کیا حکم رکھتا ہے؟

(۲) اگر کسی نے جان بوجھ کر روزے نہ رکھے ہوں بعد میں توبہ کی توفیق ہو جائے تو ایسے شخص کیلئے شریعت میں کیا حکم ہے صرف قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی؟ اگر قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہو تو اس کی کیا تفصیل ہے؟

﴿جواب﴾ (۱) رمضان المبارک کے مہینہ کا احترام مسلمانوں پر فرض ہے، اسی احترام کے پیش نظر شریعت نے جہاں معذورین کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے، وہاں ان کو روزہ داروں کے سامنے کھانے پینے سے بھی منع کیا ہے بلا عذر رمضان کا روزہ نہ رکھنا گناہ کبیرہ ہے اور رمضان المبارک کے مہینے میں لوگوں کے سامنے کھانا پینا گناہ کبیرہ کے علاوہ دین کے ایک اہم رکن کی توہین کرنے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے مذاق اڑانے کے بھی مترادف ہے، اسلامی حکومت کو ایسے شخص کو قتل کرنے کا اختیار بھی حاصل ہے۔

اسی طرح رمضان المبارک کے مہینہ میں دن کے وقت ہوٹل کھول کر روزہ خوروں کو کھانا فراہم کرنے والے بھی رمضان المبارک کا تقدس پامال کرنے میں ان لوگوں کے ساتھ شریک جرم ہیں بلکہ ان کے اس عمل کیوجہ سے روزہ خوروں کی حوصلہ افزائی کے علاوہ کمزور ایمان والے

افراد کو بھی روزہ توڑنے کی جرأت پیدا ہوتی ہے جسکا ذریعہ یہی لوگ بنتے ہیں، لہذا جس جگہ رمضان المبارک میں یہ سب کچھ ہو رہا ہو وہاں کی عوام کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کریں، اور جب تک وہ توبہ نہ کریں ان سے میل جول نہ رکھیں خصوصا ان کے ہوٹل سے کھانا کھانے سے اجتناب کریں البتہ سزا دینے کا اختیار صرف حکومت کو ہے۔

(۲) رمضان المبارک کا صرف ایک روزہ بھی بلا عذر اگر کوئی چھوڑتا ہے اس سے اسکی آخرت کا جو نقصان ہوگا بعد میں عمر بھر روزے رکھنے سے بھی اس کا تدارک نہیں ہو سکے گا، تاہم روزہ نہ رکھنے سے صرف اس کی قضا لازم ہے کفارہ نہیں، کفارہ اس وقت لازم آتا ہے جب روزہ رکھنے کے بعد بغیر کسی شرعی عذر کے جان بوجھ کر توڑ دیا جائے۔

لما فی الدر المختار: (۲/۴۱۳ طبع سعید)

ولو أكل عمدا شهرة بلا عذر يقتل وتمامه فى شرح الوهبانية وقال الشامى رحمه الله: قال فى الوهبانية ولو أكل الانسان عمدا وشهرة ولا عذر فيه قيل بالقتل يؤمر قال الشرنبلالى صورتها تعمد من لا عذر له الأكل جهارا يقتل لانه مستهزئ بالدين أو منكر لما ثبت منه بالضرورة ولا خلاف فى حل قتله والأمر به فتعبير المؤلف بقيل ليس بلازم الضعف.

ولما فى الهندية: (۱/۲۲۶ طبع قديمى)

اذا اكل متعمدا ما يتغذى به او يتداوى به يلزمه الكفارة وهذا اذا كان مما يوكل للغذاء او للدواء.

ولما فى جامع الترمذى: (۱/۹۰ طبع فاروقى پشاور)

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من افطر يوما من رمضان من غير رخصة ولا مرض لم يقض عنه صوم الدهر كله وان صامه.

ولما فى المرقاة: (۴/۲۲۲ طبع رشيديه)

وان صامه اى ولو صام الدهر كله قال الطيبى اى لم يجد فضيلة الصوم المفروض بصوم النفل وان سقط قضاؤه بصوم يوم واحد وهذا على طريق المبالغة والتشديد ولذلك أكده بقوله وان صامه.

ولما فى اعلاء السنن: (۹/۱۳۹ طبع دار الكتب العلمية بيروت)

وفى الجوهرة النقى: فى نوادر الفقهاء لابن بنت نعيم: اجمعوا ان من أكل او شرب فى نهار رمضان عامدا بلا عذر فعليه القضاء والكفارة الا الشافعى قال: لا كفارة عليه انتهى كلامه. والأكل والشرب عمدا فى انتهاك حرمة الشهر مثل الوطء.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبد الحکیم کشمیری

۱۳ رجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۴۵

﴿تنہا چاند دیکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی نے تنہا رمضان یا عید کا چاند دیکھا مطلع بالکل صاف تھا اور شہادت رد کر دی گئی تو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ روزہ رکھے گا یا افطار کریگا؟ اگر روزہ رکھنا تھا اور افطار کر دیا تو کیا قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا؟ اگر امام یعنی حاکم اکیلا چاند دیکھے تو کیا وہ اسکا اعلان کر سکتا ہے کہ سب روزہ رکھیں یا عید منائیں؟ نیز اگر ایک بستی کے چند آدمیوں نے چاند دیکھا جنکی تعداد جم غفیر تک نہیں پہنچتی تو انکے بارے میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مطلع صاف ہونیکی صورت میں اگر کسی نے رمضان کا یا عید کا چاند دیکھ کر گواہی دی اور اسکی گواہی رد کر دی گئی تو اس آدمی پر اس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے اگر افطار کر دیا تو صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا اگر تنہا امام نے رمضان یا عید کا چاند دیکھا تو وہ لوگوں کو روزہ رکھنے یا عید منانے کا حکم نہیں دے گا بلکہ خود تنہا روزہ رکھے گا اگر رمضان کا چاند تھا اور اگر عید کا چاند ہے تو سب کے ساتھ امام بھی روزہ رکھے گا، چند آدمی جنھوں نے چاند دیکھا اور انکی تعداد جم غفیر تک نہ پہنچنے کی وجہ سے انکی شہادت رد کر دی گئی وہ بھی روزہ رکھیں گے۔

لما فی الشامی:(۲/ ۳۸۲،طبع سعید)

(رأی) مکلف (ہلال رمضان أو الفطر ورد قوله) بدلیل شرعی (صام) مطلقا وجوبا وقیل ندبا (فان أفطر قضی فقط) لشبهة الرد (قوله رأی مکلف) أی مسلم بالغ عاقل ولو فاسقا کمافی البحر عن الظهیریة فلایجب علیه لو صبیا او مجنونا وشمل مالو کان الرائی اماما فلا یامر الناس بالصوم، ولا بالفطر اذا رآہ وحدہ ویصوم هو کمافی الامداد. وأفاد الخیر الرملی أنه لو کانوا جماعة وردت شهادتهم لعدم تکامل الجمع العظیم فالحکم فیهم کذلک۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۶

﴿روزہ دار کو کھاتا ہوا دیکھ کر کیا روزہ یاد دلانا چاہیے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام کہ رمضان کے مہینے میں کسی شخص کو کھاتا یا پیتا ہوا دیکھے تو کیا اس کو بتانا چاہیے یا نہیں؟

مستفتی: عباس علی

﴿جواب﴾ روزے کی حالت میں کوئی شخص بھول کر کھا پی رہا ہو دوسرے شخص کو علم ہو جائے

کہ یہ بھول کر کھا پی رہا ہے تو اگر وہ شخص ضعیف ہو یا ایسا ہو کہ روزے کی وجہ سے کمزوری لاحق ہوتی ہو تو اگر نہ بتایا جائے تو درست ہے لیکن اگر وہ شخص جوان ہو اور آسانی سے روزہ رکھ سکتا ہو تو بتا دینا چاہیے نہ بتانا اس صورت میں کراہت سے خالی نہیں۔

لمافی البحر:(۲/۲۷۱،طبع سعید)

وخرج مالذا اکل ناسیاً فذکره انسان بالصوم ولم یتذکر فاکل فسد صومه فی الصحیح خلافاً لبعضهم کذا فی الظهیرية...... والاولیٰ أن لایذکره ان کان شیخاً لأن مایلعله الصائم لیس بمعصية فالسکوت عنه لیس بمعصية ولان الشیخوخة. مظنة المرحمة وان کان شاباً یقوی علی الصوم یکره أن لایخبره والظاهر انها تحریمية.

ولمافی الهندية:(۱/۲۰۷،طبع رشیدیه)

رجل نظر الی صائم یاکل ناسیاً ان رأی فیه قوة یمکنه أن یتم الصوم الی اللیل فالمختار أنه یکره أن لایذکره وان کان یضعف فی الصوم بان کان شیخاً کبیراً یسعه أن لایخبره کذافی الظهيرية فی فصل الاعذار المبيحة.

واللہ اعلم بالصواب: محمد عزیز چترالی
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر: ۳۶۵
۲ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ

﴿عرب ممالک سے آنے والے پر تیس سے زائد روزے رکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سعودی عرب سے پاکستان آیا، وہاں چاند کے حساب سے اس کے تیس (۳۰) روزے پورے ہو چکے ہیں جبکہ پاکستان میں ابھی روزے باقی ہیں تو کیا یہ شخص اب افطار کریگا یا روزے رکھے گا؟

﴿جواب﴾ پاکستان پہنچ کر جب رمضان باقی ہے تو لوگوں کیساتھ مشابہت کی خاطر روزے رکھتا رہے اور نفلی روزوں کا ثواب اس کو ملے گا۔

لمافی جامع الترمذی:(۱/۸۸،طبع فاروقی ملتان)

عن ابی هریرةؓ أن النبی صلی الله علیه وسلم قال الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون.

ولمافی الشامی:(۲/۳۸۴،طبع سعید)

لوصام رائی هلال رمضان وأکمل العدة لم یفطر الامع الامام لقوله علیه الصلاة والسلام "صومکم یوم تصومون وفطرکم یوم تفطرون".

ولمافی التنویرمع الدر:(۲/۲۰۷-۲۰۸طبع سعید)

(والأخیران یمسکان بقیة یومهما وجوباًعلی الأصح)لأن الفطرقبیح وترك القبیح شرعاً واجب (کمسافرأقام وحائض ونفساء طهرتاومجنون أفاق ومریض صح)

وفی الشامیة:فانه یجب علیه الامساك تشبهاوکذافی قاضی خان:(۱/۲۱۷،قدیمی)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:رضوان اللہ حقانی

۱۸ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۰۶۵

﴿سحری کے وقت ماہواری بند ہونے کی صورت میں روزے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت سحری کے وقت ماہواری سے پاک ہوگئی اور غسل کئے بغیر اس نے سحری کھالی اور روزے کی نیت بھی کر لی۔ کیا ایسی صورت میں اسکا روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟　　　مستفتی:رفیع اللہ ضلع دیر پائین

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اس خاتون کا خون دس دن مکمل گذرنے پر اگر رک گیا تھا تو اسکا روزہ درست ہوگیا ہے اگرچہ طلوع فجر سے پہلے غسل کرنے کا کوئی موقع اسے نہیں ملا تھا۔اسی طرح دس روز گذرنے سے پہلے اگر خون رک گیا تھا اور غسل کرنے کا اسے موقع ملا تھا لیکن سحری کھانے میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ غسل نہ کرسکی تب بھی روزہ درست ہوگیا ہے۔البتہ اتنی تاخیر سے خون اگر رک گیا ہو کہ وہ سحری کا کھانا چھوڑ کر اور صرف فرائض پر اکتفاء کرتے ہوئے بھی اگر غسل کرتی تو طلوع فجر سے پہلے پاک نہیں ہوسکتی تھی یا عین طلوع فجر پر غسل سے فارغ ہوتی تو ایسی صورت میں روزہ درست نہیں ہوا اس روزہ کی قضاء لازم ہے۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں اتنا وقت جس میں وہ فرائض پر اکتفاء کرتے ہوئے غسل کرسکتی جاری خون کے حکم میں شمار ہوتا ہے اور ایسی حالت میں وہ روزہ کی اہلیت نہیں رکھتی طلوع فجر سے پہلے پہلے اسکا پاک ہونا ضروری ہے۔

لمافی الهندیه (۱/۲۲۸،طبع قدیمی)

ولوطهرت لیلا صامت الغدان کانت ایام حیضهاعشرة وان کانت دونهافان ادرکت من اللیل مقدارالغسل وزیادة ساعة لطیفة تصوم وان طلع الفجرمع فراغهامن الغسل لاتصوم لان مدة الاغتسال من جملة الحیض فیمن کانت ایامهادون العشرة کذافی محیط السرخسی۔

ولما فی التاتارخانیة(۲/۳۰۲،طبع قدیمی)

ولوطهرتاقبل طلوع الفجرفانه ینظر:ان کان الحیض عشرة ایام والنفاس اربعون یومافعلیهماالقضاء صلوة العشاء ویجزیهماصومهمامن الغدعن رمضان،وان کان الحیض دون العشرة والنفاس دون الاربعین فانه ینظر:ان وجدتامن اللیل مقدارمایسع فیه الاغتسال وساعة قبل طلوع الفجرفکذلک الجواب والا فلایلزمهماقضاء العشاء ولایجزیهماصومهمامن الغد وعلیهماقضاء ذلک الیوم.

ولمافی الشامی(۱/۲۹۶،طبع سعید)

ونقل بعده فی البحرعن المتوشیح والسراج انه لایجزیهماصوم ذلک الیوم اذالم یبق من الوقت قدرالاغتسال والتحریمة لانه لایحکم بطهارتهاالابهذا،وان بقی قدرمایجزیهماالان العشاء صارت دیناعلیهما،وانه من حکم الطاهرات فحکم بطهارتهاضرورة ،ونحوه فی الزیلعی ،وقال فی البحر:وهذاهوالحق فیمایظهر.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد دیروی

۲۴ صفر ۱۴۳۵ھ   فتویٰ نمبر ۳۹۴۴

﴿حائضہ عورت کے لیے روزہ داروں کی طرح رہنا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ طلوع فجر کے بعد اگر کسی عورت کو حیض آجائے تو ایسی عورت کیلئے بقیہ یوم کا امساک یعنی کھانا پینا بند کرنے کا کیا حکم ہے؟   مستفتی: محمد یاسر

﴿جواب﴾ طلوع فجر کے بعد عورت کو ماہواری شروع ہو جائے تو اس سے روزہ ختم ہو جاتا ہے اور اس پر امساک ضروری نہیں، البتہ رمضان المبارک کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ روزہ داروں کے سامنے نہ کھائیں کچھ ہٹ کر کھائیں۔

لمافی الهندیة:(۱/۲۰۷،طبع رشیدیه)

ومنهاالحیض والنفاس واذاحاضت المرأة أونفست أفطرت.

ولمافی قاضی خان:(۱/۲۱۸،طبع قدیمی)

وأجمعواعلی أنه لایجب التشبه علی الحائض والنفساء فی الحیض والنفاس وعلی المریض والمسافر.

ولمافی الجوهرةالنیرة:(۱/۱۸۶ طبع میرمحمد)

قوله(واذاحاضت المرأة افطرت وقضت)وکذااذانفست،هل تاکل سرأأوجهرأ قیل سرأوقیل جهرأولایجب علیهاالتشبه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر: ۲۱۹۵

﴿عیدین کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ عید کے دن روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ پورے سال میں پانچ دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے، ان میں تین دن ایام تشریق کے ہیں اور دو دن عیدین کے ہیں، لہٰذا عید کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، البتہ کسی نے روزہ رکھ لیا تو روزہ ہو جائیگا لیکن گنہگار ہوگا۔

لما فی الهندية:(۲۲۱/۱،طبع رشيديه)

ويكره صوم يوم العيدين وايام التشريق وان صام فيهما كان صائما عندنا كذا في قاضي خان.

ولما في البحر:(۲۵۸/۲،طبع سعيد) وعندنا يكره الصوم في يومي العيد وايام التشريق.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد غفرلہ ولوالدیہ

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر: ۲۲۰۹

﴿یوم الشک کے روزے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں اکثر لوگ ۲۹، ۳۰ شعبان (یوم الشک) کو روزہ رکھتے ہیں، جب ان سے کہا جائے کہ اس دن روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو نفل کی نیت سے رکھتے ہیں لیکن جب رمضان کا مہینہ ۲۹ کا ہو جائے تو پھر کہتے ہیں کہ ہمارے روزے پورے ہو گئے اور ہم نے جو ایک دن پہلے روزہ رکھا تھا صحیح تھا یعنی اخیر میں اسکو فرض روزہ سے شمار کرتے ہیں، انکا خیال ہے کہ رمضان کا مہینہ ۳۰ ہی کا ہوتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ شروع میں غلطی ہوگئی اور ایک روزہ چھوٹ گیا۔

چنانچہ ان لوگوں کا رمضان سے پہلے ایک روزہ رکھنے کا معمول بن گیا ہے، تو ایسی حالت میں یوم الشک کو روزہ رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ یوم الشک کے روزے کو فقہاء کرام نے منع کیا ہے، خاص کر ایسی حالت میں جب نیت میں تردد ہو، آپ کے علاقے میں جو صورت حال ہے کہ یوم الشک کو اخیر میں رمضان سے شمار کرتے ہیں تو یہ نیت میں تردد ہے، لہٰذا ان لوگوں کا اس دن روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے۔

البتہ جسکی نیت میں تردد نہیں ہوتا یا خاص دنوں میں روزہ رکھنا انکی عادت رہی ہو اور اتفاق سے ان دنوں میں شک کا دن آرہا ہو تو یہ لوگ نفل کی نیت سے روزہ رکھ سکتے ہیں لیکن ان کے لئے بھی ایسی حالت میں چاہیے کہ کسی پر بھی اپنا روزہ ظاہر نہ کریں کیونکہ اگر دوسروں کو پتہ چلے تو وہ بھی روزہ رکھنا شروع کر دیں گے جبکہ انکو نیت کی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔

اور ان لوگوں کا خیال کہ رمضان ۳۰ ہی کا ہوتا ہے بالکل غلط ہے کیونکہ احادیث شریفہ میں صراحت موجود ہے کہ مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ کا ہوتا ہے، لہٰذا چاند کے ۲۹ دنوں کو مہینہ سے کم سمجھنا غلط ہے۔

لما فی صحیح البخاری:(۱/۲۵۶،طبع قدیمی)

عن ابن عمرؓ قال :قال رسول اللّٰہ ﷺ :انا امة امية :لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا وهكذا وعقد الابهام فى الثلاثة.ثم قال الشهر هكذا وهكذا وهكذا يعنى تمام الثلاثين .يعنى مرة تسعا وعشرين ومرة ثلاثين متفق عليه.

ولما فی جامع الترمذی:(۱/۶۸،طبع فاروقی ملتان)

عن ابی هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ لا تقدموا شهر رمضان بصيام قبله بيوم او يومين الا ان يكون رجل يصوم صوماً فليصمه.

ولما فی التاتارخانية:(۲/۲۹۷،طبع قدیمی)

والمختاران يفتى بالتطوع فى حق الخواص والانتظار والتلوم فى حق العوام.

ولما فی الدرالمختار:(۲/۲۸۲-۲۸۳،طبع سعید)

(والا يصومه الخواص ويفطر غيرهم بعدالزوال)به يفتى نفيالتهمة النهى(وكل من علم كيفية صوم الشك فهومن الخواص والا فمن العوام الخ)

وفى الشامية:وقوله يصوم الخواص اى وان لم يوافق صوما يعتاده.....قال فى الفتح وقيد فى التحفة بكونه على وجه لايعلم العوام ذلك كى لا يعتادوا صومه فيظنه الجهال زيادة على رمضان.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۲؍رجب ۱۴۲۸ھ   فتویٰ نمبر:۱۰۷۱

﴿میت کی طرف سے صوم وصلوٰۃ کا فدیہ ادا کرنا﴾

﴿سوال﴾ میرے والد صاحب تقریباً ۲۰ سال سے شوگر کے مریض تھے بیماری کے زمانے

میں روزے نماز کا تقریباً اہتمام نہ کر سکے، میں چاہتا ہوں کہ انکی طرف سے کچھ نعم البدل ادا کر دوں، اس کا طریقہ کیا ہوگا؟ میں خود (ان کا بیٹا) انکی طرف سے حج بدل ادا کر سکتا ہوں؟ واضح رہے کہ والد صاحب نے اس کے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی ہے۔

﴿جواب﴾ آپ کے والد صاحب مذکورہ مدت میں اگر ایسے بیمار تھے کہ نہ رمضان میں روزے رکھ سکے اور نہ بعد میں قضاء کا موقع ملا تو ان پر کچھ نہیں ہے یعنی فدیہ وغیرہ واجب نہیں اور اگر ایسی بیماری نہ تھی بلکہ کبھی صحت کبھی بیماری رہی تو ان پر روزے یا روزوں کی قضا ضروری تھی لیکن غفلت یا سستی کیوجہ سے نہ رکھ سکے تو ان کو فدیہ ادا کرنا چاہیے تھا یا اس کی وصیت کرنی چاہیے تھی، دونوں میں سے ایک بھی نہ کر سکے تو آپ پر فدیہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ اگر آپ اپنی طرف سے خود ادا کر دیں تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ انکے روزوں کے بدلے میں قبول فرمالیں۔ واللہ اعلم

ایک روزہ کا فدیہ ایک فطرہ (پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت جو کہ آج کل تقریباً ۳۰ روپیہ بنتی ہے) ۲۰ سال کے روزوں کا فدیہ ۱۸۰۰۰ روپیہ بنتا ہے، اسی طرح ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھانا بھی کھلا سکتے ہیں۔

نمازوں کے بارے میں اصلاً تو فدیہ نہیں ہے، لہٰذا کوئی ضروری نہیں ہے لیکن روزوں پر قیاس کرتے ہوئے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نمازوں کے بدلے قبول فرمالیں، ایک نماز کا فدیہ بھی وہی ایک فطرہ (پونے دو سیر گندم یا اسکی آج کل کی قیمت تقریباً ۳۰ روپیہ) ہے، چونکہ یومیہ چھ نمازیں ہیں اس لئے کہ وتر کو مستقل نماز شمار کرتے ہیں، لہٰذا ۲۰ سال کی نمازوں کا فدیہ رقم کی صورت میں ۱۳۶۴۰۰۰ روپیہ بنتا ہے، البتہ یہ بات یاد رہے کہ اگر ایک ساتھ ادا نہیں کر سکتے تو جب بھی ادا کرے تو پونے دو سیر گندم کی اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

لما فی التاتارخانیة:(۲/۲۹۲،طبع قدیمی)

فان لم یصم بعد ما صح او قام حتی مات فعلیه ان یوصی ان یطعم عنه:وفی الهدایة اطعم عنه ولیه لکل یوم نصف صاع من بر او صاعا من تمر او صاعا من شعیر۔۔۔

والصلاۃ کالصوم ،وکل صلاۃ تعتبر بصوم یوم وھو الصحیح ،وان لم یوص وتبرع الورثۃ جاز ،وان لم یتبرعوا لایلزمھم الاداء.

ولما فیھا ایضا:(۱/۵۵۸،طبع قدیمی)

رجل مات وعلیہ صلوات فالوصی ان یطعموا عنہ..... وان لم یوص الورثۃ وتبرع بعض الورثۃ یجوز.

ولما فی التجنیس والمزید:(۲/۸۴،طبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ)

اذامات الرجل وعلیہ صلوات فائتۃ یعطی لکل صلاۃ نصف صاع من بر.

ولما فی التنویر مع الدر:(۲/۷۲،طبع سعید)

(ولو مات وعلیہ صلوات فائتۃ واوصی بالکفارۃ یعطی لکل صلاۃ نصف صاع من بر) کالفطرۃ (وکذا حکم الوتر) والصوم.

وفی الشامیۃ:واما اذالم یوص فتطوع بھا الوارث فقد قال محمدؒ فی الزیادات انہ یجزیہ ان شاء اللہ تعالی فعلق الاجزاء بالمشیئۃ لعدم النص وکذا علقہ بالمشیئۃ فیما اذا اوصی بفدیۃ الصلاۃ لانھم الحقوھا احتیاطا لاحتمال کون النص فیہ معلولا بالعجز فتشمل الصلاۃ وان لم یکن معلولا تکون الفدیۃ برمبتدأ یصلح ماحیا للسیئات فکان فیھا شبھۃ.....فعلم انہ اذالم یوص بفدیہ الصلاۃ فالشبھۃ اقوی.

آپ کے والد صاحب کے ذمہ اگر حج فرض تھا مگر اتنا مال نہیں چھوڑا یا اس نے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی تو ان کی طرف سے حج بدل ادا کرنا اب لازم نہیں لیکن اگر آپ انکی طرف سے حج بدل ادا کریں تو اللہ تعالی کی رحمت سے امید کی جاتی ہے کہ مرحوم کی طرف سے حج فرض کے بدلے میں قبول فرمالیں۔

اور اگر ان کے ذمہ فرض نہیں تھا اور آپ انکی طرف سے حج بدل کریں تو یہ نفلی حج ہوگا اور مرحوم کو انشاء اللہ اس کا ثواب ضرور پہنچے گا۔

لما فی الولوالجیۃ:(۱/۲۸۷،طبع فاروقی پشاور)

ومن حج عن رجل میت بغیر امرہ حجۃ الاسلام جاز عنہ ان شاء اللہ تعالی لان النبی ﷺ قال للخثعمیۃ ارایت لو کان علی ابیک دین فقضیتہ اما کان یقبل منک فاللہ احق ان یقبل فالنبی ﷺ شبہ الحج بالقضاء بقضاء الدین. وجاز للوارث قضاء دین المیت بغیر امرہ فکذا یجوز الحج عنہ قولہ ان شاء اللہ تعالی علی القبول لاعلی الجواز لانہ شبھۃ بقضاء الدین.

ولما فی الشامی:(۲/۶۰۲،طبع سعید)

(قولہ أوصی بحج الخ)قید بالوصیۃ لانہ لو کان لم یوص فتبرع عنہ الوارث بالحج

او الاحتجاج يصح كما قدمه المصنفؒ: اى يصح عن المبيت عن حجة الاسلام ان شاء الله تعالى كما قدمناه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ

۶ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۸۲۷

﴿چاند کی طرف اشارہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے گاؤں میں یہ رواج ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے تو لوگ ہاتھوں سے اسکی طرف اشارہ کر کے بتاتے ہیں کہ وہ رہا چاند ایک دفعہ ایک صاحب نے کہا کہ اسطرح کرنا درست نہیں ہے تو دوسرے لوگوں نے کہا کیوں درست نہیں ہے شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ فعل کو فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے۔

لمافی العالمگیریۃ:(۱/۱۹۷،طبع رشیدیہ)

وتكره الاشارة عند روية الهلال كذافى الظهيرية.

ولمافی التجنيس والمزيد:(۲/۲۲۵،طبع ادرة القرآن والعلوم الاسلامية)

واذارأوا الهلال يكره ان يشيروا اليه،لان اهل الجاهلية كانوا يفعلون ذلک.

ولمافی التنوير مع الدر:(۲/۳۹۲،طبع سعيد)

(فرع)اذارأوا الهلال يكره ان يشيروا اليه لانه من عمل الجاهلية كمافى السراجية وكراهة البزازية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد غفرلہ ولوالدیہ

۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۹۵۴

﴿رمضان کا چاند دیکھنے کے بعد روزہ افطار کرنا﴾

﴿سوال﴾ میں نے رمضان کا چاند دیکھا لیکن میری گواہی قبول نہیں کی گئی پھر میں نے افطار کیا تو کیا میرے ذمے صرف قضا ہے یا کفارہ بھی؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں آپکے ذمے صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

لمافی التجنيس والمزيد:(۲/۲۲۰،طبع ادرة القرآن والعلوم الاسلامية)

وان راى هلال رمضان (فلم تقبل شهادته) فعليه ان يصوم فان افطر فى ذلک اليوم

کان علیه القضاء دون الکفارة.

ولما فی التاتارخانیة:(۲/۲۶۷،طبع قدیمی)

واذا ابصر هلال رمضان وحده وشهد عند القاضی فرد شهادته فعلیه ان یصوم خلافا للحسن البصری فان افطر بعد ما رد الامام شهادته فلا کفارة علیه عندنا.

ولما فی التنویر مع الدر:(۲/۳۸۲،طبع سعید)

(رأی)مکلف(هلال رمضان او الفطر ورد قوله)بدلیل شرعی (صام) مطلقا وجوبا وقیل ندبا(فان افطر قضی فقط)لشبهة الرد.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:سعید احمد غفرلہ ولوالدیہ

۱۷ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۰۳

﴿اعتکاف کا بیان﴾

﴿محراب مسجد کا حصہ ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کا محراب مسجد کے حکم میں ہوتا ہے یا نہیں اگر کوئی شخص حالت اعتکاف میں محراب میں چلا گیا تو اس کے اعتکاف پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟

مستفتی:محمد زبیر بنوں

﴿جواب﴾ محراب بھی عام طور پر مسجد ہی کا حصہ ہوتا ہے، لہٰذا محراب میں جانے سے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الشامی:(۱/۶۵۲،طبع سعید)

والمحراب وان کان من المسجد فصورته وهیئته اقتضت شبهة الاختلاف اھ۔ قلت:أی لان المحراب انما بنی لمحل قیام الامام لیکون قیامه وسط الصف کما هو السنّة لا لأن یقوم فی داخله فهو وان کان من بقاع المسجد لکن اشبه مکاناً آخر فأورث الکراهة۔

ولما فی البحر الرائق:(۲/۲۶،طبع سعید)

یعنی وحقیقة اختلاف المکان تمنع الجواز فشبهة الاختلاف توجب الکراهة، وهو وان کان المحراب من المسجد کما هی العادة المستمرّة۔۔۔الخ

ولما فی الهندیة:(۱/۲۱۲،طبع رشیدیة کوئٹة)

ولو صعد المئذنة لم یفسد اعتکافه بلا خلاف وان کان باب المئذنة خارج المسجد کذا فی البدائع،والمؤذن وغیره فیه سواء هو الصحیح۔

ولما فی الشامیة:(۲/۴۴۶، طبع: سعید)

لکن ینبغی فیما اذا کان بابھا خارج المسجد ان یقید بما اذا خرج للاذان ،لان المنارة وان کانت من المسجد لکن خروجه الی بابھا خروج منه بلاعذر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار بنوی غفرلہ ولولدیہ

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۱۷

﴿مساجد میں معتکف کے لئے پردے لٹکانا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں معتکف کے لئے مسجد میں جگہ متعین کرنا اور پردے وغیرہ لٹکانے کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: قاری علی زمان کشمیری

﴿جواب﴾ مساجد میں معتکف کا اپنے لئے جگہ خاص کرنے اور پردے لٹکانے میں عام نمازیوں کو اگر تکلیف نہیں ہوتی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس سے اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ معتکف اپنے اعمال وعبادات پوری طرح یکسوئی اور خلوت میں ادا کرسکے۔

لما فی الصحیح للمسلم :(ج ۱ ص ۳۷۱،کتاب الاعتکاف ،طبع قدیمی کراچی)

قال :فیه دلیل علی جواز اتخاذ المعتکف لنفسه موضعا من المسجد ینفرد فیه مدة اعتکافه مالم یضیق علی الناس واذااتخذ یکون فی آخر المسجد و رحابه لئلا یضیق علی غیره ولیکون اخلی له واکمل فی انفراده.

ولما فی مرقاة المفاتیح :(۴/۵۶۸،۵۶۹،الفصل الثانی ،طبع رشیدیه کوئٹه)

وعن عائشة کان رسول الله ﷺ اذا اراد ان یعتکف ای نوی من اول اللیل ان یعتکف وبات فی المسجد (صلی الفجر ثم دخل فی معتکفه)بصیغة المفعول ای مکان اعتکافه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفراللہ لہ ولوالدیہ

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ: ۳۰۷۲

﴿کیا اعتکاف دس روز سے کم ہوسکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا اعتکاف دس روز سے کم ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد حسن

﴿جواب﴾ رمضان میں اخیر عشرہ کا اعتکاف مسنون ہے اور وہ دس یا نو روز کا ہوتا ہے اس سے

کم نہیں ہوتا، البتہ اس کے علاوہ نفلی اعتکاف اس سے کم ہوسکتا ہے بلکہ ایک گھنٹہ کا بھی ہوسکتا ہے۔

و لما فی التنویر:(۲/۴۴۲، طبع سعید)

(و سنة موكدة فی العشر الاخیر من رمضان مستحب فی غیره من الازمنة)

و لما فی التنویر مع الدر:(۲/۴۴۲ طبع سعید)

(واقله نفلا ساعة) من لیل أو نهار عند محمد و هو ظاهر الراویة عن الامام لبناء النفل علی المسامحة و به یفتی و الساعة فی عرف الفقهاء جزء من اربعة و عشرین کما یقوله المنجمون لذا فی غرر الاذکار و غیره

و لما فی الهندیه:(۱/۲۱۱ طبع رشیدیه)

و ینقسم الی واجب و هو المنذور تنجیزاً أو تعلیقاً والی سنة موكدة وهو فی العشر الاخیر من رمضان و الی مستحب و هو ما سواهما هكذا فی فتح القدیر

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب عفی عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتوی نمبر: ۳۰۸۶

﴿مسنون اعتکاف سے کن کن اعمال کو مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ مفتی صاحب میں نے علمائے کرام سے سنا ہے کہ مسنون اعتکاف میں اگر کسی عمل کا اعتکاف سے استثناء کرے، مثلاً کہ میں نماز جنازہ میں شریک ہوں گا، تو ایسی صورت میں اگر وہ نماز جنازہ کے لئے نکلے تو اسکا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

اب معلوم کرنا یہ ہے کہ کن کن چیزوں کو وہ اعتکاف سے مستثنیٰ کرسکتا ہے اور کن کن کو نہیں؟ دوسری بات یہ کہ اگر مسنون اعتکاف سے بہت سارے اعمال یا کاموں کو مستثنیٰ کردے تو اس سے مسنون اعتکاف کی فضیلت میں کچھ کمی آئے گی یا نہیں؟ مستفتی: عبدالشکور

﴿جواب﴾ مسنون اور واجب اعتکاف سے کن کن اعمال کا استثناء کیا جا سکتا ہے اس بارے میں کتب فقہ کی مراجعت کے بعد ایسی کوئی صراحت میری نظر سے نہیں گزری جس میں وضاحت کے ساتھ ان اعمال کا نام لیکر بتایا ہو، البتہ ایک قاعدہ ذکر کیا گیا ہے کہ تمام طبعی تقاضے مثلاً کھانا، پیشاب، پاخانہ وغیرہ اس طرح کے تقاضے تو خود بخود مستثنیٰ ہوجاتے ہیں، اور جن چیزوں کا وقوع بکثرت نہ ہو تو ایسی چیزیں اگر اعتکاف شروع کرنے سے پہلے مستثنیٰ کرے گا، تو

وہ بھی مستثنیٰ ہو جائیں گے، جیسے عیادت مریض، صلوۃ جنازہ وغیرہ لیکن اگر مسنون اعتکاف سے کئی چیزوں کو مستثنیٰ کر دے تو اس طرح اگر چہ اسکا اعتکاف ہو جائے گا، لیکن اعتکاف کی جو روح اور مقصود ہے (یعنی اپنے آپ کو دنیاوی مشاغل اور معروفیات سے فارغ کر کے زیادہ سے زیادہ عبادت کی جائے اور اس کی راتوں کو عبادت سے زندہ کیا جائے) وہ فوت ہو جائے گا ۔

لما فی الصحیح المسلم:(۱/۳۱۲، طبع:قدیمی)

عن عائشة رضی الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذادخل العشر احى الليل ايقظ اهله وجد وشدالمئزر ـقالت عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد فى العشر الاواخر مالا يجتهد فى غيره .

ولما فی الشامی :(۲/۴۴۵ طبع:قدیمی)

والحاصل ان ما يغلب وقوعه يصير مستثنى حكما وان لم يشترطه ومالا فلاالا اذااشترطه.

ولما فی تتارخانیه :(۲/۱۲ طبع:قدیمی)

ولو اشترط وقت النذر والالتزام ان يخرج الى عيادة المريض وصلوة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذلک.

ولما فی الهندیه:(۱/۲۱۲ طبع:قدیمی)

ولو اشترط وقت النذ والالتزام ان يخرج الى عيادة المريض صلوة الجنازة وحضور مجلس العم يجوز له ذالک .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد خان سواتی

۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:

﴿معتکف کا نماز جنازہ میں شرکت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ایک صاحب رمضان المبارک کے اعتکاف میں بیٹھے تھے، اس دوران انہوں نے ثواب کی نیت سے مسجد سے باہر نکل کر نماز جنازہ میں شرکت کی تو اس کا مسجد سے نکل کر جنازے میں شریک ہونے سے اعتکاف باقی رہا یا ٹوٹ گیا؟

﴿جواب﴾ نماز جنازہ کے لئے مسجد سے باہر نکلنے پر اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، دوسرے لوگوں کے ادا کرنے سے معتکف کی طرف سے بھی ادا ہو جاتا ہے، اس لئے بغیر کسی عذر کے مسجد سے نکلنا جائز نہیں لیکن اگر اعتکاف کرتے وقت اس نے نماز جنازہ میں

شرکت کی نیت کی تھی تو اس کے لئے نکلنا جائز ہے۔

لمافی بدائع الصنائع:(۱۱۴/۲ طبع سعید)

ولا یخرج لعیادة مریض ولا لصلاة جنازة لانه لاضرورة الی الخروج لأن عیادة المریض لیست من الفرائض بل من الفضائل وصلاة الجنازة لیست بفرض عین بل فرض کفایة تسقط عنه بقیام الباقین بها فلا یجوز ابطال الاعتکاف لأجلها]

ولمافی حاشیة الطحطاوی:(ص۷۰۲،طبع قدیمی)

(تحت قوله 'واغتسال من جنابة لو شرط وقت النذر أن یخرج لعیادة المریض وصلاة الجنازة و حضور مجلس علم جاز ذلک.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

اا ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۱۲۰

﴿حالت اعتکاف میں کسی رشتہ دار میت کے دیدار کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک صاحب رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں مشغول تھے کہ اُنکے کسی قریبی عزیز کا انتقال ہوگیا، اب اُنہوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں میت کا آخری دیدار کرلوں، جب محلّے کے امام صاحب سے اجازت طلب کی تو انہوں نے صاف منع کردیا کہ معتکف کے لئے ایسے کام جائز نہیں پھر بعد میں جب کسی دوسرے عالم کے پاس اسکا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا آپ کے لئے اپنے میت رشتے دار کا آخری دیدار (اعتکاف کی حالت میں بھی) جائز تھا، یہ سن کر مذکورہ شخص مذبذب سا ہوگیا کہ امام صاحب نے منع کردیا تھا اور فلاں عالم صاحب نے جائز کہدیا، اب عرض یہ ہے کہ دونوں میں سے کون صحیح ہے؟

﴿جواب﴾ مسئولہ صورت میں امام صاحب کی بات صحیح ہے اور دوسرے مولوی صاحب کی بات درست معلوم نہیں ہوتی یعنی معتکف شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی عزیز میت کے آخری دیدار کے غرض سے چلا جائے، ہاں البتہ کسی ضرورت کی وجہ سے باہر نکلا ہو پھر چلتے چلتے میت کا دیدار بھی کرلے تو کوئی حرج نہیں۔

لمافی البدائع:(۱۱۴/۲ طبع سعید)

ولا یخرج لعیادة مریض ولا لصلاة جنازة لانه لاضرورة الی الخروج لان عیادة المریض لیست من الفرائض بل من الفضائل —— ویجوز ان تحمل الرخصة علی ما اذا

کان خرج المعتکف لوجه مباح کحاجة الانسان او للجمعة ثم عاد مریضا او صلی علی جنازة من غیر ان کان خروجه لذلک قصدا وذلک جائز.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۳

﴿معتکف کا دوسری مسجد میں قرآن سنانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی اگر رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کیلئے بیٹھ جائے تو وہ قرآن سنانے کیلئے دوسری مسجد میں جاسکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر اعتکاف میں بیٹھتے وقت اس بات کی نیت کی ہو کہ میں قرآن مجید سنانے کے لئے دوسری مسجد میں جاؤنگا تو اس نیت کی وجہ سے اعتکاف کی حالت میں مسجد سے نکلنے کی اجازت معلوم ہورہی ہے صرف اتنے وقت کے لئے کہ وہاں جاکر تراویح پڑھادے اور واپس اعتکاف کی جگہ لوٹ آئے، تراویح کے علاوہ ادھر ادھر کسی اور کام میں مشغول نہ ہو ورنہ اعتکاف فاسد ہوجائیگا لیکن پھر بھی عدم خروج بہتر ہے تاکہ اعتکاف کے تقدس پر کوئی اثر نہ پڑے۔

لما فی الهندية:(۱/۲۱۲،طبع رشيديه)

ولو شرط وقت النذر والالتزام ان يخرج الی عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذلک كذا فی التا تار خانية ناقلا عن الحجة.

ولما فی الدر المختار:(۲/۲۲۲،طبع امداديه)

لو شرط وقت النذر ان يخرج لعيادة مريض وصلاة جنازة وحضور مجلس علم جاز ذلک،فليحفظ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۷۴

﴿واجب اعتکاف میں عیادت مریض اور نماز جنازہ وغیرہ کیلئے جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جب کوئی شخص رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی نذر مان لے تو عیادت مریض، نماز جنازہ وغیرہ کیلئے جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر حافظ قرآن نے اعتکاف کی نذر مانی ہو تو کیا وہ تراویح میں قرآن سنانے کیلئے دوسری مسجد میں جاسکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر معتکف نے نذر ماننے کے وقت یہ شرط لگائی تھی کہ میں عیادت مریض، نماز

جنازہ یا کسی مسجد میں قرآن سنانے کیلئے جاؤں گا تو نکلنا جائز معلوم ہو رہا ہے اور اگر نذر مانتے وقت یہ شرط نہیں لگائی تھی کہ میں عیادت مریض، نماز جنازہ یا کسی مسجد میں قرآن سنانے کیلئے جاؤں گا تو اس صورت میں جب مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

البتہ بول و براز، غسل واجب اور بعض دوسری حاجات انسانی کیلئے نکلنا درست اور جائز ہے جب مسجد کے ساتھ غسل خانہ وغیرہ نہ ہو۔

لما فی العالمگیریۃ:(۲۱۲/۱،طبع رشیدیہ)

ولا یخرج لعیادۃ المریض کذافی البحر الرائق ولو خرج لجنازۃ یفسد اعتکافہ وکذا لصلاتھا(۔۔۔)ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادۃ المریض وصلاۃ الجنازۃ وحضور مجلس العلم یجوزلہ ذلک کذافی التاتارخانیۃ ناقلا عن الحجۃ.

ولما فی التنویر مع الدر:(۴۴۴/۲-۴۴۸،طبع سعید)

(وحرم علیہ)ای علی المعتکف اعتکافا واجبا اماالنفل فلہ الخروج لانہ منہ لہ لا مبطل کمامر (الخروج الالحاجۃ الانسان)طبیعۃ کبول وغائط وغسل لواحتلم ولایمکنہ الاغتسال فی المسجد کذافی النھر.

ولما فی الدر المختار:(۴۴۸/۲،طبع سعید)

وفی التاتارخانیۃ عن الحجۃ: لوشرط وقت النذران یخرج لعیادۃ مریض وصلاۃ جنازۃ وحضور مجلس علم جاز ذلک فلیحفظ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروتی
۱۷؍رجب ۱۴۲۸ھ	فتویٰ نمبر: ۱۰۶۷

﴿اعتکاف کی قضا کا حکم﴾

﴿سوال﴾ (۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں کسی دن کا اعتکاف ٹوٹ جائے تو کیا اسی دن کے اعتکاف کی قضا ضروری ہے یا پورے عشرہ کی؟

(۲) اگر کسی عذر کی وجہ سے نفل اعتکاف توڑ کر مسجد سے نکلے تو کیا اس پر قضا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو جتنے دنوں کی نیت کی ہے اس کے بقدر قضا ضروری ہے یا ایک دن ایک رات کی؟

﴿جواب﴾ (۱) ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں جس دن کا اعتکاف ٹوٹ جائے، اصح قول کے مطابق صرف اسی دن کے اعتکاف کی قضاء مستقل روزے کے ساتھ ضروری ہے۔

لما فی ردالمحتار:(۲/۲۲۲،طبع سعید)

(قوله أما النفل) أی الشامل للسنة المؤكدة ح قلت قدمنا ما یفید اشتراط الصوم فیها بناء علی انها مقدرة بالعشر الأخیر ومفاد التقدیر ایضا اللزوم بالشروع تأمل ...وان لزوم قضاء جمیعه او باقیه مخرج علی قول ابی یوسف اما علی قول غیره فیقضی الیوم الذی افسده لا ستقلال کل یوم بنفسه ....والحاصل ان الوجه یقتضی لزوم کل یوم شرع فیه عندهما بناء علی لزوم صومه بخلاف الباقی لان کل یوم بمنزلة شفع من النافلة الرباعیة وان کان المسنون هو اعتکاف العشر بتمامه تامل.

(۲) نفل اعتکاف کی کوئی قضاء نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار:(۲/۲۲۲،طبع سعید)

(فلو شرع فی نفله ثم قطعه لا یلزمه قضاؤه)لانه لا یشترط له الصوم(علی الظاهر)من المذهب وما فی بعض المعتبرات أنه یلزم بالشروع مفرع علی الضعیف الخ

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:عبداللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۰ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ   فتوی نمبر:۹۶۶

﴿اعتکاف کیلئے قرعہ اندازی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اعتکاف پورے گاؤں والوں پر سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے لیکن اگر کوئی بھی تیار نہ ہو اور اہل مسجد یہ مشورہ کریں کہ قرعہ اندازی کرینگے جسکا نام نکل آیا وہ اعتکاف کریگا تو اس طرح قرعہ اندازی جائز ہے؟ اور جسکا نام نکلے اس کے لئے اعتکاف ضروری ہے یا نہیں؟   مستفتی: فرمان اللہ چارسدہ

﴿جواب﴾ بھلائی کے کاموں میں تو ہر ایک کو آگے بڑھنا چاہیے اتنی سستی کہ کوئی بھی اعتکاف کے لئے تیار نہ ہو خطرے کی بات ہے، تاہم قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے، جہاں ایک شخص کو شرعاً مکمل اختیار حاصل ہو کہ وہ چند جائز راستوں میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کرے مذکورہ صورت میں بھی اس آدمی کو اعتکاف میں بیٹھنے اور نہ بیٹھنے کا اختیار حاصل ہے، لہٰذا اس آدمی کے لئے قرعہ اندازی جائز ہے۔

لما فی اعلاء السنن:(۱۱/۱۳۸ طبع دار الکتب بیروت)

عن عائشه رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا أراد ان یخرج سفراً اقرع بین ازواجه فایتهن خرج سهمها خرج بها معه ـمتفق علیه.

ولما فی روح المعانی:(۲۳/۱۵۱مطبع رشیدیه)

تحت قوله تعالیٰ:(فساهم)فقارع علیه السلام من فی الفلک واستدل به من قال بمشروعیة القرعة.

(۲) جب اہل مسجد آپس میں یہ مشورہ کریں اور سب اس پر متفق ہوں کہ جس شخص کا نام نکل آئے وہ اعتکاف کریگا، ایسی صورت میں اس باہمی مشورہ کی پاسداری کی وجہ سے جس آدمی کا نام نکلے اس کو اعتکاف میں بیٹھنا چاہیے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ غفرلہ ولوالدیہ

۶ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
فتویٰ نمبر: ۷۳۷

﴿عورت کیلئے اعتکاف سے قبل شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کیلئے اعتکاف مسنون میں بیٹھنے سے قبل شوہر سے اسکی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ مستفتی: حنیف خان

﴿جواب﴾ جی ہاں شوہر سے اسکی اجازت لینا ضروری ہے اور اگر شوہر نے ایک مرتبہ اجازت دیدی تو اسکے بعد اس کیلئے منع کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

لما فی الهندیة:(۲۱۱/۱مطبع رشیدیه)

فان أذن لها الزوج بالاعتکاف لم یکن له ان یمنعها بعد ذلک وان منعها لا یصح منعه.

ولما فی الشامی:(۴۴۱/۲مطبع سعید)

ولیس لزوجها أن یطأها اذا أذن لها لانه ملکها منافعها فان منعها بعد الاذن لا یصح منعه ،ولا ینبغی لها الاعتکاف بلااذنه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق

۲۳ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
فتویٰ نمبر: ۱۷۱۰

﴿معتکف عورت کو گھریلو کام کاج سے احتراز کرنا چاہئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک خاتون رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں گھر کے مصلیٰ پر اعتکاف کے لئے بیٹھ جائے اور گھر کے کام کاج مثلاً روٹی پکانے والا کوئی اور نہ ہو تو یہ خاتون ان ضروریات کی وجہ سے معتکف (جائے اعتکاف) سے باہر نکل کر کام کر سکتی ہے یا

نہیں؟ اور معتکف سے باہر نکلنے کی صورت میں آیا اسکا اعتکاف ٹوٹنے کا تو نہیں؟

﴿جواب﴾ اعتکاف سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو ذکر اللہ کے لئے فارغ کردے اور اعتکاف کے دنوں میں دنیاوی کاموں سے اجتناب کرے، لہٰذا اس عورت کو چاہیے کہ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے پہلے وہ گھریلو کام مثلاً کھانا پکانا وغیرہ کیلئے اپنی جگہ کسی اور کو مقرر کر دے، ہاں اگر کوشش کے باوجود کوئی بھی نہیں ملا تو کھانا پکانے کے لئے نکلنے کی گنجائش ہے اور ایسی صورت میں اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔

لما فی البدائع: (۱۱۴/۲ طبع سعید)

أما المرأة اذا اعتكفت فى مسجد بيتها لا تخرج منه الى منزلها الا لحاجة الانسان لان ذلك فى حكم المسجد لها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۵ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۶۳

﴿عورتوں کا اعتکاف میں بیٹھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورتوں کا اعتکاف میں بیٹھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، علماء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے کیونکہ ہمارے علاقہ میں ایک مفتی صاحب کہتے ہیں کہ عورتوں کا اعتکاف میں بیٹھنا شرعاً جائز نہیں، تبلیغ والوں نے اپنی طرف سے نئی بدعت ایجاد کی ہے؟ — مستفتی: نعیم اللہ حقانی

﴿جواب﴾ عورتوں کے اعتکاف سے متعلق اگر کوئی کہتا ہے کہ ”عورتوں کا اعتکاف جائز نہیں ہے یہ تبلیغ والوں نے اپنی طرف سے نئی بدعت ایجاد کی ہے“ تو یہ فقہی مسائل سے ناواقفیت کی دلیل ہے، کوئی مفتی صاحب ایسا نہیں کہہ سکتا، کہنے والا واقعی اگر کوئی عالم دین ہے تو انکو چاہیے کہ بغیر تحقیق کے کوئی بھی مسئلہ بیان نہ کریں، عورتوں کیلئے گھروں میں اعتکاف سے متعلق فقہا احناف کے اکثر فتاویٰ میں واضح حکم موجود ہے اور خود ازواج مطہرات سے بھی ثابت ہے، لہٰذا اس کو تبلیغ والوں کی ایجاد کہنا غلط ہے۔

لما فی سنن ابی داود: (۱/۳۵۵ طبع رحمانیہ)

عن عائشةؓ ان النبى ﷺ كان يعتكف العشر الاواخر من رمضان حتىٰ قبضه الله ثم

اعتکف ازواجه من بعده، وکذا فی مرقاة المفاتیح:(۲/۲۱۳) وفی الشامی:(۲/۲۲۹، امدادیه)

ولما فی الهدایة:(۱/۲۲۷، طبع رحمانیه)

اما المرأة تعتکف فی مسجد بیتها لانه هو الموضع لصلاتها فیتحقق انتظارها فیه ولو لم یکن لها فی البیت مسجد تجعل موضعاً فیه فتعتکف فیه.

ولما فی خلاصة الفتاوی:(۱/۲۶۷، طبع رشیدیه)

والمرأة کالرجل الا انها تعتکف فی مسجد بیتها ولا یعتکف فی مسجد جماعة فی ظاهر الروایة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

یکم محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۱۸

﴿معتکف فرض غسل کے علاوہ غسل کیلئے مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ جو شخص رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھے کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ فرض غسل کے علاوہ غسل کیلئے مسجد سے باہر نکلے؟

﴿جواب﴾ معتکف کیلئے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت صرف ضرورت طبعی یا حاجت شرعی کی وجہ سے ہے اور فرض غسل کے علاوہ غسل نہ ضرورت طبعی ہے اور نہ ہی شرعی حاجت میں داخل ہے لہٰذا اسکے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔

لما فی البحر:(۲/۳۰۱، طبع سعید)

ولا یخرج منه الا لحاجة شرعیة کالجمعة او طبیعیة کالبول والغائط: ای لا یخرج المعتکف اعتکافا واجبا من مسجده الا لضرورة مطلقة لحدیث عائشة کان علیه السلام لا یخرج من معتکفه الا لحاجة الانسان ولانه معلوم وقوعها ولا بد من الخروج فی بعضها فیصیر الخروج لها مستثنی.

ولما فی الشامی:(۲/۴۳۵، طبع امدادیه)

(وحرم علیه الخروج الا لحاجة الانسان) طبیعیة کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنه الاغتسال فی المسجد کذا فی النهر، او شرعیة کعید واذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ سبحانہ اعلم: افتخار احمد گلگتی

۳/۳/۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۷۰

کتاب الحج

حج کے مسائل کا بیان

حج کی فضیلت کے متعلق ایک سوال

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج کی کتنی اقسام ہیں؟ اور ان میں سب سے افضل کونسی ہے؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ حج کی فضیلت حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص صحیح طریقہ سے حج کرے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہوکر لوٹتا ہے جیسے اسی دن اس کی ماں نے اسے جنا تو کیا حج سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہو جاتے ہیں؟

جواب: حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) قران (۲) تمتع (۳) افراد احناف کے ہاں ان میں سب سے افضل حج قران ہے پھر تمتع پھر افراد۔ حج سے گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ نہ صرف معرکۃ الآراء ہے بلکہ مفصل اور پیچیدہ بھی ہے جس میں سے چنی چنائی بات ذکر کی جاتی ہے:

حج سے گناہ صغیرہ کے معاف ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہے اور گناہ کبیرہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) جنکا تعلق حقوق العباد سے ہو (۲) جنکا تعلق حقوق اللہ سے ہو پھر ان میں سے ہر ایک کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) نفس حقوق (۲) حقوق کے متعلقات اس بات میں بھی اختلاف نہیں کہ حج سے حقوق اللہ کے متعلقات معاف ہوتے ہیں اور نفس حقوق بغیر کسی عذر کے معاف نہیں ہوتے مثلاً کسی سے نماز قضا ہو گئی ہو تو حج کے ذریعہ قضا کرنے کا گناہ تو معاف ہو جاتا ہے لیکن ادا کئے بغیر وہ نماز ذمہ سے ساقط نہ ہوگی۔

البتہ حج سے پہلے کوئی فرض یا واجب حقوق اللہ میں سے اسکے ذمہ تھا اور اس کی ادائیگی کا پختہ عزم بھی تھا لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا تو ممکن ہے کہ حج کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حق کا مطالبہ نہ ہو تقریباً یہی حال حقوق العباد کا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جب اس گناہ پر کوئی دوسرا واجب مرتب ہو تو حج کے ذریعہ وہ واجب بھی بجالائے بغیر ساقط نہ ہوگا جیسے توبہ کا حال ہے، تاہم یہ مسئلہ چونکہ ظنیہ ہے اس لئے قطعی طور پر حج

سے حقوق خصوصاً حقوق العباد کے معاف ہونے کا قول اختیار کرنا مشکل ہے، البتہ عام طور پر چونکہ حج کے مواقع اور حالات میں حاجی کو توبہ کرنے کی توفیق ہو ہی جاتی ہے، اس لئے ایسے حج سے گناہ کبیرہ کا بھی معاف ہونا کوئی بعید نہیں۔

لمافی الترمذی:(۱/۱۶۷،باب ماجاء فی ثواب الحج والعمرة،طبع سعید)

قال رسول الله ﷺ تابعوا بین الحج والعمرة فانهما ینفیان الفقر والذنوب کما ینفی الکیر خبث الحدید والذهب والفضة.

ولمافی المرقاة:(۵/۴۲۳،طبع رشیدیه)

من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه.

ولمافی غنیة المناسک:(ص۱۰۳)

الحج یهدم ما کانت قبله من الصغائر وکذاالکبائر دون الحقوق کاالدین والمغصوب وقضاء الصلوٰة ونحوهانعم مایتعلق بهامن الکبائر کالمطل وفعلا لغصب وتأخیر الصلوٰة تسقط امانفس الحقوق فلا قائل بسقوطها عندالقدرة علیها بعدالحج واما من مات قبل القدرة علیٰ ادائها فجاز ان یقال بسقوط نفس الحقوق ایضاً اذاکان من نیته تدارکها اماحق الله فظاهر ولماحق العبد ولیس فی ترکته مایفی به فالله یرضی خصمه عنه وهذایحمل حدیث ابن ماجه بالنسبة الیٰ الحقوق وهو وان ضعف فله شواهد تصححه لکن المسئلة ظنیةفلا یجوزالقطع بتکفیر الحج بحقوقه فضلاً عن حقوق العبادکمافی التوبة ومثله فی البحر.

ولمافی البحر:(۲/۶۲۲،طبع دارالکتب الاسلامی بیروت)

بیان ذالک ان من اخر الصلوٰة عن وقتها فقد ارتکب معصیة وهی التاخیر ووجب علیه شیٔ اٰخر وهوالقضاء وکذااذامطل الدین ۔۔۔ وکذااذاقتل احدا ـــ فما ورد من تکفیر الحج للکبائر فالمراد تکفیره للمعاصی الکبائر کتاخیر الصلوٰة ومطل الدین واماالواجبات المرتبة علیٰ تلک المعاصی من لزوم قضاء الصلوٰة واداء الدین وتسلیم نفسه للقصاص فانها لا تسقط لان التکفیرانما یکون للذنب.....الاتری ان التوبة تکفر الذنوب بالاتفاق ولایلزم من ذالک سقوط الواجبات المرتبة علیٰ تلک الذنوب علیٰ ان التوبة من ذنب یترتب علیه واجب لاتتم الا بفعل ذالک الواجب.....فقد ظهر مما قررنا ان الحج کالتوبة فی تکفیر الکبائر سواء تعلقت بحقوق الله تعالیٰ اوبحقوق العبد اولم تتعلق بحق احد بان لم یترتب علیها واجب اٰخر کشرب الخمر ونحوه۔۔۔فاغتنم هذاالتحریر الغریب(ص۱۰۴)قال فی البحر فلیس معنی التکفیر کما یتوهمه کثیر من الناس ان الدین یسقط عنه وکذاقضاء الصلوٰة والصوم والزکوٰةاذلم یقل احد بذلک.

ولما فی تقریرات الرافعی:(۲/۱۷۶،طبع سعید)

(قوله لحديث ابن ماجه) اصل الدعوى فى تكفير الكبائر بالحج والحديث انما دل على التكفير بواسطة دعاء ﷺ فلم يظهر صحة الاستدلال به عليها (قوله وآية ايضا تؤيده)فيه ان الآية الكريمة انما افادت ان غفران مادون الشرك موكول للمشيئة ولم تفد ماافاده الحديث من تحقق المغفرة للامة حتى فى التبعات.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　　　　واللہ اعلم: خالدالرحمٰن کرکی

۲۷رجب المرجب ۱۴۳۰ھ　　　　　　　　　　فتویٰ نمبر:۲۳۹۰

﴿احادیث کی روشنی میں فریضہ حج کے فضائل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دین اسلام میں فریضہ حج کی کیا اہمیت ہے؟ نیز احادیث میں اس کی کیا فضیلت آئی ہے؟　　　مستفتی:عبداللہ صاحب

﴿جواب﴾ حج دین اسلام کا ایک اہم رکن ہے، یہ مالی اور بدنی دونوں عبادتوں کا مجموعہ ہے احادیث مبارکہ میں حج کے بارے میں کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، ذیل میں فضائل کی احادیث مع ترجمہ کے ذکر کی جاتی ہیں:

لما فی المتجر الرابح:(ص ۲۹۲،طبع دارالجیل بیروت)

عن ابى ذرؓ ان النبى ﷺ قال:ان داؤد النبى ﷺ قال:الٰهى مالعبادك عليك اذا هم زاروك فى بيتك؟ .قال:لكل زائر حقا على المزور حق يا داؤد لهم على ان اعافيهم فى الدنيا واغفرلهم اذالقيتهم".

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی "اے میرے معبود تیرے بندے جب تیری زیارت کے لئے تیرے گھر آتے ہیں تو انکا تیرے اوپر کیا حق ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد ہر مہمان کا میزبان پر حق ہے اور میرے ان بندوں کا میرے اوپر یہ حق ہے کہ میں دنیا میں ان کو معاف کردوں اور جب آخرت میں ان سے ملوں تو ان کی مغفرت کردوں۔

لما فی جامع الترمذی:(۱/۱۰۰،طبع فاروقی ملتان)

وعن ابى هريرةؓ قال:قال رسول الله ﷺ من حج فلم يرفث ولم يفسق غفرله ماتقدم من ذنبه.

ترجمہ: حضرت ابوھریرةؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے حج کیا اور

دوران حج نہ تو بے حیائی کا کام کیا اور نہ ہی لڑائی جھگڑا کیا تو اسکے پچھلے سارے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔

والمتجر الرابح: ص ۲۹۱ طبع دار الجیل بیروت)

عن ابی ہریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ افضل الاعمال عند اللہ تعالیٰ ایمان لا شک فیہ وغزو لا غلول فیہ وحج مبرور"

ترجمہ: حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ کے نزدیک اعمال میں سب سے فضیلت والا (پسندیدہ) عمل پختہ ایمان جس میں (ذرا بھی) شک نہ ہو، خیانت (مال غنیمت وغیرہ میں) سے پاک جہاد اور حج مبرور ہیں۔

فائدہ: مبرور کا مطلب مقبول حج یعنی جسمیں اسکے فرائض، واجبات کا پورا اہتمام ہو اور منہیات سے بچ جائے۔

والمتجر الرابح: ص ۲۹۱ دار الجیل بیروت)

عن جابرؓ عن النبی ﷺ قال: الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ حج مبرور کا بدلہ جنت ہی ہے۔

والمتجر الرابح: ۲۹۱ دار الجیل بیروت)

عن عبداللہ بن جرادؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ حجوا فان الحج یغسل الذنوب کما یغسل الماء الدرن"

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جرادؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حج کیا کرو اسلئے کہ حج گناہوں کو ایسے دھوتا (ختم کرتا) ہے جیسے پانی میل کچیل کو۔

والمتجر الرابح: (ص ۲۹۱ بیروت)

عن ابن عمرؓ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ما یرفع ابل الحاج رجلا ولا یضع یدا الا کتب اللہ لہ بہا حسنۃ او محا عنہ سیئۃ او رفعہ بہا درجۃ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حاجی کا اونٹ جو بھی قدم اٹھاتا ہے یا رکھتا ہے تو ہر ایک قدم کے بدلے اللہ تعالیٰ اس حاجی کو ایک نیکی عطا فرماتے ہیں یا اس کے بدلے اس کا گناہ معاف فرماتے ہیں یا (اسکے درجات میں) ایک درجہ بلند فرماتے ہیں۔

لما فی المتجر الرابح:(ص/۲۹۲،دار الجیل بیروت)

"عن ابی هریرةؓ قال:قال رسول الله ﷺ یغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج"

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: حاجی کی بخشش کردی جاتی ہےاوراس شخص کی (بھی) جس کے لئے حاجی بخشش کی دعا کرے۔

لما فی مرقاة المفاتیح:(۵/۲۲۳،طبع رشیدیه)

وعنہٗ قال:قال رسول الله ﷺ:من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے،فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے واسطے حج کیااوردوران حج نہ توبے حیائی کا کام کیااورنہ ہی (کسی سے) لڑائی جھگڑاکیاتو وہ (گناہوں سے پاک ہوکر) ایسے لوٹاجیسے اس دن اس کی ماں نے اسے جنا۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ		واللہ اعلم بالصواب: خالدالرحمٰن کرکی

۲۷،جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ		فتویٰ نمبر: ۲۱۹۷

﴿حج مبرورکی علامت کیاہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج کی ادائیگی کے دوران جب ہم شیطان پرکنکریاں مارنے سے فارغ ہوئے تومیرے دوست نے بتایاکہ جن کاحج قبول ہوجاتاہےان کی کنکریاں اٹھائی جاتی ہیں اوریہ پڑی ہوئی کنکریاں ان کی ہیں جن کےحج قبول نہ ہوں،کیایہ درست ہے؟ نیزکسی حدیث سے ثابت بھی ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾ آپ کے دوست کی بات درست ہےاورحدیث صحیح سے ثابت ہے: حضرت ابوسعیدخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،کہ میں نے آپ علیہ السلام سے عرض کیایارسول اللہ یہ جو کنکریاں ہم پھینکتے ہیں ہرسال ہم دیکھتے ہیں کہ کم ہوتی رہتی ہیں،آپ علیہ السلام نے فرمایاکہ ان میں سے جوقبول کی جاتی ہیں وہ اٹھائی جاتی ہیں اگراس طرح نہ ہوتاتوآپ اس کوپہاڑوں کے مثل دیکھ لیتے۔

لما فی التنویرمع الدر:(۲/۵۱۵،مطلب فی رمی جمرة العقبة،طبع سعیدکراتشی)

(ویکره)أخذها(من عندالجمرة)لأنهامردودةلحدیث "من قبلت حجته رفعت جمرته"

وفی الشامیة:(قوله لحدیث الخ):ای ماروا الدارقطنی والحاکم وصححه عن أبی

سعیدرضی اللہ تعالی عنه قال:قلت:یارسول الله هذه الجمار التی نرمی بها کل عام فنحسب انها تنقص ، فقال:"ان مایقبل منها رفع ولولا ذلک لرأیتها أمثال الجبال"

شرح النقایة للقاری.

(۲/۷۰۷برقم الحدیث:۱۷۸۸ طبع قدیمی)

وللحاکم فی المستدرک علی الصحیحین:

عن عبدالرحمن ابن أبی سعیدالخدری عن أبیه أبی سعیدقال:قلنا:یارسول الله هذه الأحجار التی نرمی بها تحمل فنحسب انها تنقر.قال:انه مایقبل منها یرفع ولولا ذلک لرأیتها مثل الجبال.هذاحدیث صحیح الاسناد.

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۳۰۷۴

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿ایام حج کتنے ہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ حج تو صرف پانچ دن کا ہوتا ہے اس کے لیے ۴۰ دن کا قیام یا ۴۰ نمازیں ضروری نہیں، جب کہ حج اداء کرنے والا مستحب حج کا طلب گار ہوتا ہے، شریعت کی رو سے وضاحت کر دیجیے کہ حج کے پانچ دنوں کے علاوہ باقی ایام کی کیا حیثیت ہے؟ مستفتی: محمد اقبال

﴿جواب﴾ یہ بات تو صحیح ہے کہ "حج تو صرف پانچ روز کا ہوتا ہے" چونکہ انہی ایام میں حج کے تمام ارکان اداء ہوتے ہیں اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ حج کے خاص دن پانچ ہیں، ان پانچ ایام کے علاوہ آجکل عام حاجی کم از کم چالیس روز گذار کر حج کر آتے ہیں اور اس سے پہلے جب آمدورفت کی سہولیات اتنی نہیں تھیں حاجی لوگ چھ سات مہینے گذار کر حج کی سعادت حاصل کرتے۔

یہ تمام عرصہ فی سبیل اللہ شمار ہوتا ہے، جس میں ہر بدنی عبادت، یعنی نماز، روزہ، ذکر وتلاوت وغیرہ کا ثواب انچاس کروڑ گنا ہو جاتا ہے اور بیت اللہ شریف، اسی طرح مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کی مستقل فضیلت کیوجہ سے ہر عمل کا ثواب انچاس کروڑ ضرب ایک لاکھ یا پچاس ہزار ہو جاتا ہے، ظاہر بات ہے یہ اخروی بہت بڑی کمائی ہے، یہ فضیلت دنیا کی دوسری کسی بھی جگہ نہیں ملتی۔ اس لیے جسکو جتنا زیادہ موقع اخروی کمائی حاصل کرنے کو ملے تو بڑی غنیمت سمجھے گا، اس کے علاوہ احادیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں ادا

نہیں تو اس کے لیے جہنم کی آگ سے، عام عذاب سے، اور نفاق سے برأت لکھدی جاتی ہے اور جو شخص صرف پانچ دنوں پر اکتفاء کر کے لوٹتا ہے بلاشبہ اس کا حج تو ادا ہو جائے گا لیکن حضور ﷺ کی زیارت، مسجد نبوی کی زیارت، اور اس میں چالیس نمازوں کو ادا کرنے کی سعادت اور فی سبیل اللہ کی اضافی دنوں کی فضیلت نہیں ملیگی۔ چونکہ یہ سعادت بار بار نصیب نہیں ہوتی اس لیے موقع کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور جتنا ہو سکے وہاں زیادہ وقت گذارنا چاہیے۔

لما في الترغيب والترهيب:(۲/۱۷۳ طبع حقانيه)

عن انس بن مالك رضي الله عنه عن النبي ﷺ عليه وسلم قال:من صلى في مسجدي اربعين صلاة لاتفوته صلاة كتبت له برأة من النار وبرأة من العذاب،وبرى من النفاق،رواه احمد ورواته رواة الصحيح.

ولما في نصب الراية:(۳/۱۸۵، كتاب الحج باب الفوات، طبع قديمي)

عن عائشة انها كانت تكره العمرة في هذه الايام الخمسة يعني يوم عرفه ويوم النحر وايام التشريق——(والعمرة لاتفوت وهي جائزة في جميع السنة الا خمسة ايام يكره فيها فعلها،وهي يوم عرفة ويوم النحر وايام التشريق) لما روى عن عائشة رضي الله عنها:انها كانت تكره العمرة في هذه الايام الخمسة ولان هذه الايام ايام الحج فكانت متعينة له.

ولما في سنن ابن ماجه:(ص۱۹۸ طبع قديمي)

عن الحسن عن علي بن طالب وابى الدرداء وابى امامة الباهلي وعبدالله بن عمرو وجابر بن عبدالله وعمران بن حصين كلهم يحدث عن رسول الله ﷺ انه قال: من ارسل بنفقة في سبيل الله وأقام في بيته فله بكل درهم سبعمائة درهم،ومن غزا بنفسه في سبيل الله وأنفق في جهة ذالك فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم ثم تلا هذه الاية والله يضاعف لمن يشآء.

ولما في سنن ابي داؤد:(۱/۳۶۰،باب تضعيف الذكر،طبع رحمانيه)

عن معاذ بن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الصلوة والصيام والذكر يضاعف على النفقة في سبيل الله عزوجل بسبع مائة ضعف.

وتفصيله في فتاوى عبادالرحمن(۱/۱۸۹) فليراجع هناان شاء

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۹۶

فرض حج کی ادائیگی نہ کرنا گناہ ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں کہ (۱) ایک شخص پر حج فرض ہو گیا اور حسب استطاعت اس سلسلہ میں پوری کوشش بھی کی لیکن [illegible] سال حکومت کی طرف سے [illegible] وجہ سے حج ادا نہ کر سکا اور اگلے سال اتنی استطاعت نہ رہی کہ حج کر سکے، تو پوچھنا یہ ہے کہ اس شخص کے ذمہ اب حج فرض باقی ہے یا نہیں؟ نیز اب ادائیگی کا طریقہ کیا ہوگا؟ آیا کسی سے قرض لیکر حج ادا کریگا یا استطاعت کے زمانہ تک انتظار کرتا رہے؟

(۲) ایک شخص پر حج فرض ہونے کے بعد بجائے حج پر جانے کے سارے پیسے تمام کاروبار میں لگا رکھے تھے، اب گناہوں سے توبہ تائب ہو کر حج کا شوق رکھتا ہے لیکن عدم استطاعت کی بناء پر مجبور ہے، اب اس شخص سے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

مستفتی: محمد عظیم صاحب

جواب: (۱) مذکورہ صورت میں جب اس شخص نے حج فرض ہونے کے بعد اپنی استطاعت کے مطابق ہر طریقہ سے کوشش بھی کرلی مگر منظوری نہ ملی اور سال آئندہ حج ادا کرنے کی مالی استطاعت نہ رہی، تو ایسے شخص کے ذمہ حج فرض باقی نہیں رہا، البتہ ایسی صورت میں پیسے قرض لیکر حج کو جانا بہتر ہے بشرطیکہ قرض کی واپسی پر قادر ہونے کی امید ہو۔

(۲) حج فرض ہونے کے بعد کسی شرعی عذر کے بغیر ادا نہ کیا اور بعد میں اسکے پاس مال نہ رہا، اس صورت میں حج ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، لہذا بعد میں قرض کی ادائیگی پر قادر ہونے کی اگر امید ہو تو اس صورت میں بھی پیسے قرض لیکر حج ادا کرے، ورنہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا رہے۔

لما فی الشامی: (۲/۴۵۷، طبع سعید)

"ان لم يكن عنده مال واراد أن يستقرض لأداء الزكاة فان كان في اكبر رايه انه اذا اجتهد بقضاء دينه قدر كان الافضل ان يستقرض فان استقرض وادى ولم يقدر على قضائه حتى مات يرجى ان يقضي الله تبارك وتعالىٰ دينه في الآخرة وان كان اكبر رايه انه لو استقرض لا يقدر على قضائه كان الافضل له عدمه. واذا كان هذا في الزكوٰة المتعلق بها حق الفقراء ففي الحج اولى".

ولما في البحر: (۲/۳۰۸، طبع سعید)

قوله الوقت --- الوقت وهو اشهر الحج او وقت خروج اهل بلده ان كانوا يخرجون قبلها فلا يجب الا على القادر فيها او في وقت خروجهم فان ملكه اي المال قبل الوقت

فله صرفه حيث شاء، ولا حج عليه وان ملكه فيه فليس له صرفه الى غير الحج فلو صرفه لم يسقط الوجوب عنه.

وفي فتح القدير(۴۱۹/۲،مطبع رشیدیه)

يأثم بالتأخير عن اول سني الامكان فلو حج بعده ارتفع الاثم ووقع اداء... فلا يأثم اذا حج قبل موته فان مات بعد الامكان ولم يحج ظهر انه اثم و قيل لا يأثم

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ادریس چارسدوی

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۸۳

﴿حج کیلئے جاتے وقت معافی مانگنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ حج بیت اللہ کے لئے جاتے وقت کن کن سے معافی مانگ کر جانا ضروری ہے کیونکہ آج کل عام طور پر لوگ مال اور دنیاوی فخر کی وجہ سے مغرور ہیں اور نا قابل برداشت حد تک منافق ہیں (اللہ معاف کرے) لوگوں کے تاثرات یہاں تک ہوتے ہیں کہ ''اس کو مجھ سے تو معافی مانگنی ہی تھی ورنہ اس کا حج تو کیا اللہ بھی اس کو معاف نہیں کرسکتا (نعوذ باللہ) لوگ آج کل بہت مغرور ہیں شریعت کی رو سے وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: محمد اقبال

﴿جواب﴾ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بندوں کے حقوق کا معاملہ زیادہ نازک ہے مظلوم اپنا حق معاف نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا حق ظالم سے وصول کر کے دیگا یا اپنی طرف سے ادا فرمائے گا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ (العیاذ باللہ) معاف نہیں کرسکتا، معاف کرسکتا ہے البتہ مظلوم کو اس کا حق دینا اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا واجب تقاضا ہے۔

حج کے لئے جاتے ہوئے لوگوں سے معافی تلافی کرنا رائج ہے اور یہ اچھی بات ہے اس لئے کہ دور کا سفر ہے خدانخواستہ ادائیگی حقوق کا موقع بعد میں ملے گا یا نہیں؟ اس کے علاوہ حج سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں لیکن حقوق کی ادائیگی باقی رہتی ہے اس لئے بھی اس کا حاجی لوگ اہتمام کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاف کرانے یا حقوق کی ادائیگی کا یہی خاص موقع ہے اس کے بغیر حج ادا نہیں ہوگا یہ سوچ غلط ہے۔ کسی کا حق دبایا ہو تو جلد از جلد اس کی تلافی ضروری ہے حج سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں کوئی اس لئے ضروری سمجھے کہ دور کا سفر ہے اور حج ایسا عمل ہے کہ اس کے بعد نئی زندگی شروع ہوجاتی ہے اس لئے پہلے سے پاک

وصاف اور حقوق سے سبکدوش ہو کر انسان جائے تو یہ اچھی سوچ ہے لہذا کسی کا حق اگر دبایا ہے تو اس کو بلا تاخیر ادا کریں یا معاف کرائیں وہ مغرور ہے تو اس کے غرور کا اپنا گناہ ہے اور اگر اس کا حق دبایا نہیں تو آپ کو اس کے غرور کی کیا پرواہ نہ معافی مانگنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے پاس جانے کی ضرورت ہے۔

لما فی قوله تعالی (سورة الانعام ،الآیه ۵۸)

ان الله یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها واذاحکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان الله نعما یعظکم به ان الله کان سمیعابصیرا.

ولما فی ابن کثیر تحت هذه الآیة ۲۰۶/۲،طبع رشیدیه کوئٹه)

وهذایعم جمیع الامانات الواجبة علی الانسان ،من حقوق الله عزوجل علی عباده من الصلوات والزکوة والصیام والکفارات والنذر وغیرذلک مماهو مؤتمن علیه ولا یطلع علیه العباد ومن حقوق العباد بعضهم علی بعض کالودائع وغیر ذلک مما یأتمنون به بعضهم علی بعض من غیر اطلاع بینه علی ذلک فأمر الله عزوجل بأدائهافمن لم یفعل ذلک فی الدنیا أخذ منه ذلک یوم القیامة.

(۲۰۸۲)کما ثبت فی الحدیث الصحیح ان رسول الله ﷺ لتؤدن الحقوق الی اهلها حتی یقتص للشاة الجماء من القرناء

ولما فی العالمگیریه ،۲۱۹/۱،طبع رشیدیه کوئٹه)

واما ادابه فانه اذا أرادالرجل ان یحج قالوا ینبغی ان یقضی دیونه کذافی الظهیریه .ویشاورذارأی فی سفره فی ذلک الوقت لا فی نفس الحج فانه خیر وکذ یستخیر الله تعالی فی ذلک وسنتها ان یصلی رکعتین بسورة الاخلاص ویدعوبالدعاء المعروف للاستخارة عنه علیه السلام ثم یبدأبالتوبة واخلاص النیة وردالمظالم والاستحلال من خصومه ومن کل من عامله کذا فی فتح القدیر وقضاء ما قصر فی فعله من العبادات والندم علی تفریطه فی ذلک والعزم علی عدم العود الی مثل ذلک کذافی البحرالرائق.

ولما فی النهر الفائق،۵۲/۲،طبع قدیمی کتب خانه)

تکمیل:ینبغی لمریدالحج اوالغزوان یستأذن ابویه لکراهة الخروج مع کراهة احدهما وهو محتاج الی خدمته لا ان کان مستغنیا ـــ وینبغی للمدیون ان یستأذن رب الدین ولو فقیرا ولو کان به کفیل استأذنه ایضا ثم یستخیرالله سبحانه و تعالی کذاقالواومعناه هل یشتری او یکتری وهو یسافرفی البحر او فی البروهل رافق فلانا او لا ـــ ویشاوره الرأی فی سفره فی وقت معین لا فی الحج ثم یبدأبالتوبة مراعیا شروطها فی رد المظالم الی اهلها عند الامکان وقضاء ماقصر فی فعله من العبادات والندم علی تفریطه والعزم

علی ان لایعود والاستحلال من ذوی الخصومات والمعاملات ۔الخ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اویس غفر اللہ لہ ولوالدیہ

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۴۷۳۵

﴿ضرورت سے زائد جائیداد ہو اگرچہ نقد رقم نہ ہو تو حج فرض ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس نقد رقم تو نہیں البتہ جائیداد وغیرہ ضرورت سے زائد ہے تو کیا اس شخص پر حج فرض ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حج کے فرض ہونے کے لیے زکوٰۃ کی طرح مال نامی کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے اس لیے اگر جائیداد وغیرہ ضرورت سے اتنی زائد ہو کہ اگر اس میں سے حج کے خرچے کے بقدر جائیداد فروخت کردی جائے اور بقدر ضرورت یا زائد باقی رہ جائے تو اس شخص پر حج فرض ہو جائے گا۔

لما فی عالمگیریة:(۱۸/۱،طبع:رشیدیة)

وان کان صاحب ضیعة ان کان له من الضیاع ما لو باع مقدار مایکفی الزاد والراحلة ذاهبا وجائیا ونفقة عیاله وأولاده ویبقیٰ له من الضیعة قدر ما یعیش بغلة الباقی یفترض علیه الحج والا فلا.

ولما فی التنویر مع الرد:(۴۶۲/۲،طبع:سعید)

(قوله ومنه المسکن)أی الذی یسکنه وهو أو من یجب علیه مسکنه بخلاف الفاضل عنه من مسکن أو عبد أو متاع أو کتب شریعة آلیة کعربیة ۔۔الخ.

ولما فی الولوالجیة:(۲۵۳/۱،الفصل الاول فی شرائط وجوب الحج،طبع:فاروقیة پشاور)

وذکر ابن شجاع اذا کان له دار لا یسکنها وعبد لا یستخدمه یجب علیه أن یبیع ویحج به،لانه مستطیع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب عفی عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۸۴

﴿حج کیلئے کاشت کی زمین بیچنا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو وراثت میں زمین ملی ہے پہلے زمین کاشت کی تھی اب آبادی قریب پہنچنے کی وجہ سے وہ رہائشی پلاٹ قرار پائی

جسکی وجہ سے کافی مہنگی ہوگئی۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس شخص پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کے پاس نقد روپے سونا چاندی وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔

﴿جواب﴾ حج صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ استطاعت کی وضاحت فقہاء کرام نے اس طرح کی ہے کہ اتنا ذاتی مال کسی کے پاس ہو جس سے وہ آنے جانے کا کرایہ اور دوران سفر کے ضروری خرچے برداشت کرسکتا ہو اور گھر والوں کی ضرورت کیلئے بھی کافی ہو۔ زمین پہلے کاشت کی تھی اور اب رہائشی پلاٹ قرار پائی جسکی وجہ سے اس کی قیمت زیادہ ہوگئی ہے۔ اس پر اب بھی اگر کاشت ہورہی ہے اور مالک کی معاشی ضروریات سے زیادہ نہیں ہے تو حج کیلئے فروخت کرنا واجب نہیں ہے۔ ہاں اسکے علاوہ بھی اتنی زمین اگر ہے جس سے معاشی ضروریات پوری ہورہی ہیں اور اس زمین پر کاشت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی یعنی ضروریات پوری کرنے کیلئے باقی زمین کافی ہے تو ایسی صورت میں اس زمین کا فروخت کرنا واجب ہے تاکہ وہ حج ادا کرلے۔

زکوٰۃ وصول کرنے کے استحقاق کے بارے میں حکم یہ ہے کہ یہ زمین چونکہ اصلۃً کاشت کیلئے تھی اب اگرچہ قیمت کے اعتبار سے زیادہ ہے لیکن زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے مانع نہیں ہے زکوٰۃ وصول کرسکتا ہے۔

لما فی الھندیۃ(۱/۲۲۰ طبع قدیمی)

وفی التجرید ان کان له دار لایسکنها وعبد لایستخدمه فعلیه ان یبیع ویحج به (وعلی هذه الصفحة) ولو کان له منزل یکفیه بعضه لایلزمه بیع الفاضل لاجل الحج کذافی فتاوی قاضی خان ملذا کان له منزل یسکنه ویمکنه ان یبیع ویشتری بثمنه منزلا ادون منه ویحج بالفاضل لم یلزمه ذلک کذافی المحیط ،وان لخذبه فهوافضل کذافی الایضاح و(علی هذه الصفحة) وان کان صاحب ضیعة ان کان له من الضیاع مالو باع مقدار مایکفی الزاد والراحلة ذاهبا وجائیا ونفقة عیاله واولاده ویبقی له من الضیعة قدر مایعیش بغلة الباقی یفترض علیه الحج والافلا۔

ولما فی فتاوی قاضی خان (۱/۲۵۰ طبع قدیمی)

وان کان صاحب ضیعة ان کان له من الضیاع مالو باع مقدار مایکفی لزاده وراحلته ذاهبا وجائیا ونفقة عیاله واولاده ویبقی له من الضیعة قدر مایعیش بغلة الباقی یفترض علیه الحج والافلا۔

ولمافی الشامی (۲/۳۴۸سعید)

وفیہا سئل محمد عمن لہ ارض یزرعہا اوحانوت یستغلہا اودار غلتہا ثلاثۃ آلاف ولاتکفی لنفقتہ ونفقۃ عیالہ سنۃ؟یحل لہ اخذالزکوۃ وان کانت قیمتہا تبلغ الوفا وعلیہ الفتوی وعندہما لایحل.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد دیروی

۲۸صفر۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر۳۹۶۳

﴿مال حرام سے حج کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک شخص نے (دوحہ قطر ملک میں) بینک ملازمت کے دوران بینک آمدنی (تنخواہ) سے بیوی کے ساتھ ملکر حج کیا ہے لیکن سخت بیماری کی وجہ سے طواف وداع نہ کر سکا. اب درج ذیل باتوں کے جوابات مطلوب ہیں (۱) بینک آمدنی کی جتنی رقم سے ہم نے حج کیا وہ حج صحیح ہوا یا نہیں؟ (۲) کیا جتنی رقم سے حج اور قربانی کی اتنی رقم حلال آمدنی سے صدقہ کر کے حج مقبول اور اس کا اجر وثواب مل سکتا ہے؟ (۳) حج میں خرچ کیے گئے قطری ریال اس وقت کے حساب سے دینا ہونگے یا آج کے حساب سے؟ (۴) طواف وداع کا دم اب بھی دیا جا سکتا ہے یا نہیں اور وہ کتنا (رقم کے اعتبار سے) ادا کرنا ہوگا؟

مستفتی: ظہیرالدین راشدی صاحب

﴿جواب﴾ حج دین اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، صرف ایسے عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے. جس کو اللہ تعالی نے اتنا حلال مال دیا ہو کہ اس سلسلے میں آنے جانے کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو اور اس دوران اس کے زیر کفالت بچوں وغیرہ کے لیے بھی کافی ہو اتنا حلال مال اگر کسی کے پاس نہ ہو تو اس پر فرض نہیں، بینک کی ملازمت ناجائز اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہے اس کے علاوہ اگر آپ کے پاس آمدنی نہیں تھی تو آپ پر حج فرض نہیں تھا بہرحال بینک آمدنی سے آپ نے اور آپ کی بیوی نے ملکر حج ادا کرلیا تو فرض ذمہ سے ساقط ہو گیا ہے. دوبارہ آپ دونوں پر حج فرض نہیں ہے لیکن ذریعہ چونکہ مال حرام بنا ہے اس لیے حج کا ثواب نہیں ملے گا حج کا ثواب یقینی درجے میں حاصل کرنا مطلوب ہے تو اللہ تعالی آپ کو حلال مال سے نوازے اور مستقل حج کرنے کی سعادت نصیب فرمادے۔

اور آپ کی یہ تجویز کہ اتنا مال صدقہ کردوں تو حج کا فوت شدہ ثواب مل جائیگا فقہ اور احادیث میں تائید کے لیے اس کا کوئی جزئیہ ہمیں نہیں ملا۔ البتہ حرام مال کے بارے میں یہ واضح حکم ہے کہ اصل مالکان تک پہنچانا ممکن نہ ہو تو ثواب کی نیت کے بغیر صدقہ کردیں اور اب چونکہ آپ نے خرچ کرلیا ہے تو اس متبادل صدقہ کرنے سے بھی امید ہے ذمہ فارغ ہوگا اور امید کے درجے میں یہ کہنا بھی غلط نہیں ہے کہ آپ اتنا مال حلال سے صدقہ کریں تو آپ کو حج کا بھی ثواب ملیگا۔ اللہ تعالیٰ بڑے کریم ہیں اپنے بندوں کے نیک جذبات کی بڑی قدر فرماتے ہیں۔

باقی طواف وداع کا دم اب بھی دے سکتے ہیں لہذا ایسی بکری وغیرہ جس کی قربانی کرنا جائز ہو خود یا کسی کو وکیل بنا کر حرم میں ذبح کردیں۔

لما فی قولہ تعالٰی (پارہ ۴/ سورہ آل عمران)

ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا

ولما فی رد المحتار: (۴۵۶/۲، طبع: سعید)

(كالحج بمال حرام) كذا في البحر والاولى التمثيل بالحج رياء وسمعة فقد يقال ان الحج نفسه الذي هو زيارة مكان مخصوص الخ ليس حراما بل الحرام هو انفاق المال الحرام ولا تلازم بينهما كما ان الصلوة في الارض المغصوبة تقع فرضا وانما الحرام شغل المكان المغصوب لا من حيث كون الفعل الصلوة لان الفرض لا يمكن اتصافه بالحرمة وههنا كذلك فان الحج في نفسه مامور به وانما يحرم من حيث الانفاق ـــــ فانه لا يتقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث مع انه يسقط الفرض عنه معها ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج.

ولما فی الهندیہ: (۲۲۳/۱، طبع قدیمی)

ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فانه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع انه يسقط الفرض معها وان كانت مغصوبة

ولما فی ردالمحتار: (۴۲۱/۲ طبع: سعید)

والمشقة في الحج لما كانت عائدة الى المال البدن جميعا فضل في المختار على الصلة

ولما فی قاضیخان: (۲۷۵/۱، طبع قدیمی)

وعند ابى حنيفه الحج تطوعا اعظم اجرا من الصدقة ثم الصدقة ثم العتق

ولما فی ردالمحتار: (۵۲۳/۲، طبع: سعید)

(قوله وهو واجب) فلو نفر ولم يطف وجب عليه الرجوع ليطوف مالم يجاوز الميقات فيخير بين اراقة الدم والرجوع باحرام جديد لعمرة مبتدأ بطوافها ثم بالصدر ولا شئ

عليه لتا خبره والاول اولى تيسيرا عليه ونفعا للفقراء.

ولما فى الولوالجية :(۲/۲۹۰،طبع: سعيد)

من ترك طواف الصدر كان عليه دم الا الحائض لان طواف الصدر واجب لقوله عليه السلام من حج هذاالبيت فليكن آخر عهده الطواف بالبيت والامر للوجوب.

ولما فى البحر:(۲/۳۵۱، طبع: سعيد)

انه لو نفر ولم يطف يجب عليه ان يرجع فيطوفه لكن قالو امالم يجاوز الميقات فان جاوزها لم يجب عليه الرجع عينا بل امان يمضى وعليه دم واماان يرجع فيرجع باحرام جديد

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاءالحق المکی

۱۷صفرالخیر۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۱۸۳

﴿سود کی رقم سے حج کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر کوئی شخص سودی بینک کی رقم سے حج کرلے تو کیا فریضہ حج سے سبکدوش ہوجائے گا یا نہیں؟ مستفتی: محمد ظہیر

﴿جواب﴾ حج دین اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم ترین رکن ہے، اللہ تعالیٰ جسے توفیق دیدیں اس کے لئے بڑی سعادت کی بات ہے پھر حج چونکہ بدنی عبادت کے ساتھ ساتھ مالی عبادت بھی ہے، اس لئے اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے حلال رقم کا انتظام ضروری ہے ورنہ حج قبول نہ ہوگا تاہم فرض ذمہ سے بحر حال ساقط ہوجائے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں سودی رقم سے ادا کیا گیا حج ذمہ سے اگرچہ ساقط ہوجائے گا لیکن قبول نہیں ہوگا یعنی حج کا ثواب نہیں ملے گا لیکن حج چھوڑنے کا گناہ بھی نہیں ہوگا۔

لما فى البحرالرائق :(۲/۳۰۹،طبع سعيد)

ويجتهد فى تحصيل نفقة الحلال فانه لايقبل بالنفقة الحرام كما ورد فى الحديث مع انه يسقط الفرض عنه معها وان كانت مغصوبة ولا تنافى بين سقوطه وعدم قبوله فلايثاب لعدم القبول ولايعاقب فى الآخرة عقاب تارك الحج.

ولمافى الشامى:(۲/۴۵٦،مطلب فيمن حج بمال حرام،طبع سعيد)

فقد يقال ان الحج نفسه الذى هو زيارة مكان مخصوص الخ ليس حراما بل الحرام هو انفاق المال الحرام ولاتلازم بينهما .....الخ وكانه اطلق عليه الحرمة لان للمال دخلا

فيه فان الحج عبادة مركبة من عمل البدن والمال كما قدمناه.

ولما في الهندية:(۱/۲۲۰ط رشيديه)

ويجتهد في تحصيل نفقة الحلال فانه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث مع انه يسقط الفرض عنه معها وان كانت مغصوبة كذا في فتح القدير.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۵۸۴

﴿زیور گروی رکھ کر حج کرنا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری والدہ ماجدہ اپنے کچھ زیور گروی رکھ کر اس رقم سے حج ادا کرنا چاہتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے اس میں کوئی کراہت تو نہیں ہے، ادا کر سکتی ہیں؟ مستفتی: محمد اقبال

﴿جواب﴾ حج ادا کرنے کے لئے آپ کی والدہ صاحبہ زیور گروی رکھ کر پیسے کا انتظام کرتی ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما في ردالمحتار: (۲/۴۶۲ طبع سعید)

ولذا قلنا لا يستقرض لحج الا اذا قدر على الوفاء كما مر ـــــــ

ولما في ردالمحتار (۲/۵۷ طبع: سعيد)

(قوله وسعيه ان يستقرض) جاز له ذلك وقيل يلزمه الا ستقراض لما في باب المناسك قال منلا على القارى في شرحه عليه وهو رواية عن ابى يوسف وضعفه ظاهر فان تحمل حقوق الله اخف من ثقل حقوق العباد.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۶۹۶

﴿ایام نحر میں کوئی بھی طواف نہیں کیا تو بیوی حرام رہے گی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص حج میں طواف زیارت چھوڑ کر وطن واپس آجائے "عذر کی وجہ سے یا بلا عذر" تو اس پر بیوی حلال ہوگی؟ یا جب تک طواف زیارت نہ کرے اس وقت تک بیوی حرام رہے گی؟ کیونکہ حلق

کرنے کے بعد ساری چیزیں حلال ہوجاتی ہیں سوائے عورتوں کے تو کیا یہ بات درست ہے کہ جب تک واپس جا کر طواف زیارت نہ کرے بیوی حرام رہے گی؟ بینوا تو جروا۔

﴿جواب﴾ ایام نحر طواف زیارت کے لئے متعین ہیں، لہذا اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ایام نحر میں کوئی بھی طواف نہیں کرسکا تو اس پر اس کی بیوی حرام ہی رہے گی اور یہ بات درست ہے تمام کتب فقہ میں مذکور ہے، البتہ اگر ایام نحر میں کوئی بھی طواف کرلیا ہو اگر چہ نفلی ہو یا نذر وغیرہ تو یہ قائمقام طواف زیارت ہو کر اس کے لئے بیوی حلال ہوجائے گی۔

لما في الشامي: (۵۱۸/۲، مطلب في طواف الزيارة، طبع سعيد كراتشي)

(قوله وحل له النساء) اى بعد الركن منه وهو أربعة أشواط بحر ولو لم يطف أصلا لا يحل له النساء، وإن طال ومضت سنون باجماع كذا في الهندية: (۲۳۲/۱، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، طبع رشيديه كوئٹه)

ولما في البدائع: (۱۲۸/۲، كتاب الحج، طبع سعيد كراتشي)

ألا ترى أنه يحل له كل شيء الا النساء فوقعت الحاجة الى نية على حدة فأما تعيين النية حال وجوده في وقته فلا حاجة اليه حتى لو نفر في النفر الأول فطاف ولا يعين طوافا يقع عن طواف الزيارة لا عن الصدر، لأن أيام النحر متعينة لطواف الزيارة فلا حاجة الى تعيين النية كما لو صام رمضان بمطلق النية أنه يقع عن رمضان لكون الوقت متعينا لصومه كذا هذا ولو كذا لو نوى تطوعا يقع عن طواف الزيارة كما لو صام رمضان بنية التطوع وكذلك كل طواف واجب أو سنة يقع في وقته من طواف اللقاء وطواف الصدر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۹۸۹

﴿پانچ تولہ سونا ملکیت میں آنے سے حج فرض نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ایک لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، لیکن لڑکی کے والدین یہ شرط لگاتے ہیں کہ جب تک آپ پانچ تولہ سونا لڑکی کو نہیں دوگے اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتے، جب یہ آدمی اس لڑکی کے ساتھ مذکورہ شرط کو پورا کر کے نکاح کرے جبکہ پانچ تولہ سونے کی قیمت تقریبا تین لاکھ روپے بنتی ہے، اور حج داخلہ بھی آج کل تین لاکھ روپے بنتا ہے، اب جبکہ یہ لڑکی پانچ تولہ سونے کی مالک بن گئی، اور اس آدمی کے گھر میں پانچ تولہ سونے کے ساتھ آگئی، تو کیا اس لڑکی پر حج

فرض ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ حج فرض ہونے کے لئے سونے کی کتنی مقدار ضروری ہے، اور زکوۃ کتنے مقدار سونے پر فرض ہوتی ہے؟ براہ کرم وضاحت فرمائیں۔　　مستفتی: علی مرجان

﴿جواب﴾ لڑکی کے لئے حق مہر میں پانچ تولے سونا مقرر کرنا جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اور اتنا سونا ملکیت میں آنے سے اس پر حج فرض نہیں ہوتا، عورت پر حج تب فرض ہوتا ہے جب اسکی ملکیت میں حج داخلہ کے دنوں میں اتنا مال موجود ہو جس سے وہ اپنے علاوہ شوہر یا دوسرے کسی محرم کا خرچہ بھی برداشت کر سکے یا محرم اپنے خرچہ سے حج کرنے کیلئے تیار ہو، سونا وغیرہ کی خاص مقدار مقرر نہیں ہے مال جس صورت میں ہو اتنا موجود ہو جس سے وہ اپنا اور محرم کا خرچہ برداشت کر سکے تب حج فرض ہوتا ہے۔

ہاں زکوۃ کیلئے ساڑھے سات تولہ سونے کا نصاب مقرر ہے، صرف سونا جسکی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سے کم ہو تو اس پر زکوۃ فرض نہیں ہے، البتہ سونے کے ساتھ چاندی یا روپے بھی ہوں تو ایسی صورت میں مالیت کا اعتبار ہوتا ہے، سونا اور روپے ملا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت تک پہنچے تو صاحب نصاب کہلائے گا، سال گزرنے کے بعد بھی اسلامی تاریخ میں اتنا سونا اور روپے وغیرہ ملکیت میں اگر موجود ہوں تو زکوۃ ادا کرنا فرض ہوگا۔

لما في الدر المختار: (۴۶۴/۲ طبع سعيد كراچى)

ومع زوج او محرم — مع وجوب النفقة لمحرمها عليها لانه محبوس عليها (وفي الشامية) اى فيشترط ان تكون قادرة على نفقتها ونفقته.

ولما في الجوهرة: (۱۹۳ طبع مير محمد كتب خانه)

ويجب عليها نفقة المحرم هو الصحيح لأنها لا تتوصل الى الحج الا به كما يلزمها شراء الراحلة التى لاتتوصل الا بها.

ولما في المشكوة: (۲۲۲ طبع سعيد كراچى)

عن ابن عمر قال جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ما يوجب الحج قال الزاد والراحلة رواه الترمذى وابن ماجه.

ولما في الهندية: (۲۱۷/۱ طبع رشيدية)

(ومنها الزاد والراحلة) — وتفسير ملك الزاد والراحلة أيكون له مال فاضل عن حاجته وهو ماسوى مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه الى مكة ذاهبا جائيا راكبا لا ماشيا وسوى ما يقضى به ديونه ويمسك لنفقة عياله ومرمة مسكنه ونحوه الى وقت انصرافه.

ولما في بدائع الصنائع:(۱۶/۲ و ۱۸ طبع سعید کراچی)

اما الأثمان المطلقة وهي الذهب والفضة فان كان له فضة فلا زكوة فيه حتى تبلغ مائتي درهم وزنا وزن سبعة ـــ واذاكان له ذهب مفرد فلا شئ فيه حتى يبلغ عشرين مثقالا.

ولما في التنوير مع الدر: (۳۰۳/۲، طبع:سعید)

(و) يضم (الذهب الى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۷۲۵

﴿حج کی درخواستوں پر قرعہ اندازی جوئے کے حکم میں داخل نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج کی درخوستوں پر قرعہ اندازی کی جاتی ہے جس میں لوگوں کا حق مارا جاتا ہے کہ ان کے نام نہیں نکل آتے اور بعضوں کو حق مل جاتا ہے کہ ان کے نام نکل آتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ کیا حج کی درخوستوں پر قرعہ اندازی کرنا جوئے کے حکم میں نہیں آتی؟　　　　مستفتی: غلام غوث حیدرآبادی

﴿جواب﴾ قرعہ اندازی تعینِ حق کے لئے جائز ہے اور اثباتِ حق کے لئے ناجائز ہے، صورت مسئولہ میں بھی حج کی درخواستوں پر قرعہ اندازی تعینِ حق کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ اثباتِ حق کے لئے، لہذا یہ جوئے کی تعریف اور حکم میں داخل نہیں ہے۔

لما في معالم شرح سنن أبي داؤد:(۲۲۱/۱)

عن معنى القمار الذى انما هو مواضعه بين اثنين على مال يدور بينهما في الشقين فيكون كل واحد منهما اما غانما أو غارما.

ولما في أحكام القرآن للجصاص:(۶۵۳/۲، باب تحريم الخمر، طبع قديم كراتشي)

وأما الميسر فقدروى عن على أنه قال: "الشطرنج من الميسر" وقال عثمان وجماعة من الصحابة والتابعين "النرد" وقال قوم من أهل العلم "القمار كله من الميسر" وأصله من تيسير أمر الجزور بالاجتماع على القمار فيه وهو السهام التى يجيلونها، فمن خرج سهمه استحق منه ماتوجبه علامة السهم فربما أخفق بعضهم حتى لايحظى بشئ، وينجح البعض فيحظى بالسهم الوافر، وحقيقته تمليك المال على المخاطرة وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار.

ولما في الهندية:(۲۱۴/۵، الباب الخامس في الرجوع عن القسمة واستعمال القرعة فيها)

ذكر الناطفي: أن القرعة ثلاث: الأولى لاثبات حق البعض وابطال حق البعض وانها

باطلة كمن أعتق أحد عبديه بغير عينه ثم بقرع، والثانية لطيبة النفس وانها جائزة كالقرعة بين النساء للسفر والقرعة بين النساء في البداية للقسم والثالثة لاثبات حق واحد في مقابلة مثله فيفرز بها حق كل واحد منهما وهو جائز كذا في فتاوى قاضيخان، واذا أقرع بينهم في القسمة ينبغي أن يقول كل من خرجته قرعته أولاً أعطيته جزأ من الجانب والذي يليه في الخروج بجنب نصيب الأول كذا في شرح الطحطاوي.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　فتوی نمبر: ۲۹۸۷

﴿حج کے دنوں میں عمرہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ریاض میں کام کرتا ہوں میں نے فرض حج ادا کیا ہے اس سال ساتھی حج کیلئے جاتے تھے میرا بھی صرف عمرہ کرنے کا ارادہ تھا کسی نے مجھ سے کہا کہ آپ کا حج کے دنوں میں عمرہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا میں حج کے دنوں میں عمرہ ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟　　　مستفتی: عزیز الرحمن دیروی

﴿جواب﴾ حج کے پانچ دنوں میں یعنی یوم عرفہ ۹ ذالحجہ سے لیکر ۱۳ ذی الحجہ تک صرف عمرہ بغیر حج ادا کرنا منع ہے ان دنوں سے پہلے یا بعد میں سال بھر میں عمرہ کا وقت ہے۔ لھذا مذکورہ ایام میں صرف عمرہ کیلئے آپ کا ساتھیوں کیساتھ جانا واقعی صحیح نہیں ہے

لما في تنوير الابصار مع الدر المختار: (۲/۴۷۳ طبع: سعید)

(وجازت في كل السنة) وندبت في رمضان (وكرهت) تحريما (يوم عرفة واربعة بعدها) اى كره انشاؤها بالاحرام حتى يلزمه دم ولو رفضها الا اداها فيها بالاحرام السابق

وفي الشامية قوله تحريما صرح به في الفتح واللباب (قوله يوم عرفة) اى قبل الزوال وبعده وهو المذهب خلافا لما عن ابي يوسف انها لاتكره فيها قبل الزوال بحر. قوله كره انشاؤها بالاحرام) اى كره انشاء الاحرام في هذه الايام ـــ قوله (الا اداها) عطف على انشاءها

ولما في بدائع الصنائع: (۲/۲۲۸ طبع: سعید)

واما شرائط الركن فما ذكرنا في الحج الا الوقت فالسنة كلها وقت العمرة ويجوز في غير اشهر الحج وفي اشهر الحج لكنه يكره فعلها في يوم عرفة ويوم النحر وايام التشريق اما الجواز في الاوقات كلها فلقوله تعالى واتموا الحج والعمرة لله مطلقا عن الوقت

ولما في فتاوى قاضي: (۱/۲۲۵ طبع: قدیمی)

العمرة عند ناسنة وليست بواجبة ووقتها جميع السنة الا خمسة ايام وتكره فيها العمرة

المهر القارن يوم عرفة ويوم النحر وايام التشريق

الجواب صحيح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　　　واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن دیروی

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ　　　　　　فتویٰ نمبر:

﴿طواف صدر کو ترک کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے حج کے تمام افعال ادا کئے ہیں لیکن صرف طواف صدر ترک کر کے آیا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ طواف صدر کے ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد صادق کوئٹہ

﴿جواب﴾ طواف زیارت کے بعد کوئی بھی طواف حاجی اگر کرے تو وہ طواف صدر شمار ہوتا ہے، اگرچہ نفلی طواف اس نے کیا ہو، لیکن طواف زیارت کے بعد کوئی بھی طواف اگر حاجی نہ کرے، اور مکہ سے چلا جائے تو اس کے ذمہ دم واجب ہو جاتا ہے، یعنی حرم شریف میں خود یا کسی کو وکیل بنا کر ایسا کوئی جانور ذبح کرے جس کی قربانی جائز ہو، تو اس سے تلافی ہو جائیگی۔

لما في فتاوى قاضي خان :(۲۶۲/۱ طبع قدیمی)

والثاني اذا ترك طواف الزيارة خاصة وطاف طواف الصدر فطواف الصدر يكون للزيارة وعليه لترك طواف الصدر دم وان ترك طواف الصدر خاصة فعليه لتركه دم

ولما في الفتاوى العالمگيرية :(۲۴۶/۱ طبع رشیدیه

ولو ترك طواف الصدر او أكثره تجب عليه شاة ولوترك ثلاثة أشواط من طواف الصدر فعليه يطعم ثلا ثة مساكين لكل مسكين نصف صاع من بر

ولما في الهداية :(۲۹۵/۱ طبع رحمانیه))

ومن ترك طواف الصدر او اربعة اشواط منه فعليه شاة لا نه ترك الواجب او لا كثر منه ومادام بمكة يؤمر با لا عادة اقامة للواجب في وقته

ولما في كتاب الا ختيار:(۲۱۰/۱ طبع بیروت)

وان ترك من طواف الزيارة ثلاثة اشواط فما دونها اطواف الصدر او اربعة منه او السعى او الوقوف بالمزدلفة فعليه شاة

ولما في الدر المختار (ج۱/ص۵۵۲ طبع سعید)

او ترك (طواف الصدر او اربعة من) ولا يتحقق الترك الا بالخروج من مكة

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ　　　　　　فتویٰ نمبر: ۳۲۸۶

﴿کیا نابینا پر حج فرض ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نابینا پر حج فرض ہے جبکہ وہ مستطیع ہو، واضح رہے کہ اس بارے میں کتب فقہ میں مختلف اقوال مذکور ہیں، ان کے درمیان ترجیح دے کر مفتی بہ قول کی تعیین فرمائیں؟ مستفتی: مولوی فضل اللہ دیروی

﴿جواب﴾ کتب فقہ میں اعمیٰ کے فرضیت حج کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اعمیٰ پر نہ حج ہے اور نہ حج بدل کرانا لازم ہے۔ جبکہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں اعمیٰ حج بدل کرائے گا، یہ دونوں قول صحیح ہیں مگر صاحبین کا قول احتیاط پر مبنی ہے، جسکی وجہ سے اکثر مشائخ نے اس کو ترجیح دی ہے۔

لما في ردالمحتار:(۲/۴۵۹، كتاب الحج طبع سعيد)

وظاهر التحفة اختيار قولهما وكذا الاسبيجابي وقواه في الفتح ومشى على ان الصحة من شرائط وجوب الاداء من البحر والنهر وحكى في اللباب اختلاف التصحيح وفي شرحه انه مشى على الاول في النهاية وفي البحر العميق انه المذهب الصحيح وان الثاني صححه قاضيخان في شرح الجامع واختاره كثير من المشائخ ومنهم ابن الهمام.

ولما في الهندية:(۱/۲۱۸ كتاب المناسك، الباب الاول طبع رشيدية)

ومنها سلامة البدن حتى ان المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلين لا يجب عليهم حتى لا يجب عليهم الاحجاج ان ملكوا الزاد والراحلة ولا الايصاء في المرض هذا ظاهر المذهب عن ابي حنيفة وهو رواية عنهما وظاهر الرواية عنهما انه يجب عليهم، فان احجوا اجزاهم ما دام العجز مستمرا بهم فان زال فعليهم الاعادة بانفسهم وظاهر ما في التحفة اختيار ه فانه اقتصر عليه.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: حفیظ اللہ بیگ چترالی

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ | فتویٰ نمبر: ۳۰۹۰

﴿اولاد کی شادی کے لئے ادئیگی حج میں تاخیر جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام کہ مجھ پر حج فرض ہے اور بیٹا جوان ہے، اس کی شادی کا ارادہ ہے لیکن اب میرے پاس اتنی رقم نہیں جس سے میں حج کے ساتھ ساتھ بیٹے کی شادی بھی کراؤں، پوچھنا یہ ہے کہ ادائیگی حج کو چھوڑ کر بیٹے کی شادی کر سکتا ہوں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حج فرض ہے اور ادائیگی حج میں تاخیر جائز نہیں ہے، لہذا بیٹے کی شادی کے

لئے حج کو چھوڑنا یا اس میں تاخیر کرنا درست نہیں ہے۔

لما في الشامي:(۲/۴۶۲،مطلب فيمن حج بمال حرام،طبع سعيد)

(قوله في الأشباه)المسألة منقولة عن أبي حنيفة في تقديم الحج على التزوج .... واستشهد بها على أن الحج على الفور عنده ومقتضاه تقديم الحج على التزوج ...... وان كان واجباً عند التوقان وهو صريح مافي العناية مع أنه حينئذ من الحوائج الأصلية.

ولما في التاتارخانية:(۲/۴۳۱،الفصل الثاني في بيان ركن الحج وكيفيته وجوبه،قديمي)

منقول ذكر أبو الحسن الكرخي،أنه يجب على الفور حتى لا يجوز التأخير عن أول أوقات الامكان وهذا قول أبي يوسف وهو قول أبي حنيفة في أصح الروايتين وفي شرح الكرخي ذكر ابن شجاع وقال:كان أبو حنيفة يقول فيمن كان عنده ما يحج وكان يريد التزوج فانه يبدأ بالحج وهذا يدل على أنه على الفور وفي السراجية وهو المختار وفي الخانية وان أخر كان آثماً.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　　　واللہ اعلم بالصواب:صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۵ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　　　　　　　　　　　فتویٰ نمبر:۲۹۹۳

﴿ساس کی سگی بہن غیر محرم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام کہ میرے والد کی پھوپھی زاد بہن جو کہ میری ساس کی سگی بہن بھی ہے میرے لئے محرم ہے یا غیر محرم؟ انکا میرے ساتھ سفر حج کے لیے جانا کیسا ہے؟　　　　مستفتی:محمد عارف رشید بٹ صاحب

﴿جواب﴾ ساس کی سگی بہن (اپنی بیوی کی سگی خالہ) غیر محرم ہے،لہذا آپ کا ان کے ساتھ سفر حج کے لئے جانا درست نہیں۔

لما في المشكوة:(۱/۲۲۱،طبع سعيد)لا يخلون رجل بامرأة ولا تسافرن امرأة الا ومعها محرم.

ولما في المرقاة:(۵/۴۲۷،كتاب المناسك،طبع رشيديه)

والمراد بالمحرم من حرم عليه نكاحها على التابيد بسبب قرابة او رضاع او مصاهرة.

ولما في البحر:(۲/۳۱۵،كتاب الحج،طبع سعيد)

والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة او رضاع او مصاهرة.وقال الشامي في منحة الخالق:(قوله على التابيد الخ)مخرج لاخت زوجته وعمتها وخالتها فان حرمتها مقيدة بالنكاح.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　　　واللہ اعلم بالصواب:ناجد محمود کھوٹہ

۸ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　　　　　　　　　　　فتویٰ نمبر:۲۹۷۳

﴿سفر حج میں تجارت کی نیت کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص حج یا عمرہ پر جا رہا ہے جبکہ اس کے پاس صرف اتنا خرچ ہے کہ وہ کرایہ وغیرہ برداشت کر سکے، وہاں کا خرچ اس کے پاس نہیں ہے، اب وہ چاہتا ہے کہ یہاں سے کوئی چیز خرید کر وہاں (مکہ، مدینہ) ساتھ لے جاؤں اور وہاں مہنگے دام میں بیچ کر ان پیسوں پر وہاں گزارہ کروں، پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ان کے حج یا عمرہ میں کوئی نقصان آئیگا یا نہیں؟

جواب تنقیح: آدمی غیر شادی شدہ ہے گھر کا خرچ اسکے ذمہ نہیں ہے۔

﴿جواب﴾ تجارت کوئی گناہ کا کام نہیں ہے، اس لئے اس سے حج وعمرہ میں کوئی فرق نہیں آتا، البتہ اصل مقصود حج وعمرہ ہونا چاہیے، بالفرض اصل مقصود اگر کسی کا تجارت ہو اور اتفاق سے حج وغیرہ بھی کرے تب بھی حج وعمرہ کا ثواب پورا ملے گا لیکن مشقت سفر اور زاد راہ کا ثواب ایسی صورت میں نہیں ملے گا، اس لئے ثواب نسبتاً کم ملے گا۔

لما فی قوله تعالی:(سورة البقرة،آیت ۱۹۸)

لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من ربکم......الأیة.

ولما فی صحیح البخاری:(۲/۱۳۲،باب قوله لیس علیکم جناح آلایة،رحمانیة)

عن ابن عباسؓ قال کانت عکاظ ومجنّة وذوالمجاز اسواق الجاهلیة فتأثموا أن یتجروا فی المواسم فنزلت(لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من ربکم)فی مواسم الحج.

ولما فی روح المعانی (۲/۲۵۸،طبع رشیدیه)

(لیس علیکم جناح)ای حرج فی(أن تبتغوا)ای تطلبوا(فضلا من ربکم)ای رزقا منه تعالی بالربح بالتجارة فی مواسم الحج،أخرج البخاری وغیره عن ابن عباسؓ ..... فسألوا رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک فنزلت واستدل بها علی اباحة التجارة والاجارة وسائر انواع المکاسب فی الحج وأن ذلک لایحبط أجرا ولاینقص ثوابا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: ذیشان احمد ملازئی

۲۳ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۹۹۸

﴿آفاقی کسی بھی غرض سے مکہ مکرمہ جائے تو عمرہ یا حج لازم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سعودی عرب میں مزدور

لوگ کسی کام سے مکہ مکرمہ آگئے تو ان کے اوپر حج فرض ہوگا یا نہیں؟ جبکہ ان کو مکہ مکرمہ میں زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ حکومت کی طرف سے منع ہوتا ہے۔ چنانچہ بغیر اجازت کے کوئی جب جائے تو حکومت والے اس کو پکڑ کر جیل بھیج دیتے ہیں۔ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ آفاقی آدمی یعنی میقات سے باہر رہنے والا شخص اگر مکہ مکرمہ کا قصد اور ارادہ کر لے چاہے جس نیت سے بھی ہو یعنی حج یا عمرے کی نیت ہو یا کسی اور کام کی تو اس کیلئے بغیر احرام کے میقات سے گزرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ایام حج میں مکہ مکرمہ پہنچنے کی اگر سعادت حاصل ہو تو میقات سے پہلے عمرہ یا حج کا احرام ضرور باندھ کر جائیں۔ اور ان ایام میں حکومت والے بھی حج ادا کرنے سے نہیں روکتے لہٰذا حج ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اور موسم حج کے علاوہ دنوں میں اگر وہاں جانے کا اتفاق ہو تب بھی آفاقی آدمی کم از کم عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرلے اس کے بعد تجارت یا جس غرض سے گیا ہو وہ ضرورت پوری کرلے۔ پھر حج ادا کرنے کیلئے وہاں ٹھہرنے کی حکومت کیطرف سے چونکہ اجازت نہیں ہوتی اس لئے ٹھہرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ کی وجہ سے اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ شرعی عذر یعنی بادشاہ کیطرف سے رکاوٹ موجود ہے اور ایسی رکاوٹ ہوتے ہوئے حج فرض نہیں ہوتا بعد میں واپس آنے کی اگر استطاعت ملی تو حج فرض ہوگا ورنہ نہیں۔

لما فی الدر المختار (ج۲ص ۴۵۹ مکتبہ ایچ ایم سعید)

غیر محبوس وخائف من سلطان یمنع منه قال الشامی (قوله یمنع منه) ای من الحج ای الخروج الیه

ولما فی الهدایة (ج ۱ ص ۲۵۳ مکتبة رحمانیة)

ثم الآفاقی اذا انتهی الیها علی قصد دخول مكة علیه ان یحرم قصد الحج او العمرة او لم یقصد او لم یقصد عندنا لقوله علیه السلام لا یجاوز احد المیقات الا محرما ولان وجوب الاحرام لتعظیم هذه البقعة الشریفة فیستوی فیها الحاج والمعتمر وغیرها

ولما فی العالمگیریة (۲۲۵/۱/قدیمی کتب خانه)

ولا یجوز للآفاقی ان یدخل مكة بغیر احرام نوی النسک او لا ولو دخلها فعلیه حجة او عمرة

ولما فی التنویر والدر المختار (۴۷۲/۲/ایچ ایم سعید)

(والمواقیت) ای المواضع التی لا یجوز ها مرید مكة الا محرما (وحرم تاخیر الاحرام

عنها) كلها (لمن) اى للاٰفاقى (قصد دخول مكة) يعنى الحرم (ولو لحاجة) غير الحج

قال الشامى رحمه الله

(قوله مريد مكة) اى ولو لغير نسک كتجارة ونحوها (قوله الا محرما) اى لحج او عمرة (غير الحج) لمجرد الروية و النزهة او التجارة.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: مختشم عفی اللہ عنہ

۲۸ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۴۷

﴿رمی جمار میں نائب بنانے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اس سال حج پر اپنی اہلیہ اور والدہ کیساتھ گیا تھا، وہاں پر دوران حج میری والدہ کی طبیعت سخت خراب ہوگئی۔

لہٰذا میں نے والدہ اور اہلیہ دونوں کو مکہ میں چھوڑا، والدہ کو بیماری کی وجہ سے اور اہلیہ کو والدہ کی خدمت کیلئے اور ان دونوں کیطرف سے ان کے کہنے کے بعد میں نے ان کیلئے رمی کی، پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف سے رمی میرے ادا کرنے سے ادا ہوگئی یا نہیں؟ اور میری والدہ اور اہلیہ پر دم واجب ہے یا نہیں؟

مستفتی: تحسین اللہ پشاوری

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں چونکہ آپ کی والدہ محترمہ کو ایسا مرض لاحق ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ رمی پر قادر نہیں تھی، لہٰذا ان کے کہنے پر آپ نے جو انکی طرف سے رمی کی وہ ان کیلئے ادا ہوگئی لیکن آپ کی اہلیہ کو چونکہ خود ایسا عذر نہیں تھا، اسلئے انکی طرف سے رمی ادا نہیں ہوئی بلکہ دم واجب ہے خود یا کسی کو پیسے دیکر حرم میں بکری ذبح کی جائے۔

لما فی ردالمحتار:(۵۱۳/۲مطبع سعید)

(لا لو رمى بالاقل)لأنه اذاترك أكثر السبع لزمه دم كما لو لم يرم أصلا وان ترك أقل منه كثلاث فما دونها فعليه لكل حصاة صدقة.

ولما فی المبسوط للسرخسی:(۶۵/۴مطبع دار المعرفة بیروت)

فان تركها حتى غابت الشمس من آخر أيام الرمي سقط عنه الرمي بفوات الوقت ..... وعليه دم واحد عندهم جميعا لأن الرمي كله نسك واحد وهو واجب فتركه يوجب الجبر بالدم.

ولما فی المبسوط للسرخسی:(۶۹/۴مطبع دار المعرفة بیروت)

(قال)والمريض الذى لا يستطيع رمى الجمار يوضع الحصى فى كفه حتى يرمى به لانه

فيما يعجز عنه يستعين بغيره وان رمى عنه أجزاه بمنزلة المغمى عليه فان النيابة تجرى في النسک کما في الذبح.

ولما في البحر الرائق:(۲/ ۶۰،طبع سعید)

النيابة:تجرى في العبادات المالية عند العجز والقدرة ولم تجرفي البدنية بحال وفي المركب منهما تجرى عند العجز فقط.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ذیشان احمد مازئی

۲۸صفرالخیر۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۹۳۴

﴿حکومت کے خرچہ سے حج کرنے سے فریضہ حج ادا ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سرکاری ملازم تھا اس محکمہ میں ہر سال ایک مرتبہ قرعہ اندازی ہوتی تھی،قرانداز ی میں جسکا نام نکلتا وہ حکومت کے خرچے سے حج کرتا تھا،اس طریقہ پر ایک غریب آدمی نے حج کیا تھا ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد وہ شخص صاحب استطاعت ہوگیا اور اس پر حج فرض ہوگیا،پوچھنا یہ ہے کہ پہلا حج ادا کرنے سے اسکا فرض حج ادا ہوگیا ہے یا نہیں؟وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ فریضہ حج ذمہ سے ساقط ہونے کے لئے غنی ہونا شرط نہیں ہے،جب اس شخص نے حکومت کے خرچے سے حج ادا کرلیا تو اس سفر سے فرض ادا ہوگیا اور اب غنی ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا لازمی نہیں ہے۔

لما في الشامي:(۲/ ۴۶۰،طبع سعید)

قوله:(فالآفاقي لا لمكي):الفقير الآفاقي اذا وصل الى ميقات فهو كالمكي قال شارحه أي حيث لا يشترط في حقه الا الزاد والراحلة ان لم يكن عاجزا عن المشي،وينبغي أن يكون الغني الآفاقي كذلك اذا عدم الركوب بعد وصوله الى أحد المواقيت،فالتقييد بالفقير لظهور عجزه عن المركب ولفيدانه يتعين عليه ان لاينوي نفلا على زعم أنه لا يجب عليه لفقره لأنه ما كان واجبا وهو آفاقي فلما صار كالمكي وجب عليه،فلو نواه نفلا لزمه الحج ثانيا اه.

ولما في الهندية:(۱/ ۲۱۷،طبع رشيديه)الفقير اذا حج ماشيا ثم أيسر لا حج عليه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد عمران غفرلہ ولوالدیہ

۱۳ربیع الاول۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۲۱

﴿مقروض آدمی فریضہ حج ادا کرسکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں سعودی عرب میں رہتا ہوں اور مقروض بھی ہوں، لیکن اس کے باوجود میں حج ادا کرنا چاہتا ہوں، جبکہ بعض قریبی دوستوں کا کہنا ہے کہ آپ مقروض ہو اور مقروض کا حج ادا نہیں ہوتا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا میرا حج ادا ہوگا؟ اور کیا یہ حج فرض شمار ہوگا یا نفلی؟　　مستفتی: نعمت اللہ، سعودی عرب

﴿جواب﴾ مقروض و مزدور کو اللہ تعالیٰ اگر حج کی سعادت نصیب فرمادیتا ہے، تو اس کے ذمہ سے فریضہ حج ساقط ہوجاتا ہے، یہ بات غلط ہے کہ مقروض کا فرض حج ادا نہیں ہوتا۔ آپ فرض حج کی نیت کرے تو آپ کا فرض حج ادا ہوجائیگا آپ کی دوستوں کی بات غلط ہے، درست نہیں ہے۔

لما في الشامي: ۲/۴۶۰ (طبع ایچ ایم، سعید)

الفقير الآفاقي اذا وصل الیٰ ميقات فهو كالمكي قال شارحه اي حيث لايشترط في حقه الالزاد والراحله ان لم يكن عاجزا عن المشي وينبغي أن يكون الآفاقي كذالك اذا عدم الركوب بعد وصوله الیٰ احد الميقات فالتقييد بالفقير لظهور عجزه عن المركب، وليفيد أنه يتعين عليه ان لاينوي نفلا علیٰ زعم انه لايجب عليه لفقره لانه ماكان واجبا وهو آفاقي فلما صار كالمكي وجب عليه فلو نواه نفلاً لزمه الحج ثانيا.

لما في حاشيه البحر: ۲/۳۱۲ (طبع ایچ ایم سعید)

كالفقير اذاحج اي فانه يسقط عنه الفرض حتیٰ لو استغنى لايجب عليه ان يحج.

لمافي ارشاد الساري: ۲۸ (طبع دار الكتاب العربي بيروت)

الفقير الآفاقي اذا وصل الیٰ ميقات فهو كالمكي اي حيث لا يشترط في حقه الالزاد دون الراحله ان لم يكن عاجزا عن المشي وينبغي أن يكون الآفاقي كذلك اذا عدم الركوب بعد وصوله الیٰ احد المواقيت فالتقدير بالفقير لظهور عجزه عن المركب وليفيد أنه يتعين عليه ان ينوي حج الفرض ليقع عن حجة الاسلام ولاينوي نفلا علیٰ زعم انه فقير.

لما فيه: ۲۸ (طبع دار الكتاب العربي بيروت)

والفقير الآفاقي اذاوصل الیٰ ميقات الخ: قال في النسك الكبير اعلم ان الفقير اذا وصل الیٰ مكة أو الميقات فقد صرحوا بوجوب الحج عليه.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۸ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۸۷۳

﴿عورت منہ بولے بیٹے کے ساتھ سفر حج پر نہیں جاسکتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا منہ بولے بیٹے کے ساتھ عورت سفر حج پر جاسکتی ہے؟ مستفتی: قیوم خان

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ منہ بولا بیٹا محرم نہیں ہے اور سفر حج کا ہو یا کوئی دوسرا عورت کیلئے بغیر محرم کے سفر پر جانا جائز نہیں ہے، لہٰذا منہ بولے بیٹے کے ساتھ کوئی بھی عورت حج پر نہیں جاسکتی ہے۔

لما فی الدر المختار:(۲/۴۶۴-۴۶۵،طبع سعید)

ومع زوج أو محرم بالغ......ولو حجت بلامحرم جاز مع الكراهة.

وفی الشامية:(قوله مع الكراهة):أی التحريمية للنهی فی حديث الصحيحين لا تسافر امرأة ثلاثاالا ومعها محرم زاد مسلم فی رواية أو زوج.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفی عنہ

۱۳رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۷۸

﴿عمر رسیدہ کیلئے بھی محرم کا ہونا شرط ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عمر رسیدہ عورت پر حج فرض ہے اور اس کا خالہ زاد بھائی حج پر جارہا ہے تو کیا یہ عورت اس کے ساتھ سفر حج پر جاسکتی ہے؟

﴿جواب﴾ عورت کیلئے خواہ جوان ہو یا بوڑھی بغیر محرم کے سفر حج پر جانا جائز نہیں ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ خاتون اپنے خالہ زاد بھائی کے ساتھ سفر حج پر نہیں جاسکتی۔

لما فی صحيح للبخاری:(۱/۱۴۷،طبع قديمی)

عن ابن عمرؓ أن النبیﷺ قال: لاتسافر المرأة ثلثا الا ومعها ذو محرم.

لما فی الهندية:(۱/۲۱۸،طبع رشيديه)

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت او عجوزاً.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفی عنہ

۴شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۶۶

﴿تاخیر حج کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ حج میں تاخیر کرنے سے آدمی گنہگار ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حج فرض ہونے کے بعد اسکی ادئیگی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، موت اور زندگی کی کوئی خبر نہیں، اس سے پہلے اگر موت آگئی تو بڑے خطرے کی بات ہے، لہٰذا بلاوجہ تاخیر جائز نہیں ہے۔

لمافی شرح الوقایۃ:(۳۲۲/۱طبع امدادیه)

فی العمر مرۃ علی الفور هذا عندابی یوسفؒ ـــ قوله علی الفور بالفتح أی بالسرعة یعنی یجب علیه ان یحج فی سنة قدر علیه فیها ولا یؤخره الیٰ سنة اخریٰ.

ولمافی حاشیة الهدایة:(۲۵۰/۱طبع رحمانیه)

واجب علی الفور به قال احمد وفی التحفة والبدائع عن الکرخی انه علی الفور والامام ابو منصور الماتریدیؒ یحمل مطلق الامر علی الفور ومعنی الوجوب علی الفور الوجوب عند استجماع شرائط الوجوب یتعین العام الاول عند ابی یوسفؒ حتیٰ یأثم بالتأخیر والمراد من الفور ان یلزم المأمور فعل المأمور به فی اول اوقات الامکان مستعار للسرعة من فارت القدر فورا اذا غلب.

ولمافی البحر الرائق :(۳۰۹/۲طبع سعید)

(قوله فرض مرة علی الفور) أی فرض الحج فی العمر مرة واحدة فی اول سنی الامکان والفور فی اللغة من فور القدر غلیانها ولعل ذلک من فوره أی من وجهه ذلک ــ واما کونه علی الفور فهو قول ابی یوسفؒ واصح الروایتین عن ابی حنیفةؒ ـــ واما ابو حنیفةؒ وابو یوسفؒ فقالا الاحتیاط فی تعیین اول سنی الامکان لان الحج له وقت معین فی السنة والموت فی السنة غیر نادر فتأخیره بعد التمکن فی وقته تعریض له علی الفوات.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۳۲۳

﴿بیٹے کی ملازمت کی خاطر فرض حج کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج کی نیت سے اپنے خرچ میں سے بچاتے بچاتے ادائیگی حج کا خرچ پورا کیا، ابھی حج کیلئے جانا ہی تھا کہ اچانک اسکے بیٹے کو ایک کمپنی کی طرف سے سعودی عرب لیجانے اور وہاں نوکری دلوانے کی پیشکش آئی،

اب اگر بیٹے کو نوکری کیلئے باہر بھیج دے تو حج سے محروم ہو جاتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اسکی وجہ سے حج کو مؤخر کرسکتا ہے یا نہیں؟　　　　مستفتی: عارف اللہ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں حج فرض ہونے کی وجہ سے اس شخص پر اسکی ادائیگی ضروری ہے، بیٹے کو ملک سے باہر بھیجنا ایسی حاجت نہیں ہے جسکی وجہ سے فرض حج کو ترک یا مؤخر کرے کیا معلوم اسکے بعد زندگی ساتھ دے یا نہ دے اور موقع ملے یا نہ ملے، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنا فریضہ حج ادا کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔

لمافی الهداية:(۱/۲۴۹-۲۵۰ طبع رحمانيه)

الحج واجب على الاحرار البالغين العقلاء الاصحاء اذاقدرواعلى الزاد والراحلة فاضلا عن المسكن ومالا بدمنه وعن نفقة عياله الى حين عوده. وفي الهندية:(۱/۲۱۷، رشيديه)

ولمافي البدائع:(۲/۱۲۲ طبع سعيد)

واما تفسير الزاد والراحلة فهوان يملك من المال مقدار مايبلغه الى مكة ذاهبا وجائيا راكبا لا ماشيا بنفقة وسط لا اسراف فيها ولا تقتير فاضلا عن مسكنه وخادمه وفرسه وسلاحه وثيابه واثاثه نفقة عياله وخدمه وكسوتهم وقضاء ديونه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ سبحانہ اعلم: افتخار احمد گلگتی

۵ جمادالثانی ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۳۳۳

﴿بیٹی کی شادی کی وجہ سے حج فرض کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں بیٹی کو شادی کے موقع پر ایک لاکھ کا جہیز دیا جاتا ہے اگر کوئی شخص جہیز نہ دے تو شادی کے بعد لڑکی کو ساری عمر طعنہ دیا جاتا ہے، نیز جو شخص جہیز نہ دے اسکے لئے رشتہ ملنا بھی کافی مشکل ہوتا ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں ایک شخص پر حج فرض ہو گیا اسکے گھر میں جوان بیٹیاں ہیں اور اس کو اندیشہ ہے کہ حج کرنے جائے گا تو اسے بیٹیوں کی شادی پر قرض لینا پڑے گا، اسکے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ حج کرے یا حج کو موقوف کر کے اس رقم کو بیٹی کے جہیز اور شادی پر خرچ کرے؟

﴿جواب﴾ آپکے علاقے میں رائج یہ طریقہ غلط اور غیر شرعی رسم ہے، اسکو شرعی عذر کا درجہ دے کر فرض حج کو مؤخر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا حج کے لئے درخواست جمع کروانے

کے دنوں میں اگر یہ شخص صاحب استطاعت ہے تو فریضہ کی ادائیگی ضروری ہے اگر رقم شادی پر خرچ کی تو حج ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، مجبوری کی صورت میں ایام حج بلکہ درخواست جمع کرنے کے دنوں سے بھی پہلے رقم اپنی بیٹیوں کو باقاعدہ مالک وقابض بنا کر دیدیں تا کہ حج فرض نہ ہو۔

لمافی الهداية: (۲۵۰/۱، طبع رحمانيه)

ثم هو واجب على الفور عند ابی یوسفؒ وابی حنيفةؒ.

ولمافی فتح القدير: (۲۱۸/۲-۴۱۷، طبع رشيديه)

وهوأنه سئل عمن ملك مايبلغه الى بيت الله أيحج أم يتزوج؟ فقال يحج فاطلاق الجواب بتقديم الحج...... دليل على ان الحج لا يجوز تاخيره وهو قول ابی یوسف وذكر المصنف فى التجنيس---- انه اذاكان له مال يكفى للحج وليس له مسكن ولاخادم اوخاف العزوبة فأراد ان يتزوج ويصرف الدراهم الى ذلك ان كان قبل خروج اهل بلده الى الحج يجوز لانه لم يجب الاداء بعد.

ولمافی الدر المختار: (۴۵۲/۲، طبع امداديه)

ووجهه ان الفورية ظنية لان دليل الاحتياط ظنى ولذاأجمعواأنه لوتراخى كان اداء وان اثم بموته قبله.

وفى الشامية: ووجهه اى وجه كون التاخير صغيرة ان الفورية واجبة لانها ظنية لظنية دليلها وهوالاحتياط--- فيكون التاخير مكروهاتحريما لا حراما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری

۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۲۲

﴿خوشدامن اپنے داماد کے ساتھ حج کرسکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت ہے اسکا خاوند فوت ہو چکا ہے، اب وہ اپنے داماد کیساتھ حج پر جانا چاہتی ہے تو کیا شریعت کی رو سے وہ داماد کے ساتھ سفر حج کرسکتی ہے؟ نیز اس عورت کی عمر بڑھاپے کو پہنچ چکی ہے۔

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ عورت کیلئے سفر حج میں محرم کا ہونا ضروری ہے (جب شرعی مسافت ہو) داماد بھی محرم ہیں، اسلئے یہ عورت اپنے داماد کیساتھ حج پر جاسکتی ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

لمافی الهندية: (۲۱۸/۱، طبع رشيديه)

(ومنها المحرم للمرأة) شابة كانت اوعجوزا اذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلثة ايام

هكذا في المحيط وان كان اقل من ذلك حجت بغير محرم كذا في البدائع والمحرم الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد بقرابة اورضاع او مصاهرة كذا في الخلاصة ويشترط ان يكون مأمونا عاقلا بالغا حرا كان اوعبدا كافرا كان او مسلما.

ولما في البناية بهامش فتح القدير:(۲/۲۲۵،طبع رشيديه)

(ويعتبر في المرأة ان يكون لها محرم تحج به)الاختلاف المار في امن الطريق في كونه شرط الوجوب اوشرط الاداء ثابت في محرم المرأة والمحرم من لايجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة اورضاع او صهارة.

ولما في الكفاية:(۲/۱۰۲،طبع رشيديه)

(قوله ويعتبر في المرأة ان يكون لها محرم)اى شابة كانت او عجوزا يدل عليه اطلاق المرأة والمحرم من لا يحل له نكاحها على التابيد برحم اورضاع اومصاهرة لان التحريم المؤبد يزيل التهمة في الخلوة بها ويكون مأمونا عاقلا بالغا حرا كان اوعبدا كافرا كان اومسلما ولوكان فاسقاً اومجوسيا اوصبيا او مجنونا لايعتبر لان الغرض لايحصل بالفاسق وبالمجوسي لانه يعتقد اباحة نكاحها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد غفرلہ ولوالدیہ

اجمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۶۳

﴿عورت پر حج کب فرض ہوتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں نے حج کے لئے کچھ پیسے جمع کر کے مزید پیسے بھائیوں سے لیکر حج کیلئے درخواست جمع کروادی میرے ساتھ بھائی اپنی اہلیہ کے ہمراہ جارہے تھے، اتفاقاً قرعہ میں ہمارا نام نہیں نکلا جس کی وجہ سے ہم حج پر نہ جاسکے۔

پوچھنا یہ ہے کہ کیا مذکورہ صورت میں مجھ پر حج فرض ہوگیا تھا یا نہیں؟ نیز اس سال حج کے اخراجات میں اضافہ ہوگیا ہے اور میرے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے اگر میرے اوپر حج فرض ہوگیا ہے تو میں قرض لے کر حج کروں یا پیسے پورے ہونے تک انتظار کروں؟ اور حج کو موخر کرلوں تو کیا میں اس سے گنہگار ہونگی یا نہیں؟

مستفتیہ: اخت ضیاء

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپ پر حج فرض نہیں ہوا، اس لئے کہ عورت پر حج اس وقت فرض ہوتا ہے جب وہ دیگر شرائط کے ساتھ اپنے سفر کے اخراجات کے علاوہ محرم یا شوہر کے اخراجات پر بھی قادر ہو، تاہم اگر آپ اپنے بھائی کے ساتھ حج کا موقع مل رہا ہے تو اسے غنیمت سمجھتے ہوئے کسی سے قرض لے کر آپ کو حج کر لینا چاہیے بشرطیکہ بعد میں قرض آسانی سے اترنے کی بھی امید ہو۔

لمافی الدر المختار:(۲/۴۶۴ مطبع سعید)

ومع زوج او محرم.....مع وجوب النفقة لمحرمها عليها لانه محبوس عليها.

وفی الشامية:ای فيشترط ان تكون قادرة علی نفقتها ونفقته.

ولمافی الجوهرة(ص ۱۹۳ مطبع میرمحمد)

ويجب عليها نفقة المحرم هو الصحيح لانها لا تتوصل الی الحج الابه كمايلزمها شراء الراحلة التی لاتتوصل الابها.

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالحکیم کشمیری

۱۰رجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۶۶۶

﴿حج فرض ہونے کے بعد محرم نہ ملے تو حج بدل یا وصیت ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک عورت کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ اپنے سفر کے اخراجات کے علاوہ محرم کے اخراجات بھی برداشت کرسکتی ہے لیکن اس کا کوئی محرم یا شوہر موجود نہیں ہے، پوچھنا یہ ہے کہ حج کی فرضیت اس پر باقی رہے گی یا ساقط ہوجائے گی؟اگر فرضیت باقی ہوتو اس کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ جبکہ وہ خود حج کے لئے سفرنہیں کرسکتی۔

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں جب حج کی دیگر شرائط پائی جارہی ہوں اور محرم نہ ہونے کی وجہ سے عورت حج کے سفر پر قادر نہ ہوتو اس پر حج کی فرضیت باقی رہے گی،لہذا اپنی جگہ کسی کو حج بدل پر بھیجنا یا حج کی وصیت کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی الشامی:(۲/۴۵۸ مطبع سعید)

والنوع الثانی شروط الاداء وهی التی ان وجدت بتمامها مع شروط الوجوب وجب اداءه بنفسه وان فقد بعضها مع تحقق شروط الوجوب فلايجب الاداء بل عليه الاحجاج او الايصاء عند الموت وهی خمسة :سلامة البدن وامن الطريق وعدم الحبس و المحرم او الزوج للمرأة وعدم العدة لها.

ولمافی ارشادالساری:(۱/۴۹ مطبع دارالكتاب العربی بيروت)

ثم اختلفوا ان المحرم او الزوج شرط الوجوب او الاداء كما اختلفوا فی امن الطريق فصحح قاضيخان وغيره انه من شرائط الاداء وصحح صاحب البدائع والسروجی انه من شرائط الوجوب وثمرة الاختلاف مشهورة وصنيع المصنف يشعر بانه من شرائط الاداء علی الارجح.

الجواب صحیح:عبدالرحمن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالحکیم کشمیری

۱۰رجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۶۶۰

﴿حکم تاخیر الحج﴾

﴿حج فرض میں بلاعذر تاخیر جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ماذایقول العلماء الکرام مد ظلھم فی من وجب علیه الحج وھو یذھب مع جماعة التبلیغ الی الدول الخارجة فھل ھو آثم ام لا؟

﴿جواب﴾الحج فرض علی الفور علی الاصح فلو ذھب مع جماعةالتبلیغ بحیث تأخر عن اداء الحج فی اول الامکان یلزمه اثم التاخیر نعم لو ادی الحج بعده ارتفع الاثم .

لمافی ردالمحتار:(۲/۴۵۵ طبع امدادیه)

قلت:لا یخفی ما فیه بل الظاھر ان الصواب اثم التاخیر اذ بعد الاداء لاتفویت وقال فی الفتح ویأثم بالتاخیر عن اول سنی الامکان فلو حج بعده ارتفع الاثم اھ

ولما فی الھندیة:(۱/۲۱۶،طبع رشیدیه)

وھو فرض علی الفور وھوالاصح فلا یباح له التاخیر بعد الامکان الی عام الثانی کذا فی خزانة المفتین .فاذا اخره وادی بعد ذلک وقع اداء کذا فی البحرالرائق —وثمرة الخلاف تظھر فی حق المأثم حتی یفسق و ترد شھادته عند من یقول علی الفور ولو حج فی آخر عمره فلیس علیه الاثم بالاجماع ولو مات ولم یحج اثم بالاجماع

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:معراج الدین

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۴۰۳

﴿تلبیہ کے فضائل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تلبیہ کے فضائل حدیث مبارکہ میں مذکور ہیں یا نہیں؟

مستفتی حاجی عبداللہ صاحب لکی مروت

﴿جواب﴾ تلبیہ کے فضائل احادیث مبارکہ سے بکثرت ثابت ہیں جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں:

لمافی جامع الترمذی:(۱/۱۰۲،طبع فاروقی ملتان)

(۱)سئل النبی ﷺ ای الحج افضل قال افضل الحج العج والثج:ای رفع الصوت بالتلبیة واسالةالدم بالاراقة. وکذافی ابن ماجة:(ص ۲۰۹،طبع قدیمی)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا حج افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس میں

باآواز بلند تلبیہ ہو اور خون بہاتا ہو۔

لما فی کنز العمال:(۱۲/۵-۱۲ طبع رحمانیہ)

(۲)قال النبی ﷺ اتانی جبرائیلؑ فقال لی ان اللہ یامرک أن تامر اصحابک ان یرفعوا اصواتهم بالتلبیۃ فانها من شعار الحج.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنے اصحاب کو حکم دیں کہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھیں، اس لئے کہ یہ شعائر حج میں سے ہے۔

لما فی کنز العمال:(ص ۱۲ طبع رحمانیہ)

(۳)عن جابرؓ عن النبی ﷺ من اصبح یلبی غابت الشمس بذنوبه.

ترجمہ: حضرت جابر نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جس نے ایسی حال میں صبح کی کہ تلبیہ پڑھ رہا تھا تو سورج کے غروب ہونے کیساتھ اس کے گناہ بھی ڈوب جاتے ہیں۔

لما فی کنز العمال:(۱۲/۵ طبع رحمانیہ)

(۴)عن عامر بن ربیعةؓ عن رسول اللہ ﷺ "ما اضحی مومن یلبی حتی تغرب الشمس الا غابت حتی یعود کیوم ولدته امه.

ترجمہ: جو مومن صبح سے تلبیہ پڑھ رہا ہو یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ اسکی ماں نے اس دن ہی جنا ہو۔

لما فی جامع الترمذی:(۱۰۲/۱ طبع فاروقی ملتان)

(۵)ما من مسلم یلبی الا لبی من عن یمینه وشماله من حجر اوشجر او مدر حتی ینقطع الارض من ههنا وههنا.

ترجمہ: نہیں ہے کوئی مسلمان جو تلبیہ پڑھتا ہو مگر یہ کہ اسکے دائیں اور بائیں پتھر درخت اور مٹی بھی تلبیہ پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ منتہائے زمین یہاں سے وہاں تک اسکے ساتھ تلبیہ پڑھتی ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ		واللہ اعلم بالصواب: اسلام بادشاہ ھیٹی

۲۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ		فتویٰ نمبر: ۲۲۳۱

﴿عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کی اجازت ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت پر حج فرض

ہونے کے بعد حج پر جانے کے لئے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر کسی خاتون پر حج فرض ہے اور شوہر بلا وجہ اس کو اجازت نہ دے تو شوہر کی اجازت کے بغیر بھی حج ادا کرنے کیلئے محرم مثلاً والد یا بیٹے کیساتھ جا سکتی ہے۔

لما فی الشامی: (۲/۴۶۵، طبع سعید)

قوله: وليس لزوجها منعها عن حجة الاسلام أي اذا كان معها محرم والا فله منعها.

ولما فی الهندية: (۱/۲۱۹، طبع رشيديه)

وتجب عليها النفقة والراحلة في مالها للمحرم ليحج بها وعند وجود المحرم كان عليها ان تحج حجة الاسلام وان لم يأذن لها زوجها.

ولما فی البحر الرائق: (۲/۳۱۵، طبع سعيد)

ليس له منعها عن حجة الاسلام اذا وجدت محرما لان حقه لا يظهر في الفرائض بخلاف حج التطوع

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
فتویٰ نمبر: ۲۰۶۶

﴿فقط عمرہ کرنے کی حیثیت اور اسکا افضل وقت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بغیر حج کے عمرہ کرنا سنت ہے یا واجب؟ نیز عمرہ کس وقت افضل ہے؟
مستفتی: محمد غفران کوہاٹی شکر درہ

﴿جواب﴾ زندگی میں ایک بار کسی بھی وقت عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے، البتہ بنسبت دوسرے دنوں کے رمضان میں عمرہ کرنا زیادہ افضل اور مستحب ہے اور حج کیساتھ عمرہ ادا کرنے سے بھی یہ سنت ادا ہو جاتی ہے۔

لما فی ردالمحتار: (۲/۴۷۲-۴۷۳، طبع سعید)

(قوله والعمرة في العمر مرة سنة مؤكدة) اى اذا اتى بها مرة فقد أقام السنة غير مقيد بوقت غير ما ثبت النهى عنها فيه الا انها في رمضان افضل هذا اذا افردها فلا ينافيه ان القران افضل لان ذلك أمر يرجع الى الحج لا ألعمرة.

(قوله وندبت في رمضان) اى اذا افردها كما مر عن الفتح ثم الندب باعتبار الزمان لانها باعتبار ذاتها سنة مؤكدة او واجبة كما مر اى انها فيه افضل منها في غيره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی عفی عنہ

۲۷ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ
فتویٰ نمبر: ۲۳۳۲

﴿عورت پر محرم کے بغیر حج فرض نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک عورت پر حج فرض ہے وہ حج بیت اللہ ادا کرنا چاہتی ہے لیکن اس کا شوہر، بھائی وغیرہ کوئی محرم نہیں ہے کیا وہ ایسی صورت میں غیر محرم پڑوسی کے ساتھ حج ادا کرنے کے لئے جا سکتی ہے؟ اگر پڑوسی کے ساتھ نہیں جا سکتی تو اور کوئی ایسی صورت بتائیں کہ یہ عورت حج ادا کر لے۔ مستفتی کلیم اللہ

﴿جواب﴾ عورت پر تب حج فرض ہوتا ہے جب ادائیگی حج کے لئے اس کے ساتھ شوہر یا کوئی محرم تیار ہو، شوہر یا محرم کے بغیر عورت پر حج فرض نہیں ہے، پڑوسی چونکہ غیر محرم ہے اس لئے پڑوسی کے ساتھ حج ادا کرنے کے لئے عورت کو جانا جائز نہیں ہے۔

اگر اس عورت کو خود ہی حج کے لئے جانا ہے تو اس کی یہ صورت بن سکتی ہے کہ اگر وہ شادی کے قابل ہے تو شادی کر کے شوہر کے ہمراہ حج ادا کرنے کے لئے چلی جائے، ورنہ بصورت دیگر کسی دوسرے کو حج بدل ادا کرنے کے لئے بھیج دے اور اگر تنہا بغیر محرم کے حج ادا کرنے کے لئے چلی گئی تو اس صورت میں حج تو ادا ہو جائے گا لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے اس کو تنہا سفر کرنے کا گناہ ہوگا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۴۶۲ طبع سعید)

(و)مع (زوج أو محرم)......(مع) وجوب النفقة لمحرمها(عليها)لا نه محبوس (عليها) لامراة حرة ولو عجوزا في سفروهل يلزمها التزوج؟قولان وليس عبدها بمحرم لها وليس لزوجها منعها عن حجة الاسلام ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة.

ولما فی ردالمحتار:(۲/۴۶۵ طبع سعید)

قوله(مع الكراهة)اى التحريمية للنهي في حديث الصحيحين (لاتسافرامرأة ثلاثا الا ومعها محرم) زاد مسلم في رواية أو زوج)

ولما فی خلاصة الفتاوى:(۱/۲۷۷ طبع رشیدیه)

وفي المرأة المحرم شرط شابة كانت او عجوزة اذا كان بينها وبين مكة ثلاثة ايام وهو شرط الوجوب او شرط الاداء على ماذكرنا من الاختلاف.

وكذافي ارشاد الساري:(ص۲۷ طبع بيروت)ومثله في اعلاء السنن بالتفصيل في باب اشتراط المحرم او الزوج لوجوب اداء الحج على المرأة:(۱۰/۱۱)وكذافي الهداية:(۱/۱۹۷ طبع رحمانيه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۲ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۳۶۸

﴿حج سے متعلق ایک مسئلہ کی وضاحت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقہ میں ایک آدمی کے پاس صرف زمین تھی جو اس کا ذریعہ معاش بھی تھی تو کیا اس آدمی پر حج واجب ہو گیا؟ کیونکہ یہ آدمی بعد میں فوت ہو گیا تھا، اب اس آدمی پر فوت ہونے کے بعد ذمہ میں حج واجب رہے گا یا اس کے مرنے سے حج بھی ساقط ہو گیا؟ اگرچہ اس نے احتیاطاً وصیت بھی کی تھی لیکن اس کے ورثاء نے اس کی طرف سے حج ادا نہیں کیا تو اس کا گناہ مرنے والے کو ہوگا یا ورثاء کو؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ مرحوم کے پاس ضرورت معاش سے بھی زائد زمین اگر تھی جس کو بیچ کر حج کے اخراجات پورے کیے جا سکتے تھے تو مرحوم پر حج فرض تھا، وہ اپنی زندگی میں حج نہ کر سکا لیکن اس نے وصیت کی تھی، اب مرحوم کے کل ترکہ میں سے واجب حقوق ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ ترکہ کا (۱/۳) ایک تہائی مال اگر اتنا ہو جس سے حج کے اخراجات پورے ہو سکتے ہوں تو ورثاء پر لازم ہے کہ انکی طرف سے حج کے لئے کسی کو بھیجدیں، ایسی صورت میں وصیت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ورثاء گنہگار ہوں گے، مرحوم وصیت کرنے کی وجہ سے بری الذمہ ہو گیا ہے۔

لمافی الهندية:(۱/۲۱۸،طبع رشيديه)

وان كان صاحب ضياع،ان كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفى لزاده و راحلته ذاهبا وجائيا ونفقة عياله وأولاده ويبقى له من الضيعة قدر مايعيش بغلة الباقى يفترض عليه الحج والافلا الخ.

لمافی الهندية:(۱/۲۵۸،طبع رشيديه)

من عليه الحج اذا مات قبل أدائه فان مات عن غير وصية يأثم بلا خلاف وان أحب الوارث أن يحج عنه حج وأرجو أن يجزئه ذلك ان شاء الله تعالى كذا ذكر أبو حنيفة.

ولمافی الفقه الاسلامی:(۳/۲۱۰۲-۲۰۹۷،طبع رشيديه)

وأما المقصر الذى مات فتصح منه الوصية بل تجب بالاحجاج عنه.۔۔۔والخلاصة أن الحنفية و المالكية يجيزون الحج عن الميت اذا أوصى و تنفذ الوصية من ثلث المال.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سید مزمل شاہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۶۲

﴿حج المرأة حجة الاسلام بلا اذن زوجها﴾

﴿بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر محرم کے ساتھ حج فرض ادا کرسکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ امرأة ارادت الحج مع اخ لها وزوجها يمنعها منه فهل يجوزلها ان تخرج بلا اذن زوجها؟ مستفتیہ ام آرزو

﴿جواب﴾ تحج المرأة حجة الاسلام بلا اذن زوجها وليس لزوجها ان يمنعها عن اداء الفرائض وله منعها فى غير حجة الاسلام وكذا اذا ارادت الخروج وحدها او بلا محرم.

لمافى البدائع:(۲/۱۲۲،طبع سعيد)

ولو كان معها محرم فلها ان تخرج مع المحرم فى الحجة الفريضة من غير اذن زوجها عندنا (ثم قال بعد سطور) حتى لو ارادت الخروج الى حجة التطوع فللزوج ان يمنعها.

ولمافى الدرمع الرد:(۲/۴۶۵،طبع سعيد)

وليس لزوجها منعها عن حجة الاسلام.

وفى الشامية:اى اذا كان معها محرم والا فله منعها كما يمنعها عن غير حجة الاسلام ولو واجبة بصنعها كالنذر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد سلمہ

۱۸جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۲۳۶

﴿مکان کی تعمیر سے پہلے حج کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ وہ حج ادا کرنے کیلئے جاسکتا ہے لیکن رہنے کا مکان بہت بوسیدہ ہوگیا ہے تو کیا وہ حج مؤخر کرکے پہلے مکان کی تعمیر کراسکتا ہے؟ مستفتی:نعمان اقبال

﴿جواب﴾ اہل وعیال کے نفقہ کے علاوہ بھی کسی کے پاس اتنا روپیہ اگر موجود ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ حج کرکے واپس آسکتا ہے تو اسکے لئے حج کرنا ضروری ہے، مکان کی تعمیر کی وجہ سے حج کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافى الهندية:(۱/۲۱۷،طبع رشيديه)

وان لم يكن مسكن ولاشئ من ذلك وعنده دراهم يبلغ بها الحج أويبلغ ثمن مسكن

وخادم وطعام وقوت فعليه الحج فان جعلهافی غيرالحج أثم كذا في الخلاصة.

ولمافی الدرالمختار:(۲/۴۶۱،طبع امدادیه)

وكذالو كان عنده مالواشترى به مسكناوخادمالايبقى بعده مايكفي للحج لايلزمه خلاصة. وفي الشامية:والذي رأيته في الخلاصة هكذاوان لم يكن مسكن ولاشئ من ذلك وعنده دراهم تبلغ به الحج وتبلغ ثمن مسكن وخادم وطعام وقوت وجب عليه الحج وان جعلهافي غيره أثم ه لكن هذااذاكان وقت خروج اهل بلده كماصرح به في الباب اماقبله فيشترى ماشالأنه قبل الوجوب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد سجاد غفرلہ ولوالدیہ

۷ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۱۴۸

﴿قرضہ لے کر حج کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ زید نے دوسال قبل قرض لیکر حج کیا تھا اب وہ صاحب استطاعت ہے تو کیا اب اس پر حج فرض ہے کیا گزشتہ حج سے فرضیت ساقط ہوگئی؟

﴿جواب﴾ زید نے جس وقت قرض لے کر حج کیا تھا، اس سے اس کا حج ادا ہوگیا اور فرضیت اس کے ذمہ سے ساقط ہوگئی الا یہ کہ انہوں نے قصداً وارادۃً نفل کی نیت کی ہو اس سے فرضیت ساقط نہیں ہوگی وہ نفلی حج شمار ہوگا اور فرضیت اس کے ذمہ باقی رہے گی۔

لمافی الشامی:(۲/۴۵۹،طبع امدادیه)

الفقير الافاقي اذا وصل الى ميقات فهوكالمكي. قال شارحه: أي حيث لا يشترط في حقه الا الزاد والراحلة ان لم يكن عاجزاً عن المشي، وينبغي أن يكون الغني الافاقي كذلك اذا عدم الركوب بعد وصوله الى احد المواقيت، فالتقييد بالفقير لظهور عجزه عن المركب ولينفيدأنه يتعين عليه أن لاينوى نفلاعلى زعم أنه لايجب عليه لفقره لأنه ماكان واجباوهوآفاقي فلماصاركالمكي وجب عليه فلو نواه نفلاً لزمه الحج ثانياً.

ولمافی ارشادالساری:(ص۲۸،طبع بیروت)

(والفقير الآفاقي اذا وصل الى ميقات فهوكالمكي):اى حيث لا يشترط في حقه الاالزاد — فالتقييد بالفقير لظهور عجزه عن المركب وليفيد انه يتعين عليه ان ينوى حج الفرائض ليقع عن حجة الاسلام ولا ينوى نفلا على زعم انه فقير لا يجب عليه الحج لانه ما كان واجبا عليه وهوآفاقي فلما صار كالمكي وجب عليه فلو حج نفلا يجب عليه ان يحج حجا ثانيا ولو اطلق يصرف الى الفرض الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد عزیز چترالی

۳۰جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۳۵۰

﴿طواف کے فضائل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ بیت اللہ جا کر طواف کی کثرت کرنی چاہیے یا دوسری عبادات نوافل، ذکر کی؟ نیز طواف کے فضائل مستند احادیث کی روشنی میں کیا ہیں؟

﴿جواب﴾ بیت اللہ جا کر طواف کی کثرت کرنی چاہیے کیونکہ باقی عبادات نوافل وغیرہ دوسرے مقامات میں بھی کی جا سکتی ہیں لیکن طواف سوائے بیت اللہ کے اور کہیں نہیں کیا جا سکتا۔

نیز طواف کی فضیلت میں وارد چند احادیث ذیل میں مع الترجمہ نقل کی جاتی ہیں:

لما فی جامع الترمذی:(۱/۱۰۶،طبع فاروقی ملتان)

(۱) عن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من طاف بالبيت خمسين مرة خرج من ذنوبه كيوم ولدت امه.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے بیت اللہ کا طواف پچاس مرتبہ کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا کہ آج اسکی ماں نے جنا۔

لما فی مرقاة المفاتیح:(۵/۲۹۸،طبع رشیدیہ)

(۲)عن عبيد بن عميران بن عمر رضي الله عنه كان يزحم على الركنين زحاما مارأيت أحدا من أصحاب رسول الله ﷺ يزاحم عليه قال ان أفعل فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول ان مسحهما كفارة للخطايا و سمعته يقول من طاف بهذا البيت أسبوعا فأحصاه كان كعتق رقبة وسمعته يقول لا يضع قدما ولا يرفع أخرى الا حط الله عنه بها خطيئة وكتب له بها حسنة.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے ایک ہفتہ طواف کیا یعنی پورا ہفتہ روزانہ طواف کیا اور اسکو شمار کیا تو یہ ایک گردن آزاد کرنے کی طرح ہے اور میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ طواف کرنے والا ایک قدم رکھتا نہیں اور نہ دوسرا اٹھاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسکے بدلے اسکی ایک خطا معاف فرماتے ہیں اور ایک نیکی اسکے لئے لکھتے ہیں۔

لما فی المتجر الرابح:(ص ۳۰۲،طبع بیروت)

(۳)عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله ﷺ ينزل الله تعالى كل يوم على الحجاج بيته الحرام عشرين ومائة رحمة. ستين لطائفين واربعين للمصلين

وعشرين للناظرين.(رواه البيهقي باسناد حسن.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی ہر روز حاجیوں پر ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتے ہیں (جن میں سے) ساٹھ طواف کرنے والوں کیلئے اور چالیس نمازیوں کیلئے اور بیس (بیت اللہ کیطرف) دیکھنے والوں کے لئے

لما فی المتجر الرابح:(ص ۳۰۶،طبع بیروت)

(۴)وخرج ابن ماجه عن أبی عقال وهو ممن تكلم فيه البخاری وغيره قال طفت مع انس ابن مالک رضی الله تعالی عنه فی مطر فلماقضينا الطواف اتينا المقام فصلينا ركعتين فقال لنا انس ابن مالک ائتنفو العمل فقد غفر لكم هكذا قال لنا رسول الله ﷺ وطفنا معه فی مطر.وقوله ائتنفو العمل ای ابتدئو العمل الان فان ما مضى من الذنوب فقد غفر لكم.

ترجمہ: ابن عقال کہتے ہیں میں نے دوران بارش حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ طواف کیا، جب ہم طواف کر چکے تو ہم مقام (ابراہیم) پر آئے ہم نے دو رکعتیں پڑھیں تو انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا نئے سرے سے عمل کرو کیونکہ تمہاری مغفرت کی جاچکی ہے ہم سے رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح ارشاد فرمایا تھا جبکہ ہم نے ایک بار بارش میں ان کے ساتھ طواف کیا تھا (نئے سرے سے عمل کرو کا مطلب ہے اب سے عمل کرو کیونکہ تمہارے گذشتہ گناہ معاف کردیئے گئے ہیں)۔

لما فی جامع الترمذی:(۱۴۹/۲،طبع بیروت)

(۵)وعن ابن عباس رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله ﷺ فی الحجر والله ليبعثنه الله تعالی يوم القيامةله عينان يبصرن بهماولسان ينطق به يشهدبه علی من استلمه بحق.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم اللہ تعالی اسکو بروز قیامت ضرور اٹھائیں گے اس حال میں کہ اسکی دو آنکھیں ہونگی جن سے وہ دیکھے گا اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور اس شخص کی گواہی دے گا جس نے ٹھیک طریقے سے اسکا استلام کیا ہوگا۔

طواف کے دوران چونکہ استلام کیا جاتا ہے، اس لئے مذکورہ فضیلت بھی طواف کرنے والے کو حاصل ہوگی، اللہ تعالی محض اپنے لطف و کرم سے ہم سب کو طواف کی فضیلتیں نصیب فرمائے آمین۔

واللہ اعلم بالصواب: فیاض احمد

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۱۸۵۸

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

﴿وقوف عرفہ کی حیثیت اور فضائل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج میں وقوف عرفہ کی کیا حیثیت ہے؟ نیز وقوف عرفہ کے فضائل قرآن وسنت کی روشنی میں بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ وقوف عرفہ حج میں فرض ورکن کی حیثیت رکھتا ہے اور رکن بھی ایسا جسکو اعظمیت کا درجہ حاصل ہے، جیسا کہ عالمگیری میں ہے: (۲۱۹/۱، طبع رشیدیہ)

اما ركنه فشيئان: الوقوف بعرفة وطواف الزيارة لكن الوقوف اقوى من الطواف وفي احكام القرآن اتفقت الامة مع ذالك على ان تارك الوقوف بعرفة لا حج له.

لہٰذا اگر کسی شخص سے وقوف عرفہ رہ جائے تو اس کا حج نہیں ہوگا۔

تعارف عرفات: یہ مکہ مکرمہ سے تیرہ میل دور مشرق کی جانب طائف کے راستہ پر ایک وسیع وعریض میدان ہے جو کہ حرم مکہ سے باہر واقع ہے عرضاً یہ میدان چار میل جبکہ طولاً تقریباً سات آٹھ میل ہے اس میدان کے شمال مشرق میں ایک سرخ رنگ کی مخروطی پہاڑی ہے جو جبل رحمت کے نام سے مشہور ہے اور اسی میدان کے دور کونے میں ایک مسجد واقع ہے جو مختلف ناموں سے موسوم ہے یعنی مسجد ابراہیم، مسجد عرفہ، اور مسجد نمرہ۔

حج کے موقع پر اس میدان میں نویں تاریخ کو زوال کے بعد سے دسویں تاریخ کی صبح صادق تک کسی بھی وقت ٹھہرنا چاہے ایک لحظہ ہی کیوں نہ ہو حج کا رکن اعظم ہے جسکا اندازہ آپ ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے ہوتا ہے: (شرح مشکل الآثار: (ج ۱۲ ص ۳۴۷، طبع بیروت)

من ادرك عرفة فقد ادرك الحج ومن فاته فقد فاته الحج.

ترجمہ: جس شخص نے عرفہ کو پالیا تحقیق اس نے حج کو پایا اور جو شخص اسے نہ پا سکا تحقیق اسکا حج فوت ہوگیا۔

﴿فضائل عرفات﴾

لمافي كنز العمال: (۵/۳۰، طبع رحمانيه)

(۱) عن ابن عمر ان النبي ﷺ قال: لبلال عشية عرفة ناد في الناس لينصتوا فنادى الناس أن أنصتوا واستمعوا فقال رسول الله ﷺ ان الله تعالى قد تطول في جمعكم هذا فوهب مسيئكم لمحسنكم واعطى محسنكم ماسأل فادفعوا على بركة الله وقال ان

الله باهی ملائکته باهل عرفة عامة وباهی بعمر بن الخطاب خاصة.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ عرفہ کی رات آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا لوگوں کو آواز دو تا کہ خاموش ہو جائیں اور (میری بات) غور سے سن سکیں۔

چنانچہ حضرت بلالؓ نے حکم کی تعمیل کی اور لوگ خاموش ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس مجمع پر احسان فرمایا ہے پس بخشش فرمادی ہے تم میں سے برے لوگوں کی اچھے لوگوں کی وجہ سے اور عطاء کیا تم میں سے اچھے لوگوں کو جو انہوں نے مانگا پس تم لوٹ جاؤ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ اور فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ فخر فرماتے ہیں ملائکہ کے سامنے اہل عرفہ کی وجہ سے عموماً اور عمر ابن خطابؓ کی وجہ سے خصوصاً۔

لما فی کنز العمال:(۷۲/۵، طبع رحمانیه)

عن ابن عباسؓ قال: کان الفضل بن عباس ردیف النبی ﷺ یوم عرفة وکان الفتی یلاحظ النساء فجعل النبی ﷺ یصرف وجهه بیده ویقول: ابن اخی ان هذا یوم من غمض فیه بصره وحفظ فرجه ولسانه غفر له.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عرفہ کے دن فضل ابن عباس آپ ﷺ کے ردیف تھے اور وہ عورتوں کو دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انکا چہرہ پھیرا اور فرمایا اے بھتیجے بیشک یہ ایسا دن ہے کہ جو شخص اس میں اپنی نظریں نیچے رکھے، اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھے اور اپنی زبان کی حفاظت کرے تو اسکی مغفرت کردی جائے گی۔

لما فی المتجر الرابح:(ص ۲۱۲، طبع بیروت)

(۳) وعن انس بن مالکؓ قال: وقف النبی ﷺ بعرفات وقد کادت الشمس تغرب فقال: یا بلال انصت لی الناس فقام بلال: فقال انصتوا لرسول الله ﷺ فنصت الناس فقال: معاشر الناس اتانی جبرئیل آنفا فاقرأنی من ربی السلام وقال: ان الله غفر لاهل عرفة واهل المشعر الحرام وضمن عنهم التباعات فقال: عمر بن الخطاب یارسول الله هذا لنا خاصة؟ فقال: هذا لکم ولمن اتی بعدکم الی یوم القیامة فقال عمر بن الخطاب کثر خیر الله وطاب.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ عرفات میں وقوف فرما تھے اس حال میں کہ سورج غروب ہونے کے قریب تھا آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا اے بلال میرے واسطے لوگوں کو خاموش کر دیجیے تو حضرت بلال نے آواز دی لوگوں خاموش ہو جاؤ، رسول اللہ ﷺ (کو سننے) کیلئے اس پر سارے لوگ خاموش ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس حضرت

جبرئیلؑ آئے تھے اور انہوں نے مجھے میرے رب کا سلام پیش کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے عرفات والے اور مشعر الحرام والوں کی مغفرت فرمادی ہے اور انکی طرف سے تاوان کی ضمانت لی ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ صرف ہمارے لئے خاص ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے لئے بھی ہے اور تمہارے بعد قیامت تک آنے والوں کیلئے بھی اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی خیر بہت زیادہ ہے اور بہت زیادہ خوش کرنے والی (دل کو بہالے جانے والی) ہے۔

لما فی المتجر الرابح:(ص ۱۲ ۲مطبع بیروت)

(۴)وخرج البيهقي في الشعب باسناده عن جابر بن عبدالله قال:قال رسول الله ﷺ ما من مسلم يقف عشية عرفة بالموقف فيستقبل القبلة بوجهه ثم يقول:لااله الاالله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيئي قدير مائة مرة ثم يقرأقل هوالله احدمائة مرة ثم يقول اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميدمجيدوعلينا معهم مائة مرة .الاقال الله تعالى :ياملائكتي ماجزاء عبدي هذا؟سبحني وهللني وكبرني وعظمني وعرفني واثنى علي وصلى على نبي اشهدوايا ملائكتي اني قدغفرت له وشفعته في نفسي ولوسألني عبدي هذا لشفعته في اهل الموقف.

حضرت جابرؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی مسلمان آدمی عرفہ کی رات موقف میں قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو جائے اور لا اله الاالله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيئي قدير سو مرتبہ پڑھے اسکے بعد سو مرتبہ قل هو الله احد پڑھے اور اسکے بعد اللهم صلى على محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد وعلينا معهم سو مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں: اے فرشتوں میرے اس بندے کیلئے کیا جزاء ہے کہ اس نے میری تسبیح تہلیل، تکبیر، تعظیم اور تعریف وثناء کی اور میرے نبی پر درود بھیجا۔ تم گواہ رہو میں نے اسکی مغفرت کی اور اسکے حق میں اسکی سفارش قبول فرمائی اور اگر میرا یہ بندہ پورے اہل موقف کے حق میں سفارش کرے تو میں اسکی سفارش قبول کرونگا۔

لما فی جامع الاحادیث:(ج۲۷ص۱۲۶مطبع بیروت)

(۵)وعن عمرؓ قال:الحج الاكبر يوم عرفة.

ترجمہ: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یوم عرفہ حج اکبر ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ سبحانہ اعلم: افتخار احمد کلکتی

۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:

باب الاحرام واركان الحج

احرام اور ارکان حج کا بیان

احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنے کی کیا حیثیت ہے؟ فرض ہے یا واجب ہے یا سنت؟ اگر کوئی شخص عذر کی بناء پر غسل نہ کر سکے اور صرف وضو پر اکتفاء کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد عادل پشاور

جواب احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا ایک مسنون وافضل عمل ہے فرض یا واجب نہیں ہے، البتہ اگر کوئی غسل کے بجائے صرف وضو پر اکتفاء کرے تب بھی حج میں کوئی نقصان نہیں آتا معذور کے لیے وضو کرنا بھی غسل کے قائم مقام ہے۔

لما في الهندية: (۲۲۲/۱، الباب الثالث في الاحرام، طبع رشيديه)

واذا اراد الاحرام اغتسل او توضاء والغسل افضل الا ان هذا الغسل للتنظيف حتى تومر به الحائض

ولما في التاتارخانية: (۳۳۲/۲، الفصل الثالث في تعليم اعمال الحج)

ويستحب لمن اراد الاحرام ان يقص شاربه واظفاره ويحلق عانته ثم يغتسل او يتوضاء، وفي الكافي: فيقوم الوضوء مقام الغسل كما في العيدين والجمعة، والغسل افضل وهذا الاغتسال للنظافة وليس بواجب.

ولما في الفقه الحنفي في ثوبه الجديد: (۱۰۵/۱، دار القلم بيروت)

ويسن الغسل ايضا للاحرام، فعن ابن عمر رضي الله عنهما قال: من السنة ان يغتسل اذا اراد ان يحرم

ولما في الهداية: (۲۵۴/۱، باب الاحرام)

واذا اراد الاحرام اغتسل او توضاء والغسل افضل لما روى انه عليه السلام اغتسل لاحرامه الا انه للتنظيف حتى تومر به الحائض وان لم يقع فرضا عنها فيقوم الوضوء مقامه كما في الجمعة لكن الغسل افضل لان معنى النظافة فيه اتم ولانه عليه السلام اختاره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۸۰

﴿پاکستانی آدمی جدہ ایئر پورٹ سے احرام باندھ سکتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پاکستانی آدمی احرام باندھے بغیر حج کے لئے جدہ ایئرپورٹ ہی سے احرام باندھ لے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ ہوائی جہاز عام طور پر قرن منازل اور ذاتِ عرق دونوں میقاتوں کے اوپر سے گذر کر پھر جدہ پہنچتے ہیں، اس وجہ سے ان میقاتوں کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا واجب اور ضروری ہے۔

لہذا اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کی نیت سے جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ جدہ ایئرپورٹ سے احرام باندھ لیں، البتہ کسی کام سے جدہ جاتا ہو پھر وہاں سے حج یا عمرہ کی نیت کرلی تو اس صورت میں جدہ ایئرپورٹ سے احرام باندھ سکتا ہے۔

لمافي الشامي:(۲/۴۷۶،مطلب في المواقيت،طبع سعيد كراتشي)

من جاوز ميقاتاً بلا احرام الى آخر جاز الا أن المستحب أن يحرم من الأول كما روى عن أبي حنيفةؒ انه قال في غير أهل المدينة اذا مروا بها فجاوزوها الى الجحفة فلابأس بذلك وأحب الي أن يحرموا من ذي الحليفة لأنهم لما وصلوا الى الميقات الأول لزمهم محافظة حرمته فيكره لهم تركها.

ولمافي الهندية:(۱/۲۲۱،الباب الثاني في المواقيت،طبع رشيديه)

من جاوز ميقاته غير محرم ثم أتى ميقاتاً آخر فأحرم منه أجزأه الا أن احرامه من ميقاته أفضل كذا في الجوهرة النيرة، وهذا في غير أهل المدينة -- وان سلك بين الميقاتين في البحر والبر اجتهد وأحرم اذا حاذى ميقاتاً.

ولمافي الهندية:(۱/۲۵۳،طبع رشيديه)

ومن جاوز وقته غير محرم ثم أتى وقتاً آخر اقرب منه وأحرم جاز، ولا شئ عليه ولو جاوز الميقات وبريد بستان بني عامر دون مكة فلا شئ عليه.

ولمافي العناية على الهداية:(۲/۲۲۱-۲۲۲،فصل في المواقيت،طبع رشيديه كوئٹه)

والحيلة لمن أراد من الآفاقي دخوله بغير احرام أن يقصد بستان بني عامر أو غيره من الحل فلا يجب الاحرام، لأنه قصد مجاوزة ميقات واحد.

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ
الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۳۰۲۲
۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿اپنا حلق کرانے سے پہلے دوسرے کو حلق کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محرم اپنا حلق کرانے سے پہلے دوسرے کو حلق کر سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: قاری سیف اللہ دیر

﴿جواب﴾ ویسے تو محرم دوسرے محرم کا حلق نہیں کر سکتا ہے چونکہ خود بھی احرام سے نکلنے کی تیاری ہے یعنی حج یا عمرہ کے تمام افعال سے فارغ ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں دوسرے کا بھی حلق کر سکتا ہے، اس پر کچھ لازم نہیں آئیگا۔

(تنبیه) محل وجوب الصدقة على المحرم اذا حلق رأس محرم اذا كان في غير أوان الحلق كما نبه عليه العلامة طاهر سنبل وسيأتي في باب الحلق في كلام المصنف رحمه الله اما اذا كان في أوانه كالفراغ من أعمال الحج أو أعمال العمرة فلا شيء فيه وقد رأيت ممايغلط في ذالك ويفتى على الحالق حينئذ بلزوم الصدقة وهو غفلة عن تقييد المسألة فليحذر والله الموفق. (ارشاد الساری: ص ۲۲۱، طبع بیروت)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر: ۱۴۸۸

﴿حج تمتع میں قربانی نہ کر سکے تو بطور دم حدود حرم میں ذبح ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ حج تمتع کرنے والا ایام النحر میں قربانی نہ کر سکا اور روزے بھی نہیں رکھے پاکستان واپس آجائے تو کیا کرے؟

مستفتی: طاہر محمود راولپنڈی

﴿جواب﴾ حج تمتع کرنے والا اگر ایام النحر میں قربانی نہیں کر سکا اور روزے بھی نہیں رکھے یہاں تک کے پاکستان واپس آگیا تو اس پر تین دم واجب ہونگے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک دم تمتع کا دوسرا قربانی سے پہلے حلال ہونے کا اور تیسرا ایام النحر سے تاخیر کا اور تینوں دم کا حدود حرم کے اندر ذبح کرنا ضروری ہے اگر خود نہ کر سکے تو وہاں پر کسی کو اپنا وکیل بنادے جو اسکی طرف سے جانور حدود حرم کے اندر ذبح کر دے۔

لما فی الشامی: (۲/۵۴۴، طبع سعید)

(فلو لم يقدر) اى على دم التحلل: اى بالحلق او التقصير (وعليه دمان) اى دم التمتع ودم التحلل قبل اوانه بحر عن الهداية.

وفيه ايضا فيها:(٦١٩/٢،طبع سعيد)

(قوله بل بعده)اى بل يجزئه بعده:اى بعد يوم النحراى ايامه الا انه تارك للواجب عند الامام فيلزمه دم للتاخير:اما عندهما فعدم التاخير سنة،حتى لو ذبح بعد التحلل با لحلق لا شيء عليه.

وكذافي الهندية:(٢٣٩/١،طبع رشيديه)وكذافي البحر الرائق: (٣٦١/٢،طبع سعيد)

وفي المناسک ملا علي القاري:(ص٢٢٠،دار الكتاب العربي)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود عفی عنہ

۹ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۱۱۳

﴿گیارہویں کو زوال سے پہلے رمی کافی نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام،مفتیان عظام گیارہویں کی رمی زوال سے پہلے کرنے کے بارے میں؟ — مستفتی:حاجی محمد عاطف کوہاٹ

﴿جواب﴾ گیارہویں بارہویں کی رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے،اس سے پہلے جائز نہیں ہے اگر کوئی گیارہویں کی رمی زوال سے پہلے کرے تو کافی نہیں ہے۔

لہذا گیارہویں کے زوال سے لیکر بارہویں کی صبح تک دوبارہ رمی کرے رمی کا اعادہ نہ کرنے کی صورت میں قضا اور دم واجب ہوتا ہے لیکن رمی کی قضا کا وقت تیرہویں کے غروب تک ہے غروب کے بعد رمی کی قضا کا وقت نہیں رہتا،صرف دم ہی واجب رہتا ہے۔

لما في الشامي:(٥٢١/٢،طبع سعيد)

قوله فمن الزوال لطلوع ذكاء.--- قال في اللباب وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من ايام النحر بعد الزوال،فلا يجوز قبله في المشهور وقيل يجوز والوقت المسنون فيهما يمتد من الزوال الي غروب الشمس ومن الغروب الي الطلوع وقت مكروه،واذا طلع الفجراى فجر الرابع فقد فات وقت الاداء وبقي وقت القضاء الي آخر ايام التشريق فلو اخره عن وقته اى المعين له في كل يوم فعليه القضاء والجزاء، ويفوت وقت القضاء بغروب الشمس في الرابع.

وهكذافي اعلاء السنن:(٢٠١/١٠-١٩٩،دار الكتب العلمية)وفي المبسوط ايضا:(٦٨/٤،طبع دار المعرفة)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن

۸صفر الخیر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۱۷۷

﴿حج قران میں رمی، ذبح، حلق بغیر ترتیب ادا کرنے سے دم واجب ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ حج قران کرنے والا حاجی اگر رمی، ذبح اور حلق کو بغیر ترتیب کے اداء کرے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: ضیاء الدین ضلع ٹانک

﴿جواب﴾ حج قران میں رمی، ذبح اور حلق تینوں کو ترتیب وار ادا کرنا واجب ہے، لہٰذا ترتیب کے بغیر ادا کرنے کی صورت میں دو دم واجب ہونگے (ایک دم حج قران کیوجہ سے اور ایک دم بغیر ترتیب ادا کرنے کیوجہ سے)۔

لمافی التنویر مع الدر: (۵۵۵/۲، طبع سعید)

(ویجب الدمان علیٰ قارن حلق قبل ذبحه) دم للتاخیر ودم للقران علی المذهب وقال الشامی (قوله حلق قبل ذبحه) وکذا حلق قبل الرمی بالاولیٰ بحر.

وفی الشامیة: والحاصل ان الطواف لا یجب ترتیبه علی شئ من الثلاثة وانما یجب ترتیب الثلاثة الرمی ثم الذبح ثم الحلق لکن المفرد لا ذبح علیه فیجب علیه الترتیب بین الرمی والحلق فقط.

ولمافی الشامی: (۵۳۳/۲، طبع سعید)

(قوله لوجوب الترتیب) ای ترتیب الثلاثة: الرمی ثم الذبح، ثم الحلق علی ترتیب حروف قولک رذح، أما الطواف فلا یجب ترتیبه علی شئ منها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن عدیم سواتی

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ فتوی نمبر: ۲۳۲۸

﴿یوم النحر کے دن جمرۃ العقبۃ کی رمی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص سے یوم النحر کے دن بغیر کسی عذر کے جمرۃ العقبۃ کی رمی ترک ہوگئی تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حاجی سے یوم النحر کے دن جمرۃ العقبہ کی رمی اگر رہ گئی، تو اس پر لازم ہے کہ باقی ایام میں رمی میں اسکی قضاء کرے، اور دم بھی دیدے۔

لمافی المبسوط السرخسی: (۶۴/۴ تا ۶۵، طبع: بیروت)

أن وقت رمی جمرة العقبة یوم النحر بالنص قال رسول الله ﷺ ان اول نسکنا فی هذا الیوم وذهاب تمام الیوم بغروب الشمس..... فان لم یر مها حتی یصبح من الغد رماها لبقاء وقت جنس الرمی لکن علیه دم للتاخیر ..... ورمی جمرة العقبة یوم النحر نسک

تام فكما ان تركه يوجب الدم فكذالك تاخيره عن وقته وكذالك ان ترك الاكثر منها لان الأكثر بمنزلة الكل.

ولما في كتاب الاختيار:(۲۱۱/۱)

ولو ترك رمي الجمار كلها او يوم النحر واحدة او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة.

ولما في الهنديه:(۲۴۷/۱،طبع رشيديه)

ولو ترك الجمار كلها او رمي واحدة او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة وان ترك اقلها تصدق لكل حصاة نصف صاع الا أن تبلغ قيمته شاة فينتقص ماشاء

ولما في الهدايه :(۲۹۶/۱،طبع رحمانيه)

وان ترك رمي جمرة العقبة في يوم النحر فعليه دم لان ترك كل وظيفة هذاليوم رميا وكذااذاترك الاكثر منها.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۴ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿اگر طواف کے دوران جماعت کھڑی ہو جائے تو کیا حکم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ اگر آدمی طواف کر رہا ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے وضاحت فرمائیں؟　　مستفتی:محمد عثمان

﴿جواب﴾ اس صورت میں آدمی کو چاہیے کہ نماز میں شامل ہو جائے اور طواف روک دے اور نماز ادا کرنے کے بعد بناء کرے یعنی جتنا طواف رہ گیا ہے اس کو پورا کرے نئے سرے سے طواف کرنا ضروری نہیں ہے۔

لما في الدر:(۴۹۷/۲،طبع سعيد)

ولو خرج منه أو من السعي الى جنازة أو مكتوبة أو تجديد وضوء ثم عاد بنى.

قال الشامي رحمه الله

(قوله بنى)اى على ما كان طافه ولا يلزمه الاستقبال فتح .قلت :ظاهره انه لو استقبل لا شيء عليه فلا يلزمه اتمام الاول لان هذا الاستقبال للاكمال بالموالاة بين الاشواط

ولما في البحر الرائق:(۳۹/۲،طبع سعيد)

وفي المحيط لو خرج من طوافه الى جنازة أو مكتوبة أو تجديد وضوء ثم عاد بنى

ولما في بدائع الصنائع:(۱۳۰/۲،طبع سعيد)

والموالاة في الطواف ليست بشرط حتى لو خرج الطائف من طوافه لصلوة جنازة أو

مکتوبة أو لتجدید وضوء ثم عاد بنیٰ علی طوافه ولا یلزمه الاستقبال لقوله تعالی ((ولیطوفوا بالبیت العتیق)مطلقاً عم شرط الموالاة .وروی عن رسول اللہ ﷺ انه خرج من الطواف ودخل السقایة فاستقی فسقی فشرب ثم عاد وبنیٰ علی طوافه .واللہ اعلم

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق المکی

۲۴ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۶۴

﴿اگر طواف کے چکر سات سے زیادہ لگادیے تو کیا حکم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ اگر کوئی آدمی طواف کے چکر سات سے زیادہ لگادے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: محمد عرفان

﴿جواب﴾ طواف کرنے والے کو اگر معلوم ہو کہ یہ مثلاً آٹھواں چکر ہے اور اس کے سات چکر مکمل ہو چکے ہیں تو ایسی صورت میں اسے اگلا طواف مکمل کرنا ہوگا یعنی سات چکر پورے کرنے ہونگے لیکن اگر اس نے آٹھویں چکر کو ساتواں چکر سمجھ کر لگایا ہے تو اس صورت میں چونکہ وہ اپنے ذمہ سے واجب کو ساقط کر رہا ہے نہ کہ کسی دوسرے طواف کو شروع کر رہا ہے لہذا اتمام یعنی اس اگلے طواف کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

لما فی التنویر والدر:(۴۹۶/۲،طبع: سعید)

(فلو طاف ثامناً مع علمه به)فالصحیح انه(یلزمه اتمام الاسبوع للشروع)ای لانه شرع فیه ملتزماً بخلاف ما لو ظن انه سابع لشروعه مسقطاً لا مستلزماً بخلاف الحج

قال الشامی رحمه اللہ

(قوله مع علمه به)ای بانه ثامن لکن فعله بناء علی الوهم أو الوسوسة لا علی قصد دخول طواف آخر ،فانه حینئذ یلزم اتفاقاً (قوله لشروعه مسقطاً لا ملزماً)ای لانه شرع فیه لاسقاط الواجب علیه وهو اتمام السبعة لا ملزماً نفسه بشوط مستانف حتی یجب اکماله لما تبین له انه ثامن

ولما فی البحر الرائق:(۳۲۹/۲،طبع:سعید)

واختلفوا فی منعه للزیادة حتی لو طاف ثامناً وعلم انه ثامن اختلفوا فیه والصحیح انه یلزمه اتمام الاسبوع لانه شرع فیه ملزماً بخلاف ما اذا ظن انه سابع ثم تبین له انه ثامن فانه لا یلزمه الاتمام لانه شرع فیه مسقطاً لا ملتزماً کالعبادة المظنونة کذا فی المحیط۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق المکی

۲۴ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۷۵

﴿اگر طواف کے چکروں میں شک پڑ جائے تو کیا حکم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ اگر کوئی آدمی طواف کر رہا ہو اور اسے شک پڑ جائے کہ اس نے کتنے چکر لگائے ہیں تو اس صورت میں اس کے لیے کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ نفلی طواف میں اس طرح شک پیش آئے تو غالب گمان پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ فرض یا واجب طواف میں شک آ جائے تو طواف لوٹانا ضروری ہے البتہ کسی معتبر ذریعہ سے مثلاً ایک یا دو ثقہ آدمی اگر کہہ دیں کہ ہم نے نوٹ کیا ہے آپ کے اتنے چکر ہو گئے ہیں تو ان کی بات پر عمل کرے۔

(لما فی رد المحتار ۶۹/۲ طبع سعید)

(تنبیه) لو شک فی عدد الاشواط فی طواف الرکن اعاده ولا یبنی علی غالب ظنه بخلاف الصلوة، وقیل اذا کان یکثر ذلک یتحری، ولو اخبره عدل بعدد یستحب ان یاخذ بقوله، ولو اخبره عدلان وجب العمل بقولهما لباب قل شارحه ومفهومه انه لو شک فی اشواط غیر الرکن لا یعیده بل یبنی علی غلبة ظنه لان غیر الفرض علی التوسعة والظاهر ان الواجب فی حکم الرکن لانه فرض عملی۔

(ولما فی البحر الرائق ۳۱/۲ طبع سعید)

ولو شک فی عدد الاشواط فی طواف الرکن او العمرة اعاده ولا یبنی علی غالب ظنه بخلاف الصلوة وقیل اذا کان یکثر ذلک یتحری ولو اخبره عدل بعدد یستحب ان یاخذ بقوله ولو اخبر عدلان وجب الاخذ بقولهما۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی

۱۲ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۳۷۹

﴿اگر کوئی طواف میں حطیم کو شامل نہ کرے تو کیا حکم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ اگر کوئی بندہ حطیم کو طواف کے چکروں میں شامل نہ کرے بلکہ حطیم اور کعبہ کے بیچ سے چکر لگائے تو کیا اس کا طواف ہو جائیگا یا اعادہ ضروری ہے؟　　　مستفتی: حاجی ربنواز

﴿جواب﴾ حطیم شریف بیت اللہ میں داخل اور اس کا حصہ ہے لہذا طواف کرتے ہوئے اس کو شامل کرنا ضروری ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ اگر کوئی آدمی حطیم کو

چھوڑ کر طواف کرے تو یہ درست نہیں ہے بلکہ طواف کا اعادہ لازم ہے البتہ اعادہ میں اگر پورے مطاف کا چکر لگا کر اعادہ کرے یا صرف حطیم کے گرد چکر لگا کر اعادہ کرے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

(لما في التنوير والدر ۲/۴۹۲ طبع سعيد)

(وطاف بالبيت طواف القدوم ويسن) هذا الطواف (للآفاقي) لانه القادم (واخذ) الطائف (عن يمينه مما يلي الباب) لتصير الكعبة عن يساره (جاعلاً) قبل شروعه (ردائه تحت ابطه اليمنى ملقياً طرفه على كتفه الايسر) استناناً (وراء الحطيم) وجوباً لان منه ستة اذرع من البيت فلو طاف من الفرجة لم يجز

قال الشامي رحمه الله

(قوله لم يجز) قال القارى في شرح النقاية ولو طاف من الفرجة لا يجزيه في تحقق اكماله بل لا بد من اعادة الطواف كله لتحققه وان اعاد من الحطيم وحده أجزأه بان ياخذ على يمينه خارج الحجر، حتى ينتهي الى آخره ثم يدخل الحجر من الفرجة ويخرج من الجانب الاخر او لا يدخل الحجر، وهو ان يرجع ويبتدىء من اول الحجر هكذا يفعل سبع مرات ويقضى صفته من رمل وغيره

(ولما في البحر الرائق ۲/۳۲۷ طبع سعيد)

(قوله وطف مضطبعاً وراء الحطيم آخذا عن يمينك مما يلي الباب سبعة اشواط ...... واما ادخال الحطيم في طوافه فهو واجب لان الحطيم ثبت كونه من البيت بخبر الواحد حتى لو تركه يؤمر باعادة الطواف من الاصل أو اعادته على الحطيم ما دام بمكة ولو لم يعد لزمه دم

(ولما في البدائع الصنائع ۲/۱۳۱ طبع سعيد)

ويطوف من خارج الحطيم لان الحطيم من البيت على لسان رسول الله ﷺ فانه روى عن عائشة رضي الله عنها ان النبي ﷺ قال لها ان قومك قصرت بهم النفقة فقصروا البيت عن قواعد ابراهيم عليه السلام وان الحطيم من البيت ولو لو حدثان عهدهم بالجاهلية لرددته الى قواعد ابراهيم عليه السلام ولجعلت له بابين باباً شرقياً وباباً غربياً، ولو طاف في داخل الحجر فعليه ان يعيد لان الحطيم لما كان من البيت فاذا طاف في داخل الحطيم فقد ترك الطواف ببعض البيت والمفروض هو الطواف بكل البيت لقوله تعالى (وليطوفوا بالبيت العتيق).

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق الکی

۲۴ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر: ۳۲۷۴

﴿سیدھے ہاتھ سے طواف کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

کعبۃ اللہ کا طواف قدوم کرتے ہوئے اگر آدمی سیدھے ہاتھ سے طواف شروع کرے تو کیا حکم ہے؟ براہ کرم فقہ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی: محمد شفیق

﴿سوال﴾ مطاف الحمدللہ ہمیشہ بھرا رہتا ہے اس لئے نو وارد آدمی اگر سیدھے ہاتھ سے طواف شروع کریگا تو بہت جلد اس کو غلطی کا احساس ہو جائیگا پھر جیسے احساس ہو طواف دیگر لوگوں کی طرح حجر اسود کے بالمقابل آکر استلام مسنون کے بعد الٹے ہاتھ سے شروع کرے بالفرض ساتویں چکر تک اس کو اگر احساس نہیں ہوا تو یہ طواف معتبر نہیں ہے واجب طواف ہو تو دوبارہ اعادہ ضروری ہوگا، جب تک مکہ مکرمہ میں ہے کسی بھی وقت اس کا اعادہ کرے، اور بغیر اعادہ کے اگر وطن لوٹ آیا تو واجب ذمہ باقی رہنے کی وجہ سے دم واجب ہے۔

لما فی الصحیح المسلم ج ۱/ ۴۰۰ (طبع قدیمی)

عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ ﷺ لما قدم مکۃ اتی الحجر فاستلمہ ثم مشی علی یمینہ فرمل ثلاثا ومشی اربعا۔

ولما فی الشامی ج ۲/ ۴۹۲ (طبع سعید)

(وأخذ) الطائف (عن یمینہ مما یلی الباب) فتصیر الکعبۃ علی یسارہ لان الطائف کالمؤتم بھا والواحد یقف عن یمین الامام ،ولو عکس اعادہ مادام بمکۃ فلو رجع فعلیہ دم (قولہ ولو عکس) بان اخذ عن یسارہ وجعل البیت عن یمینہ الخ

ولما فی الھندیۃ: (۱/ ۲۲۴ طبع رشیدیہ کوئٹہ)

وینبغی ان یبدأ بالطواف من جانب الحجر الذی یلی الرکن الیمانی فیکون مارا علی جمیع الحجر بجمیع بدنہ فیخرج من خلاف من یشترط المرور کذالک علیہ وشرحہ ان یقف مستقبلا علی جانب الحجر بحیث یصیر الحجر عن یمینہ ثم یمشی کذالک مستقبلا حتی یجاوز الحجر فاذا جاوزہ انفتل وجعل یسارہ الی البیت وھذا فی الافتتاح خاصۃ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد داؤد فاروقی ٹانکوی

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر: ۲۰۳۳

﴿حالت حیض میں طواف وداع کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی عورت نے حالت حیض میں طواف وداع کیا تو اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟ مستفتی: بھائی کعب

﴿جواب﴾ حائضہ عورت طواف وداع چھوڑ کر چلی جائے تو اسکی گنجائش ہے کوئی دم وغیرہ

واجب نہیں ہے۔ لیکن حیض کی حالت میں طواف کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کسی نے کرلیا دانستہ یا غیر دانستہ ہر دونوں صورتوں میں دم واجب ہے۔

لما فی المسلم:(۴۲۷/۱،طبع:قدیمی)

حدثنا سعید بن منصور وابوبکر بن ابی شیبة واللفظ لسعید قالا حدثنا سفیان عن ابن طاؤس عن ابیه عن ابن عباس قال امر الناس ان یکون اخر عهد هم بالبیت الا أنه خفف عن المرأة الحائض.

ولما فی الهدایه: (۲۸۸/۱،طبع:رحمانیه

فان طاف بعد الوقوف وطواف الزیارة انصرفت من مکة ولا شئی علیه لطواف الصدر لانه علیه السلام رخص للنساء الحیض فی ترک طواف الصدر.

ولما فی التنویر مع الدر والرد:(۵۵۰/۲،طبع: سعید

(اوطاف القدوم)لوجوبه بالشروع (اوللصدر جنباً)او حائضا(اوللفرض محدثاولو جنباًفبدنة) ـــ(قوله لوجوبه با لشروع)اشار الی ان الحکم کذلک فی کل طواف هو تطوع ، فیجب الدم لو طافه جنباً والصدقة لو محدثاًکما فی الشرنبلالیة عن الزیلعی ، وأفاد أن الکفارة تجب بترک الواجب الا صطلا حی بلا فرق بین الأ قوی والأضعف،فان ما وجب بالشروع دون ما وجب بایجابه تعالیٰ کطواف الصدر لاشتراکهما فی الوجوب الثابت بالدلیل الظنی.

ولما فی الهدایة :(۲۹۵/۱،طبع:رحمانیه)

ومن طاف طواف الصدر محدثا فعلیه صدقة ــ ولوطاف جنباًفعلیه شاة لأنه نقص کثیر الخ

ولما فی الفقه الاسلامی وادلته: (۱۳۱/۱،طبع:رشیدیه)

الفرق بین حیض والجنابة:عرفنا أن ما یحرم علی الحائض منوها أکثر مما یحرم علی الجنب.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :عزیز اللہ آغا چمنی

۲صفر الخیر۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۱۳۳

﴿احرام سے نکلنے کیلئے حلق یا قصر کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج وعمرہ کرنے کے بعد حلق کرنا ضروری ہے یا قصر کرنا بھی جائز ہے، اگر جائز ہے تو اس کی کوئی مقدار متعین ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی تفصیل سے آگاہ فرمائیں؟

مستفتی: اُسامہ بھائی

﴿جواب﴾ احرام سے نکلنے کیلئے حلق اور قصر دونوں جائز ہیں، البتہ مردوں کیلئے حلق افضل

ہے، جبکہ عورتوں کیلئے قصر ضروری ہے، حلق وقصر کرانے میں کم از کم مقدار چوتھائی سر کا حلق یا قصر کرنا ہے، اس سے کم حصہ حلق اور قصر کرانے سے احرام سے نہیں نکلتا، اور چوتھائی سر کے قصر کرانے میں کم از کم مقدار ایک انگلی کی پورے کی برابر بال کٹانا ہے، ایک پورے سے کم قصر کرنے سے وہ حلال نہیں ہوگا، اور اگر بال بہت کم ہوں یا پہلے سے سر مونڈا ہوا ہے، تو اسکی صورت میں استرہ چلانا ضروری ہے، مزید یہ کہ حلق اور قصر حدود حرم میں ضروری ہیں۔

لما في خلاصة الفتاوى: (۲۸۰/۱ طبع: رشیدیه)

والحلق والتقصير مشروعان في حق الرجل للتحليل عن الاحرا والحلق افضل وفي المرأة التقصير قدر ربع الرأس يقصر من كل شعر قدر انملة فان لم يكن على رأسه شعر يجر الموسى على رأسه والاجراد واجب والحق يتوقف بالمكان وهو الحرم وبالزمان وهو يوم النحر عند ابي حنيفة حتى لو أخره عن الحرم اوعن يوم النحر يلزمه الدم.

ولما في بدائع الصنائع: (۱۴۱/۲، طبع: سعید)

وأما مقدار الواجب فاما الحلق فالافضل حلق جميع الرأس ......ولو حلق بعض الرأس فان حلق أقل من الربع لم يجزه وان حلق ربع الرأس أجزأه ويكره أما الجواز فلان ربع الرأس يقوم مقام كله......أما التقصير على التقدير فيه بالانملة لما روينا من حديث عمر لكن اصحابنا قالوا يجب ان يزيد في التقصير على قدر الأنملة لان الواجب هذا القدر من اطراف جميع الشعر.....

ولما في ارشاد الساري: (ص: ۱۵۳)

(وأما التقصير فأقله قدر أنملة)......(من شعر ربع الرأس والحق مسنون للرجال.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفا اللہ عنہ

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ | فتویٰ نمبر: ۳۱۸۴

﴿احرام کی حالت میں کسی کے حلق کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بھائی اور بہن عمرہ کیلئے گئے تھے بھائی نے عمرہ کے افعال پورے کئے تھے۔ لیکن بہن نے ابھی تک عمرہ کی افعال پوری نہیں کئے تھے، بلکہ احرام میں تھی اسی حالت میں بھائی نے بہن کو کہا کہ میرے سر کے بال کاٹ دو، بہن نے اسکے سر کے بال صاف کئے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اس صورت میں، بہن پر دم یا صدقہ وغیرہ تو نہیں آتا؟ اگر آتا ہے تو یہ کیا کرے۔

﴿جواب﴾ بہن چونکہ ابھی تک احرام میں تھی، اس لئے بھائی کے بال کاٹنا جائز نہیں تھا

اگرچہ بھائی احرام سے نکلنے کے مرحلہ میں تھا لہذا بہن پر صدقہ واجب ہے اور توبہ استغفار بھی کریں دم واجب نہیں ہے۔

(لما فی الشامی: ج ۲/۵۵۷ سعید)

اعلم ان الحالق والمحلوق اما ان یکون محرمین او حلالین، او الحالق محرما والمحلوق حلالا او بالعکس، ففی کل علی الحالق صدقة الا ان یکونا حلالین، وعلی المحلوق دم الا ان یکون حلالا نهایة

(لما فی لهندیة: ج ۱/۲۶۸ باب الجنایات قدیمی)

حلق رأس محرم او حلال وهو محرم علیه صدقة سواء کان بأمره او بغیر امره طائعا کان المحلوق رأسه او مکرها کذا فی غایة السروجی شرح الهدایة، لو حلق الحلال رأس محرم بأمره او بغیر امره کانت الکفارة علی المحرم ولا یرجع بذلک علی الحالق

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۴۰۷۰

﴿طواف قدوم آفاقی کے حق میں سنت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں حج کے دوران طواف قدوم کا کیا حکم ہے؟ آیا سنت ہے یا واجب؟ — مستفتی: جاوید صاحب

﴿جواب﴾ طواف قدوم آفاقی کے حق میں سنت ہے واجب نہیں۔

لما فی البحر: (۲/۳۳۲ طبع سعید)

أی طف هذا الطواف لاجل القدوم وهذا الطواف سنة للآفاقی دون المکی لانه کتحیة المسجد لا یسن للجالس فیه.

ولما فی کنز الدقائق: (ص ۷۶، طبع قدیمی) وهو سنة لغیر المکی.

ولما فی الهدایة: (۱/۲۲۳ طبع رحمانیه)

وهذا الطواف طواف القدوم ویسمی طواف التحیة وهو سنة ولیس بواجب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۶۳

﴿یوم النحر میں طواف صدر، طواف زیارت کا قائم مقام ہوسکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کوئی شخص یوم النحر سے پہلے طواف زیارت کرلے

اور یوم النحر میں طواف صدر کر لے، بعد میں اسکو معلوم ہو کہ طواف زیارت یوم النحر سے پہلے درست نہیں ہوتا تو کیا طواف صدر طواف زیارت کے قائم مقام بن سکتا ہے؟ مستفتی محمد عاطف

﴿جواب﴾ طواف زیارت کا وقت یوم النحر کے طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے، اس وقت طواف صدر کی نیت یا نفلی طواف کی نیت سے بھی اگر کوئی طواف کریگا تو شرعاً طواف زیارت ہی شمار ہوگا، اسلئے کہ طواف میں اصل اعتبار موقع اور وقت کا ہوتا ہے۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں طواف صدر کی نیت سے طواف بھی طواف زیارت شمار ہوگا، اسلئے کہ طواف زیارت فرض ہے پہلے فرض کی ادائیگی ضروری ہے اور طواف صدر واجب ہے اور واجب رہ جانے کی صورت میں دم واجب ہوتا ہے۔

لمافی الدر مع الرد:(۲/۵۲۵،طبع امدادیه)

فلو طاف بعد ارادة السفر ونوى التطوع أجزأه عن الصدر كما لو طاف بنية التطوع في ايام النحر وقع عن الفرض.

وفي الشامية:(فلو طاف)الحاصل كما في الفتح وغيره ان من طاف طوافا في وقته وقع عنه ، نواه بعينه اولا او نوى طوافا اخر الى قوله......ولو كان في يوم النحر وقع للزيارة..... الااذا كان الثاني اقوى.وفي التنوير مع الدر:(۲/۵۳۸،طبع امدادیه)

ولما ايضافي التنوير مع الدر:(۲/۵۸۲،طبع امدادیه)

(لوترك اقل سبع الفرض)بعدى ولم يطف غيره حتى لو طاف للصدرانتقل الى الفرض ما يكمله ثم ان بقي اقل الصدر لصدقة والا لدم.

وفي الشامية:(ثم ان بقي اقل الصدر):اى ان بقي عليه اقل اشواط الصدر......لمالو كان للصدر ستة وانتقل منها ثلاثة يبقى عليه أكثر الصدروهي لربعة فيلزمه لهادم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن عفا اللہ عنہ

۱۴۲۹/۳/۲۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۹

﴿نماز عصر ادا کرنے کے بعد طواف کے نوافل پڑھنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارا عمرہ کرنے کا ارادہ ہے اور اندازہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ جس وقت ہم پہنچیں گے تو عین عصر کی نماز کا وقت ہوگا، ہم جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں گے تو طواف کے بعد نماز اسی وقت ادا کر لیں یا مغرب کے بعد؟ اور وقت ہوتو سعی کریں یا نہ کریں؟

﴿جواب﴾ طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت نفل جہاں تک ہو سکے بلا تاخیر ادا کرنے کا حکم

ہے، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو، عصر کے بعد نوافل پڑھنا خواہ طواف کے ہوں مکروہ ہے۔

لہٰذا یہ نوافل آپ نماز مغرب کے فوراً بعد ادا کریں اور مغرب سے پہلے سعی کا موقع ملے تو سعی کرلیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، یہ تو اس صورت میں ہے اگر آپ کو جماعت ملتی ہے، جماعت نہ ملنے کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ طواف سے فارغ ہوکر دو رکعت نفل پڑھیں اور بعد میں عصر کی نماز ادا کریں بشرطیکہ عصر کا مکروہ وقت داخل نہ ہو چونکہ وہاں نماز جلدی ہو جاتی ہے کافی وقت ہوتا ہے۔

لہٰذا مکروہ وقت داخل ہونے سے پہلے تک فرض نماز پڑھنے کا موقع مل رہا ہے تو نماز مؤخر کردیں، جماعت تو ویسے بھی نکل چکی ہے اور اس کے بعد پھر سعی کریں، دوران سعی مغرب کا وقت ہوجائے تو نماز سے فارغ ہوکر سعی کے باقی ماندہ چکر پورے کرلیں۔

لما فی الشامی:(۲۷۵/۱،طبع سعید)

(قوله وركعتي الطواف) ظاهره ولوكان الطواف في ذلك الوقت المكروه ولم اره صريحا، ويدل عليه ماأخرجه الطحاوى فى شرح الآثار عن معاذ بن عفرآء أنه طاف بعدالعصرا وبعد صلاة الصبح ولم يصل فسئل عن ذلك فقال:نهىٰ رسول اللهﷺ عن صلاة بعدالصبح حتىٰ تطلع الشمس،وعن صلاة بعدالعصر حتىٰ تغرب الشمس ثم رايته مصرحا به في الحلية وشرح اللباب.

ولما فی الشامی:(۴۹۲/۲،طبع سعید)

(ثم أبتدأبالطواف)......وأفاداطلاقه أنه لا يكره الطواف في الأوقات التي تكره فيها الصلاة.كما صرح به في الفتح.قال الأ نه لا يصلي ركعتيه فيها بل يصبرالىٰ ان يدخل مالا كراهة فيه.

ولمافی الدرمع الرد:(۴۹۷/۲،طبع سعید)

ولو خرج منه اومن السعي الىٰ جنازة أو مكتوبةاو تجديد وضوء ثم عاد بنىٰ .وفي الشامية:بقي ما اذا حضرت الجنازةأوالمكتوبة في أثناء الشوط هل يتمه اولا ؟ لم أرمن صرح به عندنا وينبغي عدم الاتمام اذا خاف فوت الركعة مع الامام واذاعادللبناء هل يبني من محل انصرافه أويبتدئ الشوط من الحجر؟والظاهرالأول قياساً على من سبقه الحدث في الصلاة ثم رأيت بعضهم نقله عن صحيح البخاري عن عطاء ابن أبي رباح التابعيؒ وهو ظاهر قول الفتح بنى على ماكان طافه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۹۱

﴿مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد بغیر طواف کئے نکلنا مناسب نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ہم بغرض عمرہ مکہ مکرمہ میں عصر کی نماز کے وقت داخل ہوں اور نماز سے فارغ ہو کر طواف کیے بغیر اپنا سامان وغیرہ رکھنے کے لئے مکان پر چلے جائیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: عادل بشیر صاحب ڈیفنس

﴿جواب﴾ مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد بہتر یہ ہے کہ پہلے آپ اپنا سامان محفوظ کرلیں، اس کے بعد مسجد حرام میں داخل ہو کر افعال عمرہ میں مشغول ہو جائیں بغیر عذر کے طواف کیے بغیر مسجد سے نکلنا مناسب نہیں، البتہ اگر وقت ایسا ہے کہ جماعت کے نکلنے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں نماز سے فارغ ہو کر سامان محفوظ کرنے کے لیے نکلنے کی گنجائش ہے۔

لما فی الدر مع الرد والرد: (۲/۴۹۲ طبع سعید)

(واذا دخل مکۃ بدأ بالمسجد) الحرام بعدما یأمن علی امتعتہ ـــــ وفی الشامیۃ: قلت: لکن قولھم تحیۃ ھذا المسجد الطواف یفید انہ لو صلی ولم یطف لا یحصل التحیۃ الا ان یخص بترک الطواف بلا عذر فمع العذر تحصل التحیۃ بالصلاۃ ثم رأیت فی شرح اللباب ایضا ما یدل علی ذلک حیث قال فی موضع آخر ان تحیۃ ھذا المسجد بخصوصہ ھو الطواف الا اذا کان لہ مانع فیصلی تحیۃ المسجد ان لم یکن وقت کراھۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۲۲۹۲

﴿عورت دوران حیض مجبوری کیوجہ سے طواف کرسکتی ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے زمانے میں جبکہ حجاج کے آنے جانے ٹھہرنے کے ایام اور اوقات مقرر ہوتے ہیں کسی حاجی کو ویزے کے ایام اور اوقات کے بدلنے کا اختیار نہیں ہوتا۔

ان حالات میں حیض والی عورت کو اگر اپنے زمانہ طہر میں طواف زیارت کا موقع نہ ملے اور قانونا انتظار بھی ناممکن ہو، نیز اگلے سال دوبارہ آنا بغیر کسی گناہ کے منشاء شریعت کے خلاف ہے تو ایسی صورت میں وہ کیا کریگی؟ مستفتی: حبیب الرحمٰن شورکوٹی

﴿جواب﴾ حالت ناپاکی میں بیت اللہ کا طواف کرنا شرعا ناجائز ہے اسلئے حیض والی عورت

پر پاک ہونے تک انتظار کرنا ضروری ہے اور بصورت مجبوری ناپاکی کی حالت میں طواف زیارت کرنے کی گنجائش ہے، البتہ اس صورت میں دم (بدنہ) دینا واجب ہے نیز طواف سے پہلے غسل کرنا افضل ہے، مذکورہ عذر اور مجبوری کیوجہ سے امید ہے تنہگار نہ ہوگی، تاہم استغفار کرنا چاہیے، واضح رہے کہ دورِ حاضر میں ماہواری کو مؤخر کرنے کیلئے (دوا) استعمال کیجاتی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ اس دوا سے حیض کا خون کچھ عرصہ تک مؤخر ہو جاتا ہے، اس لئے مذکورہ بالا مشکل سے بچنے کیلئے اس دوا کا استعمال اہتمام سے کرنا چاہیے۔

لما فی فتاوی ابن تیمیة:(۶/۲۲۲-۲۲۲)

سئل عن امرءة حاضت قبل طواف الافاضة ولم يمكنها المقام بمكة هل تطوف او يلزمها دم؟(الی ان قال) وابوحنيفة يجعل الدم بدنة اذا كانت حائضا او جنبا فهذه التی لم يمكنها ان تطوف الا حائضا اولی بالعذر الخ(بحواله درس ترمذی لمفتی محمد تقی العثمانی:(۳/۲۱۸،طبع دار العلوم)

ولما فی الفقه الاسلامی:(۳/۲۲۲۲،طبع رشیدیه)

واذا اضطرت المرءة اضطرارا شديدا لمغادرة مكة قبل انتهاء مدة الحيض او النفاس ولم تكن قد طافت طواف الافاضة فتغتسل وتشد الحفاظ الموضوع فی اسفل البطن شدا محكما ثم تطوف بالبيت سبعا طواف الافاضة ثم تسعى بين الصفا والمروة سبعا وعليها ذبح بدنة(الی قوله) وذلك تقليدا للحنفية الذين يقولون بصحة الطواف حينئذ مع الحرمة ووجوب اهداء البدنة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروتی

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ   فتویٰ نمبر: ۸۵۱

﴿حج کے فرائض وواجبات وسنن کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج کے فرائض وواجبات وسنن کتنے ہیں اور ان میں کن کے چھوڑنے سے حج نہیں ہوتا اور کن کے چھوڑنے سے حج تو ہو جاتا ہے مگر اس میں نقصان لازم آتا ہے؟   مستفتی: محمد شفیق: شاہ فیصل کالونی ۴

﴿جواب﴾ حج کے فرائض تین ہیں: (۱) احرام باندھنا (۲) وقوف عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کے زوال کے بعد سے یوم النحر دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے ایک لحہ عرفات میں ٹھہرنا۔ (۳) اکثر طواف افاضہ کرنا یعنی طواف زیارت کے چار چکر لگانا، جن کتب میں حج کے

وہ فرائض مذکور ہیں انہوں نے احرام کو نہیں لیا اور اس کو شرائط میں شمار کیا ہے۔

لما فی مراقی الفلاح:(ص ۲۶۵ طبع قدیمی)

ثم الاتیان برکنیه وهما الوقوف محرما بعرفات لحظة من زوال یوم التاسع الی فجر یوم النحر بشرط عدم الجماع قبله محرما والرکن الثانی وهو اکثر طواف الافاضة فی وقته وهو مابعد طلوع فجر یوم النحر.

ولما فی التاتارخانیة:(۲/۴۳۱ طبع قدیمی)

وفی الکافی فرض الحج: الحرام والوقوف بعرفة وطواف الزیارة.

ولما فی التنویر مع الدر:(۲/۴۶۸ طبع امدادیه)

والحج (فرضه) ثلاثة (الاحرام) وهو شرط ابتداء وله حکم الرکن انتهاء حتی لم یجز لفائت الحج استدامته لیقضی به من قابل (والوقوف بعرفة) فی اوانه سمیت به لان آدم وحواء تعارفا فیها (و) معظم (طواف الزیارة) وهما رکنان.

حج کے واجبات پانچ ہیں: (۱) وقوف مزدلفہ (۲) رمی جمار (۳) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا (۴) حلق یا قصر کرنا (۵) طواف صدر کرنا، جن کتب میں اس سے زیادہ واجبات ہیں وہ اصل میں طواف کے واجبات ہیں اور طواف حج میں ہوتا ہے تو اس لحاظ سے وہ حج کے واجبات ہوگئے ورنہ اصل حج کے واجبات پانچ ہی ہیں۔

وواجبه الوقوف بمزدلفة ورمی الجمار والسعی بین الصفاء والمروة والحلق وطواف الصدر وغیرها سنن وآداب.(۲/۴۳۱ طبع قدیمی)

لما فی الهندیة:(۱/۲۱۹ طبع رشیدیه)

اما واجباته فخمسة السعی بین الصفاء والمروة والوقوف بمزدلفة ورمی الجمار، والحلق او التقصیر، وطواف الصدر، کذا فی شرح الطحاوی.

لما فی الشامی:(۲/۴۶۹ طبع امدادیه ملتان)

قلت: لکن واجبات الحج فی الحقیقة الخمسة الاول المذکورة فی المتن والذبح اما الباقی فهی واجبات له بواسطة لانها واجبات للطواف ونحوه.

حج کی سنتیں سات ہیں: (۱) اول طواف قدوم کرنا اور طواف قدوم میں یا طواف فرض میں رمل کرنا (۲) میلین اخضرین کے درمیان سعی کرنا (۳) ایام نحر کی رات منی میں گزارنا (۴) طلوع شمس کے بعد منی سے عرفہ جانا (۵) طلوع شمس سے پہلے مزدلفہ سے منی جانا (۶) مزدلفہ میں رات گزارنا (۷) رمی کے درمیان ترتیب کا خیال کرنا، جن کتب میں اس سے زیادہ سنتیں مذکور ہیں تو انہوں نے مستحبات کو سنن میں شمار کیا ہے کیونکہ ان پر بھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔

لما فی الهندية:(۲۱۹/۱،طبع رشیدیه کوئٹه)

اما سننه فطواف القدوم والرمل فيه او فی الطواف الفرض والسعي بين الميلين الأخضرين والبيتوتة بمنى فی ليالی ايام النحر والدفع من منى الى عرفة بعد طلوع الشمس ومن مزدلفة الى منى قبلها كذافی فتح القدير والبيتوتة بمزدلفة سنة والترتيب بين الجمار الثلاث سنة.

ولما فی الشامی:(۲۱۸/۱،طبع امدادیه ملتان)

الاول فلا فرق بين النفل وسنن الزوائد من حيث الحكم لانه لا يكره ترك كل منهما.

فرائض کے چھوڑنے سے حج ادا نہیں ہوگا اور واجبات میں سے کسی کے چھوڑنے سے اس کا بدل یعنی دم لازم آتا ہے اور سنن کے چھوڑنے سے حج تو ہوجاتا ہے مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

لما فی التاتار خانية:(۲۲۱/۲،طبع قدیمی)

ثم الركن لا يجزى عنه البدل ولا يتخلص عنه بالدم الا باتيان عينه والواجب يجزى عنه البدل اذا تركه ولو ترك السنن والآداب فلا شيء عليه وقد اساء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۵۵

﴿سر پر بال نہ ہونے کی صورت میں احرام سے حلال ہونے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی حج پر جا رہا ہے اور اسکے سر پر بال بالکل نہیں ہیں تو کیا اس شخص کیلئے بھی احرام سے حلال ہونے کیلئے حلق ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو اسکا کیا طریقہ ہوگا؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اس آدمی کو احرام سے حلال ہونے کیلئے اپنے سر پر صرف استرہ پھیرنا کافی ہے اور یہ پھیرنا اس پر واجب ہے۔

لما فی الهندية:(۲۵۵/۱،طبع قدیمی)

واذا جاء وقت الحلق ولم يكن على راسه شعر بأن حلق قبل ذلك أو بسبب آخر ذكر فی الأصل أنه يجرى الموسى على رأسه لانه لو كان على رأسه شعر كان المأخوذ عليه اجراء الموسى وازالة الشعر فما عجز عنه سقط وما لم يعجز عنه يلزمه ثم اختلف المشايخ فی اجراء الموسى أنه واجب أو مستحب والاصح أنه واجب هكذا فی المحيط.

ولما فی ارشاد الساری:(ص ۱۵۳ طبع دار الکتب العربی)

(ومن لا شعر له على رأسه يجرى الموسى) وهو آلة الحلق (على رأسه وجوبا هو المختار وقيل استحبابا) وقيل استدانا وهو الأظهر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۱

﴿حالت احرام میں تولیہ سے چہرہ پونچھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ حالت احرام میں خیموں میں جاتے اور آتے وقت چہروں سے کپڑے لگ جاتے ہیں بعض لوگ تولیہ سے چہرہ پونچھتے ہیں یا کپڑا گیلا کرکے چہرے پر پھیرتے ہیں تو اس صورت میں دم واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ ان تمام باتوں سے بچنا چاہیے، حالت احرام میں چہرہ اور سر سے کپڑا لگنا منع ہے، تاہم لمحہ دو لمحہ کے لیے لگنے کی صورت میں کوئی دم یا صدقہ واجب نہیں ہوتا۔

لما في البحر الرائق:(۸/۲ مطبع سعيد)

ولو دخل المحرم تحت ستر الكعبة فان كان يصيب وجهه ورأسه فهو مكروه لاشئ عليه.

ولما في بدائع الصنائع:(۱۸٦/۲ مطبع سعيد)

فان دخل تحت ستر الكعبة حتى غطاه فان كان الستر يصيب وجهه ورأسه يكره له ذلك لانه يشبه ستر وجهه ورأسه بثوب وان كان متجافيا فلا يكره لانه بمنزلة الدخول تحت ظله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی
۲۲ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ	فتویٰ نمبر: ۲۳۳۶

﴿ملازمت کیلئے مکہ مکرمہ جانے والے پر میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ملازمت کے سلسلے میں مکہ مکرمہ جا رہا ہوں، کیا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھ کر پھر عمرہ کرنا ضروری ہے جبکہ میں ملازمت کے لئے جا رہا ہوں نہ کہ حج یا عمرہ کرنے کیلئے؟ اور اگر مجھے کمپنی والے براہ راست اپنے دفتر وغیرہ میں طلب کریں جو کہ مکہ مکرمہ میں ہے تو میں عمرہ کا کیا کروں؟

﴿جواب﴾ جو شخص میقات کے باہر سے کسی بھی کام سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہو اسکو بغیر احرام کے میقات سے گزرنا جائز نہیں، ایسے شخص پر لازم ہے کہ میقات سے پہلے احرام باندھے اور پھر عمرہ کرکے احرام سے نکلنے کے بعد اپنی ضرورت ملازمت وغیرہ میں مصروف ہو، یہ مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف کی عظمت کا حق ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ "کوئی شخص میقات سے بغیر احرام کے نہ گزرے، کسی مسلمان کمپنی سے امید نہیں کہ وہ اس سے منع کرے گی۔

لما فی الھدایۃ:(۱/۲۵۳،طبع رحمانیہ)

ثم الأفاقی اذا انتھیٰ الیھا(ای الی المیقات) علی قصد دخول مكة علیه ان یحرم قصد الحج او العمرة او لم یقصد عندنا لقوله ﷺ لایجاوز احد المیقات الا محرما و لان وجوب الاحرام لتعظیم ھذہ البقعة الشریفة فیستوی فیه الحاج والمعتمر وغیرھما.

ولما فی التنویر مع الدر:(۲/۴۸۲،طبع امدادیہ)

(وحرم تاخیر الاحرام عنھا) کلھا(لمن) ای لآفاقی(قصد دخول مكة) یعنی الحرم (ولو لحاجة)غیر الحج.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:فیاض احمد

۱۴۳۰ھ فتوی نمبر:۱۸۷۱

﴿حالت احرام میں گھٹنے کے درد کیلئے پیڈ کا استعمال جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں میرے گھٹنے میں درد ہے ،درد کو ختم یا کم کرنے کیلئے کپڑے سے تیار شدہ گرم پیڈ استعمال ہوتا ہے اسکا حالت احرام میں استعمال جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی:شفیع اللہ

﴿جواب﴾ گھٹنے میں درد کی وجہ سے کپڑے سے تیار شدہ پیڈ پہننا پٹی باندھنے کے حکم میں ہے اس لئے حالت احرام میں پہننے کی گنجائش ہے۔

لما فی الشامی:(۲/۴۸۸،طبع:سعید کراچی)

وستر الوجه(قوله والراس)۔۔(قوله بخلاف المیت)۔۔(قوله وبقیة البدن)ای بالجر عطفا علی المیت ای وبخلاف ستر البدن سوی الراس والوجه فانه لاشیئ علیه لو عصبه ویکرہ ان کان بغیر عذر.

ولما فی الھندیہ:(۱/۲۲۴،طبع:رشیدیہ،کوئٹہ)

والحرام من لبس المخیط ھو اللبس المعتاد حتی لو اتزر بالقمیص والسراویل اووضع القباء علی کتفه وادخل منکبیه ولا یدخل یدیه لاباس به کذافی فتاوی قاضیخان.

ولما فی التاتارخانیہ:(۲/۴۷۰،طبع:قدیمی کراچی)

والحاصل ان المحرم ممنوع عن لبس المخیط علی الوجه المعتاد حتی لو اتزر بالسراویل او ارتدی بالقمیص او اتشح به بان ادخله تحت یده الیمنی والقاہ علی کتفه الیسری فلاباس به.

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد داؤد فاروقی تا کوی

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ فتوی نمبر:۴۰۳۲

﴿احرام سے پہلے یا بعد میں عطر لگانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ احرام باندھنے سے پہلے اور احرام باندھنے کے بعد عطر لگانے کا کیا حکم ہے؟ با حوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ احرام باندھنے سے قبل بدن پر تیل استعمال کرنا درست ہے، اسطرح ہر قسم کی خوشبو بھی بدن پر استعمال کرنا جائز ہے، تاہم کپڑوں پر خوشبو استعمال کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ وہ خوشبو ایسی نہ ہو کہ احرام کے بعد اس کا جسم باقی رہے، احرام کے بعد جن خوشبوؤں کی جسامت کپڑوں پر باقی رہتی ہو تو ایسی خوشبوؤں کا استعمال درست نہیں۔

لما فی الهندیة:(۱/۲۲۲ طبع رشیدیه)

واجمعوا علی انه یجوز التطیب قبل الاحرام بمالا یبقیٰ عینه بعد الاحرام وان بقیت رائحته وکذا التطیب بما یبقیٰ عینه بعد الاحرام کالمسک والغالیة عندنا لایکره فی الروایات الظاهرة کذافی فتاوی قاضیخان هو الصحیح هکذا فی المحیط ولا یجوز للتطیب فی الثوب بما یبقیٰ عینه علی قول الکل علی احدی الروایتین عنهما قالوا:وبه ناخذ کذافی بحر الرائق.هکذا فی قاضیخان:(۱/۲۸۵ طبع)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم:محمد عزیز چترالی عفا اللہ عنہ

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتوی نمبر:۳۷۵

﴿ایام تشریق میں عمرہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص ایام تشریق میں عمرہ کرے تو کیا اس کا عمرہ اداء ہو گا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

مستفتی:محمد صادق

﴿جواب﴾ پانچ دن کے علاوہ سال کے تمام ایام میں عمرہ جائز ہے، البتہ ان پانچ دنوں میں (یوم عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق) عمرہ کرنا مکروہ ہے، اگر کسی نے ایام تشریق میں عمرہ اداء کیا تو کراہت کے ساتھ اداء ہو جائیگا۔

لما فی فتاوی قاضی خان:(۱/۲۶۵ طبع قدیمی)

العمرة عندنا سنة ولیس بواجبة ووقتها السنة الا خمسة ایام تکره فیها العمرة لغیر القارن یوم عرفة ویوم النحر وایام التشریق

ولما فی کتاب الاختیار:(۱/۲۰۲ طبع قدیمی)

(وتکره یوم عرفة والنحر وایام التشریق)منقول عن عائشةؓ والظاهر انه سماع من النبی

ولان عليه في هذه الايام باقي افعال الحج ،فلو اشتغل بالعمرة ربما اشتغل عنها فتفوت ،ولو ادها فيها جاز مع الكراهة كصلاة التطوع في الاوقات الخمسة المكروهة

ولما في الهندية :(۱/ ۲۳۷،طبع:رشيديه)

العمرة عند نا سنة وليس بواجبة ووقتها السنة الا خمسة ايام تكره فيها العمرة لغير القارن يوم عرفة ،ويوم النحر ،وايام التشريق

ولما في الهداية: (۱/۳۱۵،طبع:رحمانيه)

والعمرة لا تفوت وهي جا ئزة في جميع السنة الا خمسة ايام يكره فيها وهي يوم عرفة، ويوم النحر وايام تشريق لما روى عن عائشة انها كانت تكره العمرة في هذه الايام الخمسة ولان هذه ايام الحج متعينة له ...... ولا ظهر من المذهب ما ذكر نا ه ولكن مع هذالو اداها في هذه الايام صح ويبقى محرما بها فيها لان الكراهة لغير وهو تعظيم امر الحج وتخليص وقته له فيصح الشروع

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۳رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:۳۳۰۳

﴿باب الحج عن الغیر﴾

﴿دوسرے کی طرف سے حج ادا کرنے کا بیان﴾

﴿حج بدل دو طرح کا ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا جدہ میں سکونت اختیار کرنے والا شخص پاکستان میں مقیم والدین کی طرف سے فریضہ حج بدل ادا کرسکتا ہے کہ نہیں؟ اور کیا حج بدل ہر شخص کرسکتا ہے یا صرف وہ شخص کرسکتا ہے کہ جس نے خود حج کیا ہو؟ اور حج بدل کس کی طرف سے کرانا ضروری ہوتا ہے؟ براہ کرم فقہ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مستفتی کو ممنون ومشکور فرمائیں۔ مستفتی: ابوعابد من مکہ

﴿جواب﴾ حج بدل دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ کسی پر حج فرض ہو لیکن بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے خود حج نہ کرسکے پھر وہ کسی دوسری کو حکم کرے کہ میری طرف سے حج اداء کرے یا وصیت کرے کہ مرنے کے بعد میری طرف سے کوئی حج اداء کرے اور اس کے انتقال کے بعد اتنا مال ترکہ میں چھوڑا ہو کہ کل مال کے ایک تہائی سے حج کے اخراجات پورے ہوسکتے ہوں حج

بدل کی یہی اصلی صورت ہے جسکے فقہاء نے تفصیلی احکامات بیان فرمائے ہیں یہ حج بدل ورثاء پر ضروری ہوتا ہے بشرطیکہ ترکہ کے ایک تہائی سے خرچے پورے ہوسکے اس طرح کا حج بدل مرحوم کی وطن سے کرنا ضروری ہوتا ہے جدہ سے نہیں ہوسکتا۔ اور حج بدل کی دوسری صورت یہ ہے کہ مرحوم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی ہو یا اسکی زندگی میں اس پر کوئی حج فرض نہیں تھا اور اولاد اسکی طرف سے حج اداء کرے یا کسی کو بھیجدے اور مرحوم کی طرف سے احرام باندھ کر تلبیہ پڑھے اور اسی کی نیابت میں تمام مناسک اداء کرے تو اس سے بھی مرحوم کا فرض حج اداء ہوجاتا ہے اس قسم کی حج بدل کیلئے وہ شرائط نہیں ہے جو پہلی قسم کیلئے ہیں ایسا حج بدل جدہ سے بھی ہوسکتا ہے اور ہر دونوں صورتوں میں ایسا شخص بھی کرسکتا ہے جس نے پہلے خود حج نہ کیا ہوتا ہم اولی یہ ہے کہ ایسا شخص حج بدل کرے کہ جس نے پہلے خود حج کیا ہو۔

لمافی الشامی:۵۸۹/۲(طبع سعید)

حج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط لكن بشرط دوام العجز الى الموت۔۔۔الخ

ولمافی الهنديه :۲۵۸/۲(رشيديه)

وان مات عن وصيته لايسقط الحج عنه واذاحج عنه يجوزعندنابإستجماع شرائط الجواز .

ولمافی الشامی:۶۰۰/۲(طبع سعيد)

ففي مناسك السروجي :لومات رجل بعد وجوب الحج ولم يوص به فحج رجل عنه أوحج عنه ابيه أوامه عن حجة الاسلام من غير وصية قال ابوحنيفة يجزيه انشاء الله ۔۔لانه ايصال الثواب فلايختص بأحد من قريب أوبعيد۔۔الحادى عشر:أن يحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث والافمن حيث يبلغ.

لمافی الدر المختار:۶۰۳/۲(طبع سعيد)فجاز حج الصرورة بمهملة من لم يحج.

ولمافي التنقيح الحامديه:ج ۱۲/۱(حقانيه)

يجوز لمن لم يحج عن نفسه أن يحج عن غيره لكنه خلاف الافضل ويسمى حج الصرورة من الصر وهو الشدة۔۔۔۔۔۔(سئل)في الحاج عن الغير هل الافضل في حقه أن يعود الى بلد آمره(الجواب)نعم على الاظهر ليكون أداء على طبق اداء لميت لو فرض اداؤه فان الغالب منه انه كان يعود الى بلده الفرض ،والمسئلة في مناسك القارى .

واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیزاروی

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفااللہ عنہ

فتوی نمبر:۳۰۹۸

۳۰ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿حج بدل کر لینے سے اپنے ذمہ سے حج کا فریضہ ساقط نہیں ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین درج ذیل مسائل کے متعلق کہ

(۱) ایک شخص سعودی عرب میں رہتا ہے وہ ایام حج میں والدین کی طرف سے نفلی حج کر لے جبکہ خود حج فرض ادا نہیں کیا ہے، کیا ایسی صورت میں اس کے حج کا فریضہ ادا ہو جائیگا؟

(۲) والدین میں سے کسی ایک پر حج فرض ہو گیا تھا لیکن وصیت کئے بغیر انتقال ہو گیا، اب بیٹا ایک ایسے شخص کو حج بدل کے لئے بھیجنا چاہتا ہے جس پر خود بھی حج فرض ہو چکا ہے اور ابھی تک اس نے ادا نہیں کیا ہے تو کیا ایسے شخص کو بھیجنا شرعاً درست ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ (۱) صورت مسئولہ کے مطابق ایام حج میں والدین کی طرف سے نفلی حج کر لینے سے خود اس کے ذمہ سے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۲۰۸-۲۰۹،طبع سعید)

(لو اهل بحج عن أبويه أو غيرهما)......(متبرعا فعين بعد ذلک جاز) لانه متبرع بالثواب فله جعله لاحدهما أولهما.

وفي الشامية:قال في الشرنبلالية قلت:وتعليل المسالة يفيد وقوع الحج عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه وان جعل ثوابه لغيره ويفيد ذلک لاحاديث التي رواها في الفتح......عن جابر انه عليه السلام قال من حج عن ابيه و أمه فقد قضى عنه حجته و كان له فضل عشر حجج.

ولمافي التحرير الرافعي:(ص۱۶۲،طبع سعيد)

(قول الشارح من حج عن أبويه فقد قضى عنه حجته) قال الشيخ الرحمتي هو على تقدير مضاف:أى عن احد أبويه لانه لو أحرم عنهما لم يجز واحدا منهما في سقوط الفرض لان الحجة الواحدة لا تجزىء عن اثنين والثواب الموعود مطلق سواء أحرم عن أبيه وأمه ، ويحتمل ان يعود الضمير الى من حج يعنى يسقط فرض الحاج ويحصل الثواب لمن عينه من أبويه وهذا بعيد.

(۲) حج فرض ہونے کے بعد ادائیگی میں بلا وجہ تاخیر نہیں ہونی چاہیے، زندگی میں ادا نہ کرسکا تو مرض الموت میں وصیت کرنا ضروری ہے بغیر وصیت کے اولاد کے ذمہ لازم نہیں ہوگا، تاہم کوئی وارث اپنی خوشی سے کسی کے ذریعے حج بدل کرانا چاہے تو بڑی سعادتمندی ہے ایسی صورت میں ایسے شخص سے حج بدل کرانا بہتر ہے جس نے خود حج کر لیا ہو اور جس کے ذمہ خود حج کا فریضہ

باقی ہو اس کا حج بدل کے لئے جانا مناسب نہیں ہے، تاہم ایسے شخص کے جانے کی صورت میں میت کی طرف سے حج کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔

لما فی التاتارخانیۃ:(۲/ ۲۰،مطبع قدیمی)

ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به لم يلزم الوارث أن يحج عنه وان احبّ أن يحج عنه حج وأرجوا أن يجزيه ان شاء الله تعالى.

ولما فيها ايضاً:(۲/ ۷۰،مطبع قديمى)

والافضل للانسان اذا أراد أن يحج رجلا عن نفسه فان الذى لم يحج عن حجة الاسلام عن نفسه۔۔۔يجوز عند نا وسقط الحج عن الآمر.

ولما فی الولوالجیۃ:(۱/ ۲۸۷،طبع فاروقیہ پشاور)

ومن حج عن رجل ميّت بغير أمره حجة الاسلام جاز عنه ان شاء الله تعالى لأن النبى صلى الله عليه وسلم قال للخثعمية "أرأيت لوكان على أبيك دين قضيته أما كان يقبل منك فالله أحق أن يقبل" فالنبى ﷺ شبّه الحج بقضاء الدين وجاز للوارث قضاء دين الميت بغير أمره فكذا يجوز الحج عنه وقوله : ان شاء الله تعالى على القبول لا على الجواز لانه شبهه بقضاء الدين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　　　فتوی نمبر: ۱۵۰۹

﴿میت کی طرف سے حج ادا کیا جائے تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائیگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے ذمہ دو تین سال سے حج فرض تھا، اس سال وہ ادائیگی فرض کیلئے گھر سے روانہ ہو گیا بیت اللہ پہنچ گیا مگر ایام حج سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا، اس صورت میں فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر زید اسی سال حج کیلئے جاتا جس سال اس کے ذمہ فرض ہوا تھا تو حج بدل کی وصیت نہ ہوتی لیکن یہ چونکہ بلا کسی شرعی عذر کے تاخیر سے حج کیلئے گیا اور حج کے ارکان ادا نہ کر سکا اس لئے اس کے ذمہ حج بدل کی وصیت واجب تھی، اب ان کے رشتہ داروں میں سے کوئی بھی اس کی طرف سے حج کرے تو انشاء اللہ فرض حج کے قائم مقام ہو جائے گا اور مرحوم بری الذمہ ہو جائیگا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/ ۶۰۲،طبع سعید)

(خرج) المكلف (الى الحج ومات فى الطريق واوصى بالحج عنه) انما تجب الوصية به اذا اخره بعد وجوبه اما لو حج من عامه فلا.

وفی الشامیة:قوله:وکان فی الطریق ارادبه موته قبل الوقوف بعرفة ولو کان بمکة بحر.

ولمافی الشامی:(۲/۲۰۰،طبع سعید)

ففی مناسک السروجی لو مات رجل بعد وجوب الحج ولم یوص به فحج رجل عنه او حج عن ابیه او امراته عن حجة الاسلام من غیروصیة قال ابو حنیفة یجزیه انشاء الله وبعد الوصیة یجزیه من غیر المشیة ثم اعاد فی شرح اللباب المسئلة فی محل آخر وقال فلو حج عنه الوارث اواجنبی یجزیه وتسقط عنه حجة الاسلام ان شاء الله تعالی لانه ایصال للثواب وهولا یختص باحد من قریب اوبعید علی ماصرح به الکرمانی والسروجی.

ولمافی الولوالجیة:(۱/۲۸۷،طبع فاروقیه پشاور)

ومن حج عن رجل میت بغیر امره حجة الاسلام جاز عنه انشاء الله تعالی لان النبی علیه الصلاة والسلام قال للخثعمیة: اراءیت لو کان علی ابیک دین قضیته اماکان یتقبل منک فالله احق ان یتقبل فالنبی ﷺ شبه الحج بقضاء الدین وجاز للوارث لانه شبهه بقضاء الدین. وکذافی اعلاء السنن:(۱۰/۵۰۲،طبع دارالکتب العلمیةبیروت)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفاالله عنه ۔ والله اعلم بالصواب:محمد حسن غفرالله له

۱۴جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ ۔ فتویٰ نمبر:۱۵۴۷

﴿بغیر وصیت کے حج بدل کرنے کی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ ہمارے والد مرحوم پر حج فرض تھا،نہ انھوں نے زندگی میں حج ادا کیا اور نہ حج بدل کے بارے میں کوئی وصیت کی اور وفات پاگئے،اب ہم ان کیطرف سے حج بدل ادا کرنا چاہتے ہیں تو یہ حج انکے فرض حج کا بدل ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ آپ کے والد نے جب حج کی وصیت نہیں کی تو آپ لوگوں پر ان کی طرف سے حج بدل ادا کرنا ضروری نہیں ہے اگر آپ لوگ تبرعاً ان کی طرف سے حج بدل ادا کرینگے تو اللہ کی رحمت سے امید کیجاتی ہے کہ مرحوم کا فرض حج ادا ہو جائے گا۔

لمافی الولواجیة:(۱/۲۸۷،طبع فاروقیه پشاور)

ومن حج عن رجل میت بغیر امره حجةالاسلام جازعنه ان شاء الله تعالی لان النبی ﷺ قال للخثعمیة،اریت لوکان علی ابیک دین فقضیته اماکان یتقبل منک فالله احق ان یتقبل ،فالنبی ﷺ شبه الحج بقضاء الدین ،وجاز للوارث قضاء دین المیت بغیر امره فکذایجوزالحج عنه وقوله ان شاء الله تعالی علی القبول لاعلی الجواز لانه شبهه بقضاء الدین.

ولما فی الشامی:(۶۰۲/۲،طبع سعید)

قید بالوصیۃ لانہ لوکان لم یوص فتبرع عنہ الوارث بالحج أوالاحجاج یصح کماقدمہ المصنف" ای یصح عن المیت عن حجۃ الاسلا م ان شاء اللہ تعالیٰ کماقدمناہ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:فرمان اللہ غفرلہ

۱۰رجب ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۰۷۰

﴿جسکی طرف سے حج کیا جارہا ہو مال اس کی طرف سے ہونا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بھائی سلیم اس سال اپنے دوست جہانزیب کی طرف سے حج بدل کیلئے جارہا ہے، جہانزیب فالج کا مریض ہے اور اس پر حج فرض ہے، اس لئے سلیم کو اپنی طرف سے حج بدل کیلئے بھیجنا چاہتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ سلیم اپنے مال سے حج بدل کرسکتا ہے یا جہانزیب کے مال سے حج ادا کرنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ اگر جہانزیب کا مرض دائمی ہے اور صحت یابی کی امید نہیں ہے تو سلیم کو اپنی طرف سے حج بدل کیلئے بھیج سکتا ہے لیکن حج بدل کیلئے ضروری ہے کہ اکثر یا کل مال جہانزیب کی طرف سے ہو اگر سلیم اپنے مال سے حج ادا کرنا چاہتا ہے تو اسکی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ پہلے اپنا مال جہانزیب کو ہبہ کردے پھر وہی مال جہانزیب حج کیلئے سلیم کو دیدے۔

لما فی الھندیۃ:(۲۸۳/۱،طبع قدیمی)

ولجواز النیابۃ فی الحج شرائط.منھاان یکون المحجوج عنہ عاجزاعن الاداء بنفسہ ولہ مال ومنھا استدامۃ العجزمن وقت الاحجاج الی وقت الموت.ومنھاالامربالحج فلایجوزحج الغیرعنہ بغیرامرہ ومنھانیۃ المحجوج عنہ ومنھاان یکون حج المامور بمال المحجوج عنہ فان تطوع الحاج عنہ بمال نفسہ لم یجزعنہ حتی یحج بمالہ.

ولمافی الدرالمختار:(۱۲/۲-۱۵،طبع امدادیہ)

(تقبل النیابۃ عندالعجزفقط)لکن(بشرط دوام العجزالی الموت ونیۃ الحج عنہ هذا اذاکان المرض یرجی زوالہ)...وبقی من الشرائط النفقۃ من مال الآمر کلھااواکثرھا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد حسین

۲۲جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۰۱۱

﴿حج بدل کرانے کے بعد عذر زائل ہوگیا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو آدمی ایسا بیمار ہوا کہ حج

پر جانے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور اس پر حج فرض ہے اس نے دوسرے آدمی سے حج بدل کرا لیا اب وہ آدمی صحت یاب ہو گیا اور اس کے پاس اتنا مال بھی ہے کہ وہ دوبارہ حج کر سکتا ہے تو کیا اس پر دوبارہ حج فرض ہے یا نہیں؟

مستفتی: نثار احمد پشاور

﴿جواب﴾ حج بدل کسی ایسی بیماری کی وجہ سے کرایا جس سے عموماً مریض صحت یاب ہو جاتے ہیں پھر واقعتاً وہ بیماری زائل ہو گئی اس صورت میں دوبارہ خود اس کو حج کرنا ضروری ہے اور اگر بیماری ایسی لاعلاج تھی جس سے عموماً مریض صحت یاب نہیں ہوتے لیکن اس مریض کو اللہ تعالیٰ نے شفاء دی تو ایسی صورت میں دوبارہ حج ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما فی الهندية: (۱/۲۸۴ طبع قديمی)

(ومنها) استدامة العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت هكذا فی البدائع حتی لو احج عن نفسه وهو مريض يكون مراعی فان مات اجزاه وان تعافی بطل وكذا لو احج عن نفسه وهو محبوس كذا فی التبيين.

ولما فی التنوير مع الدر: (۲/۵۹۸-۵۹۹ طبع سعيد)

(والمركبة منهما) كحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط لكن (بشرط دوام العجز الی الموت) لانه فرض العمر حتی تلزم الاعادة بزوال العذر هذا ای اشتراط دوام العجز الی الموت (اذا كان العجز كالحبس والمرض يرجی زواله) ای يمكن وان لم يكن كذلك كالعمی والزمانة سقط الفرض بحج الغير عنه فلا اعادة مطلقا سواء استمر به ذلك العذر ام لا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفی عنہ

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۶۷

﴿محرم کا خرچہ نہ ہو تو عورت پر حج بدل کروانا لازم نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کے پاس اتنا خرچہ ہے کہ جس سے وہ خود حج کر سکتی ہے لیکن محرم کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتی ہے تو کیا مذکورہ صورت میں اس عورت پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو کیا اپنی جگہ کسی محرم کو حج بدل کے لیے بھیجنا اس پر لازم ہے یا نہیں؟

مستفتی: محتاج محمد

﴿جواب﴾ عورت پر حج تب فرض ہو گا جب سفر کے لیے کوئی محرم ساتھ ہو، اس کے بغیر اس پر حج فرض نہیں ہے، لہٰذا جس عورت کے پاس اتنا مال ہے جس سے وہ صرف اپنا ذاتی

خرچہ برداشت کرسکتی ہے محرم کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتی یا محرم ساتھ جانے کو تیار نہیں تو اس پر حج فرض نہیں ہے اور اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیجنا بھی کوئی ضروری نہیں اور اگر محرم اتفاق سے اپنے خرچے پر حج کے لئے جا رہا ہے تو اس صورت میں بھی ایسی عورت پر حج فرض ہوگا، ضروری نہیں ہے کہ عورت ہی محرم کا خرچہ برداشت کرے، البتہ محرم ساتھ ہونا ضروری ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۴۶۲/۲، طبع امدادیہ)

(ومع زوج أومحرم) بالغ الی قوله مع وجوب النفقة لمحرمها عليها.

وفی الشامية:(قوله مع وجوب النفقة)أی فيشترط أن تكون قادرة على نفقتها ونفقته.

ولمافی الهندية:(۱۲۹/۱ طبع رشيديه)

وتجب عليها النفقة والراحلة في مالها للمحرم ليحج بها.

ولمافی الكفاية فی آخر فتح القدير:(۱۰۴/۲ طبع رشيديه)

ونفقة المحرم عليها لانها تتوصل به الى اداء الحج فصار كشراء الراحلة وفی فتاوی أبی حفص لايلزمها الحج حتى تجد محرما يحملها من ماله وهي من مالها وعن محمد اذا وجدت محرماً لاينفق من مالها لزمها الحج والافلا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۰۹۷

﴿عذر کی وجہ سے حج بدل کرانا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک عورت جنکی عمر تقریباً 70 سال کے لگ بھگ ہے چلنے پھرنے میں ٹھیک ہیں لیکن بڑھاپے کی وجہ سے نسیان کا مرض لاحق ہے کہ بات کو فوراً بھول جاتی ہیں مثلاً کوئی مہمان آئے تو بار بار مصافحہ کرتی ہیں یا اپنی دوائی اگر کوئی نہ دیکھ رہا ہو تو اس خیال سے کہ میں نے نہیں کھائی دوبارہ کھانے لگتی ہیں، ان پر حج فرض ہوا تھا جو ابھی تک ادا نہیں کیا، اب وہ بار بار حج کا ذکر کرتی رہتی ہے کہ ان کو حج کروایا جائے، نیز انکا کوئی محرم بھی نہیں جسکو وہ اپنے ساتھ حج پر لے جائیں اور اگر کوئی ہو بھی تو وہ اسکا خرچہ برداشت نہیں کرسکتی، کیا ہم انکی طرف سے کسی کو حج بدل کیلئے بھیج سکتے ہیں؟ کیا اس نسیان کے مرض کا اعتبار ہوگا جبکہ اگر وہ خود جائیں تو انکو اس مرض کی وجہ سے اپنی جگہ وغیرہ تلاش کرنے اور دوسرے افعال حج ادا کرنے میں کافی پریشانی ہوگی۔

﴿جواب﴾ مذکورہ خاتون کے پاس اگر کسی وقت اتنا مال آگیا تھا کہ جس سے اس پر حج

فرض ہو گیا تھا کہ وہ اپنا اور اپنے محرم کا خرچہ برداشت کر سکتی تھی مگر کسی وجہ سے حج ادا نہ کر سکی تو اب ایک تو محرم نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہے کہ خود حج پر نہیں جا سکتی یا کوئی محرم ہو تو اسکا خرچہ برداشت نہیں کر سکتی، دوسرے بڑھاپے کی وجہ سے جو نسیان کا مرض لاحق ہوا ہے اسکی وجہ سے بھی معذور شمار ہوگی، لہٰذا اسکا کسی کو اپنی طرف سے حج بدل کیلئے بھیجنا درست ہے۔

لمافی ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری:(ص۲۸۷،دار الکتب العلمیة)

(والمرض الذی لا یرجی زوالہ)أی کالزمن والفالج (وذهاب البصر)أی بأن صار أعمى (والعرج) بفتحتين (والهرم) بفتحتين:أی الکبر أی الذی لا يقدر على الاستمساك معه (وعدم المحرم) أی بالنسبة الى المرأة(وعدم امن الطريق)أی باعتبار الغلبة (كل ذلک اذا استمر الى الموت)الخ

الجواب صحیح:عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم:شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
فتویٰ نمبر:۳۰۴

﴿حج بدل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ وہ کون کون سے اعذار ہیں جنکی وجہ سے آدمی کسی دوسرے کو اپنی طرف سے حج بدل کیلئے بھیج سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اگر کسی شخص پر حج فرض ہو گیا اور اس نے ادائے حج کا زمانہ بھی پایا مگر باوجود قدرت کے کسی وجہ سے حج ادا نہ کیا پھر وہ حج سے معذور اور عاجز ہو گیا تو اس پر فرض ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر حج بدل کرائے یا وصیت کرے کہ میرے بعد میری طرف سے حج کرایا جائے، وہ اعذار جنکی وجہ سے آدمی کسی کو اپنی طرف سے حج بدل کیلئے بھیج سکتا ہے درج ذیل ہیں:

(۱) کسی نے اس کو قید کر لیا یا زبردستی مکہ معظمہ جانے سے روک دیا (۲) کوئی ایسا مرض پیش آگیا جس سے صحت کی امید نہیں مثلاً اپاہج یا نابینا یا لنگڑا ہو گیا یا بڑھاپے کا ضعف ایسا ہو گیا کہ خود سواری پر سوار نہیں ہو سکتا (۳) راستہ مامون نہیں رہا سفر کرنے میں جان و مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے (۴) چوتھی صورت خاص عورتوں کیلئے ہے کہ کوئی محرم ساتھ جانے کیلئے نہ ملا۔

ان سب صورتوں میں اسکو معذور سمجھا جائے گا بشرطیکہ یہ اعذار موت تک مسلسل جاری رہے ہوں اگر یہ اعذار قبل الموت رفع ہو جائیں مگر پھر زمانہ حج پانے کی صورت میں حج کرنے کی نوبت

نہ آئے تو حج بدل کرانا یا اس کی وصیت کرنا واجب ہے۔

لما فی ارشاد الساری الی مناسک الملا علی القاری:(ص۲۸۷،طبع دار الکتب العلمیة)

(ويتحقق العجز بالموت والحبس والمنع)اى وبحدوثهما بالاكراه (والمرض الذى لا يرجى زواله)أى كالزمن والفالج (وذهاب البصر) أى بان صار أعمى (والعرج) بفتحتين (والهرم) بفتحتين أى الكبير أى الذى لايقدر على الاستمساك معه (وعدم المحرم)أى بالنسبة الى المرأة (وعدم أمن الطريق)اى باعتبار الغلبة (كل ذلك اذا استمر الى الموت.الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم:شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ   فتویٰ نمبر:۳۰۵

﴿والدین کی طرف سے حج کرنے میں زیادہ ثواب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض حج ادا کرنے کے بعد اپنے لئے نفلی حج کرنا افضل ہے یا والدین کی طرف سے حج کرنا افضل ہے؟

﴿جواب﴾ فرض حج ادا کرنے کے بعد نفلی حج کی توفیق ہو تو والدین کی طرف سے ادا کرنا چاہیے،احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے والدین کے علاوہ خود حج کرنے والے کو بھی اس کا پورا ثواب ملیگا،بعض روایات میں ہے کہ اس طرح حج کرنے کا ثواب دس گنا بڑھ جاتا ہے،والدین کی ارواح کو اس کی باقاعدہ بشارت دی جاتی ہے کہ آپکی طرف سے آپکی اولاد نے حج ادا کیا ہے اور قیامت کے روز نیک لوگوں کیساتھ اس شخص کو اٹھایا جائیگا۔

لما فی فتح القدیر:(۷۸/۳،طبع رشیدیه)

واعلم أن فعل الولد ذلك مندوب اليه جدا لما أخرج الدارقطني عن ابن عباسؓ قال عليه الصلاة والسلام قال من حج عن أبويه أو قضىٰ عنهما مغرما بعث يوم القيامة مع الابرار وأخرج أيضا عن جابر أنه عليه الصلاة والسلام قال من حج عن أبيه وأمه فقد قضىٰ عنه حجته وكان له فضل عشر حجج وأخرج أيضا عن زيد بن أرقمؓ قال قال رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم اذا حج الرجل عن والديه تقبل منه و منهما واستبشرت أرواحهما وكتب عند الله برا.

ولما فی التنویر مع الدر:(۶۰۸/۲-۶۰۹-۶۱۰،طبع سعید)

بخلاف مالو أهل بحج عن أبويه او غيرهما من الأجانب(حال كونه متبرعا فعين

بعد ذلک) جاز لأنه متبرع بالثواب فله جعله لأحدهما أولهما. وفي الحديث "من حج عن أبويه فقد قضى عنه حجته، وكان له فضل عشر حجج، وبعث من الأبرار

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۱۹۳

﴿بیوی کا شوہر کی جانب سے حج کروانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میرے شوہر کا انتقال ہو گیا انکی جائیداد میرے پاس ہے ابھی تقسیم نہیں ہوئی، اب میں چاہتی ہوں کہ انکی جانب سے کسی کو حج کرواؤں کیونکہ نہ انہوں نے اپنی زندگی میں حج کیا اور نہ وصیت کی جبکہ ان پر حج فرض تھا انکو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور میرے دولڑکے ہیں ایک تو مال دار ہے دوسرا متوسط درجہ کا ہے، کیا دوسرے لڑکے کو ان کی جانب سے حج پر بھیج سکتی ہوں؟ جب کہ اس لڑکے نے خود بھی حج نہیں کیا۔

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں جائیداد پر ورثاء کا حق ہے انکی اجازت کے بغیر آپکو مشترکہ جائیداد میں تصرف کا حق نہیں لیکن اگر تمام ورثاء بالغ ہیں اور خوشی سے اجازت دیں تو پھر آپ شوہر کی جانب سے مشترکہ جائیداد میں سے بھی حج کرواسکتی ہیں یا پھر اس حصہ میں سے جو آپ کا ذاتی بنتا ہے کرواسکتی ہیں، شوہر کی طرف سے حج کروانے کی صورت میں بلاشبہ انکو ثواب ملیگا بلکہ انکا فرض حج ادا ہو جائیگا، آپ کے جس لڑکے پر حج فرض ہے اسکو بھیجنا جائز نہیں ہے لیکن جس پر حج فرض نہیں تو ایسے لڑکے کو بھیجنا جائز ہے اگرچہ اس نے خود حج نہیں کیا۔

البتہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کا انتخاب کریں جس نے اپنی طرف سے حج کیا ہو اور حج کے ارکان، سنن مستحبات کو جانتا ہو تاکہ وہ آپکے شوہر کی طرف سے صحیح حج ادا کر سکے اور ایسی صورت میں تینوں کو مکمل حج کا اجر و ثواب ملیگا یعنی آپکے شوہر کو اور خرچہ برداشت کرنے والوں کو اور حج کرنے والے کو بھی اور آپکے شوہر کے اجر و ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں آئیگی۔

لما في الشامي: (۵۹۵/۲، طبع سعيد)

(لغيره) أي سواء كانت صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك.

ولما فيها أيضا: (۶۰۳/۲، طبع سعيد)

(فجاز حج الصرورة) ... قال في البحر: والحق أنها تنزيهية على الآمر لقولهم والأفضل

(الخ) تحریمیة علی الصرورة المامور الذی اجتمعت فیه شروط الحج ولم یحج عن نفسه لانه اثم بالتاخیر.

لمافی ارشاد الساری:(ص ۲۸۶ طبع دار الکتب العلمیة)

اعلم ان الاصل فی هذا ان الانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره من الاموات والاحیاء حجا أو صلاة أو صوما أو صدقة أو غیرها کتلاوة القرآن و سائر الاذکار فاذا فعل شیأ من هذا و جعل ثوابه لغیره جاز بلا شبه ویصل الیه عند اهل السنة والجماعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۲۱

﴿کسی دوسرے آدمی کی طرف سے عمرہ کرنا کیسا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ کیا ایک آدمی دوسرے کی جانب سے عمرہ سکتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: محمد طیب کراچی

﴿جواب﴾ عمرہ اور نفلی حج اس طرح دیگر تمام نفلی عبادات باقاعدہ کسی دوسرے کی طرف سے ادا کرنا یا اپنی طرف سے ادا کر کے ان عبادات کا ثواب کسی کو دینا دونوں طرح جائز ہے۔

(لما فی رد المحتار ۲/۵۹۵ طبع سعید)

(قوله بعبادة ما)ای سواء کانت صلوة أو صوماً أو صدقة أو قراءة أو ذکراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غیر ذلک.

(ولما فی البحر الرائق ۳/۵۹)

لما کان الحج عن الغیر کالتبع أخره والاصل فیه ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذکراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غیر ذلک عند اصحابنا للکتاب والسنة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق ا کی

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر......

﴿متفرقات مسائل حج﴾

﴿نفلی حج اور صدقہ میں سے کونسا عمل افضل ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک عزیز کو اللہ رب العزت نے مال سے خوب نوازا ہے۔ وہ ہر سال عمرہ اور نفلی حج کیلئے جاتا ہے، میں نے

ان کو مشورہ دیا کہ ان کی برادری میں کافی بے روزگار اور پریشان حال لوگ ہیں بجائے نفلی حج وعمرہ کے ان کی مدد کرے تاکہ وہ برسر روزگار ہوں۔ اسی طرح علاقہ میں پانی کی بڑی قلت ہے، لہٰذا اس کار خیر کیلئے ٹیوب ویل وغیرہ کا انتظام کرے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ان کارہائے خیر اور نفلی حج وعمرہ میں افضل اور زیادہ باعث ثواب عمل کونسا ہے؟ برائے مہربانی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

مستفتی: نور محمد دکاندار عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ فرض حج کرنے کے بعد نفلی حج کے سلسلہ میں جتنی رقم خرچ ہوتی ہے، وہ پوری بجائے نفلی حج کے انتہائی غریب ومجبور نیک لوگوں خصوصاً قریبی رشتہ داروں، یتیم اور بیواؤں پر خرچ ہو تو اس کا اجر وثواب نسبتاً زیادہ ہے۔ البتہ حج میں ایک خاص ماحول ملتا ہے اور بسا اوقات بڑی مشقت پیش آتی ہے، مختلف لوگوں کے ساتھ اختلاف میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے تو اس مجاہدہ کے ساتھ روحانی ترقی ہوتی ہے، جس سے آئندہ کی زندگی میں پیش آنے والے حالات وکیفیات کا مقابلہ آسان ہوجاتا ہے اور اعمال میں بھی مدد ملتی ہے اس لئے ایسے لوگوں کیلئے حج میں زیادہ فائدہ ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے اجر وثواب بھی زیادہ ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ حج کرنے سے پہلے امام صاحب صدقہ کا ثواب زیادہ بتاتے تھے، لیکن جب خود حج کیا اور اس سلسلہ میں پیش آنے والی مشقتوں سے واسطہ پڑا تو حج کی افضلیت کا فتویٰ دیدیا۔

لما فی کتاب التجنیس والمزید: ۲/۲۶۴(طبع ادارۃ القرآن)

رجل حج مرۃ واراد ان یحج مرۃ اخری، فالحج افضل ام الصدقۃ؟ المختار ان الصدقۃ افضل، لان الصدقۃ اذا کان تطوعا یعود نفعها الی الغیر والحج لا یعود نفعه الی الغیر.

ولما فی ارشاد الساری: ۲۱۶(طبع دار الکتب العربی بیروت)

اذا حج عن فرضه فالصدقۃ افضل عن الحج ای علی ما هو المختار کما فی التجنیس والمزید ومنیۃ المفتی وغیرها ولعل تلک الصدقۃ محمولۃ علی اعطاء الفقیر الموصوف بغایۃ الفاقۃ او فی حالۃ المجاعۃ.

ولما فی الشامی: ۲/۶۲۱(طبع ایچ ایم سعید)

(قوله ورجح فی البزازیۃ افضلیۃ الحج) حیث قال الصدقۃ افضل من الحج تطوعا کذا روی عن الامام لکنه لما حج وعرف المشقۃ افتی بأن الحج افضل ومراده أنه لو حج

مثلاً وانفق الفا فالمتصدق بهذاالالف على المحاويج فهو افضل لا أن يكون صدقة فلس افضل من انفاق الف في سبيل الله.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد غفرلہ ولوالدیہ

۱۳ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۱۴

﴿بغیر احرام میقات سے تجاوز کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ پاکستان سے شوال کے مہینے میں کاروبار کی نیت سے طائف جارہا تھا، چونکہ بندہ کا جدہ سے براستہ مکہ ہوکر جانے کا ارادہ تھا، اور شروع سے دل میں یہ بات بھی تھی کہ حج وعمرہ اداء کرکے طائف چلا جاؤنگا، لیکن بندہ کا ویزا حج اور عمرہ کا نہیں تھا اس لئے بغیر احرام باندھے میقات سے تجاوز کرگیا پھر مکہ میں دو دن گذارنے کے بعد مسجد عائشہؓ سے احرام باندھ کر حج اور عمرہ ادا کیا، اب پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح کرنے سے بندہ کے ذمہ دم وغیرہ لازم ہے یا نہیں؟ مستفتی: فاروق خان

﴿جواب﴾ جو آفاقی شخص مکہ یا حدود حرم میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو خواہ حج یا عمرہ کی نیت ہو یا کسی اور غرض کی تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ میقات سے احرام باندھے، اور اگر بغیر احرام باندھے داخل ہو جائے تو دم لازم ہو جائیگا۔

صورت مذکورہ میں بھی چونکہ دخول مکہ کا ارادہ تھا اور بغیر احرام باندھے آگے چلا گیا تو اسپر لازم تھا کہ میقات کی طرف لوٹتے اور میقات سے احرام باندھ لیتے چونکہ اس نے میقات شرعی سے احرام نہیں باندھا، بلکہ مسجد عائشہؓ سے احرام باندھا ہے تو اب اسپر تجاوز میقات بغیر احرام کیوجہ سے دم واجب ہے۔

لما في بدائع الصنائع:(۱۶۴/۲ طبع سعید)

لو اراد مجاوزة هذه المواقيت لدخول مكه لا يجوز له ان يجاوزها الا محرما سواء اراد بدخول مكة النسك من الحج أو العمرة أو التجارة او حاجة اخرى عندنا،

ولما في التنوير مع الدر:(۴۷۷/۲ طبع سعید)

وحرم تاخير الا حرام عنها كلها لمن اى الآفاقي قصد دخول مكة يعني الحرم ولو لحاجة غير الحج ،اما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام فاذ حل به التحق باهله فله دخول مكة بلا احرام وهو الحيلة لمريد ذالك

ولما فی الشامی:(۲/۵۸۳،طبع سعید)

ثم التقیید بالخروج الی المیقات لاجل السقوط لا للاجزاء ،لان الواجب علیه بدخول مکۃ بلا احرام أمران الدم والنسک

ولما فی الھدایہ:(۱/۲۵۳،طبع:رحمانیه

ثم الآفاقی اذاانتھی الیھا علی قصد دخول مکۃ علیه ان یحرم قصد الحج او عمرۃ او لم یقصد عندنا لقوله علیه السلام لا یجاوز احد المیقات الا محرما ولأن وجوب الاحرام لتعظیم ھذہ البقعۃ الشریفۃ فیستوی فیه الحاج والمعتمر وغیرھما

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۳۰ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۲۸۴

﴿دوران حج تجارت کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص حج کرنے کیلئے مکہ مکرمہ جائے تو کیا وہاں حج کے دوران تجارت یعنی خرید وفروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حاجی کیلئے تجارت منع نہیں ہے،لیکن اس نیت سے جو حج کرنے جائیگا تو اس کو حج کا کما حقہ ثواب نہیں ملے گا،اگرچہ حج بلا کراہت ہو جائیگا۔

لما فی قوله تعالیٰ(سورۃ البقرۃ ایت ۱۹۸)

لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من ربکم فاذا افضتم من عرفت فاذکروا الله عند المشعر الحرام واذکروہ کما ھداکم وان کنتم من قبله لمن الضالین

ولما فی روح المعانی:(۲/۱۵۸،طبع:رشیدیه)

(لیس علیکم جناح)ای حرج فی (أن تبتغوا)ای تطلبوا(فضلا من ربکم)ای رزقا منه تعالیٰ بالربح بالتجارۃ فی مواسم الحج اخرج البخاری وغیرہ عن اب عباس رضی الله عنه قال کانت عکاظ ومجنۃ وذوالمجاز اسواقا فی الجاھلیة فتأثموا أن تجروا فی الموسم ،فسألوا رسول الله ﷺ عن ذلک فنزلت واستدل بھا علی اباحة التجارۃ وال جارۃ وسائر انواع المکاسب فی الحج وان ذلک لا یحبط آجراً ولا ینقص ثوابا،

ولما فی احکام القرآن الجصاص:(۱/۳۲۳،طبع:قدیمی)

قال الله عقیب ذکر الحج والتزود له (لیس علیھم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم)یعنی المخاطبین بأول الایۃ وعم المأمورون بالتزود للحج واباح لھم التجارۃ فیه .....فی مواسم الحج .

ولما فی صحیح البخاری:(۱/۲۳۸،طبع:قدیمی)

قال اب عباس کان ذوالمجاز وعکاظ تجر الناس فی الجاھلیة فلما جاء الاسلام کانھم

کر هوا ذلک حتى نزلت ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم في مواسم الحج

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۴ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿طواف میں رمل کرنا فقط پہلی تین چکروں میں سنت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں گذشتہ سال حج کرنے گیا طواف کرتے وقت پہلی چکر میں رمل کرنا بھول گیا پھر میں نے اس کے بعد والی تین چکروں میں رمل کیا تو کیا اس طرح کرنے سے سنت پر عمل ہو گیا یا نہیں؟ مستفتی: سید جمال شاہ

﴿جواب﴾ جس طواف کے بعد صفا و مروہ میں سعی کا حکم ہے تو اسے طواف کی پہلی تین چکروں میں مرد حضرات کیلئے رمل کا حکم ہے پہلی تین چکروں میں کوئی نہیں کرسکا تو بعد کی چکروں میں کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے لھذا آئندہ کیلئے خیال رکھئے۔

لمافي الشامي: (۴۹۸/۲ طبع سعيد)

(ورمل) أي مشى بسرعة مع تقارب الخطا وهز كتفيه (في الثلاث الاول) استنانا (فقط) فلو تركه أو نسيه ولو في الثلاثلم يرمل في الباقي (استنانا) ففي مسلم وابي داؤد والنسائي عن ابن عمرؓ قال (رمل رسول الله من الحجر الى الحجر ثلاثا ومشى أربعا)

ولما في البحر الرائق: (۳۲۹/۲ طبع سعيد)

(قوله ترمل في الثلاثة الاول فقط) بيان للسنة أي في الاشواط الثلاثة الاول دون غيرها.

ولما في بدائع الصنائع: (۱۴۷/۲ طبع: سعيد)

فيطوف بالبيت سبعة أشواط يرمل في الثلاثة الاول.

ولما في الشامي: (۴۹۸/۲ طبع: سعيد)

ولو مشى شوطا ثم تذكر لا يرمل الا في شوطين وان لم يذكر في الثلاثة لا يرمل بعد ذلك أي لان ترك الرمل في الاربعة سنة . فلو رمل فيها كان تاركا للسنتين وترك احدهما أسهل بحر 'ولو رمل في الكل لا يلزم شي والوالجيه وينبغي أن يكره تنزيها لمخالفة السنة بحر!

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوحاٹی

۲۴ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۳۷

﴿طواف کرنے میں خنثیٰ مشکل عورت کے حکم میں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خنثیٰ مشکل طواف میں رمل کرے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ طواف میں رمل کرنا مردوں کیلئے سنت ہے. عورتوں کیلئے طواف میں رمل کرنا سنت نہیں ہے. اور خنثیٰ مشکل طواف میں رمل کرنے میں عورتوں کے حکم میں ہے. (یعنی جو حکم عورتوں کا ہے وہی خنثیٰ مشکل کا بھی ہے)

لما فی تنویر الابصار: (۵۲۸/۲، طبع: سعید)

(ولا ترمل) ولا تضطبع (ولا تسعی بین المیلین ولا تحلق بل تقصر) (وتلبس المخیط) والخفین والحلی (ولاتقرب الحجر فی الزحام) لمنعها من مماسة الرجال (والخنثی المشکل کالمرأة فیماذکر)

ولما فی بحر الرائق: (۳۵۵/۲، طبع: سعید)

(المرأة کالرجل غیر انها تکشف وجهها لا رأسها وتلبی جهرا ولا ترمل ولا تسعی بین المیلین ولاتحلق رأسها ولکن تقصر رأسها (وتلبس المخیط) ولخنثی المشکل فی جمیع ماذکرنا کالمرأة احتیاطا

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہائی
۱۰ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ	فتویٰ نمبر: ۳۳۳۱

﴿روضہ اقدس ﷺ کی زیارت افضل مستحبات میں سے ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص حج یا عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ جائے تو کیا اُس پر روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ جانا لازم ہے؟ شرعاً اس کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد صادق

﴿جواب﴾ حج یا عمرہ کرنے والا جب حج اور عمرہ کے افعال سے فارغ ہو جائے تو ان کو چاہئے کہ وہ روضہ اقدس ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ چلا جائے اس لئے کہ روضہ اقدس ﷺ کی زیارت افضل مستحبات میں سے ہے، آپ ﷺ نے اسکی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔

لما فی حاشیة الطحطاوی: (ص:۷۴۵، طبع: قدیمی)

علی سبیل الاختصار تبعا لما قال فی الاختیار لما کانت زیارة النبی ﷺ من افضل

القرب واحسن المستحبات بل تقرب من درجة مالزم من الواجبات فانه ﷺ حرض علیها وبالغ فی الندب الیها فقال: من وجد سعة ولم یزرنی فقد جفانی اوقال ﷺ من زار قبری وجبت له شفاعتی وقال ﷺ من زارنی بعد مماتی فکأنما زارنی فی حیاتی۔

ولما فی کتاب الاختیار :(۲۲۶/۱)

ولما جری الرسم ان الحجاج اذا فرغوامن مناسکهم وقفلوا عن المسجد الحرام قصدوا المدینة زائرین قبر النبی ﷺ اذاهی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات ،فانه ﷺ حرض علیها وبالغ فی الندب الیها

ولما فی الهندیة :(۲۶۵/۱،طبع رشیدیه)

خاتمة فی زیارة قبر النبی ﷺ قال مشایخنا رحمهم الله تعالیٰ انها أفضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انها قریبة من الوجوب لمن له سعة والحج ان کا فرضا فالا حسن ان یبدأبه ثم یثنی بالذیارة وان کان نفلا کا ن بالخیار

ولما فی فتح القدیر (ج۳/ص۱۶۷ طبع رشیدیه)

المقصد الثالث :فی زیارة قبر النبی ﷺ قال مشایخنا رحم هم الله تعالیٰ :من افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار أنها قریبة من الوجوب لمن له سعة ـــ وأخرج الدار قطنی عنه علیه الصلاة والسلام من جاء نی زائر لا تعلمه حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان أکون له شفیعا یوم القیامة

ولمافی الدرمع الرد (ج۲/ص۶۲۶)سعید

وزیارة قبره مندوبة بل قیل واجبة لمن له سعة یبد أبالحج لو فرضا ،ویخیر لو نفلا ۔

فی الشامی تحت قوله:مندوبة ای باجماع المسلمین (قوله بل قیل واجبة)ـــ انها قریبة من الوجوب لمن له سعة.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب

۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿موبائل کے ذریعے روضہ رسول ﷺ پر سلام پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کے چند ماہ قبل بعض ساتھی عمرہ کر کے واپس آئے بندہ بھی ان کو ملنے چلا گیا، اسی دوران ایک ساتھی بتا رہا تھا کہ میں روضہ رسول پر حاضری دے رہا تھا کہ گاؤں سے ایک آدمی کا فون آ گیا تو میں نے اس کو کہا کہ میں روضہ رسول ﷺ پر حاضری دے رہا ہوں میں آواز اوپن کرتا ہوں آپ صلوۃ وسلام پڑھ لیں، اب پوچھنا یہ ہیکہ ایک آدمی پاکستان میں ہو اور دوسرا آدمی روضہ رسول ﷺ پر موبائل فون کے

آواز کو اوپن کرے اور یہ درود وسلام پڑھے تو کیا اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟ براہ کرم اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔
مستفتی: قاری سلیم اللہ خالد صاحب

﴿جواب﴾ روضہ اقدس پر خود حاضر ہو کر صلاۃ وسلام پیش کرنا یا کسی دوسرے کے ذریعے پیش کرنا تو بلاشبہ پسندیدہ اور ثابت عمل ہے، لیکن موبائل کے ذریعے سلام پیش کرنا اس عمل اور مقدس مقام کے احترام کا منافی عمل معلوم ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے حال پر رحم فرمائے اب تو ان مقدس مقامات کے حترام کی بھی پرواہ نہیں کرتے وہاں جا کر بھی تصویر کشی ہوتی ہے اور نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور جیبوں سے میوزک کی آوازیں آتی ہیں معلوم نہیں ان لوگوں کے عمرہ، حج اور زیارت روضہ اقدس باعث اجر وثواب ہوگا یا نقصان کا باعث؟

لما فی الهندیه:(۱/۲۶۵،طبع: رشیدیه)

فیتوجه الی قبره ﷺفیقف عند رأسه مستقبل القبلة ....ثم یقول السلام علیک یا نبی الله ورحمة الله وبرکاته اشهد انک رسول الله ....ولا یرفع صوته ولا یقتصد کذافی غایة السروجی ،ویبلغه سلام من اوصاه فیقول السلام علیک یا رسول الله من فلان بن فلان.........الخ

ولما فی فتح القدیر:(۲/۱۶۸،طبع: رشیدیه)

ثم یقول فی موقفه:السلام علیک یارسول الله ،السلام علیک یا خیر خلق الله ،اسلام علیک یا خیرة الله من جمیع خلقه........هذا ولیبلغ سلم من اوصاه بتبلیغ سلامه فیقول :السلام علیک یا رسول الله من فلان بن فلان او فلان بن فلان یسلم علیک یا رسول الله ،یروی عمر بن عبد العزیز علیه الرحمة کان یوصی بذلک ویرسل البرید من الشام الی المدینة الشریفة بذلک.

ولما فی مراقی الفلاح:(ص:۲۸۳ ،طبع:قدیمی کتب خانه)

ثم تنهض متوجها الی القبر الشریف فتقف بمقدار اربعة ازرع بعیدا عن المقصور الشریفه بغایة الادب......وتقول السلام علیک یاسیدی یا رسول الله السلام علیک یا نبی الله لسلام علیک یا حبیب الله السلام علیک یا نبی الرحمة ...... وتبلغه سلام من اوصاك به فتقول السلام علیک یارسول الله من فلان بن فلان یتشفع بک الی ربک فاشفع له.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان غفرلہ ولوالدیہ

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۷۱

﴿روضہ رسول کی زیارت کرنے والے کو سلام کا کہنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی حج کرنے جا رہا ہو تو دوسرا آدمی اس کو کہے کہ میرے سلام بھی حضور اکرم ﷺ کو پہنچانا، لیکن ایک غیر مقلد کہنے لگا کہ یہ طریقہ درست نہیں، اب پوچھنا یہ ہیکہ کیا یہ طریقہ حضور اقدس ﷺ کے روضہ اقدس پر سلام کسی غائب کے ذریعے پہچانا جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد اسحاق ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ روضہ اقدس کی حاضری کے موقع پر آپ ﷺ کی خدمت میں اپنا یا کسی دوسرے کیطرف سے سلام پیش کرنا بلاشبہ جائز اور پسندیدہ عمل ہے سلف وصالحین کا معمول رہا ہے، اور ثبوت کے لئے سلام پیش کرنے سے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہی کافی ہیں، سلام پیش کرنا اپنی طرف سے ہو یا کسی اور کی طرف سے اسمیں فرق کرنا محتاج دلیل ہے، لھذا غیر مقلدین کے پاس اگر کوئی صحیح حدیث ایسی ہے تو وہ حوالہ دے دیں تا کہ ہمارے علم میں بھی اضافہ ہو۔

دراصل جو لوگ آپ ﷺ کی قبر اطہر میں حیات کے قائل نہیں ہیں وہی لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

لما فی فتح القدیر:(۱۷۰/۳،طبع: رشیدیه)

هذا وليبلغ سلام من اوصاه بتبليغ سلامه فيقول:السلام عليک يا رسول الله من فلان بن فلان أو فلان بن فلان يسلم عليک يا رسول الله ،يروى ان عمر بن عبد العزيز رحمه الله تعالى كان يوصى بذلک ويرسل البريد من الشام الى المدينة الشريفة بذلک......الخ

ولما فی الهندیه:(۲۶۵/۱ طبع: رشیدیه)

ويبلغه سلام من اوصاه فيقول:السلام عليک يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بک الى ربک فاشفع له ولجميع المسلمين.........الخ

ولما فی مراقی الفلاح:(ص:۲۷۳،طبع: قدیمی کتب خانه)

وتبلغه من اوصاك به فتقول السلام عليک يا رسول الله من فلان بن فلان يتشفع بک الى ربک فاشفع له وللمسلمين ثم تصلى عليه.......الخ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان غفرلہ ولوالدیہ

۴ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

فتویٰ نمبر: ۳۳۶۹

﴿نفلی حج کے لئے والدین کی اجازت ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نفلی حج ادا کرنے کے لیے جانا چاہتا ہے لیکن اس کے والدین بوڑھے ہیں وہ اجازت نہیں دیتے تو کیا والدین کے اجازت کے بغیر نفلی حج کے لیے جانا درست ہے؟ مستفتی: محمد عادل پشاور

﴿جواب﴾ فرض حج کے لیے والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے لیکن نفلی حج کے لیے والدین کی اجازت ضروری ہے بغیر اجازت کے جانا کراہت سے خالی نہیں ہے، نفلی حج ادا کرنے کی فضیلت وثواب اپنی جگہ لیکن ہماری شریعت نے والدین کی اطاعت وفرمانبداری پر بہت زور دیا ہے لہذا نفلی حج ادا کرنے کے لیے والدین کی اجازت ضروری ہے۔

لما فی الهندیه: (۲۲۰/۱، کتاب المناسک ،الباب الاول فی تفسیر الحج)

ویکره الخروج الی الحج اذا کره احد ابویه ان کان الوالد محتاجاً الی خدمة الولد ،وان کان مستغنیاً عن خدمته فلا بأس ـوفی الملتقط حج الفرض اولی من طاعة الوالدین وطاعتهما اولی من حج النفل.

ولما فی بحر الرائق: (۳۰۸/۲، کتاب الحج طبع سعید)

اذا اراد الابن ان یخرج الی الحج وابوه کاره لذلک ان کان الاب مستغنیاً عن خدمته فلا بأس به وان کان محتاجا یکره .. وهذا کله فی حج الفرض اما فی حج النفل فطاعة الوالدین اولی مطلقاً.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۷۲

﴿بغیر عذر کے سواری پر سعی کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص حج کے ایام میں صفا ومروہ کے درمیان بغیر عذر شرعی کے سواری (وہیل چیئر) پر سعی کرے تو اس کی حج کی سعی ہوگئی یا نہیں؟ اور صفاء ومروہ کے درمیان سعی واجب ہے یا فرض؟ مستفتی: بشیر احمد چارسدہ

﴿جواب﴾ حج اور عمرہ کی سعی پیدل کرنا واجب ہے لہذا سعی یا سعی کے اکثر چکر بلا عذر چھوڑ دیے یا بلا عذر سوار ہوکر کیے تو حج ہو گیا لیکن دم واجب ہوگا اور سعی کو پیدل لوٹانے سے دم ساقط ہو جائے گا اور اگر سعی عذر کی وجہ سے سوار ہوکر کی تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

لما في الهنديه (۱/۲۴۷ رشيديه)
و من ترك السعي بين الصفا والمروة فعليه الدم و حجه تام ..... ولو طاف راكبا أو محمولاأو سعى بين الصفا والمروة راكبا او محمولا ان كان ذالك من عذر يجوز ولا يلزمه شئ وان كان من غير عذر فما دام بمكة فانه يعيد واذا رجع الى اهله فانه يريق لذالك دما عندنا كذا في المحيط.

ولما في الهنديه (ج ا ص۲۴۷طبع رشيديه)
العمرة عندنا سنة ..... و اما ركنها فالطواف و اما واجباتها فالسعي بين الصفا و المروة و الحلق أو التقصير كذا في ال

ولما في بدائع الصنائع (۱/۱۳۴ طبع: سعيد)
ان كان قادراً على المشي بنفسه فحمل أو ركب يلزم . لأن السعي بنفسه عند القدرة على المشي واجب فاذا تركه فقد ترك الواجب من غير عذر فيلزم الدم كذا في البحر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد عمران چارسدہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۹۲

﴿ہوائی جہاز میں عورت بغیر محرم کے حج کے لئے چند گھنٹوں کا سفر کرسکتی ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی پاکستان میں ہے اور میں مکہ مکرمہ میں ہوں تو کیا میری بیوی ہوائی جہاز میں پاکستانی ایئرپورٹ سے سعودیہ ایئرپورٹ تک بغیر محرم کے حج کے لئے آسکتی ہے؟ نیز ہماری اتنی وسعت نہیں کہ ان کے بھائی یا کسی اور محرم کو بھی کو حج کے لئے بلائیں جبکہ ہوائی جہاز میں چند گھنٹے لگتے ہیں؟

﴿جواب﴾ پاکستانی ایئرپورٹ سے سعودیہ ایئرپورٹ تک اگر چہ دورانِ سفر چند گھنٹے لگتے ہیں لیکن بلاشبہ سفرِ شرعی ہے اور آپ علیہ السلام نے بغیر محرم کے کسی عورت کا سفر کرنا حرام قرار دیا ہے، آپ کی بیوی پر مذکورہ صورت میں حج فرض نہیں ہے، لہٰذا جب وسعت ہو تو بیوی کو حج کرائے، بغیر محرم کے آپ کی اجازت سے اگر اس نے سفر کیا تو حج اگر چہ ادا ہو جائیگا لیکن بغیر محرم کے سفر کرنے کا گناہ آپ دونوں کو ضرور ہوگا۔

لما في الشامي: (۲/۴۶۲ مطلب في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع، سعيد)
(قوله في سفر) ثلاثة أيام ولياليها فيباح لها الخروج الى مادونه لحاجة بغير محرم، بحر، وروى عن أبي حنيفة وأبي يوسف كراهة خروجها وحدها مسيرة يوم واحد، وينبغي أن

يكون الفتوى عليه لفساد الزمان شرح اللباب ويؤيده حديث الصحيحين "لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الأخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة الا مع ذى محرم عليها"......
لكن قال فى الفتح :ثم اذا كان المذهب الأول فليس للزوج منعها اذا كان بينها وبين مكة أقل من ثلاثة أيام.

ولمافى الهندية:(۱/ ۲۱۸-۲۱۹،كتاب المناسك،طبع رشيديه كوئٹه)

(ومنها المحرم للمرأة) شابة كانت أوعجوزاً اذاكانت بينهما وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام.

ولمافى مختصر القدورى:(ص ۷۳،كتاب الحج،طبع قديمى كراچى)

ويعتبر فى حق المرأة أن يكون لها محرم يحج بها أو زوج ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما اذا كان بينها وبين مكة مسيرة ثلثة أيام فصاعداً.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۰۳۱

﴿دوران حج خاوند مرجائے تو بیوی کیلئے شریعت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ میاں بیوی فریضہ حج ادا کرنے کیلئے مکہ مکرمہ گئے تو اس دوران عورت کا خاوند فوت ہوگیا تو کیا یہ عورت اکیلے حج مکمل کرلے۔ یا واپس آجائے؟

﴿جواب﴾ میاں بیوی فریضہ حج ادا کرنے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اس کے بعد خاوند کا انتقال ہوگیا۔ تو اس صورت میں دیگر خواتین کی رفاقت میں یہ خاتون حج کے ارکان مکمل کرلے مردوں سے پردے کا اہتمام کرتے ہوئے اور جتنا ممکن ہو دور رہے ارکان حج سے فارغ ہوتے ہی گھر واپس ہو اور محرم کو بلانا ممکن ہو تو اس کو بلالینا ضروری ہے تاکہ بغیر محرم کے سفر کرنے کی نوبت نہ آئے۔علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے العرف الشذی میں لکھا ہے:

لمافى جامع الترمذى:(۱/ ۱۳۶،باب كراهية ان تسافر المرأة وحدها طبع فاروقى ملتان)

ومذهب ابى حنيفةؒ ان سفر الحج ان كان ثلاثة ايام فلا تسافر الا ومعها محرما واذا كان اقل من ثلاثة ايام فيجوز لها السفر.وقال العلامةؒ ايضاً:والمحقق فيها ان يدار الامر على الفتنه وعدمها ويحول الامر الى رأى من ابتلى به ولا يكون فيه تحديد الايام وهذا ما تحقق لى من المذهب وان كان لم يصرح به احد.

ولمافى بدائع الصنائع:(۲/ ۱۲۴،طبع سعيد)

وان كانت بائنا او كانت معتدة عن وفاة فان كان الى منزلها اقل من مدة سفر والى مكة مدة سفر فانها تعود الى منزلها لانه ليس فيه انشأ سفر فصار كانها فى بلدها وان

کان الی مکة اقل من مدة سفر والی منزلها مدة سفر مضت الی مکة لانها لاتحتاج الی المحرم فی اقل من مدة السفر.

والله اعلم بالصواب: اسلام بادشاہ بھیٹنی
الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر: ۳۳۲
۱۷ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿حاجی کیلئے آبِ زمزم ساتھ لے جانا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ حاجی جو اپنے ساتھ اپنے علاقوں میں آب زمزم لے جاتے ہیں، کیا یہ لے جانا درست ہے؟ بینوا تو جروا۔

﴿جواب﴾ حاجیوں کا اپنے ساتھ اپنے علاقوں میں آب زمزم لے جانا مستحب عمل ہے۔

لمافی ردالمحتار: (۶۲۵/۲، طبع سعید)

ویستحب حمله الی البلاد، فقد روی الترمذی عن عائشة رضی الله عنها" أنها كانت تحمله و تخبر أن رسول اللهﷺ كان يحمله "وفی غیر الترمذی "أنه كان يحمله و كان يصبه على المرضى ويسقيهم وأنه حنك به الحسن والحسين رضى الله عنهما.

والله اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر: ۴۲۰
۱۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿عورت ایک سفر میں ایک ہی عمرہ کرے تا کہ زیادہ بال کاٹنے کی نوبت نہ آئے﴾

﴿سوال﴾ میری خالہ عمرہ کیلئے گئیں اور وہاں جا کر بارہ عمرے کیے، واپس آئیں تو ان کے بال گردن تک رہ گئے تھے، میں نے پوچھا کہ خالہ آپ نے بال کیوں کاٹے؟ تو نہوں نے کہا میں ہر دفعہ جب عمرہ کرتی تھی تو ایک پورے جتنے بال کاٹتی اور اب اتنے رہ گئے، پوچھنا یہ ہے کہ شرعی لحاظ سے میری خالہ کا ہر دفعہ بال کٹوانا درست ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو کیا ہم بھی اسی طرح کریں؟

﴿جواب﴾ بال عورت کیلئے زینت ہیں اور حدیث میں عورت کیلئے بال کٹانے کی ممانعت بھی آئی ہے، اس لئے حج اور عمرہ میں عورت کیلئے صرف تقصیر بقدر انملہ یعنی پورے کے بقدر بال کاٹنے کا حکم ہے لیکن ایک موقع پر کئی عمرے ادا کرنا اور بار بار بال کاٹنا شریعت میں اسکی کوئی مثال نہیں ملتی اور نہ اسکی گنجائش معلوم ہو رہی ہے کیونکہ ایک عورت اگر بار بار عمرہ کریگی تو ہر مرتبہ وہ اپنے بال کاٹے گی، اس سے حلق کی نوبت آجائیگی جبکہ حلق کو عورت کے حق میں مثلہ قرار دیا

ہے، دوسری بات یہ ہے کہ طواف کرنا عمرہ کرنے سے افضل ہے، اس لئے آپ کی خالہ کو بھی ایک عمرہ کرنے کے بعد طواف میں مشغول رہنا چاہیے تھا، آپ کو بھی چاہیے کہ جب عمرہ کیلئے جائیں تو ایک دفعہ عمرہ کرنے کے بعد کثرت سے طواف کریں تاکہ یہ فساد لازم نہ آئے۔

لمافی بدائع الصنائع :(۲/۱۴۱،طبع سعید)

ولاحلق على المراة لماروى عن ابن عباس عن النبى ﷺ انه قال ليس على النساء حلق وانماعليهن تقصيروروت عائشة ان النبى ﷺ انه نهى المراة ان تحلق راسهاولان الحلق فى النساء مثلة ولهذالم تفعله واحدة من نساء رسول الله ﷺ ولكنها تقصر فتاخذمن اطراف شعرهاقدرانملة......لان الله تعالى زين الرجال باللحى والنساء بالذوانب على ماروى فى الحديث ان لله تعالى ملائكة تسبيحهم سبحان من زين الرجال باللحى والنساء بالذوائب.

ولمافى منحة الخالق على بحرالرائق:(۲/۳۳۵،طبع سعيد)

هل اكثارالطواف افضل ام اكثارالاعتماروالاظهرتفضيل الطواف لكونه مقصودا بالذات ولمشروعية فى جميع الحالات ولكراهة بعض العلماء اكثارهافى سنته ...... وعن القاضى العلامة ابراهيم بن ظهيره ان الارجح تفضيل الطواف على العمرة اذاشغل مقدارزمن العمرةالخ.

ولمافى ارشادالسارى:(ص۱۲۳ طبع بيروت لبنان)

بقى الكلام فى ان اكثارالطواف افضل ام اكثارالاعتمار؟والاظهرتفضيل الطواف لكونه مقصودابالذات ولمشرعية فى جميع الحالات ولكراهة بعض العلماء اكثارهافى سنة مع ان بعض الفقهاء قالواالعمرة مختصة بالافاقى الخ.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :محمد حسین

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۷۴۹

﴿ایک عمرہ میں حلق کے بعد دوبارہ احرام سے نکلنے کیلئے استرہ پھرانا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرہ کرنے کے بعد استرے سے سر منڈوایا، اس کے بعد جب دوسرا عمرہ کیا تو چونکہ اس کا سر پہلے سے استرے سے مونڈھا ہوا تھا تو اب کیا کرے؟ سر پر استرا پھیر لے یا پھر ویسے ہی چھوڑ دے۔

﴿جواب﴾ جب ایک عمرہ ادا کرنے کے بعد حلق کروالیا یعنی سر منڈوالیا تو دوسرے اور تیسرے عمرے کی ادائیگی کے بعد سر پر صرف استرہ پھیرنا ضروری ہے، اسی کو فقہاء کرام نے حلق

کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

لما فی التاتارخانیۃ:(۲/۲۰۵،طبع قدیمی)

واذا جاء وقت الحلق ولم یکن علی راسه شعر بان کان حلق قبل ذلک او بسبب آخر ذکر فی (الاصل) انه یجری الموسیٰ علی راسه. وکذافی الهندیة:(۱/۲۳۱،طبع رشیدیه)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد ضیاء الدین

۶ رجب ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر:۱۰۵۰

﴿حرمین شریفین میں عورت کی نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ دوران حج خواتین وحضرات کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے، ناواقفیت کی بناپر حرم مکہ میں اگر خواتین کو خواتین کی مخصوص جگہوں پر نماز ادا کرنے میں دقت پیش آتی ہو یا دیر ہو جانے کی بناپر راستوں میں نماز ادا کی گئی ہو اور چند خواتین کے آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں مرد ہوں تو کیا ان کی نماز ہو جائے گی یا یہ نماز لوٹانی پڑے گی؟ ام شعیب دہلی کالونی کراچی

﴿جواب﴾ احناف کا مذہب یہ ہے کہ عورت اگر مردوں کی صف میں مردوں کے محاذاۃ کھڑی ہو جائے اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو تو پھر ان مردوں کی نماز فاسد ہو جائے گی جن کے محاذاۃ میں ایک یا زیادہ عورتیں کھڑی ہوں اور اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہ کی ہو تو پھر عورتوں کی نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حرمین شریفین کے ائمہ حضرات عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے اس لئے جو عورتیں حرمین شریفین کے اندر مردوں کے محاذاۃ میں کھڑی ہو جاتی ہیں، ان کی نماز نہیں ہوتی اس لئے ان کے لئے نماز کا لوٹانا ضروری ہے مردوں کے لئے لوٹانے کا حکم نہیں ہے۔

لما فی حلبی کبیر:(ص ۵۲۲،طبع سهیل اکیڈمی)

(العاشر) ان ینوی الامام امامة النساء هکذا قالوا ولاشک ان هذاداخل فی اشتراط الشرکة فانه اذالم ینوامامة النساء لایصح اقتداؤها به فلم توجد الشرکة وذلک لان نیة امامة النساء شرط فی صحة اقتدائهن عندنا۔۔۔۔وفی روایة انما تشترط نیة امامتهااذا اقتدت محاذیة لرجل فان اقتدت غیر محاذیة له یصح اقتداؤها.

ولما فی الشامی:(۲/۲۱۲-۲۰۰،طبع امدادیه)

(واذا حاذته) ولوبعضو واحد......(ان نوی)الامام وقت شروعه لابعده(امامتها).....(والا)

ینوها(فسدت صلاتها)(قوله: فسدت صلاتها)...... وظاهر عود الضمیر فی صلاتها علی المرئة المحاذیة:ای الامام ارلمقتدانها لواقتدت غیر محاذیة لاحد صح اقتداؤها وان لم ینوها ...... وذکر فی النهایة هنا ان هذا قول ابی حنیفة الاول.وظاهره ان قوله الاخیر اشتراط النیة مطلقا والعمل علی المتاخر کما لایخفی،ولهذا اطلق فی متن المختار قوله ولا تدخل المراة فی صلاة الرجال الاان ینویها الامام ومثله فی متن المجمع.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:خضر حیات کمالوی

۱۵ رجب ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۱۰۸۲

﴿تلبیۂ حج میں کمی کرنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج کے دوران جو پڑھا جاتا ہے "لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک الخ" اس میں کمی زیادتی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اس مرتبہ میرا حج کرنے کا ارادہ ہے اور میرے ایک ساتھی کا کہنا ہے کہ اس میں کمی زیادتی کرسکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ حج کے دوران جو تلبیہ پڑھا جاتا ہے اس میں کمی نہیں کرسکتے کیونکہ اس میں کمی کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ زیادتی کرسکتے ہے کیونکہ زیادتی مستحب ہے۔

لمافی الهندیة:(۱/۲۲۳،طبع رشیدیه)

قال الکرخیؒ یاتی بها ولا ینتقص منها کذافی المحیط وان زاد علیها فهو حسن بان یقول لبیک اله الخلق لبیک غفار الذنوب لبیک وسعدیک والخیر کله بیدیک والرغباء الیک کذافی محیط السرخسیؒ واما النقص فمکروه اتفاقا کذافی البحر.

ولمافی التنویر مع الدر:(۲/۴۸۳،طبع سعید)

(ولاتنقص) منها فانه مکروه ای تحریما لقولهم انها مرة شرط والزیادة سنة ویکون مسیئاً بترکها وبترک رفع الصوت بها.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:اسرار عزیز عفی عنہ

۳ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۹۴۱

﴿مغرب کی نماز مزدلفہ میں پڑھنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ عرفات سے مزدلفہ جاتے وقت مغرب کی نماز راستہ

میں پڑھی، اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ نماز صحیح ہے یا مزدلفہ میں دوبارہ پڑھنا لازم ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں مزدلفہ پہنچنے کے بعد مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، حجاج کیلئے اس رات مغرب وعشاء کی نماز کیلئے وقت اور مکان شارع علیہ السلام نے متعین فرمادیا ہے یعنی عشاء کے وقت مقام مزدلفہ میں دونوں نمازوں کو ایک ساتھ ادا کرنا ضروری ہے، لہذا مغرب کے وقت میں پڑھنا ایسا ہے گویا وقت سے پہلے پڑھ لی۔

لمافی صحیح البخاری :(۱/۲۲۶،طبع قدیمی)

عن أسامة بن زيد أن النبي ﷺ حيث أفاض من عرفة مال الى الشعب فقضى حاجته فتوضأ فقلت يارسول الله تصلي قال الصلوة أمامك.

وفي حاشيته: الصلوة في هذه الليلة مشروعة في مابين يديك اى في المزدلفة..... الخ.
وفي سنن أبي داؤد:(۱/۲۸۱،طبع رحمانيه)

ولما في التنوير مع الدر:(۲/۵۰۹،طبع سعيد)

(ولو صلى المغرب) والعشاء (في الطريق أو) في (عرفات أعاده) لحديث "الصلوة أمامك...... فتوقتتا بالزمان والمكان والوقت فالزمان ليلة النحر والمكان مزدلفة والوقت وقت العشاء. الخ.

ولما في البحر:(۲/۳۴۱،طبع سعيد)

(قوله: ولم تجز المغرب في الطريق) أى لم تحل صلاة المغرب قبل الوصول الى مزدلفة للحديث "الصلوة أمامك" قاله حين قيل له الصلاة يا رسول الله وهو في طريق مزدلفه أى وقتها فدل كلامه انها لاتحل بعرفات بالطريق الاولى وأشار اليه أن العشاء لاتحل بالطريق الاولى وان كان بعد دخول وقتها لان صاحبة الوقت وهي المغرب اذا كانت لاتحل به فغيرها أولى.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفا اللہ عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۰۸۹

﴿طواف وسعی میں کسی وجہ سے وقفہ کرنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں عمرہ پر جارہی ہوں، ویسے تو میں الحمد للہ چل پھر سکتی ہوں، گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے نماز کرسی پر بیٹھ کر پڑھتی ہوں بعض اوقات جب زیادہ چلنا ہوتا ہے تو میرا سانس اکھڑ جاتا ہے تو کیا میں سعی وقفہ وقفہ سے کروں یا کرسی پر کروں؟ جبکہ میں نے کتاب میں پڑھا ہے کہ اگر چل سکتے ہیں تو کچھ ٹھہر کو کچھ عمر

اور کچھ مغرب کے دوران کر کے سعی پوری کی جا سکتی ہے، اس دوران ہوٹل سے ہو کر باقی چکر پورے کر سکتے ہیں یا حرم میں ہی رہنا ہوگا؟

مستفتیہ: ام عادل ڈیفنس

﴿جواب﴾ آپ نے کتاب میں جو پڑھا ہے کہ "اگر چل سکتے ہیں تو کچھ (چکر) ظہر کو لگائے کچھ عصر اور کچھ مغرب کے دوران لگا کر سعی پوری کی جا سکتی ہے" یہ درست ہے اور یہ معذور کیلئے بتایا گیا ہے آپکو بھی چونکہ عذر ہے، اسلئے یہ ترتیب اختیار کرنا چاہیں تو اختیار کر سکتی ہیں اور اپنی رہائش پر بھی جانا چاہتی ہیں تو اس کی بھی گنجائش ہے، تاہم رہائش گاہ پر نہ جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

لما في الدر المختار: (۴۹۷/۲ طبع سعید)

قال العلاء: "ولو خرج منه او من السعي الى جنازة او مكتوبة اوتجديدوضوء ثم عاد بنى.

وفي الشامية: اذا خرج لغير حاجة كره ولا يبطل فقد قال في اللباب ولا مفسد للطواف و عد من مكروهاته تفريقه أي الفصل بين اشواطه تفريقا كثيرا وكذا قال في السعي بل ذكر في منسكه الكبير لو فرق السعي تفريقاً كثيراً كأن سعى كل يوم شوطاً اواقل لم يبطل سعيه ويستحب ان يستأنف. وفي فقه السنة: (۶۲۹/۱-۶۳۰، طبع دار الكتب پشاور) وفيها ايضا: (۶۱۶/۱ طبع دار الكتب پشاور)

ولما في ارشاد الساري الى مناسك الملاعلي القاري: (ص ۱۲۱ طبع دار الكتاب العربي)

(والموالاة بين اشواطه) هذا مخالف بظاهره لما قاله في الكبير والموالاة ليست بشرط بل هي مستحبة فلو فرق السعي تفريقاً كثيراً كأن سعىٰ كل يوم شوطاً اواقل لم يبطل سعيه ويستحب ان يستأنف..... اذالسعي ليس عبادة مستقلة ولذالايعدتكراره طاعة بخلاف الصلاة والطواف و نحوهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۲۶۷

﴿میدان عرفات میں ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک حاجی صاحب نے میدان عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی ہے، کیا عصر کی نماز اس کے ذمہ لوٹانا واجب ہے یا نہیں؟

مستفتی: حاجی نور الواحد پشاور

﴿جواب﴾ میدان عرفات میں امام حج کی اقتدا میں ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھنے

کی صورت میں عصر کی نماز واجب الاعادہ نہیں۔

اگر بعض افراد امام حج کے علاوہ آپس میں مل کر الگ دونوں نمازوں کی جمع صوری (ظہر کی نماز مثل اول کے اخیر میں اور عصر کی نماز مثل ثانی کے اول میں) پڑھیں، اس صورت میں بھی عصر کی نماز واجب الاعادہ نہیں۔

اگر دونوں نمازیں مثل اول میں ادا کر دیں، تو انکو چاہیے کہ عصر کی نماز لوٹائیں کیونکہ حج میں کثرت مجمع کی وجہ سے بار بار صفیں بنانا دشوار ہوتا ہے، اسی کی خاطر امام حج یا انکے نائب کی اقتدا میں جمع کی شرط کے ساتھ دونوں نمازیں وقت ظہر میں پڑھنا جائز قرار دی گئی ہیں، لہٰذا انفرادی جماعت میں اصلا کوئی دشواری نہیں ہوتی، اسلئے اپنے وقت سے پہلے ادا نہ ہوگی اور پڑھی گئی نماز عصر کا اعادہ ضروری ہوگا، اسی طرح نماز ظہر جماعت کے ساتھ اور عصر کی نماز وقت سے پہلے انفرادی پڑھنے سے بھی نماز عصر کا اعادہ ضروری ہے۔

لما في المبسوط:(۱۲/۴ طبع دار المعرفة)

(قال)فان صليت الظهر والعصر مع الامام فحسن ،والحاصل انه كما زالت الشمس يوم عرفة يصلى الامام بالناس الظهر والعصر بعرفات هكذا روى جابرؓ في حديثه.

ولما في اللباب في شرح الكتاب:(۱/۱۷۱،طبع قديمي)

ومن صلى (في رحله وحده) او مع جماعة بغير الامام الاعظم (صلى كل واحدة منهما في وقتها) المعهود (عند ابي حنيفةؒ) لان المحافظة على الوقت فرض بالنصوص فلا يجوز تركه الا فيما ورد الشرع به، وهو الجمع بالجماعة مع الامام.

ولما في المبسوط:(۴/۱۵-۱۶،طبع دار المعرفة)

(قال) وان لم يدرك الجمع مع الامام وأراد أن يصلي وحده كل صلاة لوقتها..... وانما ورد النص بجمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الصلاتين والخلفاء من بعده فلا يجوز الجمع الا بتلك الصفة.وفي التاتارخانية:(۲/۴۴۲،طبع قديمي)

ولما في ردالمحتار:(۲/۵۲۱ طبع امداديه)

(فلا تجوز العصر للمنفرد في احداهما) فلو صلى وحده لم يصل العصر مع الامام... ومثله مالو صلى الظهر فقط مع الامام لا يصلي العصر الا في وقتها.

ولما في المبسوط:(۴/۱۶،طبع دار المعرفة)

(قال)ولو فاته الظهر مع الامام وأدرك العصر معه،عند ابي حنيفةؒ لم يجمع بينهما ايضا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ادریس غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر:۱۱۲۱

﴿عرفات ومزدلفہ میں جمع بین الصلاتین اور تقدیم وتاخیر﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میدان عرفات میں خیموں میں نماز ادا کرنے والے بعض افراد جمع بین الصلاتین کرتے ہیں اور بعض عصر کی نماز اپنے وقت میں پڑھنے کو ضروری جانتے ہیں، اس اختلاف کیوجہ سے پاکستانیوں کے خیموں میں عجیب سا انتشار ہوتا ہے، براہ کرم اس مسئلہ کی پوری تحقیق کریں، آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مکی لوگ بھی تھے اور مدنی بھی پھر تقریبا ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ مسجد نمرہ میں تو نہیں آسکتے، ظاہر ہے صحابہ کرامؓ نے الگ جماعتیں بھی ادا کی ہونگی، کیا تاریخ نے صحابہ کرامؓ کا عمل ظاہر نہیں کیا ہے؟ ان کے عمل کی اتباع ہمارے لئے کافی ہے۔

﴿جواب﴾ حجۃ الوداع کے موقع پر مسجد نمرہ کے علاوہ باہر خیموں میں کوئی ایک جماعت بھی صحابہ کرامؓ کی ثابت نہیں ہے اور ایسا کیونکر ہوسکتا تھا، صحابہ کرامؓ تو عام دنوں میں بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے اس قدر حریص تھے کہ سخت بیماری کی حالت میں دو آدمیوں کے سہارے سے بھی مسجد میں جانا ممکن ہوتا تو ضرور جاتے۔

اس لئے ظاہر یہی ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کی ہے، مسجد نمرہ کے اندر تمام افراد نہیں آسکتے تھے لیکن اسکے متصل میدان عرفات میں صفوں کا قیام اور ایک جماعت کے ساتھ تمام کا نماز اداء کرنا ظاہر ہے اور الگ الگ جماعتوں کا قیام موجودہ دور کے غیر مقلدین کا شیوہ ہے جو کہ جماعت کی حکمت کے بھی خلاف ہے، اس مسئلہ میں احناف کا موقف یہ ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں ادا کرنا قرآن وحدیث کے قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

لہٰذا اپنے اپنے وقت میں نماز پڑھنا فرض ہے، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، البتہ صرف ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنی حیات میں عرفہ کے روز جمع بین الصلاتین کیا ہے، لہٰذا جن صفات کے ساتھ آپ ﷺ نے خلاف معمول جمع بین الصلاتین کیا، ان تمام صفات کے ساتھ احناف بھی جمع بین الصلاتین کے قائل ہیں، اس لئے فرمایا کہ جمع بین الصلاتین کے لئے شرط ہے کہ عرفہ کے روز، میدان عرفات یا اس کے قریب احرام کی حالت میں، امام وقت یا اس کے نائب کی اقتداء میں ظہر اور پھر عصر کی نماز ایک ہی وقت میں ادا کی جائے۔

مذکورہ صفات کے ساتھ آپ ﷺ نے جمع بین الصلاتین کیا ہے، ان صفات کی رعایت کیساتھ ہو تو احناف نہ صرف جائز بلکہ عین سنت کے مطابق جانتے ہیں اور ان کی رعایت کیے بغیر مثلاً الگ جماعت یا انفرادی نماز اگر کوئی پڑھتا ہے تو ایسی صورت میں ہر نماز کو اپنے وقت میں ادا کرنا فرض جانتے ہیں، ورنہ اصل حکم یعنی اپنے اپنے وقت میں نماز ادا کرنے کا جو اصل حکم ہے اسکے خلاف لازم آئے گا، یہ تو ظہر اور عصر کی نماز کا حکم تھا چونکہ عرفہ میں عصر کی نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا عام معمول کے خلاف ہے۔

اس لئے جواز کے لئے ان تمام صفات کی رعایت ضروری ہے جن صفات کے ساتھ آپ ﷺ سے ثابت ہے، مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں پڑھنا ضروری ہے، مغرب کی نماز مزدلفہ سے پہلے راستہ میں یا مغرب کے وقت میں عشاء سے پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے، عشاء کے وقت مزدلفہ میں پڑھنا ضروری ہے جماعت کیساتھ ہو خواہ انفرادی۔

یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ مغرب کی نماز کو وقت کے بعد پڑھنے کے لئے وہ شرائط کیوں نہیں ہیں جو عصر کی نماز کے لئے احناف کے ہاں ہیں؟ اسلئے کہ دونوں میں بڑا فرق ہے، مغرب کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کو عصر کی نماز کو وقت سے پہلے پڑھنے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ

(۱) مغرب کی نماز کو مغرب کے وقت راستے میں پڑھنے کو آپ ﷺ نے باقاعدہ منع فرمایا۔

لما فی اعلاء السنن:(۱۰/۱۲۷ طبع دار الکتب العلمیة)

عن اسامة بن زيد قال ردفت رسول الله ﷺ من عرفات، فلما بلغ رسول الله ﷺ الشعب الايسر الذى دون المزدلفة أناخ فبال، ثم جاء فصببت عليه الوضوء، فتوضاء وضوء خفيفا فقلت الصلاة يا رسول الله فقال الصلاة امامك فركب رسول الله ﷺ حتى اتى المزدلفة فصلى الخ

ولما فی صحیح البخاری:(۱/۲۲۶ طبع قدیمی)

عن اسامة بن زيد انه سمعه يقول دفع رسول الله ﷺ من عرفة فنزل الشعب، فبال ثم توضا ولم يسبغ الوضوء، فقلت له الصلاة قال: الصلاة امامك فجاء المزدلفة فتوضاء فاسبغ ثم أقيمت الصلاة فصلى المغرب ثم اناخ كل انسان بعيره فى منزله ثم اقيمت الصلاة فصلى ولم يصل بينهما.

(۲) جماعت کی روایات مختلف ہیں، ایک ساتھ پڑھنے کی بھی ہیں اور دونوں نمازوں کے درمیان کھانا تناول فرمانا اور ہر ایک کو کچھ وقفہ کے ساتھ پڑھنے کی بھی روایات ہیں۔

ولمافی صحیح البخاری:(۱/۲۲۷،طبع قدیمی)

عن ابن عمرؓ قال جمع النبیﷺبین المغرب و العشاء بجمع کل واحدة منهما باقامة ولم یسبح بینهما ولا علی اثر کل واحدة منهما.

ولمافی جامع الترمذی:(۱/۱۰۸،طبع فاروقی ملتان)

حدثنا محمد بن بشار نا یحیٰ بن سعید القطان ناسفیان الثوری عن ابی اسحٰق عن عبدالله بن مالک ان ابن عمر صلی بجمع فجمع بین الصلاتین باقامة و قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فعل مثل هذا فی هذا المکان......واما ابو اسحاق فانماروی عن عبدالله و خالد ابنی مالک عن ابن عمروالعمل علی هذا عند اهل العلم انه لایصلی صلٰوة المغرب دون جمع فاذا أتیٰ جمعا وهوالمزدلفة جمع بین الصلاتین باقامةواحدة ولم یتطوع فیما بینهما وهو الذی اختاربعض اهل العلم و ذهبوا الیه وهو قول سفیان الثوری"قال سفیان وان شاء صلی المغرب ثم تعشی ووضع ثیابه ثم اقام فصلی العشاء.

ولمافی صحیح البخاری :(۱/۲۲۷،طبع قدیمی)

حدثنا عمروبن خالدقال حدثنازهیر قال حدثنا ابو اسحق قال سمعت عبد الرحمان بن یزید یقول حج عبدالله فاتینا المزدلفة حین الاذان بالعتمة اوقریبا من ذلک فامر رجلا فاذن و اقام ثم صلی المغرب وصلی بعدهاركعتین ثم دعابعشائه فتعشی ثم امر (رجلا) فاذن و أقام قال عمرو ولا اعلم الشک الامن زهیر ثم صلی العشاء رکعتین فلماطلع الفجر قال (ابن مسعود) ان النبیﷺکان لایصلی هذه الساعة الاهذه الصلاة،فی هذا المکان،من هذا الیوم،قال عبدالله(ابن مسعود) هماصلاتان تحوّلان عن وقتهاصلاة المغرب بعدمایاتی الناس المزدلفة والفجرحین یبزغ الفجر قال رأیت النبی صلی الله علیه وسلم یفعله.

ولمافی جامع الترمذی:(۱/۱۰۸،طبع فاروقی ملتان)

وقال بعض اهل العلم یجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفة باذان واقامتین یؤذن لصلاة المغرب و یقیم ویصلی المغرب ثم یقیم ویصلی العشاء.

ولمافی اعلاء السنن:(۱۰/۱۲۶،طبع دارالکتب العلمیة)

عن اسامةبن یزیدمرفوع:فجاء المزدلفة،فتوضأفأسبغ ثم اقیمت الصلوة فصلی المغرب،ثم أناخ کل انسان بعیره فی منزله،ثم أقیمت الصلاة،فصلی ولم یصل بینهما.

(۳) مزید یہ کہ کسی بھی نماز کا وقت نکلنے کے بعد دوسرے وقت میں پڑھنا عام شرعی حکم ہے لیکن وقت داخل ہونے سے پہلے عرفہ کے علاوہ کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔

ولمافی قوله تعالی:(سورة البقرة،آیت۲۳۸)حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی.....الآیة.

لمافی قوله تعالىٰ:(سورة النساء،آیت ۱۰۳)

ان الصلاة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا......الآية.

ولمافی ردالمحتار:(۲/۵۲۰،طبع امدادیه)

تنبيه:اقتصر من الشروط على الامام والاحرام،وزاد فى اللباب تقديم الظهر على العصر ، حتى لو تبين للامام وقوع الظهر قبل الزوال أو بغير وضوء والعصر بعده أو بوضوء أعاد هما جميعا والزمان وهو يوم عرفة والمكان وهو عرفة وماقرب منها ، والجماعة فالشروط ستة.

ولمافی اللباب فی شرح الكتاب:(۱/۱۷۱،طبع قديمی)

ومن صلى (فى رحله وحده) اومع جماعة بغير الامام الأعظم (صلى كل واحدة منهما فى وقتها) المعهود (عند ابى حنيفةؒ)لان المحافظة على الوقت فرض بالنصوص،فلا يجوز تركه الا فيما ورد الشرع به،وهوالجمع بالجماعة مع الامام،وكذافی الهداية:(۱/۲۲۵،باب الاحرام،طبع رحمانيه)

ولمافی الدرالمحتار:(۲/۵۱۹،طبع امداديه)

وصلى بهم الظهروالعصربأذان واقامتين،وشرط (لصحة هذاالجمع الامام الاعظم أونائبه والا صلوا وحدانا) (فلوصلى وحده لم يصل العصرمع الامام)

وفى التاتارخانية:(۲۲۲-۲۲۷،طبع قديمی)

فالمراد بالامام الامام الاعظم او نائبه مقيما كان او مسافرا ، فلا يجوز الجمع مع الامام غيرهما......وان لم يدرك فارادأن يصلى وحده فى رحله أوبجماعة صلى كل صلاة فى وقتهاعندابى حنيفة وفى ((شرح الطحاوى))الصحيح قول ابى حنيفةؒ.

ولمافی اعلاء السنن:(۱۰/۱۲۶،طبع دارالكتب العلمية)

ولا يخفىٰ انه صلى الله عليه وسلم وان كان قد نزل بنمرة ولكن اصحابه ،وهم أكثرمن مائة الف،لم ينزلوا كلهم بنمرة، بل نزلوابعرفات، ثم خرجوا منهابعد زوال الشمس الى المسجد للجمع بين الصلاتين ثم عادو اليها ، للوقوف ، هذا هو الظاهر من حالهم ، فان نمرة لايسع مائةالف كما لا يخفى، وفى القول بانقطاع الوقوف للخروج الى المسجد حرج عظيم و هومدفوع بالنص، فعلى القول بخروج نمرة و مسجدها عن عرفات يكون الذهاب بعد زوال الشمس الى المسجد للجمع بين الصلاتين كخروج المعتكف من معتكفه لصلاة الجمعة اتفاقا،أوللغسل المسنون على قول ولايفوت به واجب الوقوف الى الغروب بعد تحققه فافهم.

ولمافی للشامی:(۲/۵۲۵،طبع امداديه)

(وصلى العشائين باذان واقامة)لأن العشاء فى وقتها لم تحتج للاعلام)علة للاقتصار هنا على اقامة واحدة،بخلاف الجمع فى عرفة فانه با قامتين ، لان الصلاة

الثانية هناك تؤدى فى غير وقتها فتقع الحاجة الى اقامة أخرى للاعلام بالشروع فيها أما الثانية هنا فلى وقتها فتستغنى عن تجديد الاعلام كالوتر مع العشاء .بدائع.

قوله:(كمالا احتياج هنا للامام) فلو صلاهمامنفرداجاز"...... "وذكر فى اللباب أن الجماعة سنة فى هذا الجمع ، ثم قال وشرائط هذا الجمع : الاحرام بالحج وتقديم الوقوف عليه ، والزمان والمكان،والوقت الخ.

ولمافى اعلاء السنن:(۱۰/۱۲٦-۱۲۷مطبع دارلكتب العلمية)

قال فى(البدائع)والقياس(اى قياس الجمع بين المغرب والعشاء بمزدلفه) على الجمع الآخر(اى الجمع بين الظهروالعصر بعرفة)غير سديد ،لان هناك الصلاة الثانية وهى العصرتؤدى فى غير وقتها......والصلاة الثانية ههنا وهى العشاء تؤدى فى وقتها فيستغنى عن تجديد الاعلام كا لوترمع العشاء اه.

ولمافى المبسوط:(۲/۲۲مطبع دارالمعرفةبيروت لبنان)

وان كا ن المراد به الوقت فقد تبين ان وقت المغرب فى حق الحاج لا يدخل بغروب الشمس وأداء الصلاة قبل الوقت لا يجوز والدليل عليه انه مأموربالتاخير لا لان فىالاشتغال با لصلاة انقطاع سيره فان أداء الصلاة فى وقتها فريضة فلا يسقط بهذا العذرولكن الامر بالتاخير للجمع بينهمابا لمزدلفة وهذا المعنى يفوت باداء المغرب فى طريق المزدلفة فعليه الاعادة بعد الوصول الى المزدلفة ليصيرجمعابين الصلاتين كماهو المشروع نسكا".

ولمافى اعلاء السنن:(۱۰/۱۲۹مطبع دارالكتب العلمية)

قلت:ويمكن ان يقال فى تقرير الاستدلال ان الجمع بين المغرب والعشاء فى وقت العشا بمزدلفة واجب بدليل حديث اسامة هذاوليس بفرض لكونه من خبر الآحادفمن صلى المغرب قبل غياب الشفق او بعده قبل الوصول الى المزدلفةفقد ترك للواجب فيؤمربا عادة الصلاة ما دام يمكن تداركه ،ولا يؤمربهابعدطلوع الفجر".

ولمافى ارشاد السارى :(ص۱۴۰مطبع دارالكتاب العربى)

وكان ينبغى ان يقال انه حرام لان الجمع بمزدلفة واجب وأداء هاحينئذ فاسد الا انه لماكان التدارك يمكنه با عادته بمكانه و زمانه عدمكروها ثم فسادها موقوف لانه يجب عليه الاعادة ما لم يطلع الفجرفاذالم يعدهاانقلب صحة.

ولمافى الشامى:(۲/۵۲۷مطبع امداديه)

(الصلاةامامك)......فقال لسامة الصلاة يا رسول اللهومعنى الحديث وقتهاالجائز اومكانها......(وهذا)اى عدمجوازماصلاه فى طريق المزدلفة المفهوم من قوله (اعاده ما لم يطلع الفجر)

ولمافى اعلاء السنن :(۱۰/۱۲۸مطبع دارالكتب العلمية)

قال ابن المنذر:لا اختلاف بينهم ان السنة ان يجمع الحاج بين المغرب والعشاء

"والاصل فی ذالک ان النبی ﷺ جمع بینهما رواه جابرؓ وابن عمرؓ وابوایوب واحادیثهم صحاح كذافی المغنی.

ولمافی ارشادالساری:(ص ۱۲۲ ،طبع دارالکتاب العربی)

قال ﷺ لمن قال له فی وقت المغرب امانصلی یارسول الله الصلاة امامک ای وقتها ورائک".

ولمافی العنایة علی هامش فتح القدیر:(۲/۲۹۳ ،طبع رشیدیه)

واقول قوله تعالىٰ:ان الصلاة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا.....الآية ونحوها ليس فيها دلالة قاطعة على تعيين الاوقات وانما دلالتها على ان للصلاة أوقاتا وتعيينها ثبت اما بخبر جبريلؑ او بغيره من الآحاد اوبفعله عليه السلام.....ثم بعمل بفعله عليه الصلاة والسلام وهو انه جمع بينهمابالمزدلفة ولا يجوز ان يكون قضاء فتعين ان يكون ذالک وقته".

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :محمد ادریس عفی عنہ

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:

﴿فضائل مدینہ منورہ وروضہ مبارکہ ومسجد نبوی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل عوام الناس میں مدینہ وروضہ مبارکہ اور مسجد نبوی کے بہت سارے فضائل سننے میں آتے ہیں آپ صاحبان سے گزارش یہ ہے کہ مدینہ وروضہ ومسجد نبوی کے ایسے فضائل بتائیں جو قرآن وحدیث میں ہوں؟

﴿جواب﴾ نبی کریم حبیب اللہ ﷺ کے ساتھ محبت وعقیدت ایمان کا حصہ ہے، جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا آپ ﷺ کے ساتھ محبت کے ضمن میں مدینہ منورہ سے محبت کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے کسی کی ذات سے سچی محبت کا فطری تقاضا ہے کہ اس کی درودیوار سے بھی محبت ہو۔

امر علی الدیار دیار لیلی ☆ اقبل ذاالجدار وذاالجدار
وماحب الدیار شغفن قلبی ☆ ولکن حب من سکن الدیار

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کو بھی مدینہ منورہ سے بڑی محبت تھی ایک روایت میں آپ ﷺ نے دعا کی اور تمنا کی اللھم لا تجعل منایانابمکة اے اللہ ہم کو موت مکہ مکرمہ میں نہ دیجئے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی روح مبارکہ کو مدینہ منورہ میں قبض فرمایا، مدینہ کی فضیلت بہت سی احادیث سے ثابت ہے من جملہ ان میں سے چندروایات مندرجہ ذیل ہیں:

کہ ایمان مدینہ کی طرف ایسا سکڑ جائیگا جیسا کہ سانپ اپنے بل کی طرف سکڑ جاتا ہے۔

لمافی وفاء الوفاء:(١/٣٧،دار احیاء التراث العربی)

یوشک الایمان ان یأرز الی المدینة کما تأرز الحیة الی جحرها.

اور صحیحین کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ مجھے ایسی بستی کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں کو کھا جائیگی اور کھا جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام شہروں پر غالب آئیگی (امرت بقریة تاکل القری)

اور بزار کی روایت جو حضرت علیؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ شیاطین اس بات سے مایوس ہوئے کہ میرے اس شہر (مدینہ) یا جزیرۃ العرب میں شیاطین کی عبادت کی جائے لیکن آپس کے اختلاف اور جھگڑوں سے مایوس نہیں ہوئے۔

لمافی وفاء الوفاء:(١/٣٨،دار احیاء التراث العربی)

عن علیؓ قال قال النبی ﷺ ان الشیاطین قد ینست ان تعبد ببلدی هذا و بجزیرة العرب و لکن التحریش بینهم.

اور حضرت عباسؓ کی ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ مدینہ سے نکلا تو آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ رب العزت نے اس جزیرہ کو شرک سے پاک کیا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ نے اس بستی کو شرک سے پاک فرمایا اگر ستارے ان لوگوں کو گمراہ نہ کریں آپؐ نے فرمایا حقیقتا اللہ بارش نازل فرماتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر بارش اس پچھتر نے اور اس پچھتر (ستارے) نے نازل کی۔

لمافی وفاء الوفاء:(١/٣٨،دار احیاء التراث العربی)

عن العباسؓ قال خرجت مع رسول الله ﷺ من المدینة فالتفت الیها وقال ان الله قد برأ هذه الجزیرة من الشرک وفی روایة ان الله قد طهر هذه القریة من الشرک ان لم تضلهم النجوم قال ینزل الله الغیث فیقولون مطرنا بنوء کذاوکذا.

اس طرح آپ کے روضۂ مبارکہ کے بھی بہت فضائل احادیث میں آئے ہیں ایک روایت جسکے راوی حضرت عمرؓ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا جس نے میری قبر کی زیارت کی یا فرمایا جس نے میری زیارت کی تو میں ایسے شخص کی شفاعت کرونگا یا ایسے شخص کے بارے میں گواہی دونگا اور جس شخص کو دو حرموں (مدینہ یا مکہ) میں کسی میں بھی موت آگئی قیامت میں اسکو امن والوں میں اٹھائینگے۔

لمافی وفاء الوفاء(۲/۱۳۴۲،دار احیاء التراث العربی)

عن عمرؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من زار قبری او قال من زارنی کنت له شفیعا او شهیدا ومن مات فی احد الحرمین بعثه الله فی الأمنین یوم القیامة.

اور ایک دوسری روایت میں ہیکہ جس شخص نے میری زیارت کا قصد کیا وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا۔

لمافی وفاء الوفاء(۲/۱۳۴۲،دار احیاء التراث العربی)من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامة

اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے مدینہ آکر میری زیارت کی تو میں قیامت کے دن اس کے لئے شفیع اور گواہ بنوں گا اور اس طرح مدینہ کے اندر مسجد نبوی ہے اس میں نماز پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کجاوے مت کسو سوائے تین مساجد کے (۱) میری مسجد (۲) مسجد حرام اور (۳) مسجد اقصیٰ کے۔

لمافی وفاء الوفاء(۲/۴۱۵،دار احیاء التراث العربی)

لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد مسجدی والمسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ.

اور ایک روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں تمام انبیاء کے لئے خاتم ہوں اور میری مسجد تمام انبیاء کی مساجد کے لئے خاتم ہے، مسجدوں میں سب سے زیادہ حق اس بات کا جن کی زیارت کی جائے اور جن کی طرف کجاوے باندھ کر سفر کیا جائے وہ (۱) مسجد حرام ہے (۲) اور مسجد نبوی اور میری مسجد میں ایک نماز ادا کرنا باقی مساجد میں ہزار نمازوں کے ادا کرنے سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔

لمافی وفاء الوفاء(۲/۴۲۰،دار احیاء التراث العربی)

عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ انا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم مساجد الانبیاء احق المساجد ان یزار وتشد الیه الرواحل المسجد الحرام ومسجدی وصلاة فی مسجدی افضل من الف صلاة فی ماسواه من المساجد الا المسجد الحرام.

اور مسلسل چالیس نمازیں مسجد نبوی میں جو شخص ادا کرتا ہے اسکو دو پروانے ملتے ہیں (۱) پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا اور (۲) پروانہ قیامت کے دن نجات کا ملے گا۔

لمافی فقه الاسلامیه:(۲/۲۹۱۷،طبع رشیدیه)

من صلیٰ فی مسجدی اربعین صلاة لاتفوته صلاة کتبت له براءة من النار ونجاة یوم القیامة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد طیب حسن زئی

۲۷ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۸۶۳

﴿کتاب النکاح﴾

﴿نکاح کے مسائل کا بیان﴾

﴿منگنی صرف وعدہ نکاح ہے نکاح نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ منگنی ہو جانے کے بعد لڑکی کو اس لڑکے کے نکاح میں دینا واجب سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ لڑکے کے برے اخلاق وعادات یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے لڑکی والے اس نکاح کو منع کر دیں تو پھر ان کو سخت طعن وتشنیع کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔کیا شریعت میں نکاح کی طرح منگنی کے بعد بھی عقد نکاح لازم ہو جاتا ہے؟ نیز ہمارے علاقے میں منگنی کے وقت ایجاب وقبول نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک دعاء پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ منگنی نکاح نہیں ہے وعدہ نکاح ہے بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا جائز نہیں ہے اور شرعی عذر ہو تو جائز ہے، ایسی بات پر لعن طعن یا بائیکاٹ کرنا جہالت ہے جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لمافی الفقه الاسلامی وادلته:(۶۴۹۲/۹،طبع:رشیدیه)

الخطبة مجرد وعدبالزواج ،وليست زواجا،فان الزواج لايتم الابانعقاد العقد المعروف ،فيظل كل من الخاطبين اجنبياعن الآخر،ولايحل له الاطلاع الاعلى المقدارالمباح شرعاوهو الوجه والكفان.

ولمافی البحر:(۸۳/۳،طبع:سعید ،کراچی)

لوقال هل اعطيتنيهافقال اعطيتك ان كان المجلس للوعد فوعد وان كان للعقد فنكاح.

ولمافی الدر:(۱۲/۳،طبع:سعید کراچی)

وان كان للوعد فوعد ،وفی الشامية:لوقال هواعطيتنيهافقال اعطيتك ان كان المجلس للوعد فوعد وان كان للعقد فنكاح.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۲ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ   فتویٰ نمبر: ۴۱۱۹

﴿نکاح میں خطبہ کی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

اگر کوئی شخص بھولے سے بغیر خطبہ کے نکاح پڑھائے اور پھر بعد میں یاد آ جائے تو کیا نکاح منعقد ہو جائیگا کہ نہیں؟ براہ کرم فقہ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی: مولوی رحمت سلام

﴿جواب﴾ نکاح ایجاب وقبول سے عبارت ہے، البتہ گواہوں کی موجودگی نکاح کیلئے شرط ہے خطبہ رکن یا شرط نہیں ہے، خطبہ کے بغیر بھی ایجاب وقبول سے نکاح ہو جاتا ہے بشرطیکہ گواہوں کی موجودگی میں ہو، البتہ خطبہ نکاح کیلئے سنت ہے قصداً چھوڑنا غلط ہے بھولے سے رہ جائے تو نکاح کا اعادہ ضروری نہیں ہے، ہاں خطبہ پڑھ کر دوبارہ بھی کرلیا جائے تو بہتر ہے تاکہ سنت کی جو کمی رہ گئی تھی وہ بھی پوری ہو، تاہم پہلا والا نکاح معتبر ہے۔

لمافی الدر مع الرد: ج ۳/۸،۹ (طبع: سعید)

ویندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه فی مسجد یوم جمعة بعاقد رشید وشهود عدول ــ وفی الشامية: وينعقد أی النكاح أی يثبت ويحصل انعقاده بالايجاب والقبول.

ولمافی التنویر مع الدر: (۳/۲۱-۲۲، طبع: سعید)

(و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حرة وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)

ولمافی اعلاء السنن: ج ۱۱/۸ (طبع: دار الكتب العلمية)

عن رجل من بنی سليم قال: خطبت الى النبی صلی الله عليه وسلم امامة بنت عبدالمطلب فانكحنی من غير أن يتشهد فدل ذلك على جواز النكاح بغير خطبة مع عدم كراهة، فالخطبة له مستحبة.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفااللہ عنہ

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیزاروی

فتوی نمبر: ۴۰۶۱

﴿اپنی لڑکی فلاں کو دیدی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی لڑکی کا رشتہ آیا تو اس شخص نے گواہوں کے سامنے یہ اقرار کر کے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی زید کو دی ہے لیکن اسکا یہ اقرار نکاح کی نیت سے نہیں تھا پھر مذکورہ لڑکی کا نکاح زید کے علاوہ کسی اور سے ہوا، پوچھنا یہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح زید سے ہوا یا نہیں؟ اسی طرح دوسرے نکاح کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت منگنی کی ہے نکاح کی نہیں اور منگنی صرف وعدہ نکاح ہے، لہٰذا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ صحیح ہے، البتہ بلاوجہ وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے۔

لما فی الشامی:(۱۷/۳،طبع سعید)

فان قامت القرینة علی عدمه لا ینعقد،فلو طلب من امرأة الزنی فقالت:وهبت نفسی منک فقال الرجل قبلت لایکون نکاحا کقول ابی البنت وهبتها لک لتخدمک فقال قبلت الا اذا أراد به النکاح وهکذافی البحر:(۳/۸۶-۸۷،طبع سعید)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم:حبیب الوہاب

۲۰ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۳۵۳

﴿وٹہ سٹہ میں ایک عورت کے مقابلے میں دو لینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید بکر کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح اس شرط پر کراتا ہے کہ بکر اپنی دو بہنوں کا نکاح زید کے بیٹوں کے ساتھ کرائے گا،لہذا ایسا کرنا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی:عبدالستار صاحب

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں زید کی بیٹی کا نکاح بکر کیساتھ صحیح ہوگیا ہے،البتہ یہ شرط کہ"بکر اپنی دو بہنوں کا نکاح زید کے بیٹوں سے کرائیگا"فاسد ہے،اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس طرح کا نکاح شرعاً اگرچہ صحیح اور معتبر مانا جاتا ہے لیکن اس کے مفاسد عام مشاہدہ میں آتے ہیں اس لئے اس سے بچنا چاہیے۔

لما فی سنن ابی داؤد:(۱/۲۰۰،طبع رحمانیه)

عن ابن عمران رسول الله ﷺ نهی عن الشغار زاد مسدد فی حدیثه قلت لنا فع ماشغار قال ینکح ابنته الرجل وینکح ابنته بغیر صداق وینکح اخت الرجل فینکحه اخته بغیر صداق.

ولما فی الشامی:(۳/۱۰۶،طبع سعید)

(ووجب مهر المثل فی الشغار)هو ان یزوجه الاخر بنته علی أن یزوجه الاخر بنته أواخته مثلا معاوضة بالعقدین ، ومنهی عنه لخلوه عن المهر ،او جبنا فیه مهر المثل فلم یبق شغارا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد احمد عفی عنہ

۱۰رجب المرجب ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۶۲۶

﴿نکاح میں گواہوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ شاہدہ کا نکاح زید سے کراتے وقت نکاح کے گواہ ایک سنی اور ایک آغا خانی کو

نامزد کیا گیا تھا جبکہ مجلس نکاح میں دوسرے سنی مسلمان بھی موجود تھے، کیا یہ نکاح درست ہے؟ جبکہ شرع کی روشنی میں دو مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ نکاح وغیرہ میں گواہی کا نصاب یہ ہے کہ کم از کم دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں ہوں، مذکورہ صورت میں ان دونوں نامزد گواہوں (ایک سنی دوسرا آغا خانی) کے علاوہ چونکہ دوسرے مسلمان (جن کو اگرچہ باقاعدہ گواہ نامزد نہیں کیا گیا تھا) بھی موجود تھے اور مذکورہ عقد نکاح ان کے سامنے ہوا تھا جو کہ نکاح صحیح ہونے کے لئے کافی ہے، لہٰذا مذکورہ عقد درست ہے۔

لما في التنوير مع الدر:(۵/۲۶۱، طبع سعيد)

هي لغة: خبر قاطع و شرعا (اخبار صدق لاثبات حق)...(وشرطها) احد و عشرون شرطا... العقل الكامل...ونصابها... لغيرها من الحقوق سواء كان مالاً أو غيره كنكاح...رجلان أو رجل و امرأتان.

ولما في الشامي:(۵/۲۷۱، طبع سعيد)

قوله (والنكاح) قال في جامع الفصولين: الشهادة بالسماع من الخارجين من بين جماعة حاضرين في بيت عقد النكاح بأن المهر كذا يقبل. لا ممن سمع من غيرهم.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین غفرلہ

۲۷ رجب ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۵۷۶

﴿حال یا استقبال کے صیغوں سے نکاح منعقد نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کی دو بیٹیاں ہیں دونوں نابالغ ہیں کوئی مرد ولی موجود نہیں ہے، عورت (ان بچیوں کی ماں) نے ایک دفعہ کہا کہ میں اپنی یہ دونوں بچیاں نکاح میں دیتی ہوں اگر کوئی ان سے نکاح کرنا چاہے دوسری طرف ایک آدمی نے کہا کہ میں اپنے دو بیٹوں سے انکا نکاح کرنا چاہتا ہوں جاوید جو کہ بالغ ہے اس کا نکاح بڑی لڑکی سے اور انس جو کہ چھوٹا ہے اسکا نکاح چھوٹی لڑکی سے، پوچھنا یہ ہے کہ یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر منعقد ہو جاتا ہے تو بلوغت کے بعد ان بچیوں کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟

مستفتی: ظہور احمد

﴿جواب﴾ نکاح کے انعقاد کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب وقبول دونوں یا ان میں سے

ایک ماضی کے صیغے کیساتھ ہو مثلا الفاظ ایسے ہوں کہ میں نے اپنی بیٹی آپ کے بیٹے کے نکاح میں دے دی اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کرلیا یا ایک کہے کہ میں دینا چاہتا ہوں اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کرلیا۔

مذکورہ صورت میں دونوں ولی نکاح نے چاہنے کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے صرف ارادہ نکاح یا وعدہ نکاح ثابت ہو رہا ہے اور ارادہ نکاح یا وعدہ نکاح سے نکاح متحقق نہیں ہوتا لھذا مذکورہ صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لمافی الدرالمختار:(۹/۳،طبع سعید)

وينعقد بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضعا للمضى كزوجت نفسي أو بنتي أوموكلتي منك ويقول الآخر تزوجت وينعقد أيضا بما:أي بلفظين وضع احدهماله والآخر للاستقبال أوللحال.

ولمافی الهندية:(۱/۲۹۸،طبع قديمی)

ينعقد بالايجاب والقبول وضعا للمضى أو وضع أحدهما للمضى والآخر لغيره مستقبلا كان كالامر أوحالا كالمضارع كذافي النهرالفائق.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبداللہ عفی عنہ

کیم جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۹۳۶

﴿خطبہ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے ہونا چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام ومفتیان دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے ہونا چاہئے یا بعد میں؟ اگر خطبہ ایجاب وقبول کے بعد پڑھا جائے تو اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ مستفتی ابوحذیفہ

﴿جواب﴾ خطبہ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے مسنون ہے، ہاں ایجاب وقبول کے بعد پڑھے جانے کیوجہ سے برکت میں کمی ہوگی۔

لمافی سنن ابی داؤد:(۱/۳۰۲،طبع رحمانيه)

عن رجل من بنی سليم قال خطبت الی النبی صلی الله عليه وسلم امامة بنت عبدالمطلب فانكحنی من غيران يتشهد،قال محشيه:يتشهد:ای يخطب،فدل علی جوازنكاح بغيرخطبة.

ولما فی البحر الرائق:(۸۱/۳،طبع سعید)
ویستحب ان یکون النکاح ظاھراوان یکون قبلہ خطبۃوان یکون عقدہ فی یوم الجمعۃ.
ولما فی الدر المختار:(۸/۳،طبع سعید)
ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ وکونہ فی مسجدیوم جمعۃ.

واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرہ اللہ
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
فتویٰ نمبر: ۹۳۷
۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿فارم نکاح پر نکاح خواں کے علاوہ کسی اور کے دستخط کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ (۱) میں اللہ والا ٹاؤن کا نکاح خواں اور جسٹرار ہوں مختلف لوگ آکر فارم لے جاتے ہیں اور رجسٹریشن کا وعدہ کرتے ہیں کہ آپ ہی سے رجسٹریشن کرائیں گے پھر رجسٹریشن کسی اور سے کراتے ہیں جسکی وجہ سے فارم کم ہو جاتے ہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(۲) نکاح خوانی کے کالم پر کوئی دوسرا شخص جس نے نکاح نہ پڑھایا ہو اپنا نام پتہ لکھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۳) مختلف لوگ نکاح خوانی کیلئے نام لکھواتے ہیں مگر نکاح کسی دوسرے صاحب سے پڑھواتے ہیں اس بارے میں تفصیل سے بتا دیجئے۔

﴿جواب﴾ (۱) جو لوگ رجسٹریشن کا وعدہ کر کے فارم لے جاتے ہیں اور پھر رجسٹریش کسی اور سے کراتے ہیں یہ وعدہ خلافی ہے جسکی وجہ سے گناہ گار ہیں۔

(۲) نکاح خوانی کے کالم پر صرف نکاح خواں یا وہ جسکو اجازت دیدے دستخط کر سکتا ہے، انکے علاوہ کا دستخط کرنا خلاف شرع وخلاف قانون ہے۔

(۳) نکاح پڑھوانے کیلئے باقاعدہ نام لکھوا کر وقت مقرر کر لیا اور آپ نے بھی اس وقت کو اس کام کیلئے دیگر مصروفیات سے فارغ کر دیا تو بلا وجہ کسی اور سے نکاح پڑھوانا اور آپکو منتظر رکھنا ایذاء مسلم ہے، اس سے بچنا ضروری ہے، کوئی ضرورت پیش آجائے تو اطلاع کرنا چاہیے لیکن ان تمام صورتوں میں نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا نکاح صحیح ہے۔

لما فی قولہ تعالیٰ:(بنی اسرائیل،آیت ۳۴) واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا.
ولما فی الاشباہ والنظائر:(ص ۲۸۱،طبع قدیمی) الخلف فی الوعد حرام.

ولما فی المرقاۃ:(۱۰۲/۹ طبع رشیدیہ)

واعلم ان الوعدامرمامور الوفاء به فی جمیع الادیان حافظ علیه الرسل المتقدمون.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب :فرمان اللہ غفرہ اللہ

۱۴۲۸ھ

فتویٰ نمبر:

﴿نکاح خوانی کی اجرت لینا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ نکاح خوانی کے لئے جس مولوی صاحب کولایا جاتا ہے تولوگ اسکونکاح خوانی کی اجرت دیتے ہیں یا وہ مولوی صاحب پہلے سے خود طے کرتے ہے کہ میں اتنے پیسے لونگا،کیا یہ دونوں صورتیں جائز ہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ مولوی صاحب کونکاح خوانی کی اجرت دینا جائز ہے اور اگر مولوی صاحب پہلے سے خود طے کرلیں اور نکاح پڑھوانے والے اس کوقبول کرلیں تو یہ بھی جائز ہے۔

لمافی الھندیۃ:(۳۴۵/۳ طبع رشیدیہ)

والمختار للفتوی انه اذاعقدبکرایاخذدیناراوفی الثیب نصف دیناریحل له ذلک هکذا قالوافی البرجندی.

ولما فی الدر مع الرد:(۶۳/۶ طبع سعید)

ولا یستحق المشترک الاجرحتی یعمل کالقصارونحوہ قوله حتی یعمل لان الاجارۃ عقدمعاوضة فتقتضی المساواۃ بینهمافمالم یسلم المعقودعلیه للمستاجرلایسلم له العوض والمعقودعلیه هوالعمل او اثرہ علی مابیناہ فلابدمن العمل.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب :اسرارعزیزعفی عنہ

۴ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

فتویٰ نمبر:۹۴۷

﴿نومسلمہ کا نکاح﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منکوحہ کافر اگر مسلمان ہوکر دارالاسلام آجائے تو اس کیلئے نکاح شرعی کب جائز ہوگا؟ اور عدت گذارنا اس پر لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی:محمد عظیم گاؤں عبدل خیل ضلع لکی مروت

﴿جواب﴾ اگر عورت مسلمان ہوکر دارالحرب سے ہجرت کرکے آجائے تو دارالاسلام میں

داخل ہونے سے نکاح سابق ختم ہوجائے گا اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل کے بعد ورنہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق بغیر عدت گذارے وہ نکاح کرسکتی ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱۹۳/۳-۱۹۲،طبع سعید)

(ولو اسلم زوج الكتابية)ولوما لآكما مر(فهى له و)المرأة(تبين بتباين الدارين)حقيقة وحكما(لا)بـ(السبى فلو خرج)أحدهما(الينا مسلما)أوذميا أوأسلم أوصار ذمة فى دارنا(أوأخرج مسبيا)وأدخل فى دارنا(بانت)بتباين الدارين ،اذأهل الحرب كالموتى ولانكاح بين حى وميت.....(ومن هاجرت الينا)مسلمة أوذمية(حائلا بانت بلاعدة)فيحصل تزوجها،أماالحامل فحتى تضع على الأظهر لاللعدة بل لشغل الرحم بحق الغير.

وفى الشامية:(قوله ومن هاجرت الينا الخ)ألمهاجرة التاركة دارالحرب الى دار الاسلام على عزم عدم العود،وذالک بأن تخرج مسلمة أوذمية أوصارت كذلک بحر،وهذه المسئلة داخلة فيما قبلها،لكن مامر فيما اذاخرج أحدهما مهاجرأوقعت الفرقة بينهما والمقصود من هذه أنه اذاكانت المهاجرة المرأة ووقعت الفرقة فلاعدة عليها عند أبى حنيفة سواء كانت حاملاً أوحائلاً فتزوج للحال ،الا الحامل فتربص لاعلى وجه العدة بل ليرتفع المانع بالوضع.

ولمافى البحر الرائق:(۲۱۴/۳،طبع سعيد)

(قوله وتنكح المهاجرة الحائل بلاعدة):أى أل[illegible] بحامل.....اذاخرجت المرأة مسلمة أوذمية وتركت زوجها فى دارالحرب فأفادانها بانت فلاعدة عليها ان لم تكن حاملاً فتزوج للحال عندالامام وقالا عليها العدة،لأن الفرقة وقعت بعد الدخول فى دارالاسلام فيلزمها حكم الاسلام ولأبى حنيفة أنها أثرالنكاح المتقدم ووجبت اظهار ألخطره ولاخطر لملک الحربى ،ولهذالاتجب على المسبية.

ولمافى الهداية مع فتح القدير:(۲۹۹/۳،طبع رشيديه)

(واذاخرج أحدالزوجين الينا من دارالحرب مسلماً وقعت البينونة بينهما)الخ.

ولمافى الهداية مع فتح القدير:(۳۰۲/۳،طبع رشيديه)

(واذاخرجت المرأة الينا مهاجرة جازلها أن تتزوج ولاعدة عليها وان كانت حاملاً لم تتزوج حتى تضع حملها)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر: ۲۸۳۷

﴿ناجائز تعلقات والی سے شادی کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

زید اور صائمہ اکٹھے کالج میں پڑھتے تھے، انکے آپس میں ناجائز تعلقات تھے مگر ابھی تک ان سے زنا سرزد نہیں ہوا، البتہ شہوت کے ساتھ ایک دوسرے کو چھوا اور گپ شپ لگائی ہے، جس سے منی خارج ہوئی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا اب زید کے لئے صائمہ سے شادی کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ جس سے ناجائز تعلقات ہوں، اس سے شادی کرنا صحیح نہیں ہے۔

﴿جواب﴾ غیر محرم عورت سے اختلاط اور اسکو شہوت سے چھونا گناہ کبیرہ ہے، لہٰذا زید اور صائمہ دونوں سخت گنہگار ہو گئے ہیں، سچے دل سے توبہ کریں لیکن یہ کہنا کہ اب انکا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا، غلط ہے بلکہ اب تو صائمہ کا زید ہی سے بلا تاخیر نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے تاکہ دوبارہ گناہ کا کوئی خطرہ نہ رہے۔

لمافی الشامی:(۴۸/۲، کتاب النکاح، طبع سعید)

وصح نکاح حبلى من زنا: اى عندهما وقال أبو يوسف لا يصح والفتوى على قولهما.

ولمافی المحیط البرهانی:(۱۰۸/۲، کتاب النکاح، ألفصل الرابع، ادارة القرآن.....)

قال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى يجوز أن يتزوج امرأة حاملا من الزنا ... والفتوى على قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى

ولمافی البحر:(۹۶/۲، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، طبع سعید کراتشی)

لو زنا امرأة رجل لم تحرم عليه وجاز له وطؤها عقب الزنا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۹۵

﴿اپنی مزنیہ سے نکاح اور اس سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا اور عورت کو حمل ٹھہر گیا پھر زید نے اسی عورت سے شادی کر لی، اور شادی کے بعد اس حمل سے بچہ پیدا ہوا! تو کیا زید کا اپنی مزنیہ سے نکاح کرنا درست ہے؟ اور جو بچہ پیدا ہوا اس کا نسب زید سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: ریاض احمد

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں زید کا نکاح اس عورت سے صحیح ہے اور زنا کا وہ خود اگر دعویٰ نہیں کرتا اور بچے کو اپنا بچہ مانتا ہے تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت ہوگا اور لوگوں کیلئے مناسب

نہیں اس کی غلطی پر اور معصوم بچے کی نسل پر تبصرہ کریں۔

لما فی المحیط البرهانی:(۱۷۲،۱۷۲/۴،ثبوت النسب،طبع:دار القرآن)

رجل زنی بامرأة وحبلت منه،فلما استبان حملها تزوجها الذی زنی بها ،فالنكاح جائز وان جاءت بالولد بعد النكاح لستة أشهر فصاعداً تثبت النسب منه،ويرث منه،لأنها جاءت فی مدة حمل تام عقيب نكاح صحيح،وان جاءت به لأقل من ستة أشهر لا يثبت النسب ولا يرث منه،الا أن يقول:هذا الولد منی،ولم يقل من الزنا.

ولما فی التنویر مع الدر:(۴۸/۳،۴۹،طبع:سعید)

(و)صح نكاح (حبلى من زنا لا)حبلى (من غيره)أی الزنی.........

ولما فی الشامی:(۴۹/۳،طبع:سعید)

(قوله والولد له)ای ان جاءت بعد النكاح لستة أشهر مختارات النوازل،فلو لأقل من ستة أشهر من وقت النكاح ،لا يثبت النسب ولا يرث منه ،الا ان يقول هذا الولد منی ولا يقول من الزنی خانية وكذا ثبوته مطلقا اذا جاءت به لستة أشهر من النكاح لاحتمال علوقه بعد العقد وان ما قبل العقد كان انتفاخا لا حملا ويحتاط فی اثبات النسب ما أمكن .

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد شعیب عفی عنہ

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۸۸

﴿انسان کے لئے جنّیہ سے شادی کرنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے کوہستان میں ایک آدمی نے ایک شادی انسان سے کی ہے جبکہ دوسری شادی جنّیہ سے کی ہے تو اسکی جنّیہ سے یہ شادی شرعا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ انسان اور جن دو الگ الگ جنس ہیں اور شریعت میں ایک جنس کی دوسری جنس کے ساتھ نکاح کی بالکل اجازت نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص کا جنّیہ سے نکاح کرلینا شرعی اعتبار سے غلط ہے۔

لما فی قوله تعالی:(سورة النحل،آیت ۷۲)والله جعل لكم من انفسكم ازواجا......الآية.

ولما فی قوله تعالی:(سورة التوبة،آیت ۱۲۸)لقد جاءكم رسول من انفسكم......الآية.

ولما فی رد المحتار:(۶۱/۴-۶۲،باب النكاح،طبع امدادیه)

لاتجوز المناكحة بين آدم والجن وانسان الماء لاختلاف الجنس ومفاد المفاعلة أنه

لایجوز للجنی أن یتزوج انسیة أیضا...... الأصح أنه لایصح نکاح آدمی جنیة کعکسه لاختلاف الجنس ، فکانوا کبقیة الحیوانات.

ولمافی منحة الخالق علی البحر:(۵۸/۱،موجبات الغسل،طبع سعید کراچی)

وکذا اذا ظهر للرجل من الانس جنیة فی صورة آدمیة فوطئها فانه یجب علیه الغسل...... ومن ثم علل به بعضهم حرمة التناکح بینهما.فینبغی حینئذ ان لایجب الا بانزال کما وطء البهیمة والمیتة.

ولمافی الاشباه والنظائر:(ص۳۲۰،أحکام الجان،طبع قدیمی)

لاتجوز المناکحة بین آدمی والجن وانسان الماء لاختلاف الجنس.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

فتویٰ نمبر:۲۷۹۸

﴿ختنہ کیے بغیر نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری دو مہینے بعد شادی ہونے والی ہے جبکہ میں پیدائشی مختون (ختنہ کیا ہوا پیدا) ہوں، اب ساتھی مجھے کہہ رہے ہیں کہ جب تک آپ ختنہ نہیں کروگے تب تک آپکی شادی صحیح نہیں ہوگی اور شادی کے بعد اہلیہ سے تعلقات رکھنا وغیرہ سب کچھ حرام ہوگا، پوچھنا یہ ہے کہ میرے لئے ختنہ کرنا ضروری ہے؟ اور کیا ختنہ کیے بغیر نکاح نہیں ہوگا؟

مستفتی: مستقیم،کورنگی کراچی

﴿جواب﴾ ختنہ پر نکاح کی صحت کا کوئی مدار نہیں ہے بلکہ یہ شعائر اسلام میں سے ایک مستقل سنت ہے اور اسکی اپنی اہمیت ہے لیکن اگر آپ کے بارے میں تجربہ کار لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ مختون پیدا ہوا ہے تو آپ پر ختنہ کرنا لازم نہیں ہے۔

لمافی الهندیة:(۳۵۷/۵،طبع رشیدیه)

قیل فی ختان الکبیر اذا أمکن أن یختتن نفسه فعل والا لم یفعل الأن یمکن أن یتزوج أو یشتری ختانة فتختنه.

ولمافی اختلاف الأئمة العلماء:(۳۲۲/۱،طبع دار الکتب العلمیة،بیروت لبنان)

اتفقوا علی أن الختان فی حق الرجال والخفاض فی حق الأنثی مشروع ثم اختلفوا فی وجوبه فقال ابوحنیفةؒ ومالکؒ هو سنة فی حقهما ولیس بواجب وجوب فرض ولکن یأثم تارکه.

ولمافی قاضیخان:(۴۱۲/۳،فصل فی الختان،طبع:قدیمی)

واذا لم یمکن مد جلدة الصبی لیقطع الا بتشدید وحشفته ظاهرة لو رأها انسان یراه کأنه

ختن قالوا: ینظر الیہ الثقات وأھل البصر من الحجامین فان قالوا ھو علی خلاف مایمکن الاختتان فانہ لایشدد علیہ ولایتعرض بل یترک ویکون ذلک عذرا والواجبات تسقط بالأعذار فالسنۃ أولی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: ذیشان احمد ملازئی

۸ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۹۸۱

﴿رخصتی کے بعد نکاح سے پہلے لڑکی سے تعلق کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکے کی شادی ہونے والی ہے اور لڑکی کے گھر والوں نے رخصتی کراکے لڑکی کو انکے گھر منتقل کیا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ رخصتی کے بعد عقد نکاح سے پہلے لڑکے کے والد کیلئے، جو اس لڑکی کا سسر بنے گا، اس لڑکی سے شرعی پردہ ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد علی کورنگی کراچی

﴿جواب﴾ نکاح کیے بغیر رخصتی کا رواج غلط ہے نکاح رخصتی سے پہلے یا کم از کم ساتھ ہونا ضروری ہے، نکاح سے پہلے بننے والا سسر غیر محرم ہے، تو بننے والا شوہر بھی غیر محرم اور اجنبی ہے، البتہ ایسی لڑکی جس سے شادی کا ارادہ ہو پسند کرنے کی غرض سے دیکھنا جائز ہے شوہر پسند کرے یا اس کا والد اس نظر سے دیکھے تو اسکی گنجائش ہے لیکن یہ مرحلہ رخصتی سے پہلے کا ہے، لہذا رخصتی کے ساتھ بلا تاخیر نکاح ضروری ہے۔

لما فی قولہ تعالی: (سورۃ النور پارہ ۱۸، آیت ۳۱)

وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن...... الآیۃ.

ولما فی ردالمحتار: (۱۱/۳، طبع سعید)

لوقال ھل أعطیتنیھا فقال أعطیت ان کان المجلس للوعد فوعدوان کان للعقد فنکاح.

ولما فی الدرالمختار: (۱۲/۳ طبع سعید)

أوھل أعطیتنیھا أن المجلس للنکاح وان للوعد فوعد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: ذیشان احمد ملازئی

۲۹ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۹۴۳

﴿بیرون ممالک میں نکاح کرنے کی ایک صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہاں سے جو لوگ مزدوری کیلئے یا تعلیم حاصل کرنے کیلئے بیرون ممالک میں جاتے ہیں اور وہاں جا کر نکاح کر لیتے ہیں اور یہ نکاح باقاعدہ طور پر دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن عقد نکاح کے وقت یہ نیت ہوتی ہے کہ جب تک تعلیم حاصل کرتے رہینگے، اس وقت تک نکاح کو برقرار رکھیں گے اور جب واپس جائینگے تو طلاق کے ذریعے نکاح کو ختم کریں گے یعنی مستقل وہاں رہنے کی نیت نہیں ہوتی، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ نکاح کے وقت دل میں پختہ عزم ہو کہ ایک خاص مدت تک اس کو بیوی بنا کر رکھوں گا اور پھر طلاق دیکر چھوڑ دوں گا اس عزم وارادہ کو صرف دل میں اگر پوشیدہ رکھا، بیوی بننے والی خاتون پر ظاہر نہیں کیا بلکہ اس کو یہ تأثر دیا کہ تاحیات باوفا شوہر رہوں گا تو یہ دھوکہ ہے اور مروت کے خلاف ہے، شریعت مطہرہ دھوکہ اور خلاف مروت باتوں کی ہرگز اجازت نہیں دیتی، اس صورت میں اگرچہ نکاح ہو جاتا ہے لیکن دھوکہ اور فریب کا گناہ ضرور ہے، اس لئے کہ نکاح کا مدار گواہوں کی موجوگی میں ایجاب وقبول پر ہے، دل ہی دل میں رکھے پوشیدہ ارادہ پر نہیں ہے اور اگر باقاعدہ ظاہر کر دیا اور نکاح کے وقت طے کر دیا کہ فلاں مدت تک بیوی بنا کر رکھوں گا پھر طلاق دیکر چھوڑ دونگا تو یہ اہل تشیع کے ہاں رائج متعہ ہے، اہل السنّت والجماعت کے ہاں اس کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

لمافی الهندية:(۲۸۳/۱،طبع قديمى)

لوتزوجها مطلقاوفى نيته أن يقعدمعهامدةنواهافالنكاح صحيح.

ولمافى البحرالرائق:(۱۰۸/۳،طبع سعيد)

ولوتزوجهاوفى نيته أن يقعدمعهامدةنواهافالنكاح صحيح لأن التوقيت انمايكون باللفظ.

ولمافى التنويرمع الدر:(۵۱/۳،طبع سعيد)

(وبطل نكاح متعة ومؤقت)وان جهلت المدة أو طالت فى الأصح وليس منه مالو نكحها على أن يطلقها بعدشهر أو نوى مكثه معها مدة معينة.

ولمافى مجمع الأنهر:(۴۸۸/۱،طبع المنار)

ولو تزوج بنية أن يقعد معها مدة نواها فالنكاح صحيح لأن التوقيت انما يكون باللفظ.

ولما فی فتح القدیر:(۲/۲۴۶،۲۴۷طبع رشیدیہ)

ونکاح المتعة باطل وهو أن یقول لامرة خالیة من الموانع أتمتع بک کذا مدة عشرة أیام مثلاً أو یقول أیاما أو متعینی نفسک أیاما أو عشرة أیاما أو یذکر أیاما بکذا من المال.... والحاصل أن معنی المتعة عقد موقت ینتهی بانتهائها الوقت فیدخل فیه ما بمادة المتعة والنکاح الموقت أیضا فیکون النکاح الموقت من المراد المتعة.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :محمد عمران غفرلہ ولوالدیہ

۲صفر المظفر ۱۴۳۲ھ　　　　فتوی نمبر:۲۸۳۱

﴿نکاح میں تعلیق کی ایک صورت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ نکاح کیا:(۱) زید اپنی سابقہ بیوی کو چھ مہینے کے اندر اندر طلاق دے گا اگر طلاق نہیں دی تو یہ نکاح باطل تصور ہوگا (۲) اس دوران (چھ ماہ) میں لڑکی اپنے والد کے ہاں مقیم ہوگی اور زید کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا، اب چھ ماہ سے زائد عرصہ ہوا ہے لیکن زید نے نہ پہلی بیوی کو طلاق دی اور دوسری بیوی کو بھی رکھا ہے۔

لہٰذا اب مطلوب یہ ہے کہ (۱) اس وعدہ طلاق سے اسکی پہلی بیوی کو طلاق ہو جائیگی یا نہیں؟ (۲) سابقہ بیوی کو چھ ماہ کے اندر طلاق نہ دینے کی وجہ سے دوسری بیوی کا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ (۱) اس صورت میں زید کی سابقہ بیوی کو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس کے شوہر نے صرف وعدہ طلاق کیا ہے اور محض وعدہ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی جب تک اپنے کیے وعدہ پر عمل نہ ہو۔

لما فی فتح القدیر:(۴/۷،کتاب الطلاق طبع رشیدیہ)

ولا یقع باطلقک الا اذا غلب فی الحال.

(۲) سابقہ بیوی کو طلاق نہ دینے کے باوجود دوسری بیوی سے کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا، اس لئے کہ اس نے نکاح اگر چہ پہلی بیوی کی طلاق سے معلق کیا تھا لیکن چونکہ اس نے یہ الفاظ استعمال کئے تھے ''نکاح باطل تصور ہوگا'' اور اس قسم کے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اس لئے یہ نکاح درست ہوگا۔

لما فی الهندیة:(۱/۳۱۶طبع قدیمی)

امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده فقال للزوج داده گیر و کرده گیر او قال داده باد و کرده باد ان نوی یقع ویکون رجعیا وان لم ینو لا یقع وفیها ولو قال داده انگار او کرده انگار لا یقع وان نوی.

ولما فی عمدۃ القاری:(۱۹۸/۲۰،طبع رشیدیه)

الشروط التی تشترط فی عقد النكاح وهی علی انواع منها ما یجب الوفاء به كحسن الشعرة ومنها ما لا یلزم كسوال طلاق اختها.....وقال عطاء اذا شرطت انک لا تنكح ولا تتسری ولا تذهب ولا تخرج بها بطل الشرط اذا نكحها.

ولما فی صحیح البخاری:(۷۸۰/۲،طبع رحمانیه)

عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال :لایحل لامراة تسئل طلاق اختها لتستفرغ صحفتها فانما لها ما قدر لها.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۲۵ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر :۲۷۹۲

﴿تحریری صورت میں نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ (۱) اگر کسی کی طرف سے مجلس نکاح میں تحریری صورت میں بغیر اس کی موجودگی کے ایجاب پیش کیا جائے اور فریق ثانی گواہوں کے سامنے اس ایجاب کو قبول کرے تو کیا اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟ (۲) آج کل نکاح کے وقت نکاح نامہ فارم پُر کرنا لازمی ہوتا ہے کیا نکاح کے انعقاد کیلئے شرعاً یہ فارم پُر کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ (۱) اگر چہ بہتر یہ ہے کہ دونوں عاقدین یا ان کے وکلاء مجلس نکاح میں موجود ہوں لیکن اگر کوئی فریق خود یا اس کا وکیل نہ ہو مگر اس کی طرف سے ایجاب مستند تحریری شکل میں موجود ہو اور فریق ثانی گواہوں کی موجودگی میں قبول کرے تو نکاح درست اور صحیح ہوگا۔

لما فی بدائع الصنائع:(۲۳۲/۲،فصل وأما شرائط الركن،طبع سعید)

ولو أرسل اليها رسولا وكتب اليها بذلک كتابا فقبلت بحضرة شاهدين سمعا كلام الرسول وقراءة الكتاب جاز ذلک لاتحاد المجلس من حيث المعنى لان كلام الرسول كلام المرسل لانه ينقل عبارة المرسل وكذا الكتاب بمنزلة الخطاب من الكاتب فكان سماع قول الرسول وقرأة الكتاب سماع قول المرسل وكلام الكاتب معنى.

(۲) نکاح عاقدین کے ایجاب وقبول کا نام ہے بشرطیکہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، نکاح منعقد ہونے کے لئے نکاح نامہ فارم پُر کرنا اسٹامپ لکھوانا شرعاً ضروری نہیں، تاہم آج کل کے حالات کے پیش نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لئے نکاح نامہ فارم پُر کرنا بہتر ضرور ہے۔

لمافی الهدایة:(۲/۲۲۵-۲۲۶،طبع رحمانیه)

قال النکاح ینعقد بالایجاب والقبول بلفظین یعبر بهما عن الماضی...... قال ولاینعقد نکاح المسلمین الابحضور شاهدین عاقلین حرین بالغین مسلمین رجلین اورجل وامرأتین عدولا کانوااوغیر عدول اومحدو دین فی القذف،قال اعلم ان الشهادة شرط فی باب النکاح لقوله علیه السلام (لانکاح الابشهود)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:صلاح الدین

۲۱ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۵۷

﴿نکاح کے وقت تین مرتبہ ایجاب وقبول کاشرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح کے وقت ایجاب وقبول اگر ایک مرتبہ کہا جائے تو اس سے نکاح درست ہوگا یانہیں؟ جبکہ ہمارے علاقے میں تین مرتبہ ایجاب وقبول کہنے کولازمی سمجھاجاتا ہے؟

مستفتی:سلطان ولی

﴿جواب﴾ ایجاب وقبول (عقد نکاح میں ہو یا بیع وشرا کے معاملے میں) صرف ایک ہی مرتبہ کافی ہے،دوسری،تیسری مرتبہ اس کاتکرار کرنا بےسود اورفضول ہے کسی علاقے میں اس کو تین مرتبہ کہنے کوضروری اورلازمی سمجھتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے علماء کو چاہیے کہ اس غلط رواج کو بدل دیں۔

لمافی الدرالمختار مع الدر:(۲/۲۹طبع امدادیه)

(وینعقد)ملتبساً(بایجاب)من احد هما(وقبول)من الاخر.

ولمافی البحر:(۳/۸۱،طبع سعید)

(وینعقدبایجاب وقبول وضعاًللمضی اواحدهما)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۸ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۲

﴿ایجاب اورقبول کے بغیر نکاح منعقدنہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد علی نے اپنے بیٹے کے لئے اپنے بھائی عبدالمتین سے بیٹی کارشتہ مانگا تو عبدالمتین نے اس شرط پر ہاں کردی تھی کہ

جب تمہارا بیٹا عالم بنے گا تو بیٹی دوں گا تو کیا محمد علی اور اس کا باپ دعویٰ کرنے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ محمد علی کا بیٹا عالم بھی نہیں بنا اور لڑکی بھی اس سے شادی کرنے کو پسند نہیں کرتی، قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی: عبدالمتین کراچی

﴿جواب﴾ محمد علی اور عبدالمتین نے اپنے بچوں کا باقاعدہ ایجاب وقبول کے ساتھ اگر نکاح نہیں کیا ہے تو یہ صورت زیادہ سے زیادہ منگنی کی ہے اور منگنی کی حیثیت شریعت میں وعدہ نکاح سے زیادہ نہیں ہے اور جہاں تک ممکن ہو وعدہ پورا کرنا چاہیئے لیکن مذکورہ صورت میں وعدہ مشروط تھا، شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے بیٹی کا نکاح میں دینے سے انکار خلاف وعدہ بھی نہیں ہے۔

مزید یہ کہ اس وعدہ کا تعلق اپنے ذاتی عمل سے نہیں ہے بلکہ اپنی لڑکی کے نکاح سے متعلق ہے اور لڑکی خود عاقل بالغ ہے اگر وہ راضی نہیں ہے تو عبدالمتین کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ زبردستی اپنے بھتیجے کے نکاح میں لڑکی دیدے، ایسے وعدوں کو پورا کرنا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا خلاف ضروری ہے۔

لمافی الهداية:(۲/۳۲۵طبع رحمانیه)

النكاح ينعقد بالايجاب والقبول بلفظين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد غفرلہ ولوالدیہ

۲/۱/۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۲۰

﴿مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکے اور لڑکی نے آپس میں گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کیا، دونوں عاقل بالغ ہیں، اب لڑکا کہتا ہے کہ تم نے میرے ساتھ نکاح کرلیا ہے اور لڑکی کہتی ہے کہ میں تو مذاق کر رہی تھی، میرا نکاح کا ارادہ نہیں تھا، سوال یہ ہے کہ مذاق میں گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد یاسین پشاوری

﴿جواب﴾ شریعت اسلامی میں بعض امور ایسے ہیں جن میں مذاق اور حقیقت دونوں برابر ہیں، ان میں ایک نکاح بھی ہے، اس لئے نکاح مذاق ہی میں کیوں نہ ہو منعقد ہو جاتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اب یہ لڑکی اس لڑکے کی بیوی ہے، طلاق کے بغیر دوسری جگہ شادی نہیں کرسکتی ہے۔

لمافی جامع الترمذی:(۱/۱۴۲،طبع فاروقی ملتان)

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم ثلاث جدھن جدوھزلھن جدالنکاح والطلاق والرجعۃ.وکذافی مشکوۃ المصابیح:(۱/۲۸۴،طبع سعید)

ولمافی مرقاۃ المفاتیح:(۶/۲۹۱،طبع رشیدیہ)

قال القاضی:اتفق أهل العلم علی ان طلاق الهازل یقع فاذاجری صریح لفظة الطلاق علی لسان العاقل البالغ،لاینفعه أن یقول:کنت فیه لاعباًأوهازلاًلأنه لوقبل ذٰلک منه لتعطلت الأحکام وقال:کل مطلق أوناکح أنی کنت فی قولی هازلاًفیکون فی ذٰلک أبطال أحکام الله تعالیٰ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:رضوان اللہ

۱۴ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۳۳

﴿نکاح کے فارم پر دستخط رضامندی کی دلیل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیٹی کا رشتہ ایک جگہ کرایا ہے، نکاح فارم پر میری بیٹی نے دستخط بھی کی ہے، لیکن باقاعدہ طور پر ہم نے اس سے پوچھا نہیں ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا دستخط کرنے سے اسکی اجازت ہوگئی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ لڑکی کا نکاح نامے پر دستخط کرنا آپ کے کئے ہوئے فیصلے پر رضامندی کا اظہار ہے، بشرطیکہ دستخط بغیر جبر واکراہ کے ہوں اور دستخط کرتے ہوئے اس کو اس بات کا علم ہو کہ نکاح کیلئے مجھ سے دستخط کرائے جاتے ہیں۔

لما فی البحر:(۷/۱۴۰،طبع سعید)

والعلم للوکیل بالتوکیل فلو وکله ولم یعلم فتصرف توقف علی اجازۃ المؤکل او الوکیل بعد علمه ـــــ ویثبت العلم اما بالمشافهة اوالکتاب الیه او الرسول الیه.وهکذافی کتاب ''آپ کے مسائل اور انکا حل''

لما فی المحیط البرهانی:(۳/۷۵،طبع بیروت)

اعلم ان السکوت من البکر البالغة جعل رضی بالنکاح سواء استامرها الولی قبل النکاح او زوجها الولی قبل الاستمار ،فبلغها الخبر فسکتت،فالاصل فی ذٰلک قوله

"البكر تستامر في نفسها وسكوتها رضاها" ـــ وهذا لان النكاح لا ينعقد على البكر البالغة الا برضاها ،انما يعرف من جهتها ،وهي تستحيي من الرضا صريحا لما فيه من اظهار الرغبة في الرجال ،فلولم يكتف بجواز النكاح الضاح بسكوتها ،فاتت مصالح النكاح ،وانما جاز السكوت من البكر البالغة اذنا."

ولما في التنوير مع الدر:(۵۸/۳طبع سعيد)

ولاتجبر البالغة على النكاح فان استاذنها هو)اي الولي وهو السنة (او وكيله او رسوله او زوجها)وليها واخبرها رسوله او فضولي عدل فسكتت)عن رده مختارة ـــ فهو اذن

ايضأفي التنوير مع الدر :(۶۲/۳طبع سعيد)

وكذا اذا زوجها الولي عندها)اي بحضرتها (فسكتت)صح (في الاصح ان علمته كما مر والسكوت كالنطق في سبع وثلاثين مسالة .فان استاذنها غير الاقرب فلاعبرة لسكوتها (بل لابد من القول كالثيب)البالغة لا فرق بينهماالا في السكوت لان رضاهما يكون بالدلالة كما ذكره بقوله (او ما هو في معناه)من فعل يدل على الرضا (كطلب مهرها) ونفقتها وتمكينها من الوطء

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :ریحان اللہ

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۳۷۷۵

﴿نکاح متعہ کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ متعہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیونکہ میراایک دوست کہتا ہے کہ متعہ جائز ہے اورقرآن سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں: (فمااستمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن) تو کیامذکورہ آیت کریمہ سے متعہ ثابت ہوجاتا ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾ آیت مذکورہ میں "فمااستمتعتم به منهن" سے متعہ مرادنہیں ہے،آپکادوست کونسی تفسیر کے حوالہ سے یہ مرادلیتا ہے؟مستندتفاسیر سے ہٹ کراپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کرنا گمراہی ہے،تفسیر مظہری روح المعانی اور دیگر مستندتفاسیر میں اس لفظ سے متعہ مرادلینے کومنع کیاہے،جیسا کہ تفسیر مظہری:(۷۵/۲،طبع رشیدیہ)اورروح المعانی:(۹/۵،طبع رشیدیہ) اوراحکام القرآن:(۲۲۹/۲،طبع ادارة القرآن)میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں،اس کے علاوہ احادیث میں واضح طور پرمتعہ کوحرام قراردیا ہے، دراصل چندایک خاص موقعوں پریاچنددنوں کیلئے صحابہ کرام کومتعہ کی اجازت ملی تھی جس کوبعدمیں ہمیشہ کیلئے حرام قراردیا۔

لما فی المظهری:(۷۵/۲،طبع رشیدیه)

روی مسلم عن الربیع بن سبرة بن معبدالجهنی ان اباه حدثه انه کان مع رسول الله ﷺ فقال یاایها الناس انی کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء، وان الله قدحرم ذلک الیٰ یوم القیامة.وکذافی الشامی:(۱۲۷/۲،طبع امدادیه)

ولمافی احکام القرآن للجصاص:(۲۱۴/۲،طبع قدیمی)

عن علی بن ابی طالبؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم "نهی عن متعة النساء یوم خیبروعن أکل لحوم الحمرالانسیة.وکذافی المظهری:(۷۶/۲،طبع رشیدیه)وکذافی الشامی:(۱۲۵/۲،طبع امدادیه)

ولمافی تفسیرالمظهری:(۷۸/۲،طبع رشیدیه)

وقال أکثرالمفسرین:المتعةلیست مرادةمن هذه الایةبل معنیٰ قوله:فمااستمتعتم به منهن ماانتفعتم وتلذذتم بالجماع من النساء بالنکاح الصحیح فاتوهن اجورهن:ای مهورهن کذاقال الحسن ومجاهد واخرج ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابن عباسؓ قال الاستمتاع النکاح وهو قوله:وآتواالنساء صدقٰتهن نحلةً.وکذافی احکام القرآن:(۲۲۱/۲،طبع ادارة القرآن)وکذا فی روح المعانی تفصیلاً:(۹/۵،طبع رشیدیه)

ولمافی الشامی:(۱۲۵/۲ طبع امدادیه)

روی عن علیؓ ان رسول الله ﷺ "نهی عن متعة النساء یوم خیبروعن أکل لحوم الحمر الانسیة" واستمرالامرعلی ذلک حتیٰ فتح مکة حیث ثبت ان النبی ﷺ اباحها ثلاثة ایام وفی بعض الروایات انه اباحها یوم اوطاس ولکن الحقیقة ان ذلک کان فی یوم الفتح ومن قال یوم اوطاس فذلک لاتصالهابهاثم حرمهارسول اللهﷺبعدذلک الی یوم القیامة.

ولمافی الهندیة:(۲۸۲/۱ طبع رشیدیه)

نکاح المتعةباطل لایفیدالحل ولایقع علیهاطلاق ولاایلاء ولاظهارولایرث احدهمامن صاحبه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفاالله عنه | والله اعلم بالصواب:رضوان الله

۱۲صفرالخیر ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر:۱۸۹۳

﴿میسج سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میرے دوست نے اپنی کزن سے میسج پر کہا کہ میں تم سے نکاح کرتا ہوں اور اس لڑکی نے بھی کہا کہ مجھے قبول ہے، ان کا کوئی گواہ موجود نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا نکاح ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی:عبدالعزیز،سنہری مسجد

﴿جواب﴾ مسئولہ صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوا ہے، نکاح کے منعقد ہونے کے لئے

گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرنا شرط ہے۔

لمافی الهدایة:(۲/ ۳۲۶،طبع رحمانیه)

ولاينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين اورجل و امرأتين عدولاكانوا.....اعلم ان الشهادة شرط في باب النكاح لقوله ﷺ: لانكاح الابشهود.

لمافی التنویر مع الدر:(۳/ ۲۱،طبع سعید)(و)شرط (حضور)شاهدين(حرين)اوحر وحرتين.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد زبیر اکرام

۶ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۶۹۶

﴿بوقت رخصتی دو بھائیوں کی بیویوں کا غلطی سے تبادلہ ہو جائے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ دو بھائیوں کا نکاح ایک ہی گھر میں اور ایک ہی وقت میں ہوا لیکن رخصتی کے وقت دونوں کی بیویوں کا گاڑی میں بٹھاتے وقت غلطی سے تبادلہ ہو گیا اور ہر ایک کی بیوی دوسرے کے گھر پہنچ گئی اور ہر ایک نے دوسرے کی بیوی کیساتھ رات بھی گزاری، اس بات کا انکشاف دوسرے دن ہوا تو ہر ایک کو پشیمانی ہوئی، اب اس مسئلہ کا شرعاً کیا حل ہے؟ یعنی دونوں کے لئے اپنی اپنی بیوی کا لانا ضروری ہے یا اسی متبادلہ بیوی کو برقرار رکھیں تو تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟ نیز اس صورت میں مہر کا کیا حکم ہے؟ سائل:محمد سجاد

﴿جواب﴾ اس طرح مغالطہ کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ ہر ایک اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور عدت گزارے بغیر جس کے ساتھ رات گزاری ہے نئے حق مہر کے ساتھ نیا نکاح کرے بشرطیکہ ہر ایک اس عورت پر راضی ہو، طلاق کی صورت میں مقرر شدہ مہر کا آدھا حصہ واجب الاداء ہوگا، البتہ مطلقہ معاف کرنا چاہے تو معاف کرسکتی ہے اور اگر طلاق نہ دینا چاہیں بلکہ ہر ایک اپنی بیوی کو رکھنا چاہے تو جس نے جماع کیا ہے اس کے ذمہ اس عورت کی عزت کا مہر مثل بھی واجب ہے اور جس عورت کے ساتھ جماع ہوا ہے جب تک عدت پوری نہ گزرے شوہر کے لئے اس سے ملنا جائز نہیں ہے۔

لمافی قوله تعالى:(سورة البقرة،ايت۲۳۷)

وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقدفرضتم لهن فريضة فنصف مافرضتم الاان

يعفون او يعفو الذى بيده عقدة النكاح وان تعفوا اقرب للتقوى۔

ولما فى قوله تعالىٰ:(سورة الاحزاب،آیت ۴۹)

يا ايها الذين آمنوا اذا نكحتم المومنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها فمتعوهن وسرحوهن سراحاً جميلاً ...الآية۔

ولما فى التاتارخانية:(۱۱۲/۳،طبع قديمى)

(وفى جامع الجوامع)اخوان تزوجا اختين فادخلت امرأة كل واحد منهما على آخر ودخلا كان على الواطئ مهر المثل وترد كل واحدة الىٰ زوجها ولا يطأواحد حتىٰ تنقضى عدتها واستحسن بعض العلماء ان يطلق كل واحد امرأته ويتزوج التى دخل بها(وفى المنتقى وعلىٰ كل واحد منهما الامرأته نصف المهر وللتى وطأها مهر مثلها)

ولما فى ردالمحتار:(۲۸۲/۲،طبع امدادیه)لو زفت اليه غير امرأته فوطئها لزمه مهر مثلها۔

ولما فى الاشباه والنظائر:(ص ۳۲۹،طبع قديمى)

الذى يحرم على الرجل وطئ زوجته مع بقاء النكاح الحيض والنفاس..... وعدة وطئ الشبهة۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب:ابوخزیمہ محمد کفایت اللہ

۲۲صفر ۱۴۳۰ھ

فتویٰ نمبر:۱۹۲۳

﴿نکاح اور دعوت ولیمہ کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے فرض ہے یا واجب؟(۲)ولیمہ کا مسنون وقت کونسا ہے؟

مستفتی:زاہد علی

﴿جواب﴾ ویسے عام حالات میں عام لوگوں کیلئے نکاح سنت مؤکدہ ہے،البتہ کسی پر شہوت کا اس قدر غلبہ ہو کہ حرام کاری میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو اور بغیر نکاح کے اس سے بچنا مشکل ہو جبکہ نکاح پر اسے قدرت بھی حاصل ہے تو اس کیلئے نکاح فرض ہے شہوت کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ بڑے گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو لیکن اس سے بے خوف بھی نہیں یعنی کسی درجہ میں اس کا اندیشہ ہو یا بدنظری وغیرہ جیسے گناہوں میں مبتلا رہنے کا اندیشہ ہو تو نکاح واجب ہے، بلاوجہ نکاح نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

لما فى الدر المختار:(۶/۳،طبع سعید)

(ويكون واجبا عند التوقان) فان تيقن الزنا الا به فرض نهاية وهذا ان ملك المهر والنفقة والا فلا اثم بتركه بدائع (و) يكون (سنة) مؤكدة فى الأصح فيأثم بتركه ويثاب ان نوى تحصينا وولدا قوله عند التوقان..... والمراد شدة الاشتياق كما فى الزيلعى أى

بحيث يخاف الوقوع في الزنا ... قلت: وكذا فيما يظهر لو كان لا يمكنه منع نفسه عن النظر المحرم أو عن الاستمناء بالكف فيجب التزوج وإن لم يخف الوقوع في الزنا.

ولما في الهندية: (۱/ ۲۶۷، طبع رشيديه)

(وأما صفته) فهو أنه في حالة الاعتدال سنة مؤكدة وحالة التوقان واجب وحالة خوف الجور مكروه.

(۲) ولیمہ کا صحیح وقت رخصتی کے بعد ہے یعنی میاں بیوی کی ملاقات کے بعد تاہم نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے ولیمہ کرنے سے بھی سنت ادا ہو جائیگی۔

لما في اعلاء السنن: (ج ۱۱ ص ۱۷، طبع دار الكتب بيروت)

وقال في فتح الباري وحديث أنس في هذا الباب صريح في أنها أي الوليمة بعد الدخول لقوله فيه أصبح عروسا بزينب فدعا القوم. كذا في الهندية: (۵/ ۳۴۳، طبع رشيديه)

ولما في الشامي: (۶/ ۳۴۷، طبع سعيد)

قوله دعي الى وليمة هي طعام العرس وقيل الوليمة اسم لكل طعام.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب

۲۲ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ: ۱۵۱۷

﴿دعوت ولیمہ سنت سے ثابت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ولیمہ سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ ایک دوست کا کہنا ہے کہ ولیمہ سنت سے ثابت نہیں کیونکہ عرب لوگوں میں اسکا رواج نہیں ہے، برائے مہربانی شریعت کی رو سے جواب دیکر مطمئن فرمائیں۔ سائل: محمد سراج

﴿جواب﴾ بلاشبہ ولیمہ سنت مطہرہ سے ثابت ہے، صحیح بخاری اور دیگر تمام کتب صحاح میں دعوت ولیمہ سے متعلق احادیث موجود ہیں جن میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو اس کا استحبابی حکم فرمانا بھی واضح طور پر منقول ہے، اس کے علاوہ جمہور علماء کرام کا اس پر ہمیشہ عمل رہا ہے اور آج تک امت میں یہ عمل سنت سمجھ کر رائج ہے، البتہ فرض یا واجب نہیں یعنی کوئی نہ کرے تو اسکو ملامت کرنا بھی درست نہیں، عرب لوگوں میں کسی عمل کا رائج ہونا یا نہ ہونا یا عام لوگوں کا کسی مستحب عمل سے صرف نظر کرنا شرعی احکام کیلئے کوئی معیار نہیں ہے صحیح احادیث میں دعوت ولیمہ کا حکم ہے اور ثبوت کیلئے بس اتنا ہی کافی ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۲/-۷۸۳،طبع رحمانیه)

عن انس رضی الله عنه قال:ماأولم النبی صلی الله علیه وسلم علیٰ شئی من نسائه ماأولم علیٰ زینب أولم بشاة......وعنه قال:ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اعتق صفیة وتزوجها وجعل عتقها صداقها وأولم علیها بحیس......وعنه یقول :بنی النبی صلی الله علیه وسلم بامرأة فارسلنی فدعوت رجالاً الیٰ الطعام.

ولمافی مشکوٰة المصابیح:(ص۲۷۸،طبع سعید)

عن انس قال:ان النبی صلی الله علیه وسلم رأی علیٰ عبدالرحمٰن بن عوف أثر صفرة فقال "ما هذا"؟ قال انی تزوجت امرأة علیٰ وزن نواة من ذهب .قال: "بارک الله لک"أولم ولوبشاة.(متفق علیه)

ولمافی مرقاة المفاتیح:(۶/ ۳۲۵،طبع رشیدیه)

(أولم ولوبشاة)أی اتخذولیمة قال ابن الملک تمسک بظاهره من ذهب الیٰ ایجابها والأکثرعلیٰ ان الأمرللندب.قیل انهاتکون بعدالدخول وقیل عندالعقدوقیل عندهماواستحب اصحاب مالک ان تکون سبعة ایام.والمختارعلیٰ أنه علیٰ قدرحال الزوج.

ولمافی الهندیة:(۵/ ۳۴۳،طبع رشیدیه)

ولیمة العرس سنة وفیهامثوبة عظیمة وهی اذا بنی الرجل بامرأته ینبغی أن یدعوالجیران والاقرباء والاصدقاء ویذبح لهم ویصنع لهم طعاما......ولابأس بأن یدعویومئذمن الغد وبعد الغد.ثم ینقطع العرس والولیمة کذافی الظهیریة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد کفایت اللہ

۲۹جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۲۰۲

﴿موبائل فون کے ذریعہ نکاح کیلئے گواہ بنانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک لڑکا اور لڑکی آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں اور اس مجلس میں گواہ موجود نہیں ہیں اور وہ کسی کو فون کر کے گواہ بنائیں اور ایجاب وقبول کریں تو اس سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ مستفتی:عائشہ رحمٰن

﴿جواب﴾ نکاح میں گواہوں کا ایجاب وقبول کے الفاظ کا سننا کافی نہیں ہے، باقاعدہ اسی مجلس میں ان کا موجود ہونا بھی ضروری ہے، اسکے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوگا، لہٰذا موبائل فون کے ذریعہ کسی کو ایجاب وقبول کے الفاظ سنا کر گواہ بنانا کافی نہیں ہے اس سے نکاح نہیں ہوگا۔

لمافی الشامی:(۳/ ۲۱،طبع سعید)

(و)شرط(حضور)شاهدین(حرین)أوحروحرتین مکلفین سامعین قولهمامعاً(قوله

وشرط حضور شاهدين) أي يشهد ان على العقد، أما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته كما قدمناه عن البحر.

ولما في الهداية: (۲/۳۲۶، طبع رحمانيه)

ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين عاقلين حرين بالغين...... ان الشهادة شرط في باب النكاح لقوله ﷺ لا نكاح الا بشهود.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

۹ رجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۷۲

﴿رخصتی اور ولیمہ میں بدعات وغیرہ سے بچنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض دیندار ساتھیوں میں اس بات کو کافی اہمیت دیجاتی ہے کہ رخصتی کے وقت اپنی بیٹی کو لڑکے کے گھر خود لیجاتے ہیں، لڑکے کے گھر والوں کو بھی اس کی چاہت ہوتی ہے جبکہ باقی رسومات مثلاً دعوت ولیمہ میں مرد اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، اس سے اتنا پرہیز نہیں کیا جاتا؟ مستفتی: عبدالرؤف

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ رخصتی کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسنون طریقہ جس پر آپ نے اپنی بیٹی فاطمۃ الزہرا کی رخصتی فرمائی، وہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ کو یہ حکم دیا کہ وہ خود حضرت فاطمہ کو حضرت علی کے گھر پہنچادیں، لہذا بہتر یہی ہے کہ لڑکی والے اس کو لڑکے کے گھر خود لیجائیں، البتہ اگر لڑکے والے خود لیجانا چاہیں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

لما في سنن ابن ماجة: (ص ۱۳۷، طبع قديمي)

عن عائشة وام سلمة قالتا أمرنا رسول الله ﷺ ان نجهز فاطمة حتى ندخلها على علي...... الخ

رخصتی کا یہ طریقہ مسنون و مستحسن ہے اور شادی کیلئے باعث برکت بھی ہوگا بشرطیکہ اسکے ساتھ ساتھ ناجائز اور حرام رسومات سے بھی اجتناب ہو، صرف رخصتی کا یہ طریقہ اختیار کرنا باقی ولیمہ کے موقع پر حضرات وخواتین کے اختلاط کی پرواہ نہ کرنا دینداروں کے خلاف طنز وشکایت کا باعث ہے، بعض اوقات مستحسن امور کو زیادہ اہمیت دینا اور حرام کی پرواہ نہ کرنا بڑی دوری کا باعث ہوجاتا ہے، خصوصاً جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ نسبت سے نوازا ہے انہیں اسکا بہت زیادہ خیال

رکھنا چاہیے۔ "حسنات الابرار سیأت المقربین" روح المعانی: (۱/ ۳۱۸، طبع رشیدیہ)

لمافی التنویر مع الدر: (۶/ ۳۴۸، طبع سعید)

(فان قدر علی المنع فعل والا) یقدر (صبر ان لم یکن ممن یقتدیٰ به فان کان) مقتدیٰ (ولم یقدر علی المنع خرج ولم یقعد) لان فیه شین الدین.

وفی الشامیة: (قوله فعل): ای فعل المنع وجوبا ازالة للمنکر (قوله صبر): ای مع الانکار بقلبه قال علیه السلام من رأی منکم منکرا ...... الخ وساق بعد هذا فی التبیین ما رواه ابن ماجه ان علیا قال صنعت طعاما فدعوت رسول الله صلی الله علیه وسلم فجاء فرأی فی البیت تصاویر فرجع قلت مفاد الحدیث انه یرجع ولو بعد الحضور وانه لاتلزم الاجابة مع المنکر اصلا.

ولمافی الهدایة: (۴/ ۴۵۵-۴۵۶، طبع رحمانیه)

فان قدر علی المنع منعهم فان لم یقدر یصبر وهذا اذا لم یکن مقتدیٰ به فان کان ولم یقدر علی منعهم یخرج ولا یقعد لان فی ذلک شین الدین وفتح باب المعصیة علی المسلمین ..... الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن پورنوی

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۹۱

﴿کسی مہینے میں شادی کرنا منحوس نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسلامی مہینوں میں کوئی ایسا مہینہ ہے جسمیں نکاح کرنا منحوس ہو؟ مستفتی: شاهد ابوبکر مسجد

﴿جواب﴾ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کسی دن، مہینے یا زمانے میں کوئی نحوست نہیں بلکہ نحوست اگر ہوتی ہے تو وہ انسان کے اپنے اعمال واخلاق کے اعتبار سے ہوتی ہے، زمانے کا اس میں کوئی اثر نہیں، زمانہ بھی تو اللہ تعالی کی مخلوقات سے ایک مخلوق ہے جسمیں اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی خرابی نہیں۔

لمافی الصحیح لمسلم: (۲/ ۲۳۷، طبع قدیمی)

کماروی عن أبی هریرة رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: قال الله تبارك وتعالی یسب ابن آدم الدهر وأنا الدهر بیدی اللیل والنهار "قال النووی فی شرح هذا الحدیث: وأما الدهر الذی هو الزمان فلا فعل له بل هو مخلوق من جملة خلق الله تعالی.

اور یہ دور جاہلیت کا ایک باطل عقیدہ تھا کہ وہ بعض چیزوں کو منحوس سمجھتے تھے اور اس سے بد

شگونی لیتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا اور مسلمانوں کو ایک اسلامی عقیدے کی تلقین کر کے فرمایا:

لمافی صحیح البخاری:(۲/۸۶۸،طبع رحمانیه) لا عدویٰ ولا طیرة ولا هامة ولا صفر.

اور فرمایا کہ نحوست اگر کسی چیز میں ہوتی تو گھر بیوی اور گھوڑے میں ہوتی، اسی طرح یہ بھی دور جاہلیت کا ایک غلط عقیدہ تھا کہ وہ بعض مہینوں میں نکاح کو منحوس سمجھتے تھے جیسے شوال کا مہینہ اسکی تردید کیلئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی کافی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح شوال ہی میں ہوا اور رخصتی بھی اس لئے حضرت عائشہ رضی عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ لوگ شوال میں نکاح کو منحوس سمجھتے ہیں حالانکہ میرا نکاح اور رخصتی بھی شوال ہی میں ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی بیوی ہے جو مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہو۔

لہٰذا یہ سمجھنا کہ فلاں مہینے میں نکاح کرنا ممنوع یا منحوس ہے، ایک غلط عقیدہ ہے جو کسی بھی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔

ولمافی صحیح البخاری :(۲/۷۶۹،کتاب النکاح برقم الحدیث:۵۰۹۴،طبع رحمانیه)

عن ابن عمر رضی الله عنه قال :ذکروا الشؤم عند النبی صلی الله علیه وسلم "فقال النبی صلی الله علیه وسلم :ان کان الشؤم فی شیء ففی الدار والمرأة والفرس.

ولمافی الصحیح للمسلم:(۱/۴۵۶،کتاب النکاح،طبع قدیمی)

عن عائشة رضی الله عنها قالت تزوجنی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی شوال وبنیٰ بی فی شوال فأی نساء رسول الله صلی الله علیه وسلم کان احظی عنده منی، قال وکانت عائشة (رضی الله عنها) تستحب أن تدخل نسائها فی شوال.

قال النووی رحمه الله:فی شرح هذا الحدیث:فیه استحباب التزوج والتزویج والدخول فی شوال ،وقد نص اصحابنا علی استحبابه واستدلوا بهذا الحدیث،وقصدت عائشة (رضی الله عنها) بهذا الکلام رد ماکانت الجاهلیة علیه وما یتخیله بعض العوام الیوم من کراهة التزوج والتزویج والدخول فی شوال وهذاباطل لا اصل له وهو من آثار الجاهلیة کانو یتطیرون بذلک.

ولمافی الشامی :(۳/۸،طبع سعید)

(تنبیه)قال فی البزازیة:والبناء والنکاح بین العیدین جائز وکره الزفاف والمختار أنه لایکره لانه علیه الصلاة والسلام تزوج بالصدیقة فی شوال وبنی بها فیه.

والله اعلم بالصواب: عباد الله صوابی

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا الله عنہ

فتویٰ نمبر:۲۹۱۴

۲۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿شوال اور ذیقعدہ میں نکاح کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں عام طور پر یہ رواج ہے کہ لوگ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیان دو مہینوں میں رخصتی سے احتراز کرتے ہیں خیال یہ کیا جاتا ہے کہ ان دنوں میں شادی کے ساتھ نحوست آتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں مہینوں میں نکاح اور رخصتی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مستفتی: سردار علی بشامی

﴿جواب﴾ مہینے اور دن سب اللہ تعالی کے ہیں کسی بھی مہینے میں شادی کرنے سے کوئی نحوست نہیں آتی، یہ ایک غلط عقیدہ ہے بلکہ ایک لحاظ سے ان دنوں میں شادی کرنا باعث برکت ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے خود شوال کے مہینے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کیا اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی بھی اسی مہینہ میں ہوئی ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے ذریعہ امت کو دین اسلام کا بہت بڑا حصہ ملا ہے کس قدر برکت کی شادی تھی۔

لما في البزازية:(۱۴۷/۱ مطبع قديمي)

والنكاح بين العيد ين جائز و كره بعضهم الزفاف والمختار انه لا يكره لانه عليه الصلوة والسلام تزوج بالصديقةؓ في شوال و بنى بها فيه و تاويل قوله:عليه الصلوة والسلام لانكاح بين العيد ين ان صح انه عليه الصلوة والسلام كان رجع من العيد في اقصر ايام الشتاء الى الجمعة فعرض عليه الانكاح فقاله حتى لايفوته الرواح في الوقت الافضل الى الجمعة.

ولما في الترمذي:(۲۲۸/۲ مطبع فاروقي ملتان)

عن ابي موسىؓ قال ما اشكل علينا اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم حديث قط،فسالنا عائشة الا وجدنا عندها منه علما وفي المرقاة خذوا ثلث دينكم من بيت الحميراء.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۸ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۴۱۶

﴿عقد نکاح مسجد میں منعقد کرنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مسجد میں عقد نکاح منعقد کرنے کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مسجد میں عقد نکاح منعقد کرنا مستحب اور باعث برکت ہے بشرطیکہ مسجد کے آداب کی رعایت رکھی جائے، آج کل عموماً عقد نکاح کے دوران لوگ ایسے امور کا ارتکاب

کرتے ہیں جو آداب مسجد کے خلاف بلکہ بعض تو شرعاً ممنوع ہوتے ہیں۔

مثلاً تصویریں کھینچنا اور فلم بندی کرنا وغیرہ، مذکورہ بالا امور خصوصاً تصویر کشی اور فلم بندی جیسے امور سے احتراز نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں مسجد سے باہر کسی دوسری جگہ اس مجلس کو منعقد کیا جائے، ورنہ مسجد کی بے حرمتی کا الگ گناہ ہوگا۔

لما في جامع الترمذي:(۱۲۹/۱،طبع فاروقي ملتان)

قال رسول الله ﷺ اعلنوا هذا النكاح واجعلواه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف.

ولما في الدر المختار:(۸/۳،طبع سعيد)

ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد.

ولما في اعلاء السنن:(ج ۱۱ ص ۱۷،طبع دار الكتب العلمية)

ان النبي ﷺ حضر في املاك (اي نكاح) فأُتي بطباق عليها جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ايدينا فقال ما بالكم لا تاخذون فقالوا لانك نهيت عن النهبى فقال ما نهيتكم عن نهبى العساكر خذوا على اسم الله فجاذبنا وجاذبناه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالرزاق غفرلہ

۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۱۱

﴿نکاح کس جگہ بہتر ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر نکاح عورت (دلہن) کے گھر پڑھایا جاتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرد (دولہا) کے گھر پڑھانا بہتر ہے۔ براہ کرم شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ مستفتی: الطاف حسین

﴿جواب﴾ نکاح دلہن یا دولہا کسی کے بھی گھر میں پڑھایا جا سکتا ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ نکاح مسجد میں پڑھایا جائے۔

لما في جامع الترمذي:(۱۲۹/۱،طبع:فاروقي كتب خانه ملتان)

عن عائشةؓ قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربو عليه با لدفوف.

ولما في الدر المختار مع الرد المختار:(۸/۳،طبع:سعيد)

ويندب اعلانه وتقديم الخطبة وكونه في مسجد يوم جمعة.قال الشامي:(قوله:في مسجد)للامر به في الحديث.

ولما فی البحر الرائق:(۳/۱۲۴، طبع: رشیدیه)
واشار المصنف بکونه سنة او واجباً الی استحباب مباشرة عقد النکاح فی المسجد لکونه عبادة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: تنویرالرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ
۲۱ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ
فتویٰ نمبر: ۲۸۰۶

﴿صرف اس طرح کہنا ''بیٹی دے دی'' اس سے نکاح نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ نابالغ بچی کے بارے میں والد نے بھتیجے کو یا اس کے والد کو کہدیا کہ میں نے آپ کو اپنی فلاں بچی دے دی ہے۔ باقاعدہ نکاح نہیں ہوا تو اس کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: پٹواری صاحب پنیالہ ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ نکاح میں ایجاب وقبول رکن ہے۔ اور گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہونا شرط ہے۔ اس کے بغیر نکاح نہیں ہوتا مذکورہ صورت میں صرف وعدہ نکاح ہوا ہے، باقاعدہ نکاح نہیں ہوا لہذا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہوسکتا ہے، تاہم کوئی خاص وجہ نہ ہو تو وعدہ پورا کرنا چاہئے اور اسی بھتیجے سے اس کا نکاح ہونا چاہئے۔ اور یہ لڑکی اب اگر بالغہ ہے تو اسکی اجازت ضروری ہے۔ اسکی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکے گا۔

لما فی البحر الرائق:(۳/۸۳، طبع: سعید)
وان کان مبدؤا بالتاء نحو تزوجنی بنتک و قال فعلت ینعقد به ان لم یقصد الاستیعاد لانه یتحقق فیه هذاالاحتمال. کماذکره اسبیجابی لوقال هل اعطیتنها ان کان المجلس للوعد فوعد وان اکان للعقد فنکاح

(ولمافی الشامیه تحت قوله (اذالم یرد الاستفهام) ج۳/۱۱ طبع سعید)
قال فی شرح الطحاوی (لوقال هل اعطیتنها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعدفوعدوان کان للعقدفنکاح: قال الرحمتی فعلمنا ان العبر ةلمایظهرمن کلامهما لالنیتهما.

وایضا:(۳/۱۵، طبع: سعید)
(قوله لایشترط) ای فیما کان بلفظ التزویج و نکاح بخلاف ماکان کنایة لمایأتی من انه لابد فیه من نیة اوقرینة ا......

(وایضا فی تنویر الابصار مع الدرالمختارج۳/۹ طبع سعید)
(وینعقد) متلبسا (بایجاب) من احدهما وقبول من الاخر......

ولما فی العالمکیریة:(۱/۲۶۹،طبع: رشیدیه)

ومنها أن یکون الا یجاب و القبول فی مجلس واحدحتی لو اختلف المجلس بان کاناحاضرین فاوجب أحدهما فقام الأخر من المجلس قبل القبول ، وان کان اشتغل بعمل یوجب اختلاف المجلس لا ینعقد......

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویرالرحمٰن عفی اللہ عنہ

۲صفرالخیر۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۴۴۳

﴿نکاح میں دوگواہوں کا ہونا ضروری ہے ورنہ جماع نہیں زنا شمار ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بکر اور خالدہ دونوں مشورے سے اپنے اپنے گھر سے بھاگ گئے اور کسی دوسرے علاقے میں جا کر خفیہ طور پر نکاح کیا، بوقت نکاح صرف ایک شخص اور ایک کم سن بچہ موجود تھا اور وہی دونوں نکاح کے گواہ بھی مقرر ہوئے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ اور اگر صحیح نہیں تو کیا اسکے نتیجے میں کیا گیا جماع، زنا موجب حد ہوگا یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت مطہرہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ نکاح کیلئے دو عاقل، بالغ، مسلمان، گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، مذکورہ صورت میں ایک گواہ کم سن نابالغ ہے جسکی گواہی کا اعتبار نہیں، لہٰذا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا اور اسکے نتیجے میں جماع کرنا حرام اور ناجائز ہے اور اس پر توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے، البتہ یہ ایسا زنا نہیں جو موجب حد ہو لیکن دو عاقل، بالغ گواہوں کی موجودگی میں دوبارہ ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے اور ان دونوں کو چاہیے کہ لڑکی کے والدین سے معافی بھی مانگیں۔

لمافی التنویرمع الدر:(۳/۲۱،طبع سعید)

(و)شرط(حضور)شاهدین(حرین)اوحروحرتین(مکلفین سامعین قولهما معا)علی الاصح.

ولمافی البدائع:(۲/۲۵۲-۲۵۳،طبع سعید)

ومنها الشهادة وهی حضور الشهود......واما صفات الشاهد الذی ینعقد به النکاح وهی شرائط تحمل الشهادة للنکاح فمنها العقل ومنها البلوغ ومنها الحریة فلاینعقدالنکاح بحضرة المجانین والصبیان.

ولمافی البدائع:(۷/۳۵،طبع سعید)

وکذلک وطء امرأة تزوجها بغیرشهودا وبغیرولی عندمن لایجیزه لایوجب الحد لان العلماء اختلفوا منهم من قال یجوز النکاح بدون الشهادة والولایة فاختلافهم یورث شبهة.

ولما فی الهندیة:(۲/ ۱۶۴،طبع قدیمی)

وان کان النکاح مختلفا فیه کالنکاح بلا شهود او بلا ولی فلا حد علیه اتفاقا لتمکن الشبهة عند الکل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ سبحانہ اعلم: افتخار احمد گلگتی

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۰۹۳

﴿نکاح کی وکالت پر گواہ بنانے کا حکم اور گواہ بننے کی شرائط﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک عورت کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنائے تو اس کیلئے گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا بغیر گواہوں کے بھی یہ وکالت صحیح ہے اور اگر کوئی کسی معاملہ کے ہوتے وقت وہاں موجود ہو تو کیا اسکو یہ کہنا ضروری ہے کہ آپ اس معاملہ پر گواہ رہو یا اس کے بغیر بھی صرف موجودگی گواہ بننے کیلئے کافی ہے؟

﴿جواب﴾ وکالت بغیر گواہوں کے بھی صحیح اور معتبر ہے۔ البتہ قاضی کے ہاں ثابت کرنے کیلئے گواہوں کی ضرورت پیش آسکتی ہے، نیز کسی معاملہ پر گواہی دینے کیلئے ضروری نہیں ہے کہ اس موقع پر باقاعدہ گواہ بننے کیلئے اس سے کہے، بلکہ معاملہ کے موقع پر موجود ہر شخص کی گواہی معتبر ہے بشرطیکہ گواہی کی شرائط پوری اس میں موجود ہوں یعنی وہ گواہی دینے کا اہل ہو اور اسکی موجودگی اور مشاہدہ میں وہ معاملہ ہوا ہو۔

لما فی الشامی(۳/ ۹۵،طبع: سعید)

واعلم انه لا تشترط الشهادة علی الوکالة بالنکاح بل علی عقد الوکیل وانما ینبغی ان یشهد علی الوکالة اذا خیف جحد الموکل ایاها.

ولما فی التنویر مع الدر(۵/ ۴۶۲،طبع: سعید)

وشرائط التحمل ثلاثة(العقل الکامل)وقت التحمل،والبصر،ومعاینة المشهود به الا فیما یثبت بالتسامع.

ولما فی بدائع الصنائع(۶/ ۲۶۶،طبع: سعید)

واما الشرائط فی الاصل فنوعان نوع هو شرط تحمل الشهادة ونوع هو شرط اداء الشهادة(اما)الاول فثلاثة احدها ان یکون عاقلا وقت التحمل فلا یصح التحمل من المجنون والصبی الذی لا یعقل لان تحمل الشهادة عبارة عن فهم الحادثة وضبطها ولا یحصل ذالک الا بآلة الفهم والضبط وهی العقل والثانی ان یکون بصیرا وقت التحمل عندنا فلا یصح التحمل من الاعمی۔۔۔۔۔

الثالث ان یکون التحمل بمعاینة المشهود به بنفسه لا بغیره الا فی اشیاء مخصوصة یصح التحمل فیها بالتسامع من الناس لقوله علیه الصلاة والسلام للشاهد اذا علمت مثل الشمس فاشهد والا فدع ولا یعلم مثل الشمس الا بالمعاینة بنفس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۱۷۷

﴿نکاح کے لئے عورت کا وکیل بنانا گواہوں کی موجودگی میں زیادہ بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں امام صاحب (نکاح خواں) بوقت نکاح عورت سے اسکے نکاح کا وکیل بنوانے کے لئے خود بمع دو گواہوں کے جاتے ہیں پھر خطبہ نکاح کے وقت وکیل دولہا کے سامنے ایجاب کرتا ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ عورت سے وکیل بنوانے کے لئے گواہوں کا اور نکاح خواں کا جانا صحیح ہے، نیز وکیل کون ہوسکتا ہے؟ ہمارے ہاں رواج ہے کہ لوگ وکیل ایسے شخص کو بناتے ہیں جو کہ شادی شدہ ہو اگر چہ وہ غیر محرم اور کہیں دور کا رشتہ دار ہو پھر وہ عورت اس وکیل کو اپنے بھائی جیسا شمار کرتی ہے اور وکیل بھی اسے اپنی بہن شمار کرتا ہے اور بیاہ کے موقعوں پر اسکو حقیقی بہن کیطرح ضرور دعوت دیتے ہیں اور عید جیسے موقعوں پر عیدی وغیرہ اور تحفے تحائف بھی بھیجتے ہیں، اس سے پردہ بھی نہیں کرتے۔

مستفتی: منصور خان کوہاٹی شکردرہ جانک

﴿جواب﴾ کوئی بھی عاقل، بالغ مرد ہو خواہ عورت محرم ہو خواہ غیر محرم ہو وکیل بن سکتا ہے اور وکالت صحیح ہونے کے لئے گواہوں کا موجود ہونا بھی کوئی ضروری نہیں ہے، نکاح ہو جائیگا لیکن بہتر یہ ہے کہ وکیل ایسا شخص ہو جو کہ خود ولی بھی ہو مثلاً باپ، دادا بھائی تایا وغیرہ اور وکالت پر دو گواہ بھی ہوں تاکہ بعد میں قاضی کے سامنے وکالت ثابت کرنے کی ضرورت اگر پڑے تو گواہوں کی مدد سے وکیل اپنی وکالت ثابت کر سکے۔

ولی اور محرم کی موجودگی میں بلا ضرورت غیر محرم کو کوئی عورت اگر وکیل بناتی ہے تو نکاح اگر چہ ہو جائیگا لیکن ایسا کرنا حیادار عورت کے مقام کے خلاف ہے، اس سے گریز کرنا چاہیے اور جو کہا گیا ہے کہ وہ شخص غیر محرم اس عورت کا بھائی ہو جاتا ہے، اس سے کوئی بھی بھائی نہیں بنتا، دونوں کا آپس میں پردہ ضروری ہے، علماء کو چاہیے کہ اپنے علاقہ میں اس تاثر کو ختم کریں اور ایسے علاقہ

میں غیر محرم کو وکیل مقرر کرنے سے بھی منع کریں۔

لما فی الشامی:(۹۵/۳،طبع سعید)

واعلم أنه لاتشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح بل عقد الوكيل،وانما ينبغي أن يشهد على الوكالة اذاخيف جهد الموكل اياها.وكذافى الشامية:(۲۲۲/۳،طبع امداديه)

ولما فى الهداية:(۱۸۷/۳،طبع رحمانيه)

ويشترط ان يكون الوكيل ممن يعقل العقد ويقصده لانه يقوم مقام الموكل فى العبارة فيشترط ان يكون من اهل العبارة حتى لوكان صبيا لايعقل اومجنوناكان التوكيل باطلا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:نثارمحمود کوہاٹی

۹محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۸۳۵

﴿اگر بیوی کہے کہ فلاں عورت سے شادی نہ کرنا تو اسکا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری مرحومہ بیوی مرنے سے پہلے مجھے نصیحت کرتی رہتی تھی کہ میرے مرنے کے بعد فلاں جگہ شادی نہ کرنا اس کے علاوہ جہاں چاہئے شادی کر لینا،اب اس کے انتقال کے بعد میرا رشتہ وہیں بن رہا ہے،اور عزیز واقارب میں سے بعض بھی منع کر رہے ہیں،کہتے ہیں کہ آپ کو تو بیوی نے یہاں شادی کرنے سے منع کیا تھا.اب یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا شرعاً یہاں سے شادی کرنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ یہ تو آپ کے علم میں ہوگا کہ آپکی مرحومہ بیوی فلاں جگہ رشتہ لینے سے کیوں منع کرتی تھی؟کسی معقول وجہ سے اگر منع کرتی تھی اور اب عزیز واقارب بھی اس رشتہ پر اتفاق نہیں کر رہے ہیں،تو اس کے علاوہ رشتہ میں آپ کے لئے زیادہ خیر کی توقع ہے اگر چہ یہاں پر رشتہ کرنا شرعاً منع نہیں ہے.ویسے رشتہ کے انتخاب میں آپ ﷺ نے امت کو جو تعلیم دی ہے کہ عموماً بیوی کا انتخاب حسب نسب،خوبصورتی اور دینداری کی بنیاد پر کیا جاتا ہے آپ تمام صفات سے دینداری اور تقویٰ کو ترجیح دیں تو تیرے دونوں ہاتھ برکت سے بھر جائیں گے،آپ ﷺ کی اس تعلیم پر آپ عمل کریں تو بڑی برکت کی امید ہے

لما فی قوله تعالىٰ سورة النساء ايت ۳

وان خفتم ألا تقسطوا فى اليتمىٰ فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنىٰ وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملكت ايمانكم ذلك ادنىٰ الا تعولوا

ولما فی مشکوٰۃ المصابیح:(ص ۲۶۷،طبع: سعید)

عن ابی ھریرۃؓ قال :قال رسول اللہ ﷺ تنکح المرأۃ لاربع لمالھا ولحسبھا ولجمالھا ولدینھا فاظفر بذات الدین تربت یداک متفق علیہ

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عزیزاللہ آغا عفی عنہ

۲۷جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۲۴۹

﴿والد کا بالغ اولاد کی شادی میں تاخیر کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک بیٹا ہے جسکی عمر ۲۵ سال ہے، میں نے ابھی تک اسکی شادی نہیں کرائی اور وہ بار بار مطالبہ کررہا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے اگر تم نے شادی نہ کرائی اور مجھ سے کوئی غلط کام سرزد ہوگیا، تو آپ بھی برابر کے شریک ہونگے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً اس کی بات درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اولاد کیلئے شادی کا بندوبست کرنا انکے حقوق میں سے ہے، اولاد بالغ ہو اور ازدواجی حقوق بجالانے کی قابل ہو، اور تلاش کرنے پر مناسب رشتہ بھی ملے، اس کے باوجود والدین اس کا انتظام نہ کریں، تو ایسی صورت میں خدانخواستہ کوئی غلط کام سرزد ہوجائے تو بلاشبہ والد بھی اس جرم میں برابر کا شریک سمجھا جاتا ہے۔

ولما فی مشکوٰۃ المصابیح:(ص:۲۷۱،طبع سعید)

وعن ابی سعید وابن عباسؓ قال :قال رسول اللہ ﷺ من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فاذابلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثماً فانما اثمہ علی ابیہ ،وعن عمر بن الخطابؓ وانس بن مالکؓ عن رسول اللہ ﷺ قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتی عشر سنۃ ولم یزوجھا فاصابت اثما فاثم ذلک علیہ ،رواھما البیہقی فی شعب الایمان

ولما فی مرقاۃ المفاتیح :(۲۴۲/۶،طبع رشیدیہ)

(فلیزوجہ)ای معناہ التسری (فان بلغ)ای وھو فقیر (ولم یزوجہ)ای الاب وھو قادر (فاصاب)ای الولد (اثما)ای من الزنا ومقدماتہ (فانما اثمہ علی ابیہ)ای جزاء اثمہ علیہ للتقصیر ،وھو محمول علی الزجر والتھدید للمبالغۃ والتاکید قال الطیبی رحمۃ اللہ علیہ ای جزاء الاثم علیہ حقیقۃ ،ودل ھذا الحصر علی أن لا اثم علی الولد مبالغۃ لانہ لم یتسبب لما یتفادی ولدہ من اصابۃ الاثم ،

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عزیزاللہ آغا عفی عنہ

۴رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿کس عمر میں نکاح کرنا چاہیے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ کس عمر میں نکاح کرنا شرعاً پسندیدہ یا ضروری ہے؟
مستفتی: حاجی محمد دین

﴿جواب﴾ بالغ ہونے کے بعد جب لڑکی نیا گھر نبھانے اور شوہر کے حقوق انجام دینے کے قابل ہو جائے تو اس وقت نکاح و رخصتی زیادہ بہتر ہے جس کے لیے کم از کم اٹھارہ سال کی عمر موزوں بتائی جاتی ہے اس سے پہلے عام حالات میں ضروری نہیں ہے البتہ اگر لڑکی سے متعلق زنا وغیرہ گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو بلوغت کے بعد بلا تاخیر نکاح و رخصتی کرنا ضروری ہے ایسی صورت میں مناسب رشتہ ملنے کے باوجود تاخیر کرنا سخت گناہ ہے خدانخواستہ گناہ ہوا تو والد بھی برابر کا شریک ہوگا۔

لما فی الترمذی: (۱/۱۲۷، طبع فاروقی)

عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال لہ یا علی ثلاث لا تؤخرھا۔ الصلوۃ اذا انت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفواً۔

ولما فی مرقاۃ المفاتیح: (۶/۲۴۲، طبع: رشیدیہ)

عن عمر بن الخطاب وانس بن مالک رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ ﷺ قال: فی التوراۃ مکتوب (من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا ای وروجد لھا کفواً فاصابت اثماً ای ما اثم بہ من الفواحش (فاثم ذلک) ای اصابتھا (علیہ) ای علی ابیھا (رواھما البیہقی فی شعب الایمان)

ولما فی التنویر: (۳/۶ طبع: سعید)

(ویکون واجبا عند التوقان) فان تیقن الزنا الا بہ فرض نھایۃ وھذا ان ملک المھر والنفقۃ والا فلا اثم بترکہ بدائع (و) یکون (سنۃ) مؤکدۃ فی الاصح فیاثم بترکہ ویثاب ان نوی تحصینا وولدا (حالۃ الاعتدال) ای القدرۃ علی وطء ومھر ونفقۃ ورجح فی النھر وجوبہ للمواظبۃ علیہ والانکار علی من رغب عنہ (ومکروھا لخوف الجور) فان تیقنہ ذلک حرم

ولما فی الھندیہ: (۱/۲۹۵، طبع: قدیمی)

واما صفتہ: فھو انہ فی حالۃ الاعتدال سنۃ مؤکدۃ وحالۃ التوقان واجب وحالۃ خوف الجور مکروہ کذا فی الاختیار شرح المختار۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
۲۰ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ

واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق المکی
فتوی نمبر: ۳۲۱۱

﴿چودہ سال کی عمر میں لڑکی کی رخصتی جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر ۱۴ سال ہے اور کنواری ہے، آپ حضرات سے یہ مسئلہ دریافت کرنا ہے کہ اگر اس کے والد کی رضامندی سے اس کا باقاعدہ نکاح ہوجائے اور رخصتی بھی ہوجائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

﴿جواب﴾ چودہ سال کی عمر میں بھی لڑکی کو ماہواری آسکتی ہے اور ایسی لڑکی شرعاً بالغ شمار ہوتی ہے اور لڑکی اگر بالغ ہو تو نکاح کے لئے اس کے والد کی رضامندی کافی نہیں ہے، البتہ لڑکی خود بھی راضی ہو تو والد صاحب اس سے باقاعدہ گواہوں کی موجودگی میں اجازت لے اور شرعی طریقے سے اس کا نکاح کرلے تو رخصتی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

البتہ رخصتی کے لئے لڑکی راضی نہ ہو تو زبردستی رخصتی مناسب نہیں ہے اس لئے کے اٹھارہ سال سے کم عمر کی لڑکی عموماً شوہر اور اس کے گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی متحمل نہیں ہوتی، اس لئے مناسب عمر اور تربیت کے بعد ہی رخصتی کرنا زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ اس سے پہلے کسی فتنہ یا گناہ میں مبتلا ہونے کا کوئی اندیشہ نہ ہو ایسا کوئی خطرہ ہو تو والد صاحب ہی بچی کے مستقبل کا بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں، اس لئے ایسی صورت میں پہلے رخصتی کرنا زیادہ بہتر ہے بلکہ ضروری ہے۔

لما فی الهدایه (۳/۱۵۸، ۱۵۹، طبع: رحمانیه)

و بلوغ الجارية بالحيض والحبل فان لم يوجد فحتى يتم لها سبع عشرة سنة و هذا عند ابی حنیفه و قالا اذا تم للغلام والجارية خمس عشرة سنة فقد بلغا و هو رواية عن ابی حنیفة ...... و ادنى المدة لذالک فی حق الغلام اثنتا عشرة سنة و فی حق الجارية تسع سنين۔

ولما فی التنویر (۶/ ۱۵۳، طبع: سعید)

و ادنى مدته له اثنتا عشرة سنة و لها تسع سنين۔

ولما فی التنویر مع الدر (۳/۵۸، طبع: سعید)

(و لا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فان استأذنها هو) ای الولی وهو السنة ...... (فسكتت) ...... (او ضحكت غير مستهزئة او تبسمت او بكت بلا صوت) ...... (فهو اذن)

و فی الشامية: (قوله و هو السنة) بان يقول لها قبل النكاح فلان يخطبك او يذكرك فسكتت، و ان زوجها بغير استئمار فقد اخطأ السنة و توقف على رضاها بحر عن المحيط.

ولما فی الھندیۃ (۲۸۷/۱، طبع: رشیدیہ)

لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنھا بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذالک فالنکاح موقوف علی اجازتھا فان اجازتھا اجاز وان ردتہ بطل.

الجوب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد خان سواتی

۸ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۰۶

﴿نابالغہ منکوحہ سے جماع کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نابالغ لڑکی سے نکاح ہونے کے بعد جماع کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کس عمر سے؟ مستفتی ڈاکٹر حازم

﴿جواب﴾ نابالغ لڑکی سے نکاح کے بعد جماع کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ جماع کی صلاحیت رکھتی ہو، نابالغ لڑکی کس عمر میں جماع کی صلاحیت رکھتی ہے؟ چونکہ طبائع مختلف ہیں، اس لئے عمر کی تعیین مشکل ہے، طبیعت، صحت جسامت وغیرہ پر اس کا مدار ہے، تاہم فقہاء کرام نے کم از کم نوسال کی نابالغہ لڑکی سے جماع کرنے کی گنجائش دی ہے، لیکن نوسال کی عمر میں پہنچ کر بھی اگر جماع کی طاقت نہ رکھتی ہو تو ایسی لڑکی کیساتھ جماع کرنے سے گریز کیا جائے۔

لما فی البزازیۃ: (۱۱۰/۱ مطبع قدیمی)

اراد الدخول بالصغیرۃ ان بنت خمس لا یدخل وان تسعا یدخل وقیل ان ھی ضخمۃ یدخل بھا وان مھزولۃ لا واکثر المشائخ علی ان لا عبرۃ للسن بل للطاقہ وکذا ختان الصبی.

ولما فی التنویر: (۱۵۴/۶ مطبع سعید) وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالستار غفرلہ ولوالدیہ

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۳۷

﴿ازدواجی حقوق ادا نہ کر سکنے والے کیلئے نکاح کرنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص ازدواجی حقوق ادا کرنے سے قاصر ہو یا کچھ کمزور ہو تو اس کیلئے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی محمد حسن سواتی

﴿جواب﴾ عام حالت اعتدال میں جبکہ زنا وغیرہ میں واقع ہونے کا خطرہ نہ ہو اور کوئی کمزوری یا مہر اور نفقہ کی مجبوری بھی نہ ہو، نکاح کرنا سنت ہے، تاہم جو شخص ازدواجی حقوق سے

بالکل قاصر ہو یا مہر اور نفقہ سے عاجز ہو اور حقوق ادا کرنے میں حق تلفی کا قوی اندیشہ ہو تو اس کیلئے نکاح کرنا ناجائز ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۷،طبع سعید)

(و)یکون(سنة)مؤکدة فی الاصح.....(حال الاعتدال):أی القدرة علی الوطء ومهر ونفقة اھ.

وفی الشامیة:قوله:(أی القدرة علی الوطء):أی الاعتدال فی التوقان.....وان لایکون فی غایة الفتور کالعنین.....وفی البحر:والمراد حالة القدرة علی الوطء والمهر والنفقة مع عدم الخوف من الزنا والجور وترک الفرائض والسنن،فلو لم یقدر علیٰ واحد من الثلاثة أو خاف واحدا من الثلاثة:أی الاخیرة فلیس معتدلا فلا یکون سنة فی حقه کما أفاده فی البدائع اھ.

ولمافی البحر:(۲/۸۰،طبع سعید)

(قوله وهو سنة وعند التوقان واجب).....والمراد بها حالة القدرة علی الوطء والمهر والنفقة مع عدم الخوف من الزنا والجور وترک الفرائض والسنن فلو لم یقدر علیٰ واحد من الثلاثة اوخاف واحدا من الثلاثة فلیس معتدلا فلایکون سنة فی حقه اھ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:خلیل اللہ دیروی

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۷۷

﴿رخصتی کے بعد تجدید نکاح اور رسم ''نکاح بھائی'' کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے علاقے میں یہ عام رواج ہے کہ منگنی میں ایک دفعہ عقد نکاح ہو جاتا ہے پھر رخصتی کے بعد دولہا کے گھر میں زوجین کی ملاقات سے پہلے تجدید نکاح کیا جاتا ہے جسمیں دلہن کے پاس نامحرم آدمی دو گواہوں کے ساتھ جاتا ہے کہ میں آپ کیطرف سے نکاح کا وکیل ہوں، کیا آپ کو منظور ہے؟ کافی دیر کے بعد وہ ہاں کر دیتی ہے، یہ وکیل پھر دلہن کا نکاح بھائی قرار دیا جاتا ہے اور اس سے حقیقی بھائی کیطرح پردہ نہیں کیا جاتا کیا شرع کی رو سے یہ کام جائز ہے؟

سائل:عبدالحق دیروی

تنقیح:تجدید نکاح کیوں کرایا جاتا ہے؟

جواب تنقیح:والد اکثر بیٹی سے پوچھے بغیر اسکا نکاح کراتا ہے جس کو بعض مرتبہ بیٹی رد کر دیتی ہے۔

﴿جواب﴾ نکاح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ باپ یا تو خود یا کسی معتمد ذریعے مثلاً لڑکی کی ماں وغیرہ سے لڑکی کو یہ بتائے کہ فلاں کی طرف سے آپ کے متعلق رشتے کا پیغام آیا ہے، میں آپ

کیلئے یہ رشتہ پسند کرتا ہوں پھراس کے بعداس کے پاس اتنی دیر تک رہے کہ اگر وہ جواب دینا چاہے تو دے سکے، جواب دینے پر اسے مجبور نہ کیا جائے بلکہ خاموشی بھی کافی ہے۔

اس کے بعد والد خود یا کسی وکیل کے ذریعے اسکا نکاح کرادے، اب نکاح منعقد ہو گیا دوبارہ تجدید کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

البتہ اگر باپ نے اپنی بالغ بیٹی سے پوچھے بغیر اسکا نکاح کردیا ہو اور بیٹی کو خبر ہوتے ہی اس نے اس کو رد کردیا ہو تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، بعد میں بیٹی اگر چہ رضامندی ظاہر کردے نیا نکاح کرانا ضروری ہے اور نامحرم وکیل اور گواہوں کو دلہن کے پاس لے جانا حیا اور غیرت کے خلاف ہے، دلہن کیلئے یہ اجنبی ہے اور اجنبیوں کیطرح اس سے بھی پردہ ضروری ہے، ایسے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کریں، تاہم وکالت اور نکاح صحیح ہے۔

لمافی تنویر الابصار:(۲/۱۰طبع سعید).وینعقد بایجاب وقبول.

ولمافی التنویر مع الدر:(۲/۵۸،طبع سعید)

(ولاتجبر البالغة البکر علی النکاح)لانقطاع الولایة بالبلوغ(فان استأذنها هو)ای الولی وهو السنة.....(فسکتت).....(اوضحکت غیر مستهزئة او تبسمت اوبکت بلاصوت)..... (فهواذن)

وفی الشامیة:(قوله وهو السنة)بان یقول لها قبل النکاح فلان یخطبک او یذکرک فسکتت،وان زوجها بغیر استئمار فقد اخطأ السنة وتوقف علی رضاها بحر عن المحیط.

ولمافی الدر المختار:(۲/۶۰،طبع سعید)

ولو استأذنها فسکتت فوکل من یزوجها ممن سماه جاز ان عرف الزوج والمهر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبیداللہ عابد

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۵۶

﴿ولیمے کا سنت طریقہ اور برادری کی عورتوں کو اسمیں دعوت دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ولیمے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ اور برادری کے مردوں کے ساتھ عورتوں کو اسمیں شریک کیا جاسکتا ہے؟ سائل:محمد ابراہیم دیروی

﴿جواب﴾ ولیمے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ زوجین کے اجتماع (زفاف) کے بعد اہل برادری، پڑوسیوں، علماء، احباب اور فقراء کو حسب استطاعت کھانا کھلایا جائے، ولیمے کی دعوت

شب زفاف کے بعد جتنا جلدی ہو جائے اتنا ہی سنت کے قریب ہوگا، نکاح کے بعد اور زفاف سے پہلے اگر ولیمہ کھلایا جائے تو اس سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے، ولیمے سے مقصود اخلاص اور اختصار ہو ریا اور اشتہار مقصود نہ ہو، نیز دعوت ولیمہ میں دیگر شرکاء کیساتھ فقراء کو بھی شریک کیا جائے، اس لئے کہ حدیث میں ایسے ولیمے کے کھانے کو شر الطعام قرار دیا ہے جسمیں اغنیاء کو تو دعوت دی گئی ہو لیکن فقراء کو محروم رکھا ہو۔

برادری کی عورتوں کے بارے میں تجربہ ہے کہ ان کا ایک جگہ جمع ہونا منکرات اور مکروہات مثلاً غیبت گوئی، تفاخر لباس و زیور وغیرہ سے عموماً خالی نہیں ہوتا، لہٰذا دعوت نہ دینے میں بچت ہے، البتہ جہاں ان مفاسد اور منکرات کا اندیشہ نہ ہو اور ان کیلئے الگ سے پردے کا اہتمام بھی کیا گیا ہو، تو دعوت دینے کی گنجائش ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۲/۷۸۲، طبع رحمانیہ)

وعن انس بن مالکؓ...... وکان اول ماأنزل فی مبتنیٰ رسول اللہ ﷺ بزینب ابنة جحشؓ اصبح النبی ﷺ بها عروسا فدعا القوم، فاصابوا من الطعام ثم خرجوا وبقی رهط منهم عند النبی ﷺ...... الحدیث.

ولمافی اعلاء السنن:(ج ۱۱ ص ۱۷، طبع دار الکتب العلمیة بیروت)

وحدیث انسؓ فی هذا الباب صریح فی انها: ای الولیمة بعد الدخول لقوله فیه اصبح عروسا بزینبؓ فدعا القوم.

ولمافی المرقاة:(۶/۳۳۵، طبع رشیدیه)

قیل انها تکون بعد الدخول وقیل عند العقد وقیل عندهما واستحب اصحاب مالکؒ ان تکون سبعة ایام والمختار انه علی قدر حال الزوج.

ولمافی المرقاة:(۶/۳۴۰، طبع رشیدیه)

وعن ابی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ شر الطعام طعام الولیمة یدعی لها الاغنیاء ویترك الفقراء...... الحدیث.

ولمافی صحیح البخاری:(۲/۷۸۳، باب ذهاب النساء والصبیان الی العرس، طبع رحمانیه)

عن انس بن مالکؓ قال ابصر النبی ﷺ نساء وصبیانا مقبلین من عرس فقام ممتنا قال اَللّٰهُمَّ اَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ.

ولمافی روح المعانی:(ج ۲۲ ص ۲۵۸، طبع رشیدیه)

واجیب بان الامر بالاستقرار فی البیوت والنهی عن الخروج لیس مطلقا والا لما اخرجهن ﷺ بعد نزول الآیة للحج والعمرة ولما ذهب بهن فی الغزوات ولما رخصهن

لزيارة الوالدين وعيادة المرضى وتعزية الاقارب وقد وقع كل ذلك كما تشهد به الاخبار.

ولما في الهندية: (۳۴۳/۵، طبع رشيديه)

ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي اذا بنى الرجل بامرأته ينبغي ان يدعو الجيران والاقرباء والاصدقاء، ويذبح لهم ويصنع لهم طعاما.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبید اللہ عابد

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۵۴

﴿ٹیلیفون یا موبائل فون کے ذریعے سے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ موبائل فون، ٹیلیفون کے ذریعے مجلس نکاح میں ایجاب وقبول کر لینے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ — مستفتی: عرباض شمس اورنگی

﴿جواب﴾ نکاح میں چونکہ دو گواہوں کا مجلس نکاح میں حاضر ہونا اور دونوں کا ایجاب و قبول سن لینا شرط کے درجہ میں ضروری ہے، اس لئے ٹیلیفون یا موبائل پر نکاح نہیں ہو سکتا۔

لما في التنوير مع الدر: (۲۱/۳، طبع سعيد)

(وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا) على الأصح......الخ.

ولما في البحر الرائق: (۸۱/۳-۸۷-۸۸، طبع سعيد)

(وينعقد بايجاب وقبول وضعا للمضي أو أحدهما)......عند حرين أو حر وحرتين عاقلين بالغين مسلمين......واختلف في اشتراط سماع الشاهدين معاً فنقل في الذخيرة روايتين عن أبي يوسف وجزم في الخانية بأنه شرط فكان هو المذهب فلو سمعا كلامهما متفرقين لم يجز ولو اتحد المجلس......فالحاصل أنه يشترط سماعهما معا مع الفهم على الأصح......الخ. وهكذا في الهندية: (۲۶۸/۱، كتاب النكاح، طبع رشيديه)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

۱۰ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۴۱

﴿گواہوں کی غیر موجودگی میں والد کے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بہن اور بہنوئی کو مذاق میں کہتا تھا کہ میں نے اپنی بیٹی آپکے بیٹے کو دی ہے، جواب میں انکی بہن اور بہنوئی کہتے تھے کہ ہاں ہم راضی ہیں لیکن مستقل گواہوں کے سامنے مجلس نکاح منعقد نہیں کی تھی بلکہ

مذاق ہی سمجھتے رہے، ایک دن انکی بہن و بہنوئی انکے گھر آئے تھے، اسی دوران یہ شخص گھر میں آیا تو اسکی اہلیہ نے انکے بھانجے کا نام لیکر کہا کہ فلاں کا سسر آگیا تو وہ غصہ ہو گیا اور کہا کہ یہ کیا کہہ رہی ہو تو اسی وقت اسکے بہنوئی نے کہا کہ اب تو آپ نے میرے بیٹے کیساتھ اسکا نکاح کرادیا ہے جب تک میرا بیٹا اسکو طلاق نہ دے اسوقت تک آپ کسی اور کیساتھ اسکی شادی نہیں کرا سکتے تو کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

مستفتی: غیب اللہ

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ والد کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کسی سے کرائے انکی طرف سے والد ہی کے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے خواہ مذاق ہی میں کہے بشرطیکہ واقعی ایجاب وقبول ہو، اور گواہوں کی موجودگی میں ہو، لیکن مذکورہ صورت میں چونکہ باقاعدہ نکاح منعقد نہیں ہوا تھا اور نہ ہی گواہ موجود تھے تو والد کے اسطرح کہنے کو ایجاب وقبول کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا اس سے کوئی نکاح منعقد نہیں ہوا، زیادہ سے زیادہ اسکو وعدہ نکاح کہہ سکتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی معقول عذر نہ ہو تو لڑکی کے والد کو چاہیے کہ انکا آپس میں نکاح کر کے باقاعدہ وعدہ کی پاسداری کریں۔

لمافی الهداية: (۲/۳۲۸، طبع رحمانيه)

فان زوجهما الاب او الجد يعنى الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما لانهما كاملا الرأى وافر الشفقة فيلزم العقد بمباشرتهما كما اذا باشراه برضانهما بعد البلوغ.

ولمافی التنوير مع الدر: (۳/۲۱، طبع سعيد)

وشرط (حضور) شاهدين (حرين) او حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا) على الاصح.

ولمافی الشامی: (۳/۱۱، طبع سعيد)

حتى قلنا لو صرح بالاستفهام اعتبر فهم الحال قال فى شرح الطحاوى لو قال هل اعطيتنيها فقال اعطيت ان كان المجلس للوعد فوعد وان كان للعقد فنكاح قال الرحمتى: فعلمنا ان العبرة لما يظهر من كلامهما لا لنيتهما الا ترى انه ينعقد مع الهزل والهازل لم ينو النكاح.

ولمافی صحيح البخارى: (۱/۱۰، طبع قديمى)

عن ابى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اية المنافق ثلاث اذا حدث كذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد غفرلہ ولوالدیہ

۲۹ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۰۶

﴿ولد الزنا کا نکاح کرتے وقت باپ کے نام کی جگہ کس کا نام لیا جائے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں کہ ولد الزنا لڑکا کا نکاح کرتے وقت باپ کے نام کی جگہ کس کا نام لیا جائیگا؟ سائل: محمد زید

تنقیح: مذکورہ بچے کو کس بنیاد پر ولد الزنا قرار دیا گیا ہے، اسکی ماں کا کسی کے ساتھ نکاح ہوا تھا یا نہیں؟ اگر نکاح ہوا تھا تو کتنی مدت کے بعد بچہ پیدا ہوا؟

جواب تنقیح: اسکی ماں کا کسی سے نکاح نہیں ہوا تھا بلکہ اسکی ماں کنواری تھی۔

﴿جواب﴾ یہ لڑکا اگر مجلس نکاح میں خود موجود ہو اور گواہان اسکو دیکھ رہے ہوں تو اسکا اپنا نام ذکر کرنے سے نکاح منعقد ہو جائیگا اور اگر خود حاضر نہیں ہے اور نام ذکر کرتے وقت گواہان نکاح کے سامنے وہ ممتاز ہے تو پھر بھی صرف اسی کا نام ذکر کرنے سے نکاح منعقد ہو جائیگا۔

لما فی التنویر مع الدر: (۲۲/۳، طبع سعید)

ثم قال فی البحر وان كانت غائبة ولم يسمعوا كلامها بان عقد لها وكيلها فان كان الشهود يعرفونها كفى ذكر اسمها اذا علموا انه ارادها وان لم يعرفوها لا بد من ذكر اسمها واسم ابيها وجدها.

ولما فی التنویر مع الرد: (۱۵/۳، طبع سعید)

(ولا المنكوحة مجهولة) قلت وظاهره انها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود ايضا يصح العقد وهى واقعة الفتوىٰ لان المقصود نفى الجهالة وذالك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وان لم يصرح باسمها.

ولما فی الهندية: (۲۶۸/۱، طبع رشيديه)

ولو كان الشهود يعرفونها وهى غائبة فذكر الزوج اسمها لا غير وعرف الشهود انه اراد به المرءة التى يعرفونها جاز النكاح كذا فى محيط السرخسىؒ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبیداللہ عابد

۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۷۶

﴿نکاح کے معاملے میں بالغہ لڑکی کی اجازت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ ہمارے علاقے میں والدین اپنے بچوں کی شادی کرتے ہیں لیکن ان سے مشورہ اور اجازت نہیں لیتے اور بچے بھی شرم وحیا کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں لیکن شادی کے بعد عموماً خاوند اور بیوی میں لڑائی چلتی رہتی ہے اور آخر

کار طلاق کی نوبت تک بات پہنچ جاتی ہے اور اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ میاں وبیوی چونکہ آپس میں شادی پر راضی نہیں تھے اس لیے یہ نوبت آگئی ہے کیا بچوں سے اجازت لینا اور ان کی پسند کا خیال کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ مستفتی: خرم شہزاد کوئٹہ

﴿جواب﴾ نکاح نہ صرف معاشرتی ضرورت ہے بلکہ اہم ترین عبادت بھی ہے۔ میاں بیوی کی ذاتی زندگی پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں پورا خاندان بھی اس کے اچھے یا برے نتائج سے متاثر ہوتا ہے۔ اس لیے شوہر یا بیوی کے انتخاب کے معاملے میں جہاں شریعت دینداری اور تقوی کو ترجیح دینے کی سفارش کرتی ہے تو ساتھ ساتھ حسن وجمال حسب ونسب اور تہذیب وتمدن کا لحاظ کرنا بھی پسند کرتی ہے۔ اور اس رشتہ کی کامیابی کا مدار چونکہ میاں بیوی پر ہے اس لیے انتخاب کے معاملہ میں دونوں کی پسند کا لحاظ کرنا انتہائی ضروری ہے۔

آپ کے علاقے میں انتخاب کے معاملہ میں جوان اولاد کی رائے اور اتفاق کو اگر ضروری نہیں سمجھتے تو یہ بڑی حق تلفی ہے اولاد کے ساتھ خیر خواہی کے منافی ہے۔ اور یاد رہے کہ بالغ لڑکا ہو یا لڑکی نکاح کے معاملہ میں انکی اجازت شرط کے درجے میں ہے انکار کی صورت میں نکاح بالکل نہیں ہوگا لھذا اجازت اگر چہ بادل نخواستہ ہو نکاح کے لیے ضروری ہے۔

لما فی التفسیر المظہری: (۶/۲ طبع: رشیدیہ)

قال رحمه الله تحت قوله (فانكحوا ما طاب لكم من النساء) فالاولىٰ ان يقال معناه ما استطاب منهن انفسكم ومالت انفسكم اليهن وهذا انسب بجميع التاويلات.

ولما فی سنن ابی داؤد: (۳۰۲/۱، طبع: مکتبہ رحمانیہ)

عن ابن عباس رضى الله عنه ان جارية بكرا اتت النبى ﷺ فذكرت ان اباها زوجها وهى كارهة فخيرها النبى ﷺ.

ولما فی الترمذی: (۱۳۱/۱، طبع: فاروقی کتب خانہ)

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لا تنكح الثيب حتىٰ تستامر ولا تنكح البكر حتىٰ تستاذن واذنها الصموت.

ولما فی تنویر الابصار: (۵۸/۳ طبع: سعید)

ولا تجبر البالغة البكر على النكاح فان استاذنها هو او وكيله او رسوله او زوجها وليها فسكتت او ضحكت غير مستهزئة او تبسمت او بكت بلا صوت فهو اذن.

ولما رد المختار:(۵۸/۲ طبع: سعید)

(قوله ولا تجبر البالغة) ولا الحر البالغ والمكاتب والمكاتبة ولو صغيرين ح عن القهستاني (قوله البكر) اطلقها فشمل ما اذا كانت تزوجت قبل ذلك وطلقت قبل زوال البكارة فتزوج كما تزوج الابكار نص عليه في الاصل بحر

(قوله وهو السنة) بان يقول لها قبل النكاح فلان يخطبك او يذكرك فسكتت وان زوجها بغير استئمار فقد اخطا السنة وتوقف على رضاها بحر عن المحيط. واستحسن الرحمتي ما ذكره الشافعية من ان السنة في الاستئذان ان يرسل اليها نسوة ثقات ينظرن ما في نفسها والام بذاك اولى لانها تطلع على مالا يطلع عليه غيرها.

ولما في الفتاوى العالمگيريه:(۲۸۷/۱، طبع قدیمی کتب خانه)

لا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب او سلطان بغير اذنها بكرا كانت او ثيبا فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل كذا في السراج الوهاج.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اکی

۲۵ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۲۱۲

﴿لڑکی کا نکاح والدین کی اجازت کے بغیر اگر چہ صحیح ہے مگر گناہ ضرور ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی عاقلہ بالغہ اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر کسی لڑکے کیساتھ فرار ہوگئی وہ لڑکا کفو بھی نہیں ہے تو یہ بات والدین واولیاء اپنے لئے عار سمجھتے ہیں، کیا اسکا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: میر اسلم لکی مروت

﴿جواب﴾ اولاد جب بالغ ہو اور شادی کا بوجھ برداشت کرنے کے قابل ہو تو نکاح میں بلا وجہ تاخیر کرنا گناہ ہے، ایسی صورت میں کوئی لڑکی والدین کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو قصور والدین کا سمجھا جائے گا، عام حالات میں کوئی عاقل بالغ لڑکی والدین کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو نکاح اگر چہ صحیح اور معتبر ہے لیکن والدین کے ساتھ زیادتی ہے انکی حق تلفی ہے، اس لئے سخت گناہ ہے، البتہ غیر کفو میں شادی کرلے تو ولی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

لما في مشكوة المصابيح:(۲۷۱/۲ طبع سعيد)

لقوله عليه السلام: قال رسول الله ﷺ من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على أبيه..... وعن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنة ولم يزوجها فاصابت اثما فاثم ذالك عليه.

ولما فی رد المحتار:(۸۴/۳،طبع سعید)

فان حاصله ان المرأة اذا زوجت نفسها من کفء لزم علی الاولیاء وان زوجت من غیر کفء لا یلزم.

ولما فی الهدایة:(۳۳۵/۲،طبع رحمانیه)

وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وان لم یعقد علیها ولی بکرا کانت اوثیبا عند أبی حنیفةؒ.

ولما فی التنویر مع الدر:(۵۸/۳،طبع سعید)

(ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح)لانقطاع الولایة بالبلوغ.

ولما فی الهدایة:(۳۲۱/۲،طبع رحمانیه)

الالا یزوج النساء الا الاولیاء ولا یزوجن الا من الأکفاء.

ولما فی مشکوة المصابیح:(۲۷۰/۲،طبع سعید)

عن ابی موسی عن النبی ﷺ قال لانکاح الابولی...... وعن عائشةؓ ان رسول ﷺ قال ایما امراة نکحت نفسها بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل ،فنکاحها باطل ،فنکاحها باطل.

ولما فی الشامی:(۸۴/۳،طبع سعید)

قوله:الکفاءة معتبرة قالوا:معناه معتبرة فی اللزوم علی الاولیاء حتی ان عند عدمها جاز للولی الفسخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:اسلام بادشاہ بھیلی

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر:۲۱۱۱

﴿مخطوبہ کو براہ راست دیکھنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ایک آدمی نے بغرض نکاح ایک لڑکی کی تصویر دیکھی جسمیں اس لڑکی کے ساتھ اسکی والدہ کی تصویر بھی تھی ، دیکھنے کے دوران اس نے لڑکی کے بعض اعضاء کو شہوت سے چھوا جس کے ساتھ اسکی والدہ کے بعض اعضاء بھی مس ہوئے ،اب چونکہ اس سے نکاح ہونے والا ہے لیکن ایک ساتھی کے بتانے پر پتہ چلا کہ اس عمل کیوجہ سے مذکورہ لڑکی آپ پر حرام ہوگئی۔ بینواتو جروا۔

﴿جواب﴾ جس لڑکی سے رشتہ ہونے کی پوری توقع ہو اسکو براہ راست دیکھنا مستحب ہے لیکن تصویر دیکھنے کے علاوہ شہوت سے چھونا شیطانی حرکت ہے، تاہم اس قبیح عمل کیوجہ سے وہ لڑکی آپ پر حرام نہیں ہوئی ،البتہ گناہ کے مرتکب ہونے کیوجہ سے صدق دل سے توبہ واستغفار کرنا آپ پر لازم ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۶/۳۷۰،طبع سعید)

(وکذا مریدنکاحها)ولو عن شهوة بنية السنة لا قضاء الشهوة.

ولما فی الخانية علی هامش الهندية:(۱/۳۶۲،طبع رشیدیه)

ولو نظر فی مرآة ورأی فیها فرج امرأة فنظر عن شهوة لا تحرم علیه امها وابنتها لانه لم یر فرجها وانما رأی عکس فرجها.

ولما فی الهندية:(۱/۲۷۵،طبع رشیدیه)

ثم المس انما یوجب حرمة المصاهرة اذا لم یکن بینهما ثوب اما اذا کان بینهما ثوب فان کان صفیقا لا یجد اللامس حرارة الممسوس لا تثبت حرمة المصاهرة وان انتشرت آلته بذلک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: عبیداللہ عابد غفرلہ ولوالدیہ

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۰۵۱

﴿ایجاب وقبول میں گونگے کا مخصوص اشارہ کافی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گونگے کے نکاح کا کیا طریقہ ہے؟ صرف اشارہ کافی ہے یا اس کے ساتھ ساتھ کتابت بھی ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ گونگے کے اشارہ سے ایجاب یا قبول اگر سمجھ میں آجاتا ہے تو یہی کافی ہے کتابت کی ضرورت نہیں ہے، البتہ گونگا خود لکھنا پڑھنا جانتا ہو تو کتابت سے مقصد چونکہ زیادہ واضح ہو جاتا ہے، اس لئے ایجاب وقبول کتابت سے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۶/۷۳۴،طبع سعید)

(ایماء الأخرس وکتابته کالبیان)باللسان (بخلاف معتقل اللسان)وقال الشافعی:هما سواء فی وصیة ...الخ.

وفی الشامية:(قوله:ایماء الأخرس)ای اشارته بحاجب أوید أو غیر ذلک اذا عرف القاضی اشارته والا ینبغی أن یستخبر ممن یعرفها من اخوانه وأصدقائه وجیرانه حتی یقول بین یدی القاضی اراد بهذه الاشارة کذا ویفسر ذلک ویترجم حتی یحیط علم القاضی بذلک وینبغی أن یکون عدلا مقبول القول، لان الفاسق لا قول له بیری عن الولوالجیة، واطلاقه یفید اعتبار الایماء مع قدرته علی الکتابة وهو المعتمد لان کلا منهما حجة ضروریة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی عفا اللہ عنہ

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۳۶۳

﴿صرف نکاح نامے پر دستخط کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ لڑکا نکاح نہیں کرنا چاہتا تھا لوگوں نے زبردستی نکاح کر دیا تو نکاح منعقد ہو گیا ہے یا نہیں؟ اس صورت میں اگر مہر زیادہ مقرر کیا گیا ہو تو شوہر کے ذمہ واجب ہوگا یا نہیں؟ نیز یہ بتائیں کہ صرف نکاح نامے پر دستخط کرنے سے نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد ممتاز

﴿جواب﴾ عاقل بالغ لڑکے کو نکاح پر مجبور کرنا ظلم ہے سخت گناہ ہے، تاہم باقاعدہ زبان سے اگر قبول کر لیا ہے خواہ بادلِ نخواستہ ہو تو نکاح منعقد ہو گیا ہے اور نکاح سے متعلق حقوق کی ادائیگی ہر دونوں پر واجب ہو گئی ہے لیکن مہر مثل سے زائد مہر اگر مقرر کر دیا ہے تو زائد واجب نہیں ہے صرف مہر مثل شوہر کے ذمہ ہے لیکن نکاح نامے پر صرف دستخط زبردستی کرانے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

لما في الشامي: (۹/۱۹۲، طبع امدادیه)

نظمها ابن الهمام بقوله يصح مع الاكراه عتق ورجعة، نكاح وايلاء، طلاق مفارق وفيء، ظهار واليمين ونذره وعفو لقتل شاب منه مفارق.

ولما في التنوير مع الدر: (۳/۱۲، طبع سعيد)

(فلا ينعقد) بقبول بالفعل كقبض مهر ولا بتعاط ولا بكتابة حاضر.

وفي الشامية: قوله: (ولا بكتابة حاضر) فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد. بحر. والاظهر أن يقول فقالت قبلت۔۔۔الخ.

ولما في البدائع: (۷/۱۸۵، طبع سعيد)

وان كان المسمى اكثر من مهر المثل يجب قدر مهر المثل وتبطل الزيادة لان تسمية الزيادة على قدر مهر المثل لم تصح مع الاكراه فبطلت.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد غفرلہ

۳ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۷۷

﴿بالغ لڑکی کے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب نے اپنی بیٹی یعنی میری بہن جو کہ بالغ تھی کا نکاح اپنے بھتیجے کیساتھ بغیر اجازت کے کیا تھا اور اسی وقت میری بہن نے صاف انکار کر دیا تھا اور اسکے بدلے اپنے بیٹے یعنی میرے

بھائی کا نکاح اپنی بھتیجی کیساتھ کر دیا تھا کیا یہ نکاح منعقد ہو چکا ہے یا میری بہن کے صاف انکار کے بعد ختم ہو گیا ہے؟ جبکہ میری بہن نے بعد میں رضامندی بھی ظاہر کر دی تھی۔

﴿جواب﴾ نابالغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح کا والد صاحب کو شریعت نے حق دیا ہے لیکن اولاد اگر بالغ ہے تو نکاح صحیح ہونے کیلئے اسکی اجازت ضروری ہے صراحۃً اجازت ہو خواہ دلالۃً لیکن بدوں اجازت کے نکاح معتبر نہیں ہے۔

مذکورہ صورت میں لڑکی بالغ تھی اور نکاح کی خبر پہنچنے پر اس نے صاف انکار کر دیا تو اس سے نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں یکطرفہ ایجاب تھا جو کہ انکار کرنے سے باطل ہو گیا، بعد میں رضامندی کے اظہار سے نکاح منعقد نہیں ہوا پھر سے ایجاب وقبول ضروری ہے، اس لئے کہ ایجاب وقبول نکاح کے ارکان ہیں اور ہر ایک رکن کے حکم کا وجود دوسرے پر موقوف ہوتا ہے اور رد کرنے سے انکا خود اپنا بھی وجود باقی نہیں رہتا، لہٰذا انکار کرنے سے لڑکی نے ایجاب کو قبول نہیں کیا بلکہ رد کر دیا، اس لئے ایجاب باقی نہ رہا، دوبارہ نکاح ضروری ہے، لڑکی اگر چاہے تو اسی سے دوبارہ ایجاب وقبول کے ذریعہ نیا نکاح کر لے اور چاہے تو دوسری جگہ نکاح کر لے۔

لما فی الهندية:(۱/۲۸۸،طبع رشيديه)

ولو زوجها وليها فقالت: لا ارضى ثم رضيت في المجلس لم يجز كذا في المحيط.

ولما في خلاصة الفتاوى:(۲/۲۶،طبع رشيديه)

وفي المحيط البكر اذا بلغها الخبر فقالت لا ارضى ثم قالت رضيت لا نكاح بينهما وعن هذا استحسن مشايخنا رحمهم الله تجديد العقد عند الزفاف لان البكر عسى تظهر الرد عند السماع.

ولما في الدر المختار:(۳/۶۰،طبع سعيد)

ولو استأذنها في معين فردت ثم زوجها منه فسكتت صح في الاصح بخلاف ما لو بلغها فردت ثم قالت رضيت لم يجز لبطلانه بالرد ولذا استحسنوا التجديد عند الزفاف لان الغالب اظهار النفرة عند فجأة السماع. قوله بخلاف ما لو بلغها لان نفاذ التزويج كان موقوفا على الاجازة وقد بطل بالرد.

ولما في التاتارخانية:(۲/۲۲۱،طبع قديمی)

عن ابی یوسف اذا زوج رجل امرأة من رجل بغير امرها فبلغها فقالت: لا أجيز فقال: لها فعلى فقالت قد اجزت لم يجز وقد بطل النكاح حين ردت ثم قال اذا ردت ما قد وقع لم يكن لها ان تجيزه

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

۵ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۳۶

﴿نکاح میں جس لڑکی کا نام لیا اسی کا نکاح ہوگا﴾

﴿سوال﴾ اگر کسی آدمی کی دو بیٹیاں ہیں وہ بڑی کا نکاح کرانا چاہتا ہے عین نکاح کے وقت غلطی سے چھوٹی کا نام ذکر کر دیتا ہے حالانکہ نکاح بڑی کا ہو رہا تھا تو اس صورت میں بڑی کا نکاح ہوگا یا چھوٹی کا؟

مستفتی: عبید اللہ دیر

﴿جواب﴾ جس لڑکی کا نکاح ہو رہا ہے اگر وہ نکاح کی مجلس میں موجود نہیں ہے اور لڑکی کا والد بھولے سے دوسری لڑکی کا نام لیکر ایجاب وقبول کر لیتا ہے تو اس صورت میں وہ لڑکی جس کا نام لیا گیا ہے اگر بالغ ہے تو نکاح اسکی اجازت پر موقوف ہوگا اجازت دے دے تو اسی کا یعنی چھوٹی کا نکاح ہو جائیگا، اجازت نہ دی تو اس کا بھی نکاح نہیں ہوگا، بڑی کا تو سرے سے ہوا ہی نہیں کیونکہ اسکا نام نہیں لیا لیکن اگر نکاح کے وقت لڑکی خود موجود ہے اور باپ اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسکی طرف سے ایجاب وقبول کر رہا ہے اور نام غلط ذکر کر دیتا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا نکاح اسی کا ہوگا جس کی طرف اشارہ کیا ہے، نیز اگر وکیل لڑکی کے باپ کا نام غلط ذکر کر دے تو بھی نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

لمافی التنویر مع الدر: (۲۶/۳ طبع سعید)

(غلط وکیلها بالنکاح فی اسم ابیها بغیر حضورها لم یصح) للجهالة وکذالو غلط فی اسم بنته الا اذا کانت حاضرة واشار الیها فیصح ولوله بنتان أراد تزویج الکبری فغلط فسماها باسم الصغری صح للصغری.

ولمافی الشامی: (۲۶/۳ طبع سعید)

قوله: (ولوله بنتان) أی بأن کان اسم الکبری مثلا عائشة والصغری فاطمة فقال زوجتک بنتی الکبری فاطمة وقبل صح العقد علیها وان کانت عائشة هی المرادة وهذا اذا لم یصفها بالکبری أما لوقال زوجتک بنتی الکبری فاطمة ففی الولوالجیة: یجب أن لا ینعقد العقد علی احداهما لأنه لیس له ابنة کبری بهذا الاسم.

ولمافی قاضیخان بهامش الهندیة: (۳۲۲/۱ طبع رشیدیه)

امرأة وکلت رجلا بأن یزوجها فزوجها وغلط فی اسم أبیها لا ینعقد النکاح اذا کانت غائبة ...... رجل له بنتان اسم الکبری منهما عائشة واسم الصغری فاطمة فقال الاب فی نکاح الکبری زوجتک ابنتی فاطمة جاز النکاح علی الصغیرة ولو قال زوجت ابنتی الکبری فاطمة فقال الزوج قبلت قالوا: لا یجوز نکاح واحدة منهما.

ولما فی الشامی:(۲/۲۵،طبع سعید)
(قوله والا لا)ای وان لم تکن حاضرۃ لایکون العقد نافذابل موقوفاعلی اجازتها.

واللہ اعلم بالصواب:محمد سجاد غفرلہ
الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۱۹۰۰
۱۴صفرالمظفر ۱۴۳۰ھ

﴿ایجاب وقبول میں نکاح کی نسبت جسکی طرف ہو نکاح بھی اسی کا ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کا لڑکا ہے اور شریف کی لڑکی آپس میں رشتہ کی بات طے ہوگئی تھی، نکاح کے لئے باقاعدہ خطبہ پڑھا گیا لیکن ایجاب و قبول کے الفاظ میں زید اور شریف نے غلطی کی، شریف نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی نکاح میں دے دی، زید نے کہا میں نے قبول کرلی، بیٹے کی طرف نسبت نہیں کی تو اس نکاح کا کیا حکم ہے؟

بالفرض شریف یوں کہتا کہ میں نے اپنی لڑکی زید کے بیٹے کے نکاح میں دے دی اور زید کہتا میں نے قبول کرلی تو کیا حکم ہوتا؟
مستفتی:محمد خالد کراچی

﴿جواب﴾ شریف کی لڑکی اگر نابالغ ہے تو زید کیساتھ اسکا نکاح ہوگیا ہے اور اگر بالغ ہے اور اپنے والد صاحب کو عام اجازت دی ہے یعنی صرف زید کے بیٹے کیساتھ نکاح کرانے کا پابند نہیں بنایا تو اس صورت میں بھی نکاح زید کیساتھ ہوگیا ہے، زید کے بیٹے کیساتھ اب نکاح کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی، باپ کی بیوی بننے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے بیٹے پر حرام ہوگئی ہے اور اگر خاص زید کے بیٹے کیساتھ نکاح کرانے کی اجازت دی تھی تو اس صورت میں نکاح نہیں ہوا، نئے ایجاب وقبول کے ساتھ زید کے بیٹے سے نکاح ہوسکتا ہے اور دوسری صورت میں یعنی شریف نے کہا کہ میں نے زید کے بیٹے کے نکاح میں دی اور زید نے مطلقاً قبول کرلیا اپنے بیٹے کی طرف نسبت نہیں کی تو اس صورت میں بھی کوئی نکاح نہیں ہوا۔

لما فی الشامی:(۲/۲۶طبع سعید)

لوقال ابوالصغيرة لأبي الصغير زوجت ابنتي ولم يزد عليه شيأفقال ابوالصغير قبلت يتم النكاح للأب هوالصحيح ويجب أن يحتاط فيه فيقول قبلت لابني..... وفي الشامية:حيث يقول زوج ابنتك لابني فيقول:له زوجتك فيقول الاول قبلت فيقع العقد للأب والناس عنه غافلون..... وبانه لايمكن للأب تطليقها وعقده للابن ثانيا

لحرمتها على الابن مؤبدا ومثله مايقع كثيرا أيضا حيث يقول زوجتني بنتك لابني فيقول زوجتك فإن قال الأول قبلت انعقد النكاح لنفسه..... زوجتك بنتي لابنك فيقول قبلت ويظهر لي أنه ينعقد للأب لاسناد التزويج وقول أبي البنت لابنك معناه لأجل ابنك فلا يفيد. ....

ولمافي قاضيخان:(۲۸۹/۱، طبع قديمي)

رجل خطب لابنه الصغير امرأة فلما اجتمعا للعقد قال أبو البنت بالفارسية ترا دادم بزنی این دختر بهزار درهم فقال أبو الابن پذیرفتم يجوز النكاح للأب لأن الأب اضاف النكاح الى نفسه وان جرت الخطبة بينهما لأجل الابن.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر ۱۹۰۷

ولیمہ کب تک کرنے سے سنت ادا ہو جائیگی

سوال: کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی کے موقع پر ولیمہ کرنا سنت ہے اگر کوئی شادی کے سترہ سال بعد ولیمہ کرے تو کیا سنت ادا ہو جائیگی؟

جواب: سنت ولیمہ ادا ہو جائیگی البتہ سنت وقت ادا نہیں ہوگی کیونکہ ولیمہ میں دراصل دو جہتیں ہیں (۱) سنت ولیمہ (۲) سنت وقت) اسی لیے اگر کوئی رخصتی کے فوراً بعد ولیمہ کرے تو دونوں سنتیں ادا ہو جائیں گی کیونکہ ولیمہ کا مسنون وقت رخصتی کے بعد ہے اگرچہ دوسرے اقوال بھی ہیں لیکن ان کو اسی پر محمول کیا گیا ہے کہ سنت ولیمہ تو ادا ہو جائیگی البتہ سنت وقت ادا نہیں ہوگی.

تائید کے لیے دیکھیں. فتاوی عثمانی ۳۰۲/۲ فتاوی رحیمیہ ۲۳۹/۸ خیر الفتاوی ۶۰۴/۴

(لمافي اوجز المسالك ۵۲۲/۹)

ان عبد الرحمن بن عوف جاء الى رسول الله ﷺ وبه اثر صفرة فسأله رسول الله ﷺ فاخبره انه تزوج امرأة من الانصار فقال رسول الله ﷺ كم سقت اليها؟ زنة نواة من الذهب فقال له رسول الله ﷺ أولم ولو بشاة

(ولما في الرد المحتار ۲۲۷/۶ طبع سعيد)

(دعى الخ الى وليمة) هي طعام العروس وقيل الوليمة اسم لكل طعام والافضل ان يجيب اذا كانت وليمة والا فهو مخير والاجابة افضل وفي الهناية اجابة الدعوة سنة وليمة أو غيرها وفي الاختيار وليمة العرس سنة قديمة ان لم يجبها أثم لقوله عليه السلام من لم يجب الدعوة فقد عصى الله ورسوله.

(ولما في الهندية ٥/٣٢٣ قديمي كتب خانه)

وليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي اذا بنى الرجل بامرأته ينبغي ان يدعو الجيران والاقرباء والاصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعاما واذا اتخذ ينبغي لهم ان يجيبوا فان لم يفعلوا أثموا قال عليه السلام من لم يجب الدعوة فقد عصى الله ورسوله ولا بأس ان يدعوا يومئذ من الغد وبعد الغد ثم ينقطع العروس والوليمة كذا في الظهيرية

(ولما في قاضي خان ٢/٠٦ قديمي كتب خانه)

رجل بنى بامرأة قالوا ينبغي ان يتخذ وليمة ويدعو الجيران والاصدقاء والاقرباء ويصنع لهم طعاما ويذبح لقوله عليه السلام أولم ولو بشاة واذا اتخذ وليمة ودعاهم كان عليهم ان يجيبوا فمن لم يجب كان أثما فلا باس بان يدعو لذلك اليوم وغدا وبعد غد ثم ينقطع العرس والوليمة .

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انگی

۲۸ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۲۶

﴿فصل في الانكحة الصحيحة و الفاسدة﴾

﴿نکاح صحیح اور فاسد کا بیان﴾

﴿غیر کی منکوحہ سے نکاح شرعاً باطل اور کالعدم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے علاقے میں ایک مولوی صاحب نے ایک ایسی عورت کا نکاح پڑھایا جو دوسرے کی منکوحہ تھی اور اس عورت کا منکوحہ ہونا مولوی صاحب اور دیگر جو گواہ وغیرہ تھے سب کو معلوم تھا، ازروئے شرع ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ نکاح پر نکاح نہیں ہو سکتا ایسا نکاح شرعاً کالعدم اور باطل ہے، مولوی صاحب اور دیگر شرکاء جن کو عورت کا منکوحہ ہونا معلوم تھا، اس کے باوجود دوسرا نکاح پڑھوایا گناہ کبیرہ اور فسق کے مرتکب ہوئے ہیں، اپنے فعل پر توبہ اور استغفار کریں، ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

لما في المظهري: (٢/٦٢ طبع رشيديه)

والمحصنات من النساء عطف على امهاتكم يعني حرمت عليكم المحصنات من النساء: اى ذوات الازواج لايحل للغير نكاحهن مالم يمت زوجها او يطلقها وتنقضى عدتها من الوفات او الطلاق.

ولمافی الشامی:(۵۱۶/۳،طبع سعید)

امانکاح منکوحۃالغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃان علم انہاللغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا.

ولمافی البحرالرائق:(۱۲/۳،طبع سعید)

السادس المحرمۃلحق الغیر کمنکوحۃالغیر ومعتدتہ.

ولمافی حجۃ اللہ البالغۃلشاہ ولی اللہ الدھلوی:(۲۳۳/۲،طبع قدیمی)

ومنہا:کون المرأۃمشغولۃبنکاح مسلم اوکافرفان اصل الزنا ھوالازدحام علی الموطوئۃمن غیراختصاص احدھمابہا.

ولمافی التنویرمع الدر:(۵۵۹/۱،طبع سعید)

(ولوام قوما وھم لہ کارھون)ان الکراھۃ(لفساد فیہ الخ).

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۱۷صفرالخیر۱۴۳۱ھ فتوی نمبر:۲۳۴۶

﴿رضائی بیٹے کی حقیقی بہنوں کا نکاح رضائی باپ کی اولاد کیساتھ درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عبدالباری کی چار بیویاں ہیں،ان میں سے ایک نے عبدالباری کے بھتیجے کو مدت رضاعت کے اندر دودھ پلایا تھا،اب عبدالباری کا ایک بیٹا جودودھ پلانے والی بیوی کے علاوہ دوسری بیوی سے ہے،وہ عبدالباری کی رضائی بیٹے یعنی بھتیجے کی حقیقی بہن کے ساتھ شادی کرناچاہتاہے توکیاشریعت کی رو سے ان کا آپس میں نکاح کرنادرست ہے؟ مستفتی:شاہ ولی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں جس بچے نے چچی کادودھ مدت رضاعت کے دوران پیا ہے خوداس کے لئے اپنے چچا کی چاروں بیویوں کی اولاد کے ساتھ نکاح کرنادرست نہیں،البتہ مرضعہ(دودھ پلانے والی)کی سگی اولاداورسوکن کی اولاد کیلئے بھی باپ کے رضائی بیٹے یعنی مذکورہ بھتیجے کی بہن بھائیوں کے ساتھ نکاح کرنادرست ہے۔

لمافی الدرالمختار(۲۱۷/۳،طبع سعید)

(وتحل اخت اخیہ رضاعا)یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ وبالمضاف الیہ کان یکون لاخیہ رضاعااخت نسبا وبہما و ھو ظاھر(و)کذا (نسبا)بان یکون لاخیہ لابیہ اخت لام فھومتصل بہما.

وفی الشامیۃ:وھوظاھر کان یکون لہ اخ رضاعی رضع مع بنت من امرأۃ اخری.

ولما فی فتح القدیر:(۲/۲۲۱،طبع رشیدیه)

(ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیه من الرضاع)لانه یجوزان یتزوج باخت اخیه من النسب وذلک مثل الاخ من الاب اذا کانت له اخت من امه جاز لاخیه من ابیه ان یتزوجها.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۲صفرالخیر ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر:۲۸۵۶

﴿فضولی بالغ لڑکے کا نکاح کرادیں جبکہ وہ اس پرراضی نہ ہو﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے کے بارے میں کہ بکر کے والدین اسکی شادی زینب سے کرواناچاہتے ہیں جبکہ بکرکسی اور سے شادی کرناچاہتاتھا،والدین کے زیادہ اصرار کی بناءپربکر نے کہاکہ اگرمیں نے زینب سے شادی کی تواسکوتین طلاق ہیں اوربکر نے اس وقت طلاق کی نیت بھی نہیں کی تھی،اب والدین نے بکرکی شادی کروادی جبکہ بکربوجہ ناراضگی عقدنکاح میں شریک نہیں رہااورنہ ابھی تک زینب کے پاس گھر گیاہے،پوچھنایہ ہے کہ مذکورہ صورت میں نکاح ہواہے یانہیں؟اگرہواہے توزینب کوطلاق واقع ہوئی یانہیں؟اگرواقع ہوئی ہے توکتنی؟

﴿جواب﴾ بکر کے والدین نے واقعی اس سے اجازت لئے بغیراگرنکاح کرلیاہے تویہ نکاح بکرکی اجازت پرموقوف ہے،نکاح کی خبرپہنچنے پراس نے صاف انکارکردیاہوتونکاح منعقدنہیں ہوا،زبان سے قبول کرلیاہوتواس صورت میں نکاح ہوگیاہے اورساتھ ساتھ تین طلاقیں بھی واقع ہوگئی ہیں،اب حلالہ شرعیہ کے بغیردوبارہ اس سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

ایک صورت یہ ہے کہ بکرنے زبان سے صاف کوئی انکارنہیں کیااورنہ قبول کے الفاظ زبان سے بولے ہیں تواب گنجائش ہے کہ وہ بیوی کے پاس جائے اوراسکوبیوی کیطرح رکھے،اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

لمافی الدرمع الرد:(۵/۶۴۲-۶۴۳،کتاب الایمان مطلب حلف لایتزوج فزوجه،طبع امدادیه)

(حلف لایتزوج فزوجه فضولی فاجاز بالقول حنث وبالفعل)......قوله فاجاز بالقول کرضیت وقبلت،نهر،وفی حاوی الزهدی:لوهنأه الناس بنکاح الفضولی فسکت فهواجازة،قوله حنث هذاهوالمختار کمافی التبیین وعلیه أکثرالمشائخ والفتوی علیه کمافی الخانیة وبه اندفع مافی جامع الفصولین من أن الأصح عدمه،بحر،قوله (وبالفعل)... قلت:فلوبعث المهرأولأم بکره التقبیل والجماع لحصول

الاجازة قبله ..... (فكذا اجاز نكاح فضولي بالفعل لا يحنث) ...... فيصير في التقدير كأنه قال ان تزوجتها او بتزويج الفضولي لا يصير متزوجاً كما في فتاوى العلامة قاسم.

ولما في الهندية: (۱/ ۲۸۷، كتاب النكاح، باب الأولياء، مكتبه رشيديه كوئله)

لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير اذنها بكرا كانت أو ثيباً فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها فان أجازته جاز.

ولما في قاضي خان: (۱/ ۲۰۰، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح، طبع قديمي)

رجل زوج رجلاً امرأة بغير اذنه فبلغه الخبر فقال: نعم ما صنعت أو بارك لنا الله فيها أو قال أحسنت أو أصبت كان اجازة الا اذا علم أنه أراد به الاستهزاء لسوق الكلام على وجه الاستهزاء فحينئذ لا يكون اجازة.

لما في الفقه الحنفي وأدلته: (۲/ ۱۸۰، كتاب النكاح، حكم نكاح الفضولي، بيروت)

فلو زوج امرأة بغير أمرها من رجل وقبل الرجل أو زوج رجلاً بغير أمره ولم يكن حاضراً امرأة فقبلت: فانه ينعقد يتوقف على اجازة الغائب.

ولما في الفقه الحنفي وأدلته: (۲/ ۲۳۳، باب الطلاق، دار الكلم الطيب)

وقوله لأجنبية ان تزوجتك فأنت طالق وقوله كل امرأة أتزوجها فهي طالق، فهو اضافة للطلاق الى ملك وليس طلاقاً قبل النكاح فمتى ما سمّى امرأة ثم تزوجها لزمه الطلاق.

ولما في درر الحكام: (۱/ ۸۱، ألقواعد الكلية، طبع رشيديه كوئله)

ألمادة (۸۲): ألمعلق بالشرط يجب ثبوته عند ثبوت الشرط.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۸۰۵

﴿دو حقیقی بہنوں سے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام درجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں:

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بیک وقت دو حقیقی بہنوں سے الفاظ ایجاب کہے اور ان دونوں بہنوں نے بیک وقت الفاظ قبول کہے، تو کیا ان دونوں میں سے کس بہن کا نکاح درست ہے؟

(۲) ایسی صورت میں اگر دونوں بہنوں میں سے کسی ایک سے اس نے صحبت کر لی، تو کیا دوسری بہن سے نکاح ٹوٹ جائیگا؟ مذکورہ دونوں صورتوں کا تفصیلی جواب دیکر عند اللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾ بیک وقت دونوں بہنوں سے ایجاب وقبول کرنے سے کسی ایک سے بھی نکاح نہیں ہوتا یہ عقد باطل ہے اس لئے دونوں بہنوں میں سے کسی ایک سے صحبت کرنا ہرگز جائز نہیں

ہے، تاہم اگر یہ غلطی کی ہے تو جس عورت سے صحبت کی ہے صرف اس عورت پر عدت گزارنا واجب ہے، اور اس شخص کے ذمہ اس کے لئے حق مہر واجب ہے لیکن حق مہر اگر مہر مثل (یعنی اس عورت کی برادری کی عورتوں میں رائج مہر) سے اگر زیادہ مقرر ہوا تھا تو ایسی صورت میں صرف مہر مثل دینا کافی ہے، اور دونوں پر توبہ واستغفار بھی واجب ہے۔

لما فی البدائع :۲/۲۶۲ طبع سعید

فنقول لا خلاف فی ان الجمع بین الاختین فی النکاح حرام لقوله تعالیٰ "وأن تجمعوا بین الاختین الخ.

لما فی الشامی:۱/۳ طبع سعید

اما فی مسئلة تزوجهما معاً فی عقد واحد فالباطل نکاح کل منهما یقینا فاذا کان التفریق قبل الدخول فلا مهر لهما ولا عدة علیهما ،وان دخل بهما وجب لکل الاقل من المسمی ومن المهر المثل کما هو حکم النکاح الفاسد وعلیهما العدة.هکذا فی البحر:۹۱/۳ طبع سعیدوفی الهندیة:۲۰۶/۱ قدیمی کتب خانه.

الجواب صحیح :عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۷ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۴۸۲

﴿فصل فی المهر والجهاز﴾

﴿جہیز اور مہر کے مسائل﴾

﴿مہر لڑکی کا ذاتی حق ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے کہ ہمارے علاقے میں شادی کے موقع پر یہ رسم ہے کہ نکاح سے قبل دُلہا والوں سے مال طلب کیا جاتا ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ وہ مال کبھی نقد رقوم کی صورت میں مثلاً پچاس ہزار، ایک لاکھ روپے اور کبھی زندہ جانوروں کی صورت میں مثلاً بیل یا بھیڑ، بکریاں طلب کی جاتی ہیں اور مذکورہ رقم سے دلہن کی برادری اور آنے والے مہمانوں کو کھانا دیا جاتا ہے اور دلہن کے مہر سے اتنی مقدار کی رقم منہا کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ہاں بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا بالکل ناجائز اور حرام ہے اور بعض علماء اس کی کچھ تاویل کرتے ہیں کہ اگر دلہن کی اجازت سے مذکورہ چیزیں طلب کی جائیں تو یہ ان کی طرف سے دعوت تصور کیا جائے گا اور کرنا بالکل حلال ہے اور بعض جگہ لڑکی کو جہیز میں

سامان وغیرہ دینے کے لئے اس کے مہر سے قبل از نکاح رقم طلب کی جاتی ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح مال (نقد کی صورت میں ہو یا زندہ جانوروں کی صورت میں) طلب کرنا جائز ہے؟ کیا اس رقم سے مہمانوں کو کھانا کھلانا اور لڑکی کے مہر سے منہا کرنا شرعاً درست ہے؟ اور مذکورہ مسئلہ یعنی رقم طلب کرنے میں شریعت کی نظر میں لڑکی کی اجازت اور عدم اجازت کیا حیثیت رکھتی ہے؟ براہ کرم مدلل و مفصل جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: لطف الرحمٰن

﴿جواب﴾ مہر لڑکی کا حق ہے لڑکی کے والد وغیرہ کو مہر وصول کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اس مہر کو دعوت میں خرچ کرنے کے لئے لڑکی کی اجازت ضروری ہے لہٰذا جن علاقوں میں نکاح سے پہلے دُلہا والوں سے پیسے یا جانور اگر لئے جاتے ہیں تو یہ جائز ہے ایسی چیزوں کو مہر معجّل میں شمار کیا جائے گا کیونکہ ان علاقوں میں لڑکی کی طرف سے اول تو صراحۃ اجازت ہوتی ہے اگر صراحۃ نہ بھی ہو تو عرفاً اور دلالۃً ضرور ہوتی ہے لہٰذا تاویل کرنے والے علماء کرام کی رائے درست معلوم ہوتی ہے ہاں جہاں لڑکی صراحۃ منع کردے تو وہاں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا۔

رہی یہ بات کہ مہر کی کچھ رقم کا لڑکی کے لئے جہیز کا انتظام کرنے کے لئے نکاح سے پہلے مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ یہ سامان لڑکی کی ذاتی ملکیت سے خریدا جائے اور ایسی صورت میں باپ کے قبضہ کرنے سے شوہر کے ذمے سے اتنا مہر ساقط ہو جائے گا۔

لما فی الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید:(۲/۱۲۳ تا ۱۲۴، طبع: دار القلم دمشق)

والمهر حق المرأة وحدها تتصرف به كما تشاء فلايجوز لوليها او لاى قريب من اقاربها ان يأخذ منه شيأالا برضاها وطيب نفسها وما يفعله بعض الآباء والاولياء والاقرباء من اخذهم مهر المرأة كلاا و جزأ لايجوز شرعا الااذا اذنت المرأة لهم بذالك قال تعالى فان طبن لكم عن شيئ منه نفسا فكلوه هنيئامريئا(النساء).

ولما فی رد المحتار:(۳/۱۲۰، طبع:سعید کراچی)

ونظيرمافى الخانيه ماهومعروف بين الناس فى زماننامن ان البكر لها اشياء زائدة على المهر: منها ما يدفع قبل الدخول كدراهم للنقش والحمام وثوب يسمى لفافة الكتاب والثواب اخر يرسلها الزوج ليدفعها اهل الزوجة الى القابلة وبلانة الحمام ونحوها ومنها ما يدفع بعد الدخول كالأزاروالخف ولمكعب واثواب الحمام وهذه مالوفة معروفة بمنزلة المشروط عرفا حتى لو اراد الزوج ان لايدفع ذلک يشترط نفيه وقت العقد او يسمى فى مقابلته دراهم معلومة يضمها الى المهر المسمى فى

العقد.........وانت خبير بان هذه المذكورات تعتبر في العرف على وجه اللزوم على انها من جملة المهر غير ان المهر منه ما يصرح بكونه مهراً منه مايسكت عنه بناء على انه معروف لابد من تسليمه بدليل انه عند عدم ارادة تسليمه لابد من اشتراط نفيه او تسمية ما يقابله كما مر فهو بمنزلة المشروط لفظاً فلايصح جعله عدة وتبرعاً ـــ وان شرطوا ان يدفع شيئ من ذلك لايجب وان سكتوا لايجب الا من صدق العرف من غير تردد في الاعطاء لمثلها من مثله والعرف الضعيف لايلحق المسكوت عنه بالمشروط.

ولما في الشامي:(۱۶۱/۳ طبع:سعيد كراچی)

ففي الهندية للأب والجد والقاضي قبض صداق البكر صغيرة كانت او كبيرة الا اذا نهته وهي بالغة صح النهي.........وفيها قبض الأب مهرها وهي بالغة او لا وجهزها او قبض مكان المهر عينا ليس لها ان لا تجيز لان ولاية قبض المهر الى الآباء وكذا التصرف فيها

ولما في البحر الرائق ،۱۱۱/۳ طبع: سعيد كراچی

وان قال الأب هي في منزلي وانما اقبض المهر واجهزها به واسلمها اليه فالقاضي يأمر الزوج بالدفع اليه.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار بنوی عفی عنہ

۲ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۲۸

﴿نکاح سے قبل مخطوبہ کو کچھ دیا مہر میں شمار ہوگا یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ الى ساداتي الكرام والعلماء العظام دام اقبالهم السلام عليكم ورحمة الله وبركاته وبعد،في ديارنا اذا اراد احد ان يخطب امراة يطلب منه اولياء المرأة الاشياء الكثيرة فمنها مايصرف يوم النكاح كماهو عادتهم من اتخاذ الطعام للمرأة وفيها البسة والفرشة تجيء المرأة بها الى بيت زوجها بعد النكاح ولايسمون شيئا آخر باسم المهر نعم يأخذون في بعض المقام قدرا من الثمن باسم حق الارضاع فالسؤال من كريم سماحتكم هل هذه الاشياء مهر ام لا؟ واذا وقعت الفرقة بين المتزوج فهل للزوج ان يسترد بالاشياء المبعوثة اليهام لا؟

﴿جواب﴾ مدار هذه المسئلة على العرف فعامة الناس ان كانوا يقصدون بتلك الاشياء اداء المهر فهي مهر والافلا وينبغي للعلماء ان يصرحوا بذكر المهر مراداً عن هذه الاشياء لان لايبقى الخفاء ويجوز ان يدخل مصارف الطعام في المهر بالتصريح

بقی الجواب هل للزوج ان یستردبالاشیاء المبعوثةالیهام لا؟فنقول ماعطاه فی المهرفلارجوع فیه بعدالدخول اوالخلوةاوموت احدهماالااذاتخالعابالتراضی واما مااهداهاقبل العقدیسترده اذاکان باقیامالم تعوضه المرةلاهالکاویستردمااخذوا منه بطریق الرشوةلان الرشوةلا تملک بالقبض.

لمافی ردالمحتار:(۱۳۰/۳،طبع سعید)

وانت خبیر بان هذه المذکورات تعتبر فی العرف علی وجه اللزوم علی انهامن جملة المهرغیر ان المهر منه ما یصرح بکونه مهرا ومنه مایسکت عنه بناء علی انه معروف لابد من تسلیمه بدلیل انه عند عدم ارادة تسلیمه لابد من اشتراط نفیه او تسمیة ما یقابله کما مر فهو بمنزلة المشروط لفظا فلا یصح جعله عدة وتبرعا.....وقد رایت فی الملتقط التصریح بلزومه کما قلنا حیث ذکرفی مسئلة منع المرأةنفسها.....وکذلک المشروط عادة کالخف والمکعب ودیباج اللفافة ودراهم السکرعلی ما هو عادة اهل سمرقند وان شرطواان لایدفع شیء من ذلک لا یجب وان سکتواالا یجب الامن صدق العرف من غیر تردد فی الاعطاء لمثلها من مثله والعرف الضعیف لا یلحق المسکوت عنه بالمشروط اه ثم رایت المصنف افتی به فی فتاویه.

ولمافی الکفایة:(۱۱/۹،طبع رشیدیه)

سادسهاالزوجیةوقت الهبة حتی لو وهب لامراة ثم نکحها له ان یرجع فیهاولو وهب لامراته هبة ثم ابانها فلیس له ان یرجع فیها.

ولمافی رد المحتار:(۵۹٦/۳،طبع سعید)

ولارجوع فیما یهبه لزوجته والعبرة لوقت الهبة لا لوقت الرجوع فالزوجیة من الموانع من الرجوع کالموت ودفع الاب کدفع الابن فلا اشکال .بحر.

ولمافی مجمع الضمانات:(ص۵۹٦،طبع دارالکتب بیروت)

وهل للزوج ان یرجع فی المدفوع المذکور ام لا وهو الفرس والثیاب والدراهم بعد جریان العقد اوقبله ام لا قال الامام شمس الدین محمد الحریری النخعی الانصاری لا ینعقد النکاح باللفظین الاولیین وما دفعه الی هؤلاء قبل العقد فله الرجوع فیه بالشروط المعتبرة فی ذلک.

ولمافی الدرالمختار:(۱۵٦/۳،طبع سعید)

لواخذاهل المرأةشیئاعندالتسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:معراج الدین

۱٦ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر:۱۳۱۸

﴿مال کوئی بھی ہو حق مہر میں مقرر کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حق مہر میں کیا کیا چیزیں دینا جائز ہے، نقد رقم دینا ہی ضروری ہے یا دوسری اشیاء، پلاٹ، دوکان، سونے کے زیورات وغیرہ بھی دے سکتے ہیں؟ مستفتی: عاطف بونیر

﴿جواب﴾ حق مہر میں ہر وہ چیز مقرر کرنا جائز ہے جو مال متقوم ہو صرف نقد رقم ہی مقرر کرنا لازمی نہیں ہے، مذکورہ چیزیں بھی چونکہ مال متقوم ہیں لہذا ان چیزوں کو بھی مہر میں دینا جائز ہے۔

ولما فی قوله تعالى:(النساء الاية ۲۴)﴿"ان تبتغوا باموالكم﴾

لما فی بدائع الصنائع:(۲/۲۷۷،بيان ما يصح تسمية مهر)

واما بيان ما يصح تسميته مهرا وما لا يصح وبيان حكم صحة التسمية وفسادها فنقول لصحة التسمية شرائط منها أن يكون المسمى مالاً متقوماً.

ولما فی الهندية:(۱/۳۰۲،الباب السابع فی المهر،طبع رشيديه)

المهر انما يصح بكل ما هو مال متقوم

ولما فی تفسير المظهرى تحت هذه الاية:(۲/۶۷)

هذه الاية تقتضى ان المهر لا بد ان يكون مالاً لان الحل مقيد بالابتغاء بالاموال.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۶۲

﴿مہر بیٹی کا حق ہے باپ استعمال نہیں کر سکتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ہمارے علاقے میں شادی کے موقع پر باپ مہر لے لیتا ہے، بعض علاقوں میں لڑکی کو ملتا نہیں یا کم ملتا ہے، باپ استعمال کر لیتا ہے اور بعض لوگ مہر لکھ دیتے ہیں ادا نہیں کرتے، شرعی حکم سے آگاہی فرمائیں۔ مستفتی: محمد عظیم

﴿جواب﴾ مہر عورت کا حق مالی ہے جو کہ خاوند کے ذمہ بوجہ عقد نکاح کے واجب ہوتا ہے اگرچہ ولایت کاملہ کی وجہ سے باپ مہر پر قبضہ کرنے کا حق رکھتا ہے لیکن قبضہ کرنے کے بعد بیٹی کو ادا کرنا ضروری ہے، چنانچہ اگر بیٹی بالغہ ہو تو مہر پر قبضہ کرنے سے باپ کو روکنے کا بھی اسے اختیار ہے، لہٰذا حق مہر کی وصولی کی حد تک باپ کو اختیار ہے ذاتی استعمال میں نہیں لا سکتا، اپنا حق سمجھ کر

بیٹی کا حق مہر کھانا حرام ہے۔

لمافی التنویرمع الدر:(۱۲۰/۳،طبع سعید)

(وصح ضمان الولی مهرهاولو)المرأة(صغیرة)ولوعاقدالانه سفیر لکن بشرط صحته(وتطالب ایاشاءت)من زوجهاالبالغ او الولی الضامن.

وفی الشامیة:(قوله صح ضمان الولی مهرها)ای سواء کان ولی الزوج او الزوجة صغیرین کانا او کبیرین،أما ضمان ولی للکبیرمنهمافظاهرلانه کالاجنبی.....وأماولی الصغیرین فلانه سفیرومعبر،فاذامات کان لهاان ترجع فی ترکته.....وولایة قبض المهرله بحکم الابوة لاباعتبارانه عاقد ولذالایملک قبضه بعد بلوغهااذانهته بخلاف البیع.

ولمافی البدائع:(۲۹۰/۲،طبع سعید)

ولیس للاب ان یهب مهر ابنته عند عامة العلماء وقال بعضهم له ذالک..... ولناان المهرملک المرأة وحقهالانه بدل بضعها وبضعهاحقهاوملکهاوالدلیل علیه قول الله تعالی "وآتوالنساء صدقاتهن نحلة "اضاف المهرالیهافدل ان المهر حقها وملکها ...... فدل ذلک کله علی ان مهرها ملکهاوحقها ولیس لاحد ان یهب ملک الانسان بغیر اذنه ولهذالایملک الولی هبة غیره من اموالها فکذاالمهر.

اسی طرح اگر شوہر مہر لکھ دے اور ادا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں اور ایسا خیال رکھنے والا سخت گنہگار ہے، حدیث میں ایسے شخص کیلئے وعید آئی ہے اور اسکو زانی کہا گیا ہے یعنی عذاب وعقاب میں وہ زانیوں کی طرح مبتلا ہوگا۔

لمافی الترغیب والترهیب:(۶۶۲/۲،کتاب النکاح،طبع حقانیه)

عن النبی صلی الله علیه وسلم:أیمارجل تزوج امرأة علی ماقل من المهراوکثرلیس فی نفسه ان یؤدی الیها حقهاخدعها فمات ولم یؤد الیها حقها لقی الله یوم القیامة وهو زان

لمافی البدائع:(۲۷۵/۲،طبع سعید)

اذاطلبت الفرض من الزوج یجب علیه الفرض حتی لو امتنع فالقاضی یجبره علی ذلک ولولم یفعل ناب القاضی منابه فی الفرض.....وکذالهاان تحبس نفسهاحتی یفرض لها المهرویسلم الیهابعدالفرض.....الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:ظہور احمد شمس

۱۳/۲/۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر:۱۱۸۹

﴿نفسِ عقدِ نکاح سے مہر شوہر کے ذمہ واجب ہوجاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکا اور لڑکی کا باقاعدہ

نکاح ہونے کے بعد رخصتی سے پہلے لڑکے کا انتقال ہوگیا جبکہ دوران عقد نکاح مہر مقرر کرنے کے بعد لڑکی کے گھر بھیج دیا تھا، پوچھنا یہ ہے کہ اب اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد معاذ گاشکوڑ سواتی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں نفس عقد نکاح سے طے شدہ مہر شوہر کے ذمہ واجب ہوگیا تھا پھر ادائیگی مہر اور اس پر قبضہ کرنے سے لڑکی کی ملکیت بھی ثابت ہوگئی ہے، لہٰذا جو حق مہر لڑکے کے ذمہ ثابت ہوگیا تھا، وہ ادا ہوگیا ہے، اب شوہر کے انتقال کی صورت میں مہر کی واپسی کا مطالبہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

لمافی الدرمع الرد:(۱۰۲/۳، کتاب النکاح، باب المهر، طبع سعید)

(وتجب)العشرة(ان سماها أو دونها و)يجب (الأكثر منها ان سمى)الأكثر ويتأكد(عند وطء أو خلوة صحت)من الزوج(أو موت أحدهما)

وفي الشامية:(قوله:ويتأكد):اى الواجب من العشرة أو الأكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد..... وانما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه.

ولمافي الهداية:(۳۲۶/۲، کتاب النکاح، باب المهر، طبع رحمانيه)

ومن سمى مهرا عشرة فمازاد فعليه المسمى ان دخل بها أو مات عنها، لأنه بالدخول يتحقق تسليم المبدل(البضع)، وبه يتأكد فيتقرر(النكاح)بجميع مواجبه.

ولمافي الهداية:(۳۵۷/۲، کتاب النکاح، باب المهر، طبع رحمانيه)

واذا مات الزوجان وقد سمى لهامهرا فلورثتها ان يأخذوا ذلك(مهر)من ميراثه(زوج) وان لم يسم لهامهرا فلاشئ، لورثتها عند أبي حنيفة وقالا لورثتها المهر في الوجهين ..... فوجه قولهما ان مهر المثل صار دينا في ذمته كالمسمى فلايسقط بالموت كما اذا مات أحدهما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۶۰۲

﴿مشروط معافی سے مہر معاف نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو شادی کے دس دن بعد تین طلاق دے کر گھر سے نکال دیا، بعد میں جب اسکو علم ہوا کہ مہر دینا پڑے گا تو کسی سے لکھوا کر لے آیا اور لڑکی کو دوبارہ بسا لیا، کچھ دنوں کے بعد مہر معاف کروا کر دوبارہ تین طلاق دیدیں، پوچھنا یہ ہے کہ مہر کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ضروری ہے یا نہیں؟ نیز اس عورت کی عدت پہلی مرتبہ

طلاق کے بعد شروع ہوگی یا دوسری مرتبہ طلاق کے بعد؟ بینوا توجروا مستفتی: عزیز احمد بلوچ

﴿جواب﴾ (۱) تین طلاق کے بعد مہر معاف کروانے کی غرض سے عورت کو بیوی کی طرح رکھنا حرام اور سخت گناہ ہے، ایسی صورت میں عورت نے اگر مہر معاف بھی کیا ہوتو اسے مشروط معافی تصور کرتے ہوئے کالعدم سمجھا جائے گا کیونکہ مہر کی معافی کے لئے ضروری ہے کہ عورت غیر مشروط طور پر پوری رضامندی سے مہر معاف کرے (۲) عورت کی عدت زوجین کے درمیان دوسری مرتبہ تفریق کے بعد سے شمار کی جائے گی۔

لمافی الهندية:(۱/۳۱۳ طبع رشيديه)

وان حطت عن مهرها صح الحط كذافي الهداية ولا بدفي صحة حطهامن الرضاحتى لوكانت مكرهة لم يصح.

ولمافي البحر:(۳/۱۵۰-۱۵۱ طبع سعيد)

ولا بد في صحة حطهامن الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح ولذاقال في الخلاصة من كتاب الهبة اذاخوف امرأته بضرب حتى وهبت مهرها لا يصح---ولواختلفا في الكراهية والطوع ولا بينة فالقول لمدعي الاكراه......وفي كتاب النكاح منها اختلفافي هبة المهر فقالت:وهبته لک بشرط ان لا تطلقني وقال:بغير شرط فالقول قولها.

ولمافي البحر:(۴/۱۴۳ طبع سعيد)

(وتجب عدة اخرى بوطء المعتدة بشبهة وتداخلتا والمرئي منهما وتتم الثانية ان تمت الاولى)لان المقصود التعرف عن فراغ الرحم وقد حصل بالواحدة فيتداخلن.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبد الحکیم غفرلہ ولوالدیہ

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۳۶

﴿اپنی بیوی سے مہر جبراً واپس لینا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے شمالی وزیرستان میں ایک ظالمانہ رسم چلی آرہی ہے، وہ یہ کہ شوہر بیچاری عورت کو بغیر کسی قصور کے طلاق دیتا ہے پھر اس سے اسکا مہر جبراً واپس لیتا ہے، نیز اسکی ادائیگی تک والد بیچارہ دوسری جگہ اسکی شادی بھی نہیں کراسکتا اور مہر ادا کرنے کے بعد پہلے شوہر کے گاؤں میں اگر کوئی اسکے ساتھ رشتہ کرنا چاہے تو والد وہاں اسکا رشتہ نہیں کراسکتا، شوہر یہ دباؤ ایسے جرگہ کے ذریعے ڈالتا ہے جو علاقے کے بااثر

لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ شوہر کیلئے مہر جبراً واپس لینا اور اسی طرح اس رسم کی باقی جزئیات شرعاً کیسی ہیں؟
سائل: اصغر علی وزیرستان

﴿جواب﴾ یاد رہے کہ نکاح کے بدلے میں بیوی کیلئے جو مہر مقرر ہوتا ہے، وہ بیوی کا حق ہوتا ہے اسی کو ملنا ضروری ہے، اسکی مرضی کے خلاف کسی کو اس میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے، شوہر نے جب اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور پھر اس کے بعد اس سے جبراً مہر لیتا ہے تو یہ اس کیلئے قطعاً حلال نہیں ہے جو بھی اس کام میں اس کے ساتھ تعاون کریگا تو یہ ظلم اور گناہ میں تعاون شمار ہوگا جو کہ حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، البتہ اگر بیوی کے والد وغیرہ نے نکاح میں کوئی رقم شوہر سے ناجائز لی ہو جیسا کہ اس علاقے میں یہ ظلم بھی عام رائج ہے تو یہ رشوت ہے جو کہ ہر صورت میں بیوی کے والد پر واپس کرنا لازم ہے خواہ طلاق نہ بھی ہو علماء و صلحاء سب کیلئے شرعی حکم ہے کہ اس طرح کے غلط رائج طریقوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

لما جاء فی مشکوة المصابیح: (۲/۲۵۵، طبع قدیمی) لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منه.

ولما فی کنز العمال: (۱۰/۲۸۰، طبع رحمانیه)

انه لا یقتطع رجل مالا الا لقی الله عزوجل یوم القیامة وهو اجذم.

ولما فی الهدایة: (۲/۴۱۲، طبع رحمانیه)

لأن البضع فی حالة الدخول متقوّم وفی حالة الخروج غیر متقوم والفقه انه شریف فلم یشرع تملکه الابعوض اظهار الشرفه فاما الاسقاط فنفسه شریف فلا حاجة الی ایجاب المال.

ولما فیها ایضا: (۲/۳۲۵، طبع رحمانیه) ثم المهر واجب شرعا ابانة لشرف المحل.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم: عبید اللہ عابد

۷ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۱۹۹۲

﴿مہر میں سونا لازم ہونے کی ایک مخصوص صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی کچھ عرصہ پہلے شادی ہوئی مہر مقرر کرتے ہوئے انہوں نے یہ کہا کہ اٹھارہ ہزار روپے ہے یا تین تولے سونا جبکہ اس وقت فی تولہ سونا چھ ہزار کا تھا، اب اگر وہ مہر ادا کرنا چاہے تو تین تولے سونا ادا کرے گا جسکی موجودہ قیمت فی تولہ کے حساب سے بھی بڑھ گئی ہے یا اٹھارہ ہزار روپے ادا کریگا؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں مہر مقرر کرتے ہوئے جب انہوں نے تین تولہ سونا یا اسکی

مالیت کا ذکر کیا تھا تو ان کا مقصد یہی تھا کہ عورت کو تین تولے سونا ملے جسکی قیمت اٹھارہ ہزار روپے بنتی ہے لیکن الفاظ یہ استعمال نہیں کئے، لہٰذا مقصد کا لحاظ رکھتے ہوئے ان پر تین تولہ سونا یا اسکی موجودہ قیمت ادا کرنا لازم ہوگا۔

لمافی قوله تعالی:(سورة النساء ،آیت۲۴)فما استمتعتم به منهن فاتو هن اجورهن..... الاية.

ولمافی شرح المجلة:(۱/۱۶ طبع رشیدیه)

العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی لاللالفاظ والمبانی ولذا یجری حکم الرهن فی بیع الوفاء..... فلو قال اعرتک هذه الدار کل شهر بکذا او اعطیتک ایاها بکذا او قالت لمن یرید نکاحها وهبتک نفسی بکذا او قال المدیون لدائنه بعتک هذا الثوب بالالف التی لک علیّ علی انی ان ادیتک الالف استرده وهکذا فقیل الآخر فالاول اجارة والثانی بیع والثالث تزویج والرابع رهن وهذه الالفاظ لاتخرج العقود عن معانیها ومقاصدها الموضوعة لها بل یترتب علیه احکام الاجارة والبیع والنکاح والرهن.

ولمافی الاشباه والنظائر:(ص۳۰ طبع قدیمی)

صح لنا وضع قاعدة للفقه هی الثانیة الامور بمقاصدها کما علمت فی الترك وذکر قاضیخان فی فتاواه ان بیع العصیر ممن یتخذه خمرا ان قصدبه التجارة فلا یحرم وان قصدبه لاجل التخمیر حرم وکذا غرس الکرم علی هذا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:سلمان احمد

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر:۲۳۶۷

﴿مہر معاف کرا کر عوض ادا نہ کرنے کی صورت میں مہر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ آپ مجھے اپنے مہر سے بری کردیں تو میں آپ کو تین تولہ سونا ہبہ کرونگا تو عورت نے اپنے مہر سے شوہر کو بری کیا لیکن بعد میں عورت کے مطالبہ پر شوہر نے تین تولہ سونا ہبہ کرنے سے انکار کردیا، اب مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ بیوی شوہر سے اپنا مہر لے سکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں عورت اپنے شوہر سے مہر لے سکتی ہے۔

لمافی الهندیة:(۱/۳۱۷ طبع رشیدیه کوئٹه)

اذا قال الرجل لامرأته ابرأتنی عن المهر حتی اهب لک کذا فابرأته ثم ابی الزوج ان یهبها قال نصیر: یعود المهر علیه کما کان.

ولما فی البزازیۃ:(۲/۲۶۵،طبع قدیمی)

قال لہا:ابرئینی عن مھرک حتی اھب لک کذا فابراتہ ثم ابی الزوج ان یھب ما قال فالمھر علیہ کما کان.

ولما فی قاضی خان علی ھامش الھندیۃ:(۲/۲۸۲ مطبع رشیدیہ کوئٹہ)

رجل قال لامراتہ ابرئینی عن مھرک حتی اھب لک کذاوکذا فابراتہ ثم ابی الزوج ان یھب منھا ماقال کان المھر علیہ کما کان.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عقیل احمد

۲۳صفرالخیر ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۴۴۶

﴿عورت کے مطالبے پر طلاق دینے سے مہر ساقط نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکے اورلڑکی کا آپس میں نکاح ہوگیا مہر عندالطلب پچاس ہزار طے ہوا دونوں پیارومحبت کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک زندگی کا رخ بدل گیا،اور تلخیاں پیدا ہوگئی،بات بات پر لڑکی طلاق کا مطالبہ کرتی ہے،ایک دن شوہر نے مجبور ہوکر طلاق دی۔اب پوچھنا یہ ہے کہ شوہر کے ذمہ مہر واجب ہوگا کہ نہیں؟ مستفتی:ایاز مسجد کا مؤذن صاحب

﴿جواب﴾ شوہر اگر مشروط طلاق دیتا کہ بیوی مہر کے حق سے دستبردار ہو تو طلاق دیتا ہوں،اور بیوی اس شرط کو منظور کرتی تو مہر ساقط ہوجاتا ویسے طلاق دینے سے مہر ساقط نہیں ہوتا اگرچہ طلاق کا مطالبہ بیوی نے کیا تھا۔

لما فی الھندیۃ:۱/۳۰۲(طبع رشیدیہ)

والمھر یتاکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین سواء کان مسمی او مھر المثل حتی لایسقط منہ شئی بعد ذلک الابالابراء من صاحب الحق

ولما فی الدر المختار:۳/۱۰۲(طبع سعید)

(وتجب عند وطء اوخلوۃ صحت)من الزوج(اوموت احدھما)اوتزوج ثانیافی العدۃ.

ولما فی البحر:۳/۱۴۲(طبع سعید)

(قولہ فان سماھااو دونھافلھاعشرۃ بالوطء اوبالموت)لان بالدخول یتحقق تسلیم المبدل وبہ یتاکد البدل وبالموت ینتھی النکاح نھایتہ والشئی بانتھاء ہ یتقرر ویتاکد فیتقرر بجمیع مواجبہ وسیاتی ان الخلوۃ کالوطء فحاصلہ ان المھر یجب بالعقد ویتاکد باحدی معان ثلث۔

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:شفقت اللہ

۲۳ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر:۴۱۰۱

﴿خودکشی سے مہر ساقط نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ نبھاہ نہیں ہورہا تھا اس لئے اس عورت نے خودکشی کرلی (نعوذ باللہ) شوہر نے اس کا حق مہر ادا نہیں کیا تھا اب عورت کا والد اپنی بیٹی کے حق مہر کا مطالبہ کررہا ہے جبکہ شوہر کا کہنا یہ ہے کہ اس نے چونکہ میرے حقوق ادا نہیں کئے ہیں اور خودکشی کی ہے لھذا اس کا حق مہر ادا کرنا مجھ پر لازم نہیں ہے۔

غرض مسئلہ یہ ہے کہ کیا شوہر پر حق مہر ادا کرنا لازم ہے؟ اور اس حق مہر میں کس کا کتنا کتنا حق بنتا ہے؟ واضح رہے کہ اس عورت کی کوئی اولاد بھی نہیں ہے اور والدہ بھی نہیں ہے، صرف یہی شوہر اور والد ہیں۔

مستفتی: اسلم خان

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں شوہر پر پورے مہر کی ادائیگی لازم ہے حقوق ادا نہ کرنے اور خودکشی کرنے کی وجہ سے مہر ساقط نہیں ہوگا۔

اور عورت کے انتقال کی وجہ سے مہر کی رقم اسکی میراث میں سے شمار ہوگی، لہذا اس کے کفن دفن پر آنے والے مناسب اخراجات اور اس پر اگر قرضہ ہو تو اس کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ رقم اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگی، اور چونکہ اس کے ورثاء میں صرف اس کے والد اور شوہر ہیں لھذا یہ رقم ان کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی۔

لما فی العالمگیریہ: (۱/۳۰۲، طبع: رشیدیہ کوئٹہ)

والمهر يتأكد باحدمعان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت احدالزوجين سواء كان مسمى او مهر المثل حتى لايسقط منه شئ بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق كذا فى البدائع.

ولما فيه ايضا: (۱/۳۰۶، طبع: رشيديه كوئٹه)

ولا خلاف فى ان احد الزوجين اذا مات حتف انفه قبل الدخول فى نكاح فيه تسمية انه يتأكد المسمى سواء كانت المرأة حرة او امة وكذا اذا قتل احدهما سواء قتل اجنبى او قتل احدهما صاحبه او قتل الزوج نفسه فاما اذا قتلت المرأة نفسها فان كانت حرة لايسقط عن الزوج شئ من المهر بل يتأكد الكل عندنا كذا فى البدائع.

ولما فى السراجى: (ص: ٦، طبع: قديمى)

اما الاب فله احوال ثلاث ــــ والتعصيب المحض وذلك عند عدم الولد وولد الابن وان سفل ــــ واما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد وولد الابن وان سفل ــ الخ

واللہ اعلم بالصواب: محمد اویس غفرلہ ولوالدیہ

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۳۷۰۵

۷ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ

﴿مہر فاطمی کی اتباع میں مہر مثل سے کم مہر پر اپنی بیٹی کا نکاح کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید بڑا نیک آدمی ہے صلحاء کی مجالس میں حاضر ہوتا رہتا ہے، وہ اپنی دختر کا نکاح بکر کے ساتھ بعوض حق مہر ۵۰۰ پانچ سو درہم کرنا چاہتا ہے تاکہ سنت پر عمل ہو سکے اس وقت پانچ سو درہم کی مالیت تقریباً (۸۰۰۰) آٹھ ہزار روپیہ بنتی ہے جبکہ علاقہ میں مروجہ مہر مثل (۸۰۰۰۰) اسی ہزار روپے ہے۔

امید ہے کہ زید کی لڑکی حیا کی وجہ سے انکار نہیں کریگی لیکن اس پر راضی بھی نہیں ہوگی کیونکہ گاؤں میں اور انکے عزیز و اقرباء میں اس سے کم حیثیت والی لڑکیوں کا مہر اسی ہزار (۸۰۰۰۰) ستر ہزار (۷۰۰۰۰) مقرر ہوا ہے زید کا اسطرح کرنا صرف اس جذبہ پر مبنی ہے کہ مہر فاطمی جو کہ سنت ہے، اس کے علاوہ احادیث میں مہر کم مقرر کرنے کی فضیلت آئی ہے، لہٰذا میں بھی اپنی لڑکی کے لیے مہر فاطمی مقرر کرنا چاہتا ہوں، جب زید سے کہا گیا کہ فلاں عالم بھی اپنی لڑکی کے لئے ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) روپیہ مہر مقرر کرنا چاہتا ہے تو زید نے اس بات کو شنیع سمجھا اور اس عالم کے متعلق تعجب کا اظہار کرتے ہوئے افسوس کیا کہ ایسے عالم کے متعلق اس بات کا تصور بھی نہیں تھا، اب سوال یہ ہے کہ زید کا اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیا زید اپنی لڑکی پر ظلم نہیں کر رہا؟

﴿جواب﴾ سوال مذکور میں دو باتیں قابل تحقیق ہیں:

اول یہ کہ اس جذبہ کی بنیاد پر کہ مہر فاطمی سنت ہے اپنی لڑکی کا مہر بھی انکی رضامندی کے بغیر مہر مثل سے بہت کم مہر فاطمی مقرر کرے یہ درست ہے یا نہیں؟ دوسری یہ کہ اس طرح رویہ جو سنیت مہر فاطمی کے بارے میں ذکر ہوا اور اس پر عمل نہ کرنے والے کے بارے میں ردعمل کس حد تک صحیح ہے۔

مہر چونکہ عورت کا حق ہے اسلئے ولی کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی دختر کی رضامندی کے بغیر مہر مثل سے بہت کم مہر مقرر کرے، لہٰذا زید کا اس طرح کرنا کہ مہر مثل تو اسی ہزار (۸۰۰۰۰) ہے اور وہ اپنی لڑکی کے لیے آٹھ ہزار مہر مقرر کرے یہ سنت پر عمل کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے جذبے کی پیروی کرنا ہے، مہر کم مقرر کرنے کی فضیلت اور اس میں خفت کرنے کی ترغیب احادیث میں آئی ہے لیکن اس سے قبل کہ کسی ایک عورت کا مہر کم مقرر کیا جائے، دیگر عورتوں کو ترغیب دینی چاہیے اور انکا ذہن بنانا چاہیے تاکہ ماحول بن جائے اور تمام عورتیں کم مہر پر راضی ہوں، ورنہ رواج کو ختم

کئے بغیر کسی ایک عورت کا اگر کوئی ولی مہر مثل سے بہت کم مقدار میں مہر مقرر کرے گا تو اس طرح کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

لمافی حاشیة الشیخ شبلیؒ علی هامش تبیین الحقائق:(۵۲۳/۲،طبع سعید)

وقال قاضیخان فی شرح الجامع رجل زوّج ابنته الصغیرة بعشرة ومهر مثلها عشرة آلاف أو زوّج ابنه الصغیر امرأة بعشرة آلاف ومهر مثلها عشرة دراهم فهو جائز وقال ابو یوسف و محمدؒ لایجوز النکاح علی واحد منهما الاان یکون الحط والزیادة بقدر مایتغابن الناس فی مثله.

البتہ اگر باپ اس جذبہ کے علاوہ جو کہ وہ سنیت مہر فاطمی کے بارے میں رکھتا ہے کسی اور مصلحت سے مثلاً شوہر نیک متقی اور با اخلاق ہے اور اس سے زائد مہر پر راضی نہیں یا اس سے زیادہ مہر ادا کرنے کی وہ گنجائش نہیں رکھتا، مہر کم مقرر کرتا ہے تو اس میں مضائقہ نہیں، اس لئے کہ مہر مثل سے کم مہر مقرر کرنے میں اگرچہ لڑکی کو نقصان ہے لیکن دوسری جانب جو فائدہ حاصل ہو رہا ہے وہ اس نقصان کے مقابلہ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

لمافی الشامی:(۶۷/۳،طبع سعید)

والظاهر من حال الصاحی أنه یتأمل أی أنه لوفور شفقته بالأبوة لایزوج بنته من غیر کفوأوبغبن فاحش الالمصلحة تزید علیٰ هذا الضرر کعلمه بحسن العشرة معها وقلة الأذی ونحوذلک.

مہر کم مقرر کرنے کی بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے: قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں مہر میں غلو نہ کرنے کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے۔

لمافی المظهری:(سورة النساء، ۵۱/۲،طبع رشیدیه)

والمستحب اجماعاً ان لا یغالی فیه..... عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ خیر النساء أیسرهن صداقاً وروی ابن حبان عن عائشةؓ انه ﷺ قال من یمن المرأة سهل أمرها وقلة صداقها وروی احمد والبیهقی اعظم النساء برکة أیسرهن صداقاً واسناده جید.

لیکن مہر مثل سے زیادہ مہر مقرر کرنا رخصت ہے یعنی اگر متعاقدین اپنی خوشی سے زیادہ مہر مقرر کرنا چاہیں تو مقرر کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

لمافی الزیلعی تبیین الحقائق:(۵۲۲/۲،طبع سعید)

اذلا یجب الاقتصار علی مهر المثل بل یجوز ذلک برضا الزوج عند عدم رضاها بمهر المثل.

ولمافی المظهری تحت قوله تعالیٰ:(سورة النساء ص ۵۱،طبع رشیدیه)

"واتیتم احدهن قنطاراً") ومن ههنا یظهر انه لاتقدیر لاکثر الصداق وعلیه

انعقدالاجماع وبهذه الاية استدلت امرأة على جواز المغالات في المهر حين منع عنها عمرؓ فقال عمرؓ كلُ أفقه من عمرؓ حتى المخدرات.

بلکہ امر مندوب پر اس قدر اصرار کرنا کہ باقی گھر والوں کی رضامندی یا ناراضگی کی کوئی پرواہ نہ کی جائے یا اس پر عمل کرنے والوں کو برا سمجھے یہ شرعاً گناہ ہے۔

ولمافي مرقاة المفاتيح:(۲۶/۲،طبع رشيديه كوئٹه)

من أصر على أمرمندوب وجعله عزماولم يعمل بالرخصة فقدأصاب منه الشيطان من الاضلال.

الغرض مہر میں غلو کرنا مذموم ہے بلکہ تقلیل اور کمی کرنا حسب سنت بہتر و افضل ہے لیکن اسکے خلاف میں غلو کرنا بھی مذموم و ناجائز ہے کہ مہر مثل کے خلاف لڑکی یا اس کے اولیاء کو مہر فاطمی پر مجبور کر دیا جاوے یہ غلو اور جبر بھی بالکل خلاف سنت اور خلاف تعامل صحابہ کرام ہے خود حضرت فاروق اعظمؓ نے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) درہم مہر مقرر کیے ہیں جسکی مقدار سکہ رائج الوقت کے اعتبار سے تقریباً چھ لاکھ چالیس ہزار (۶۴۰۰۰۰) روپے ہے اور جس لڑکی کا یہ مہر مقرر ہوا وہ بھی حضرت فاطمہؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو صحابہ کرام میں اثبت واعلم بالسنۃ مشہور تھے انھوں نے اپنا اور اپنی صاحبزادیوں کا نکاح دس دس ہزار (۱۰۰۰۰) درہم مہر مقرر کر کے کیا ہے جسکی مقدار سکہ رائج الوقت کے اعتبار سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار (۱۶۰۰۰۰) روپیہ ہے، انکے علاوہ بہت سے صحابہ کرام نے اپنی صاحبزادیوں کے لئے دس دس ہزار درہم مہر مقرر کیا ہے حالانکہ مہر فاطمی کا مسنون اور افضل ہونا انکو بھی معلوم تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مہر کم یا زیادہ ہونا اور اسطرح کے دیگر معاملات زمانے کے حالات یعنی تنگی اور فراخی وغیرہ پر انکا مدار ہوتا ہے حضور ﷺ کے دور میں انتہائی تنگی تھی، اس لئے مہر کی مقدار بھی کم تھی اور صحابہ کرام کا دور فتوحات کا دور تھا سیم وزر کی کثرت تھی تو قدر مہر میں بھی اضافہ ہوا۔

لمافي تبيين الحقائق:(۵۲۲/۲،طبع سعيد)

ألاترى ان ابن عمرؓ تزوج صفية على عشرة الاف درهم وكان يزوج بناته على عشرة الاف وتزوج عمرؓ ام كلثوم بنت عليؓ من فاطمةؓ على اربعين الف درهم...... ويجوزان يكون ذلك مهر مثل كل واحدة منهن لانه يختلف باختلاف الزمان ولايدل ذلك على الفضيلة بل هو الظاهر لأن المال كان قليلاً في زمن النبي ﷺ ثم اتسع المسلمون بعد ذلك لما حصل لهم من فتوح البلاد ولهذا روى عن كثير منهم مثل ذالك مع علمهم بمهر بنات النبي ﷺ ولازواجه حتى روى عن حسن ابن على انه تزوج امرأة فساق اليها

مائة جارية قيمة كل واحدة منهن ألف درهم وتزوج ابن عباسؓ شميلة على عشرة الاف درهم وتزوج أنس على عشرة آلاف درهم ومعلوم أن عادتهم لم تجر بذلك والله اعلم.

الجواب صحیح: احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ　　　واللہ اعلم: العبد: عبد الرحمٰن ڈیروی عفا اللہ عنہ

دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴، ۲۸/۱۱/ ۱۴۱۱ھ　　　۲۷/۱۱/ ۱۴۱۱ھ

﴿رخصتی کو حق مہر کے علاوہ پیسوں پر معلق کرنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیٹی کا نکاح بکر سے کروایا اور نکاح کے وقت یہ طے ہوا تھا کہ رخصتی سے پہلے بکر لڑکی کے والد یعنی زید کو تیس ہزار روپے ادا کریگا جو حق مہر کے علاوہ ہوں گے، چنانچہ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے پیسے ادا کرنے سے پہلے ہی رخصتی ہوگئی اور اب رخصتی کے بعد تقریباً چھ ماہ بھی گزر چکے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ کیا بکر اب بھی طے شدہ رقم اداء کرنے کا پابند ہے یا نہیں؟　　مستفتی: منظور احمد

﴿جواب﴾ رخصتی کو اسطرح پیسوں پر معلق کرنا رشوت کا مطالبہ ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا بکر پر ہرگز لازم نہیں ہے کہ وہ زید کو طے شدہ پیسے دیدیں اور اگر بالفرض بکر پیسے ادا کر چکا ہوتا تب بھی زید سے اپنے پیسے واپس لینے کا اسے حق حاصل ہوتا۔

لما في التنوير مع الدر: (۱۵۶/۳، طبع سعيد)

(اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده) لانه رشوة.

وفي الشامية: (قوله عند التسليم) اى بأن ابى ان يسلمها اخوها اونحوه حتى يأخذ شيئا وكذا لوابى ان يزوجها فللزوج الاسترداد قائما اوهالكا لانه رشوة بزازية.

ولما في الفتاوى الخيرية: (۴۸/۱، طبع حقانيه)

(سئل) في امرأة ابى اقاربها أن يزوجوها الا ان يدفع لهم الزوج كذا فوعدهم به هل يلزم ام لا (أجاب) لايلزم ولودفع له ان يأخذه قائماً اوهالكاً لانه رشوة كما في البزازية وغيرها.

واللہ اعلم: افتخار احمد کلکتی　　　الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۲۳۶　　　جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿حق مہر میں اضافہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر شوہر اپنی طرف سے

حق مہر میں اضافہ کرے تو وہ اضافہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اگر بعد میں شوہر اس زیادتی کا انکار کرے تو کیا شوہر کیلئے انکار کا حق ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر شوہر حق مہر میں اضافہ کرے اور عورت اس کو قبول کرلے تو نکاح کے بعد جماع یا خلوت صحیحہ ہونے سے یہ زیادتی لازم ہوگی، اب شوہر کیلئے انکار کی گنجائش نہیں، شوہر کے ذمہ یہ زیادتی لازم ہے اور عورت اسکی مالکہ متصور ہوگی اور اگر جماع یا خلوت صحیحہ ہونے سے پہلے پہلے دونوں کے درمیان طلاق وغیرہ کے ذریعہ تفریق ہوجائے تو اس صورت میں یہ زیادتی باطل ہوگی اور اصل مہر کی مقدار کا نصف لازم ہوگا، البتہ شوہر کے انتقال کی صورت میں پورا مہر زیادتی سمیت عورت کا حق تصور ہوگا۔

لمافی الهندية:(۱/۳۱۲طبع رشيديه)

المزيادة في المهر صحيحة حال قيام النكاح عند علمائنا الثلاثة كذافي المحيط فاذا زاد هافي المهر بعد العقد لزمته الزيادة كذافي السراج الوهاج هذا اذاقبلت المرأة الزيادة......والزيادة انما تتأكد باحد معان ثلاثة امابالدخول وامابالخلوة الصحيحة وامابموت احد الزوجين فان وقعت الفرقة بينهما من غير هذه المعاني الثلاثة بطلت الزيادة وتنصف الاصل.

ولمافي الدر مع الرد:(۳/۱۱۱ طبع سعيد)

(أوزيد) على ماسمى فانها تلزمه.(قوله فانها تلزمه):اى الزيادة ان وطى اومات عنها وهذا التفريع مستفاد من مفهوم قوله لاينصف:اى بالطلاق قبل الدخول فيفيد لزومه وتأكده بالدخول ومثله الموت.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۷۷

﴿عقد نکاح کے وقت متعین ہونے والا مہر دینا لازمی ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ہمشیرہ کی شادی کو چند سال ہوچکے ہیں اور اب گھریلو ناچاقیوں کیوجہ سے مسئلہ طلاق تک آپہنچا ہے، میرا بہنوئی طلاق دینا چاہتا ہے اور میری ہمشیرہ بھی اس پر راضی ہے، عقد نکاح کیوقت حق مہر کی جو رقم متعین ہوئی تھی وہ ایک لاکھ روپے پاکستانی عند الطلب تھا، اب پوچھنا یہ ہیکہ طلاق ہونے کے بعد حق مہر میری ہمشیرہ کو ملے گا یا نہیں؟ مستفتی: محمد ارشد بتوسط قاری ابراہیم صاحب ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ نکاح کے وقت جو مہر مقرر کیا جاتا ہے وہ شوہر کے ذمے دینا واجب ہوجاتا

ہے، مذکورہ صورت میں چونکہ مہر عند الطلب مقرر ہوا تھا لہٰذا جب بھی عورت مہر کا مطالبہ کرے اس کو مہر دینا ضروری ہے، اگر عورت نے مہر وصول نہیں کیا تھا اور شوہر نے طلاق دے دی تو پھر بھی عورت کو مہر دینا ضروری ہوگا، لہٰذا آپ کی ہمشیرہ کو حق مہر ملے گا۔

لما فی الدرمع الرد:(۱۰۲/۳،طبع: سعید)

(وتجب)العشرة(ان سماها أودونها)يجب(الاكثر)ويتاكد(عندوط، اوخلوة صحت)من الزوج(اوموت احدهما)

ولما فی الشامی:(۱۰۲/۳،طبع: سعید)

(قوله ويتاكد)اى الواجب من العشرة اولاكثر وافادان المهر وجب بنفس العقد ....وانمايتاكد لزوم تمامه بالوط، ونحوه........قال فى البدائع :واذا تاكد المهر بماذكر لايسقط بعد ذلك ،وان كانت الفرقة من قبلها لان البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط الا بالابراء كالثمن اذا تاكدبقبض المبيع.

ولما فی الهنديه:(۳۰۳/۱،طبع: رشيديه)

والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين سواء كان مسمى او مهرا لمثل حتى لا يسقط منه شئى بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق.

ولمافى التاتارخانية:(۱۳/۳،طبع:قديمى كتب خانه)

فان سمى فى العقد مالا كان المملوك بالعقد مضمونابالمسمى.

ولمافى الهدايه:(۳۰۶/۲،طبع: رحمانيه)

ومن سمى مهرا عشرة فمازادفعليه المسمى ان دخل بها او مات عنها،لانه بالدخول يتحقق تسليم البدل(البضع)وبه يتاكدفيتقرر(النكاح)بجميع مراجبه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۴۶

﴿والد کا جہیز واپس لینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ایک آدمی نے اپنی بیٹی کی شادی کی اور جہیز میں کافی سامان دیا، اب والد کہتا ہے کہ مجھے سامان واپس کیا جائے کیونکہ میں نے عاریۃ دیا تھا تو کیا والد صاحب کا کہنا صحیح ہے اور اسے سامان واپس دینا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ اس بارے میں آپ کے علاقے میں رائج عرف کا اعتبار ہے، عام طور پر لوگ جہیز میں اتنا اگر سامان دیتے ہیں تو یہ سارا سامان جہیز شمار ہوگا اور والد صاحب کو واپس لینے کا حق

حاصل نہیں ہے اور اگر رائج عرف سے زیادہ سامان اس شخص نے اپنی بیٹی کو دیا ہے تو زائد اشیاء واپس لے سکتا ہے۔

لما فی التنویر والدر:(۱۵۶/۳۔۱۵۷،طبع: سعید)

(جهز ابنته ثم ادعى ان ما دفعه لها عارية وقالت هو تمليك او قال الزوج ذلك بعد موتها ليرث منه وقال الاب او ورثته بعد موته (عارية)فالمعتمدان(القول للزوج ولها اذا كان العرف مستمراً ان الاب يدفع قبله جهازاً لا عارية و)اما(ان مشتركا)كمصر والشام(فالقول للاب كما كان اكثر مما يجهز به مثلها

ولما فی الهندية :(۳۵۹/۱، طبع:قديمی)

جهز بنته وزوجها ثم زعم ان الذى دفعه اليها ماله وكان على وجه العارية عندها وقالت هو ملكى جهزتنى به او قال الزوج ذلك بعد موتها فالقول قولهما دون الاب وحكى عن على السغدى ان القول قول الاب وذكر مثله السرخسى واخذ به بعض المشايخ وقال فى الواقعات ان كان العرف ظاهرا بمثله فى الجهاز كما فى ديارنا فالقول قول الزوج وان كان مشتركاً فالقول قول الاب كذا فى التبيين قال الصدر الشهيدؒ وهذا التفصيل هو المختار للفتوى كذا فى النهر الفائق

ولما فی النهر الفائق:(۲/،طبع:قديمی)

واقول فى البزازية عن المرغينانى فى الصحيح انه لا يرجع على الاب بشىء لان المال فى النكاح غير مقصود وقال قبله المختار فى مسئلة الجهاز ان العرف ان كان مستمراً ان الاب يدفع الجهاز ملكا لا عارية كما فى ديارنا فالقول للزوج وان كان مشتركاً فالقول للاب .قال الشهيدؒ وهذا التفصيل هو المختار للفتوى والعرف فى مصر مشترك.

والله اعلم بالصواب: ضیاء الحق اٹکی | الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۸۲ | ۲۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿رخصتی سے پہلے طلاق کی صورت میں نصف مہر ادا کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنے دو بیٹوں کی شادی کی تھی، دلہنیں دونوں بہنیں تھیں، ان کے والد نے کہا تھا کہ رخصتی بعد میں کردینگے، اب صرف نکاح کردیتے ہیں، اب نکاح کے بعد رخصتی سے انکاری ہیں اور طلاق کا مطالبہ کرکے مہر کی رقم مانگ رہے ہیں، ہم کہہ رہے ہیں کہ خلع لے لو لیکن وہ کہہ رہے ہیں کہ طلاق دو اور مہر بھی، اب میں اپنے بیٹوں کی شادی دوسری جگہ کرنا چاہتی ہوں تو کیا کرسکتی ہوں یا نہیں؟ اور ان

لڑکیوں کا کیا کروں؟ جو میرے گھر بھی نہیں آئیں اور مہر کا مطالبہ کر رہی ہیں۔

﴿جواب﴾ اس شخص نے دونوں بیٹیوں کا باقاعدہ نکاح تو کروایا اور اب رخصتی سے انکاری ہے، ہوسکتا ہے کوئی وجہ ہو بہرحال آپ بچوں کی دوسری جگہ شادی کرانا چاہتی ہیں تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، ان لڑکیوں کو خدانخواستہ طلاق دیدی تو ہر ایک کا آدھا حق مہر ادا کرنا ضروری ہوگا اور نکاح کے بعد تنہائی میں میاں کے ساتھ اگر ملاقات ہوئی ہے تو پورا حق مہر ادا کرنا ہوگا اگرچہ باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی۔

البتہ خلع کی صورت میں حق مہر واجب الادا نہیں رہیگا جسکی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ شوہر بیوی کو حق مہر سے دست برداری کی شرط پر طلاق دینے کی پیشکش کرے بیوی اگر منظور کرلے تو طلاق واقع ہوجائے گی اور شوہر کے ذمہ سے حق مہر ساقط ہوجائے گا۔

لمافی روح المعانی:(۲/۳۵۷،طبع رشیدیہ)

وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف مافرضتم اى فلهن نصف ماقدرتم وسميتم لهن من المهر.

ولمافی البحر:(۴/۷۲،طبع سعید)

ان القبول فى المعلق انما يكون بعدوجود الشرط.

ولمافی التنویرمع الدر:(۳/۴۳۹،طبع سعید)

ازالة ملك النكاح المتوقفة على قبولها بلفظ الخلع او مافى معناه.

ولمافی الشامی:(۳/۴۴۱،طبع سعید)

(قوله:بما يصلح للمهر)......الخلع بدل يصلح جعله مهرافانه يصح..... الخ.

ولمافی الشامی:(۳/۴۴۶،طبع سعید)

(قوله شرط للزوم المال):اى عليها وهو البدل المذكورفى الخلع.وقوله وسقوطه:اى عن الزوج وهوالمهر الذى عليه......الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:انیس طالب

۵ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۶۸۲

﴿وٹہ سٹہ میں ہر ایک عورت کا مہر الگ الگ مقرر ہو تو شغار نہیں کہلاتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں، علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا

نکاح عمرو کے لڑکے بکر کے ساتھ کیا اور عمرو کی لڑکی زینت کا نکاح اپنے لڑکے سے کرادیا اور ہر ایک لڑکی کا مہر علیحدہ علیحدہ مقرر کیا گیا، اس قسم کا نکاح شرعاً نافذ و جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ شغار کہتے ہیں کیا واقعی یہ شغار ہے؟

مستفتی: سیف الرحمٰن ڈیرہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ شغار یہ ہے کہ بجائے مہر عورت کے بدلے عورت مقرر ہو، احادیث میں اس سے منع کیا ہے، وٹہ سٹہ میں ہر ایک کیلئے الگ مہر مقرر ہو تو یہ شغار نہیں کہلاتا، بلاشبہ یہ نکاح کی جائز صورت ہے لیکن جہاں تک ہو سکے وٹہ سٹہ سے بچنا چاہیے، اس لئے کہ جن علاقوں میں اس کا رواج ہے، وہاں مشاہدہ ہے کہ اگر ایک خاتون کے ساتھ شوہر کا رویہ بہتر نہیں ہے تو دوسری کیساتھ بھی ناروا سلوک کو روا سمجھا جاتا ہے پھر دونوں جانب عورتوں پر ظلم کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱۰۱/۳،طبع سعید)

(ووجب مهر المثل فی الشغار)هو ان یزوجه بنته علیٰ ان یزوجه الآخر بنته او اخته مثلاً معاوضة بالعقدین، وهو منهی عنه لخلوة عن المهر، فأوجبنا فیه مهر المثل فلم یبق شغارا.

ولما فی البحر الرائق:(۱۵۵/۳،طبع سعید)

(قوله ویجب مهر المثل فی الشغار) لانه سمی مالا یصح صداقا فیصح العقد ویجب مهر المثل کما اذا سمی خمرا او خنزیرا والشغار فی اللغة الخلو یقال شغر الکلب اذا رفع احدی رجلیه لیبول وبلدة شاغرة اذا کانت خالیة من السلطان واما فی الاصطلاح فتزویجه مولیته علی ان یزوّجه الاخر مولیته لیکون احد العقدین عوضا عن الاخر سواء کانت المولیة بنتا او اختا او امة سمی به لخلوه عن المهروانماقیدنابان یکون احدهما صداقا عن الاخر لانه لو لم یکن کذلک بان قال زوجتک بنتی علی ان تزوجنی بنتک ولم یزد علیه فقبل الاخر فانه لا یکون شغارا اصطلاحاً.

ولما فی سنن ابی داؤد:(۳۰۰/۱،طبع رحمانیه)

عن ابن عمر ان رسول اللهﷺ نهی عن الشغار زاد مسدد فی حدیث قلت لنافع ماالشغار قال ینکح ابنة الرجل وینکح ابنته بغیر صداق و ینکح اخت الرجل فینکح اخته بغیر صداق.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

۷ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۳۹۲

﴿خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی تو مہر نصف ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں دو بھائیوں

کی شادیاں ایک ساتھ ہوئی تھی، غلطی کی وجہ سے دونوں نے اپنی بھابی سے محبت کی تھی، تو دونوں نے اپنی اپنی منکوحہ کو طلاق دی تا کہ جس سے محبت ہوئی ہے، اسی سے نکاح کیا جائے۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ نہ تو اپنی بیوی سے خلوت صحیحہ ہوئی اور نہ جماع جبکہ مہر متعین ہے تو طلاق کی صورت میں شوہر پر مہر لازم آئیگا یا نہیں، اگر مہر ہوگا تو پورا ہوگا یا کم بھی ہوسکتا ہے۔

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں چونکہ نہ خلوت صحیحہ ہوئی اور نہ جماع، اس لئے طلاق واقع ہونے کی صورت میں متعین مہر کا آدھا لازم ہے۔

لقوله تعالى :(سورة البقرة :پاره ۲)

لاجناح عليكم ان طلقتم النسآء ما لم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة ...فنصف ما فرضتم

لما في التنوير مع الدر :(۱۰۴/۳ طبع رشيديه) ويجب (نصفه بطلاق قبل وطء او خلوة).

لما في المحيط البرهاني :(۱۵۵/۳ طبع بيروت)

۳۱۰۳.وللمطلقة قبل الدخول بها نصف المفروض "لقوله تعالى :فنصف ما فرضتم وان لم يكن في النكاح مفروض فلها المتعه وان لم يكن في النكاح مفروض وفرض لها بعد العقد مهرا فرضيت به،اورفعت الامر الى القاضي ،ففرض لها مهرا ،ثم طلقها قبل الدخول بها ،فعلى قول ابى يوسف الاول لها نصف المفروض بعد العقد.

ولما في خلاصة الفتاوى : (۴۰/۲ طبع : رشيديه)

رجل قال لامراته ان خلوت بك فانت طالق فخلا بها وقع الطلاق ويجب نصف المهر ولم يذكر حكم العدة وينبغي ان لايجب لانه لا يمكنه الوطي في تلك الساعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: ریحان اللہ

۴ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۷۷۶

﴿متعلقاتِ نکاح﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام کہ ہمارے علاقے میں یہ دستور چلا آرہا ہے کہ (۱) جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو لڑکی والے لڑکے والوں سے اپنے دوست واحباب کی دعوت کیلئے رقم کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ رقم زیادہ بھی ہوتی ہے اور کم بھی، کیا شریعت کی رو سے ایسا کرنا جائز ہے؟ (۲) لڑکی والے جو رقم وصول کرتے ہیں اسکے بارے میں بسا اوقات لڑکی کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اسکے حقِ مہر میں شمار کر کے لے لی گئی ہے۔

(۳) محفلِ نکاح میں مہر بہت زیادہ مقرر کیا جاتا ہے مگر لڑکی کو مہر میں سے کچھ بھی نہیں دیا

جاتا تو شوہر کے مرتے وقت لڑکی سے معاف کروالیا جاتا ہے یا پھر مقروض ہونیکی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے (نعوذ باللہ) (۴) لڑکی والے جو مذکورہ رقم وصول کرتے ہیں وہ پہلے ہوتی ہے جبکہ مہر بعد میں مقرر کیا جاتا ہے۔

﴿جواب﴾ اگر وہ رقم مہر میں محسوب کر کے لڑکے والوں سے لی جائے تو اُس میں تصرّف (جیسے اہلِ محلّہ کی دعوت وغیرہ) کے جواز کے لئے لڑکی کی اجازت شرط ہے، خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً اگر مہر میں محسوب کر کے نہ لی جائے تو فقہاءِ کرام نے ایسی رقم کو رشوت قرار دیکر ناجائز قرار دیا ہے۔

(۲) مہر چونکہ لڑکی کا حق ہے اس لئے اسکے والدین کو اُسمیں تصرف کرنے کیلئے لڑکی کی اجازت (خواہ صراحۃ ہو یا دلالۃ) شرط ہے عموماً لڑکی کی دلالۃ اجازت کارفرما ہوتی ہے یہ وہ صورت تھی کہ لڑکی بالغہ ہو اور اگر لڑکی نابالغہ ہو تو پھر اُسمیں تصرف کرنے کیلئے اس کی اجازت بھی کافی نہیں ہوتی بلکہ اس میں تصرف کے جواز کے واسطے وہ تمام شرائط پائی جانی ضروری ہونگی جو نابالغہ کے مال میں تصرف کیلئے درکار ہوتی ہیں۔

(۳) مہر شوہر کے ذمہ بیوی کا حق ہے جو شوہر کے لئے ہر حال میں ادا کرنا ضروری ہے جب تک ادا نہیں کریگا، اُس وقت تک شوہر بیوی کا مقروض رہیگا، البتہ بیوی طیب خاطر سے معاف کردے تو معاف ہوجاتا ہے۔

(۴) مذکورہ رقم خواہ مہر مقرر ہونے سے پہلے لی جائے یا بعد میں بہرحال اس کے مہر میں شمار ہونے کے لئے لڑکی کی اجازت (صراحۃ ہو یا دلالۃ) شرط ہے یعنی لڑکی کی اجازت سے اگر خرچ ہوئی تو مہر میں سے شمار ہوگی ورنہ لڑکی کا حق باقی رہیگا۔

لمافی الشامی:(۳/۱۶۱،طبع سعید)

ولیهاقبض الاب مهرها وهی بالغة اولا وجهزها او قبض مكان المهر عینا، لیس لها ان لا تجیزه لان ولایة قبض المهر الی الأ باء، وكذا التصرف فیه.

ولمافی الهدایة:(۲/۳۲۵،طبع رحمانیه)

ثم المهرواجب شرعاابانةلشرف المحل.

ولمافی الدر:(۳/۱۵۶،طبع سعید)

اخذاهل المراة شیئا عندالتسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة.

وفی الشامیة:(عند التسلیم)ای بان ابیٰ ان یسلمها اخوها او نحوه حتیٰ یاخذ شیئا وکذا لو ابیٰ ان یزوجها فللزوج الاسترداد قائما اوهالکا لانه رشوة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۷۳

﴿فصل فی الاولیاء والاکفاء﴾

﴿ولی اور کفو کا بیان﴾

﴿سیدہ غیر سید کا ہم کفو نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک سیدزادی نے اولیاء کی اجازت کے بغیر غیر سید لڑکے سے نکاح کیا، اب اس لڑکی کے اولیاء نکاح فسخ کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا شرعاً بالغہ لڑکی کا کیا ہوا نکاح اولیاء فسخ کر سکتے ہیں؟

﴿جواب﴾ کوئی بھی بالغہ لڑکی (سیدہ ہو یا غیر سیدہ) اگر اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو اولیاء اگر فسخ کرنا چاہے تو کر سکتے ہیں۔

مذکورہ صورت میں سیدزادی نے غیر سید سے نکاح کیا ہے اور یہ دونوں آپس میں ہم کفو نہیں ہیں اس لئے اولیاء اگر فسخ کرلیں تو معتبر ہوگا۔

لما فی الشامی:(۸۶/۳،طبع: سعید)

قوله الكفائة معتبرة) قالوا معناه معتبرة فی اللزوم علی الاولیاء حتی عند ان عدمها جاز للولی الفسخ ......(وتعتبر) الكفائة للزوم النكاح خلافاً لمالک (نسباً فقریش) بعضهم (أكفاء) بعض (و) بقیة (العرب) بعضهم (أكفاء)

ولما فی الهندیه:(۲۹۰/۱،طبع: رشیدیه)

الكفائة تعتبر فی أشیاء (منها النسب) فقریش بعضهم أكفاء لبعض كیف كانوا حتی ان القرشی الذی لیس بها شمی یكون كفأ لهاشمی سواء. كذا فی فتاوی قاضی خان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۳۳

﴿سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ اجازت ولی سے ہو تو جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے

میں کہ بعض لوگوں میں یہ جو بات مشہور ہے کہ سیدہ لڑکی کا نکاح غیر سید سے کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ سید خاندان کا نسب غیر سید سے زیادہ اشرف واکرم ہے اگر کسی نے غیر سید کا نکاح سید قوم کی لڑکی کیساتھ کردیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔اب پوچھنا یہ ہے کہ ان لوگوں کی یہ بات از روئے شرع کہاں تک درست ہے؟ مستفتی: مولوی عبدالباسط ضلع بنگرام

﴿جواب﴾ غیر سید آدمی سیدہ لڑکی کا کفو (ہمسر) نہیں ہے غیر کفو کے ساتھ نکاح ولی کے اجازت پر موقوف ہوتا ہے، لہذا سیدہ لڑکی کا نکاح ولی (والدوغیرہ) کی اجازت سے ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں لڑکی ازخود غیر سید کے ساتھ نکاح کرلے اور ولی کو منظور نہ ہو تو نکاح فسخ ہوجاتا ہے۔

قال الله تعالى في القرآن(النساء ۲۴):﴿واحل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم﴾

ولمافي ردالمحتار:(۴/۷۰،طبع:سعيد كراچى)

لا يزوج بنته من غير كفء وغبن فاحش الا لمصلحة تزيد على هذاالضرر كعلمه بحسن العشرمعها وقلة الاذى ونحوذالك۔

ولمافي المبسوط للسرخسي:(۲۲۵/۵_۲۲۶،طبع:دارالمعرفة بيروت)

واذزوجت المرأة نفسهامن غيركفء فللاولياء ان يفرقوبينهمالانها الحقت العاربالاولياء ۔۔۔واذاتزوجت المرأة من غيركفء، ورضى به احد الاولياء جازذلك۔

ولمافي الهداية:(۳۲۱/۲،طبع:رحمانيه،لاهور)

الكفاءة في النكاح معتبرة ۔۔۔ثم الكفاءة تعتبرفي النسب لانه يقع به التفاخر فقريش بعضهم اكفاء لبعض والعرب بعضهم اكفاء لبعض والاصل فيه قوله عليه السلام قريش بعضهم اكفاء لبعض بطن ببطن والعرب بعضهم اكفاء لبعض قبيلة بقبيلة والموالي بعضهم اكفاء لبعض رجل برجل۔

ولمافي البدائع:(۳۱۷/۲،طبع:سعيد كراچى)

وروى أن بلالا رضى الله عنه خطب الى قوم من الانصار فابوا ان يزوجوه فقال له رسول الله ﷺ قل لهم ان رسول الله ﷺ يامركم ان تزوجولى امرهم رسول الله ﷺ بالتزويج عندعدم الكفاءة ولوكانت معتبرة لماامرلان التزويج من غيركفء غيرمامور به وقال رسول الله ﷺ ليس لعربى على عجمى فضل الا بالتقوى۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: فضل حق ریزواری

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر: ۴۰۴۵

﴿بچپن میں کرائے ہوئے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے ہاں بچپن میں نکاح کروادیئے جاتے ہیں، بلوغت کے بعد اجازت نہیں لی جاتی بلکہ دوبارہ نکاح کر کے رخصتی کر دی جاتی ہے، ایسے ہی ایک لڑکی کا بچپن میں نکاح ہوا تھا لیکن خاندانوں کے اختلاف کی وجہ سے اس لڑکی کی رخصتی نہ ہو سکی جس لڑکے سے نکاح ہوا تھا اس نے دوسری جگہ شادی کر لی ہے مگر اس لڑکی کو طلاق نہیں دے رہا، کیا اس لڑکی کا نکاح جو بچپن میں ہوا تھا نافذ ہے یا نہیں؟ مستفیہ: جعلہ یوسفیہ

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ بچپن میں باپ دادا کا کرایا ہوا نکاح نافذ ہوتا ہے اور بلوغت کے بعد رد کرنے سے بھی رد نہیں ہوتا بشرطیکہ باپ دادا معروف بسوء الاختیار نہ ہوں اور ایک بار نکاح صحیح ہو جائے تو رخصتی کے وقت تجدید کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی کا نکاح بچپن میں اگر والد یا دادا نے باقاعدہ ایجاب اور قبول کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں کرایا ہے تو یہ نافذ ہے لڑکے نے اگر دوسری جگہ نکاح کر لیا ہے تو اس سے پہلے والے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا لڑکی بدستور اس کی منکوحہ ہے طلاق یا خلع کے ذریعے ہی خلاصی ممکن ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۶۶/۳،طبع سعید)

(ولزم النکاح ولو بغبن فاحش)او زوجها(بغیر کفء، ان کان الولی ابا اوجدا لم یعرف منهما سوء الاختیار)مجانة وفسقا.

ولما فی الهندیة:(۲۸۵/۱،طبع رشیدیه)

فان زوجهما الاب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار......الخ.

واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب نعمانی
فتویٰ نمبر: ۲۲۷۲

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۸۲ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ

﴿چچا کی ولایت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیٹی اپنے بھائی کو گود دے دی، واضح رہے کہ بھائی کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی، اب لڑکی کا چچا

اسکی پرورش کرتا رہا یہاں تک کہ بچی جوان ہوگئی، اب بھائی (لڑکی کا چچا) اسکی شادی کرنا چاہتا ہے جبکہ بچی کا والد شادی پر راضی نہیں ہے اور وہ بچی کے واپس کرنے کا مطالبہ کررہا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی کے والد کا مطالبہ درست ہے؟ اور لڑکی کا چچا پرورش میں جو خرچہ اس پر کرتا رہا وہ لڑکی کے والد سے لے گا یا نہیں؟

مستفتی: محمد علی کورنگی کراچی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ بچے کی پرورش کا حق سب سے پہلے ماں کو ہے ماں کی رضامندی کے ساتھ باپ نے اپنی بیٹی اگر اپنے کسی بھائی کو گود دے دی تو یہ شرعا منع نہیں ہے لیکن پرورش کرنے سے وہ بھتیجی کا باپ قرار نہیں پاتا، زید اب بھی لڑکی کا بدستور باپ ہے گود دینے سے ابوۃ کا رشتہ ختم نہیں ہوا، لہٰذا لڑکی کے جملہ تصرفات میں اب بھی وہ چچا سے زیادہ حقدار ہے، اس لئے کہ والد ہی لڑکی کا ولی اقرب ہے اور چچا نے دوران پرورش جو خرچے کئے ہیں ان کا مطالبہ نہیں کرسکتا، یہ تو محض تبرع ہے، اب والد کی اجازت کے بغیر لڑکی کی رضامندی سے اگرچہ نکاح ہوجائے گا لیکن حق تلفی کی وجہ سے لڑکی، چچا اور لڑکی کا شوہر سب گنہگار رہوں گے۔

لمافی الدرمع الرد: (۱/۳ طبع سعید)

(وللولی الابعد التزویج بغیبة الاقرب) فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته ولو تحولت الولایة الیه لم یجز الا باجازته بعد التحول قهستانی و ظهیریة. وفی الشامیة: (قوله وللولی الابعد الخ) المراد بالابعد من یلی الغائب فی القرب کما عبر به فی کافی الحاکم وعلیه فلو کان الغائب اباها ولها جد وعم فالولایة للجد لا للعم.

لمافی البدائع: (۲۵۰/۲ طبع سعید)

ثم انما یتقدم الاقرب علی الابعد اذا کان الاقرب حاضرا او غائبا غیبة غیر منقطعة.

لمافی الدرمع الرد: (۵۵۷/۳ طبع سعید)

(اوابت ان تربیه مجانا و) الحال ان (الاقرب معسر والعمة تقبل ذالک) ای تربیه مجانا ولا تمنعه عن الام قیل لام اما ان تمسکیه مجانا او تدفعیه للعمة (علی المذهب) وهل یرجع العم والعمة علی الاب اذا أیسر قیل نعم مجتبی، والعمة لیست قیدا فیما یظهر. (قوله مجتبی) هو شرح الزاهدی علی مختصر القدوری وذالک حیث قال فی النفقات وهل یرجع العم او العمة علی الأب اذا أیسر بما انفق علی الصغیر؟ ثم رمز لبعض الکتب، لا یرجع من یؤدی النفقة علی الأب ولو علی الابن بخلاف الأم اذا أیسر زوجها ثم رمز یرجع ثم رمز فیه اختلاف المشایخ.

واللہ اعلم بالصواب: طاہر زمان

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۲۹۸۴

ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿والد اپنی چھوٹی بچی کا نکاح اسکی مصلحت کے خلاف کرائے تو منعقد نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے کے بعض اثر ورسوخ والے لوگوں نے میرے والد صاحب کو ڈرا دھمکا کر میری ہمشیرہ جس کی عمر آٹھ یا نو سال ہے کا نکاح ایک چالیس سالہ شخص سے کروایا ہے تو کیا اس طرح زبردستی نکاح کروانے سے نکاح ہو جاتا ہے ؟اگر ہو جاتا ہے تو عمر میں اس قدر تفاوت کی وجہ سے نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: دولت شاہ

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اگر بوقت نکاح آپ کی بہن نابالغ تھی اور آپ کے والد نے آپ کی بہن کی خیر خواہی اور مصلحت کو پیش نظر رکھے بغیر محض دباؤ میں آکر یہ نکاح کیا تھا تو اسکی دو صورتیں ہیں: (۱) مذکورہ شخص اگر آپکی بہن کا کفؤ نہیں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ نکاح ہوا ہو تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا بلکہ اصلا باطل ہوگا۔

(۲) اور اگر مذکورہ شخص آپکی بہن کا کفؤ ہو اور نکاح بھی مہر مثل کے ساتھ ہوا ہو تو اگر چہ یہ نکاح منعقد ہو گیا ہے لیکن چونکہ دونوں کی عمروں میں بہت زیادہ تفاوت ہے، اس لئے آپکی بہن کو خیار بلوغ حاصل ہوگا، تاہم خیار بلوغ کے ساتھ ساتھ عدالت سے بھی اسکو فسخ کرانا ضروری ہوگا، لہٰذا اسے چاہیے کہ جس وقت آثار بلوغ ظاہر ہوں فوراً زبان سے کہدے کہ میں نے اپنا نکاح فسخ کر دیا اور اس پر گواہ بھی بنالے اور پھر کسی مسلمان جج کی عدالت میں دعوی دائر کر کے باقاعدہ نکاح فسخ کردے۔ (مأخوذ جواہر الفقہ :۲/۱۲) (احسن الفتاوی: ۵/۱۲۴، طبع سعید)

لمافی الشامی: (۲/۶۶-۶۷، طبع سعید)

(قوله مجانة وفسقا) فی شرح المجمع حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لایجوز عقده اجماعا..... ثم اعلم ان مامر عن النوازل من ان النكاح باطل معناه سیبطل كمافی الذخیرة لان المسالة مفروضة فیما لم ترض البنت بعدما كبرت كما صرح به فی الخانیة والذخیرة وغیرهما وعلیه یحمل مافی القنیة زوج بنته الصغیرة من رجل ظنه حر الاصل وكان معتقا فهو باطل بالاتفاق وعلم من عبارة القنیة انه لا عرف فی عدم الكفاءة بین كونه بسبب الفسق اوغیره حتی لو زوجها من فقیر او ذی حرفة دنیة ولم یكن كفؤا لم یصح فالتصر ابن الهمام كلامهم علی الفاسق ممالاینبغی كما افاده فی البحر.

ولما فی الفتاوی الخيرية:(۱/۲۰،طبع رشيديه)

(سئل) فی الاب اذاعلم منه سوء الاختيا وعدم النظر فی العواقب اذازوج ابنته القابلة للتخلق بالخير والشر بغير كفؤهل يصح ام لا؟

(اجاب)قال ابن فرشته فی شرح المجمع لو عرف من الاب سوء الاختيا رلسفهه او لطمعه لايجوز عقده اتفاقا ومثله فی الدرر والغرر وقال فی البحر فی شرح قول الكنز ولوزوج طفله غير كفؤ وبغبن فاحش صح ولم يجز ذلك لغير الاب والجد وقيده الشارحون وغيرهم بان لايكون الاب معروفا بسوء الاختيار حتی لو كان معروفابذلك مجانة اوفسقافالعقدباطل علی الصحيح. قال فی الفتح القدير ومن زوج ابنته الصغيرة القابلة للتخلق بالخير والشر ممن يعلم انه شرير او فاسق ظهر سوء اختياره ولان ترك النظر هنا مقطوع به فلا يعارضه ظهور ارادة مصلحة تفوق ذلك نظرا الی شفقةالابوة. فظاهر كلامهم ان الاب اذاكان معروفا بسوء الاختيار لم يصح عقده باقل من مهرالمثل ولا باكثر فی الصغير بغبن فاحش ولامن غير الكفؤفيهما سواء كان عدم الكفائة بسبب الفسق اولا حتی لوزوج بنته من فقير اومحترف حرفة دنية ولم يكن كفوا فالعقدباطل فقصرالمحقق ابن الهمامؒ كلامهم علی الفاسق مما لاينبغی وقد وقع فی اكثر الفتاوی فی هذه المسئلة ان النكاح باطل فظاهره انه لم ينعقد وفی الظهيرية يفرق بينهما ولم يقل انه باطل وهو الحق ولذاقال فی الذخيرة فی قولهم فالنكاح باطل ای يبطل كلام البحر والمسئلة شهيرة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ سبحانہ اعلم: افتخار احمد کلکتی

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۴۲

﴿تایا کی اجازت کے بغیر نابالغ لڑکی کا نکاح ماں کرالے اس کا اعتبار نہیں﴾

﴿سوال﴾ یتیم لڑکی نابالغہ کا نکاح اس کی ماں نے کرایا تھا اب لڑکی بالغ ہوگئی ہے جبکہ لڑکا ابھی تک نابالغ ہے اور لڑکی لڑکے کو پسند نہیں کرتی کہتی ہے کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں لڑکی کا تایا بھی موجود ہے وہ اس رشتہ پر خوش نہیں تھے کیا اس لڑکی کیلئے نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہے؟

﴿جواب﴾ یتیم نابالغ لڑکی کا نکاح اس کی والدہ نے لڑکی کے تایا سے اجازت لیئے بغیر پڑھایا ہے اور تایا نے نکاح کے بعد بھی اس نکاح کی منظوری نہیں دی ہے تو یہ نکاح سرے سے ہوا نہیں فسخ کی ضرورت تب پیش آتی اگر نکاح درست ہوتا لیکن اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اب چونکہ لڑکی بالغ ہوگئی ہے دوسری جگہ چاہے نکاح کرسکتی ہے لیکن خود ایسا نازک فیصلہ نہ کرے تایا کی سرپرستی میں نکاح کرے ورنہ گناہ ہوگا۔

لما فی الدر المختار:(۸۱/۳،طبع سعید)

"وللولی الأبعد التزویج بغیبة الأقرب" فللوزوج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی اجازته.

ولما فی الهندیة:(۲۸۵/۱،طبع رشیدیه)

وان زوج الصغیر او الصغیرة أبعد الأولیاء فان کان الأقرب حاضرا وهو من اهل الولایة توقف نکاح الأبعد علی اجازته.

ولما فی البحر:(۱۱۹/۳ طبع سعید)

وأما اذا کان أحدهما أقرب من الآخر فلا ولایة للأبعد مع الأقرب الا اذا غاب غیبة منقطعة فنکاح الأبعد یجوز اذا وقع قبل عقد الأقرب کذا ذکره الاسبیجانی.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :ظہور احمد شمس

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۵۶

﴿عاقلہ بالغہ کا نکاح جبرا درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان سوالات کے جوابات میں کہ (۱) ایک آدمی ایسی عورت سے شادی کرتا ہے جس کو والدین نے زبردستی نکاح کر کے رخصت کیا ہو، لڑکی رخصتی کے وقت بالغ تھی اور شادی سے انکار کر رہی تھی اور خودکشی کی دھمکی بھی دے رہی تھی اور رخصت ہونے کے بعد اس نے اس آدمی سے بھی کہا کہ میں تمہیں پسند نہیں کرتی اور تم کو اپنا شوہر نہیں مانتی، اپنی اور میری زندگی برباد مت کرو۔!

اس عورت سے نکاح کے وقت والد نے اجازت لئے بغیر خود فیصلہ کرلیا کہ میں نے اپنی بیٹی فلاں کو دے دی پھر اس شخص نے نکاح قبول کیا، لڑکی نے قبول نہیں کیا، پہلے اس دوران ایک مفتی صاحب سے مشورہ کیا تھا، مفتی صاحب نے زبانی فتویٰ دیا تھا کہ نکاح نہیں ہوا، لڑکی کو فوراً الگ کیا جائے، سو ایک آدمی نے اس لڑکی کو اس آدمی سے الگ کیا اور اس آدمی نے اس لڑکی کی رضامندی سے اس سے نکاح کیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

(۲) جس آدمی نے اس لڑکی سے نکاح کیا ہے اس نے اپنے والدین کو اطلاع نہیں دی بعد میں لڑکے کے والدین نے لڑکے کیلئے ایک اور جگہ رشتہ طے کرلیا، لڑکی والے حق مہر ۲۵،۰۰۰ ڈھائی لاکھ رقم مقرر کر چکے تھے، جب کہ اس لڑکے کی پہلی بیوی کا حق مہر ۵۰۰۰ روپے تھا، دوسری بیوی نے شرعی تقاضوں کی پابندی نہیں کی، شوہر کا کہنا نہیں مانا، شوہر بیمار تھا، اس کی خدمت نہیں

کی، اس کی بیماری میں اس کا ساتھ نہیں دیا، حق زوجیت مانگتی رہی اور اپنی رقم حق مہر طلب کرتی رہی، اس آدمی کے والدین نے مہر ادا کر دیا لیکن اس آدمی کے والدین اس سے ناراض ہو گئے، اس نے معافی مانگی، پاؤں پکڑے لیکن وہ نہ مانے پھر آخر کار یہ شرط رکھی کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دو تو پھر تم سے راضی ہوں گا کیونکہ تم نے ہماری توہین کی ہے اور اپنی روایات کی خلاف ورزی کی ہے، والد صاحب کا یہ شرط رکھنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) کوئی آدمی اپنی بیوی سے چھپ کر دوسری شادی کرتا ہے یہ شادی درست ہے یا نہیں؟ نیز ایک بیوی شوہر کو دوسری بیوی کی طلاق پر مجبور کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) معزز علماء کرام شریعت کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ یہ آدمی اپنے والد صاحب کی عزت واحترام کرتا ہے اور ان کے سامنے اُف تک نہیں کرتا لیکن والد صاحب اسکو اپنے پاس آنے نہیں دیتے، کیا یہ آدمی گنہگار ہے؟ نیز اس آدمی کیلئے والد صاحب کو راضی کرنے کا کیا حل ہے؟

﴿جواب﴾ (۱) عاقل بالغ لڑکی کا نکاح صحیح ہونے کیلئے صراحۃً یا دلالۃً اسکی رضامندی شرط ہے، اسکے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا، مذکورہ صورت میں نکاح کے وقت اور اسکے بعد بھی لڑکی مسلسل انکار کرتی رہی کسی بھی موقعہ پر رضامندی یا بادل نخواستہ اس رشتہ کو قبول کرنے کا اظہار نہیں کیا یہاں تک کہ جدائی ہوئی تو ایسی صورت میں دوسرا نکاح صحیح ہے۔

لمافی الدر المختار:(۲/۵۹-۶۰ طبع سعید)

ولاتجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ فان استاذنها ـ فضحكت أو بكت بلا صوت فلو بصوت لم يكن اذنا ولا ردا حتى لو رضيت بـ‍ ه انعقد.

ولمافی الدر ایضا:(۲/۵۶، طبع سعید)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي ...... وله اذا كان عصبة الاعتراض في غير الكفء...... ويفتى في غير الكفء بعدم جوازه اصلا.

(۲) لڑکا شادی کرنے میں والدین سے اجازت لینے کا شرعا پابند نہیں ہے، بہتر یہی تھا کہ وہ کسی طرح والدین کو بھی راضی کرتا تاکہ مذکورہ پریشانی کی نوبت نہ آتی، اب جبکہ شادی ہو چکی ہے اور میاں بیوی دونوں حسن معاشرت کیساتھ گھر بسا رہے ہیں تو والد صاحب کا پہلی بیوی کو طلاق دینے کا حکم غیر شرعی ہے، والدین کے ایسے حکم کی اطاعت ضروری نہیں ہے بلکہ شفقت پدری کا تقاضا یہ ہیکہ والد ایسا حکم نہ دے جس سے اولاد کے دنیاوی یا اخروی نقصان کا اندیشہ ہو۔

مذکورہ صورت میں بیٹے کا دنیاوی نقصان کے علاوہ اخروی نقصان کا بھی قوی اندیشہ ہے مثلاً طلاق کے بعد دونوں کے قلبی تعلق کی وجہ سے اگر باہمی تعلق قائم رہا تو بڑا گناہ ہوگا، والد صاحب کو چاہیے کہ اسکو توہین نہ سمجھیں اور برادری کی روایت کو شریعت کے قانون سے زیادہ حیثیت نہ دیں۔

ہاں حق مہر شوہر کے ذمہ واجب ہوتا ہے والد کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنا اڑھائی لاکھ روپیہ بیٹے سے وصول کرے اسی طرح ایک بیوی کو شرعاً یہ حق نہیں کہ وہ دوسری بیوی کی طلاق کا مطالبہ کرے لہذا شوہر کو چاہیے کہ دونوں بیویوں کیساتھ برابری کا سلوک کرے، والد صاحب کی قدر کرتا رہے اور باوجودیکہ وہ ناراض ہیں ان سے ملتا رہے، خدمت کا موقع ملے تو خدمت کرے اور صلوۃ الحاجۃ کے اہتمام کے علاوہ کثرت سے استغفار بھی کرے، انشاء اللہ والد صاحب کا دل نرم ہوجائے گا۔

لما فی قوله تعالی:(سورة النساء، آیت ۳)

فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث وربع......الآية.ولقوله عليه السلام:
لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق(رواه ترمذی)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم

۸ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۲۰۷

﴿ کیا لڑکی بالغ ہونے کے بعد والد کے وکیل کا نکاح فسخ کرا سکتی ہے؟ ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیٹی نابالغ تھی، میں نے ایک شخص کو اجازت دی کہ میری بیٹی کا نکاح پڑھوا دیں، میں خود نکاح کے موقع پر موجود نہیں تھا، اس شخص نے ایک لڑکے کے ساتھ میری بیٹی کا نکاح پڑھوایا، حق مہر بھی کوئی مناسب نہیں رکھا، ابھی وہ لڑکا اچھے اخلاق کا آدمی نہیں ہے، میری بیٹی بالغ ہوگئی ہے، کیا وہ اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے؟

مستفتی: راحت اللہ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں لڑکی کا نکاح اگر واقعۃً غیر کفو یعنی ایسے فاسق، فاجر شخص کے ساتھ کیا ہوا ہے جو بوقت نکاح ہی کسی باعث عار گناہ مثلاً شراب، جوے وغیرہ کا عادی تھا یا حق مہر اتنا کم مقرر کیا ہوا ہے جس پر معاشرے کے عرف ورواج میں عموماً لوگ رضامند نہیں ہوتے تو پھر نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، اس لئے فسخ کرانے کی حاجت نہیں ہے۔

اور حق مہر اگر اتنا مقرر کیا ہوا ہے جس کو معاشرے کے عرف ورواج میں عموماً لوگ قبول کر لیتے ہیں، نیز شوہر بھی بوقت نکاح صالح تھا تو ایسی صورت میں نکاح تو منعقد ہوگا، البتہ بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے۔

لمافی الدر المختار:(۶۷/۳-۶۹، طبع سعید)

وان كان المزوج غيرهما:اى غير الاب وابيه ولوالام اوالقاضى اووكيل الاب لكن فى النهر بحثا لوعين لوكيله القدر صح(لايصح) النكاح (من غير كفء اوبغبن فاحش اصلا)ومافى صدر الشريعة صح ولهما فسخه وهم وايضا فيهما:(وان كان من كف وبمهر المثل صح و)الكن(لهما):اى لصغير وصغيرة وملحق بهما(خيار الفسخ) ولو بعد الدخول(بالبلوغ او العلم بالنكاح بعده)لقصور الشفقة......(بشرط القضاء)للفسخ.

ولمافى ردالمحتار(۶۶/۳ طبع سعيد)

(ولوبغبن فاحش)هومالايتغابن الناس فيه اى لايتحملون الغبن فيه احترازا عن الغبن اليسير وهومايتغابنون فيه: اى يتحملونه ، قال فى الجوهرة: والذى يتغابن فيه الناس مادون نصف المهر كذاقاله شيخنا موفق الدين وقيل مادون العشر اه فعلى الاول الغبن الفاحش هوالنصف فمافوقه وعلى الثانى العشر فمافوقه تامل وقوله (اصلا) اى لا لازما ولاموقوفا على الرضا بعد البلوغ وقوله (لقصور الشفقة) أى ولقصور الرأى فى الام قوله (للفسخ) اى هذا الشرط انما هو للفسخ لا لثبوت الاختيار.

وفى الشامية:وحاصله:انه اذاكان المزوج للصغير والصغيرة غير الاب والجد، فلهما الخيار بالبلوغ او العلم به فان اختار الفسخ لايثبت الفسخ الابشرط القضاء، فلذافرع عليه لقوله(فيتوارثان فيه)اى فى هذا النكاح قبل ثبوت فسخه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروتی

۱۱جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۷۱

﴿نکاح میں کفو کا اعتبار﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ نکاح میں ''کفو'' کس حد تک معتبر ہے؟ کن چیزوں میں اس کا اعتبار کیا جائے گا؟ کفو کا مطلب بھی واضح فرمائیں؟

﴿جواب﴾ کفو: لغت میں برابری کو کہتے ہیں اور فقہ کی اصطلاح میں زوجین میں مساوات مخصوصہ کو کہتے ہیں، نکاح میں کفاءت کو بہت اہمیت حاصل ہے، چنانچہ عورت اپنا نکاح اولیاء کی اجازت کے بغیر ''غیر کفو'' میں نہیں کر سکتی اور اگر اولیاء کی رضامندی کے بغیر نکاح کیا تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

لما فی التنویر مع الدر والرد:(۲/۵۶-۵۷،طبع سعید)

(ویفتی)فی غیر الکف،(بعدم جوازه اصلاً)وهو المختار للفتوی،(قوله وهو المختار للفتوی)وقال شمس الأئمة وهذاأقرب الی الاحتیاط وکذافی تصحیح العلامة قاسم لأنه لیس کل ولی یحسن المرافعة والخصومة ولاکل قاض یعدل.

کفاءت جن چیزوں میں معتبر مانی جاتی ہے وہ نسب، آزادی، اسلام، دیانت (تقویٰ) مال اور حرفت ہے، عجم میں کفاءت باعتبار نسب کے معتبر نہیں لیکن حرفت میں اس کا اعتبار کیا جائے گا، چنانچہ عرف میں جس حرفت کو حقارت اور ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو وہ اس حرفت کا ''کفو'' تصور نہیں کیا جائے گا جو عرف میں عزت اور وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو مثلاً موچی عطار کا کفو نہیں بن سکتا، اسی طرح جولاہا طبیب کا کفو نہیں بن سکتا۔

لما فی ردالمحتار:(۴/۲۱۱،طبع امدادیه)(فی العرب)أی اعتبار النسب انما یکون فی العرب.

تاہم عجم میں نسب کا معتبر نہ ہونا اس وقت ہے جب عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ کیا جاتا ہو لیکن اگر عرف میں اس تفاوت کا اعتبار کیا جاتا ہو تو پھر نسب میں بھی کفاءت معتبر ہوگی، چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس اللہ سرہ امداد الفتاویٰ:(۲/۲۷۲،طبع دار العلوم کراچی) فرماتے ہیں:

''اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم عجم میں جو نسباً کفاءت معتبر نہ ہونا فقہاء نے لکھا ہے یہ بھی مقید ہے اس کے ساتھ جب عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ ہو ورنہ ان میں بھی باعتبار نسب وقومیت کے معتبر ہوگا''

اس پر حضرت نے دار قطنی کی یہ حدیث پیش کی ہے:عن ابن عمرؓ مرفوعاً الناس أکفاء قبیلة بقبیلة وعربی بعربی ومولیٰ بمولی(ای عجمی بعجمی)الاحائکاأو حجاما پھر شامی کی اس عبارت سے حضرت نے استدلال کیا ہے۔

ولما فی ردالمحتار:(۴/۲۱۵،طبع امدادیه)

أن الموجب هو استنقاص اهل عرف فیدور معه وعلی هذا ینبغی أن یکون الحائک کفؤاً للعطار بالاسکندریة لماهناك من حسن اعتبارها وعدم عدها نقصاً البتة، اللهم الا أن یقترن بها خساسة غیرها.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
۳ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی
فتویٰ نمبر: ۲۵۱

﴿نکاح کیلئے ولی کون بن سکتے ہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام کہ لڑکی کے نکاح کے لیے ولی کون کون بن سکتا ہے؟ برائے مہربانی ترتیب کے ساتھ بیان کریں۔ مستفتی: حاجی سید بشیر احمد شاہ

﴿جواب﴾ شرعاً عصبات بالترتیب لڑکی کے نکاح کے لئے اس کے ولی ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) فروع یعنی بیٹا، پوتا، نیچے تک (۲) اصول یعنی باپ، دادا، پردادا اوپر تک (۳) باپ کی اولاد یعنی بھائی، بھتیجے اور بھتیجوں کی اولاد (۴) دادا کی اولاد یعنی چچا، چچا کے لڑکے، پوتے اگر مذکورہ افراد میں سے کوئی بھی نہ ہو تو حق ولایت بالترتیب مندرجہ ذیل حضرات کو حاصل ہوگی ماں، باپ کی ماں، بیٹی، بیٹی کی بیٹی، پوتی پڑپوتی، بیٹی کی بیٹی کی بیٹی اور اسی طرح نیچے تک پھر نانا، حقیقی بہن، باپ شریک بہن، ماں کی اولاد، چاہے مذکر ہو یا مؤنث اور پھر انکی اولاد اس کے بعد ذوی الارحام یعنی پھوپھی، ماموں، خالہ، چچا کی لڑکیاں اور پھر اسی ترتیب کے ساتھ انکی اولاد اور اس کے بعد حاکم پھر قاضی بشرطیکہ حاکم نے اس کی اجازت دی ہو پھر قاضی کا نائب بشرطیکہ قاضی نے نائب کو یہ ذمہ داری سپرد کی ہو ورنہ اس کے نکاح کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما فی التنویر مع الدر: (۳/۷۶-۷۹، طبع سعید)

(الولی فی النکاح) لا المال (العصبة بنفسه) وهو من یتصل بالمیت حتی المعتقة (بلا توسط أنثی)..... الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ | فتوی نمبر: ۲۳۹

﴿وٹہ سٹہ میں نابالغ اولاد کے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری دو بیٹیاں ہیں، ان میں سے ایک کا نکاح بلوغت سے قبل کر دیا تھا اور یہ نکاح بدل کی صورت میں تھا اور دوسری بیٹی کا نکاح تو نہیں ہوا تھا، صرف بات طے ہو گئی تھی اور دونوں لڑکیوں کا اس وقت بھی انکار تھا اور ابھی بلوغت کے بعد بھی انکار ہے تو اس وجہ سے ہم نے لڑکے والوں کو کئی بار کہا کہ نکاح کو فسخ کر دیں لیکن وہ لوگ اس بات کو نہیں مانتے بلکہ دھمکی دیتے ہیں کہ ہم آپکی لڑکیوں کو اٹھا کر لے جائیں گے اور زبردستی ان سے شادی کر لیں گے۔

امر مطلوب یہ ہے کہ بلوغت سے قبل جو نکاح ہوا تھا وہ معتبر ہے یا نہیں؟ اور کیا لڑکیوں کے انکار کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جائیگا یا نہیں؟ اور اگر ان لڑکیوں کے انکار کے باوجود شادی کرادی جائے تو کیا نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ اور اگر نکاح نہ کرایا جائے تو لڑکے والوں کا دھمکی دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور ان سے چھٹکارا کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ مستفتی: جوہر اکبر سلطان آباد

﴿جواب﴾ نکاح انسان کی ضرورت اصلیہ میں سے ہے اس لئے شریعت نے اس لحاظ سے اس میں بڑی آسانی دی ہے، چنانچہ فضولی کے ایجاب وقبول سے بھی منعقد ہو جاتا ہے لیکن اس معاملہ کے اس پہلو کو بھی دیکھا جائے کہ جہاں یہ بے شمار خوشیوں وفوائد اور دوررس نتائج کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ایک معاملہ ہے تو ساتھ ساتھ قید وبند اور بے شمار ذمہ داریوں پر بھی مشتمل ہے، اس لئے شریعت نے صاحب معاملہ عاقل وبالغ کے اختیار پر بھی موقوف رکھا ہے۔

سو نابالغ لڑکا یا لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کوئی بھی کرے تو بالغ ہونے کے بعد اس لڑکے یا لڑکی کو اختیار ہے چاہے اس کو قائم رکھے یا فسخ کردے اور باپ دادا اپنی بیٹی نابالغ کا نکاح کریں تو بالغ ہونے کے بعد بھی لڑکی کو فسخ کرنے کا اختیار شریعت نے نہیں دیا ہے، اس لئے کہ عورت ذات ناقص العقل ہے بالغ ہونے کے بعد بھی اپنے مستقبل کا صحیح فیصلہ نہیں کرپاتی اور والد یا دادا کا فیصلہ اس کے حق میں بلاشبہ کسی مصلحت کے خاطر ہوگا، باپ دادا کی فطرتی شفقت اسکی تائید کرتی ہے لیکن اگر کسی صورت میں باپ دادا کے فیصلہ میں شفقت کے خلاف شواہد موجود ہوں تو امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایسی صورت میں لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

مذکورہ صورت میں وٹہ، سٹہ کا معاملہ ہے اور بعض قوموں میں جہاں وٹہ، سٹہ رائج ہے وہاں یہ عام دیکھنے میں آتا ہے کہ باپ کی نظر شفقت صرف لڑکے پر ہوتی ہے لڑکی کے مستقبل کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، لڑکی کو غیر گھر کا فرد سمجھتے ہیں، بیٹے کو کوئی لڑکی پسند ہے یا بہو بننے والی لڑکی میں اگر دنیاوی فوائد زیادہ نظر آتے ہیں تو اس کے بدلے میں اپنی لڑکی کو درندہ صفت آدمی کیساتھ زندگی بھر قیدی کی طرح زندگی گزارنا پڑے، اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

اور یہ عام ہے کہ لڑکی کے لئے بہتر خاندان سے بھی اگر رشتہ آتا ہے اور اس کے بھائی کے

لئے اس گھر میں کوئی لڑکی نہیں ہے تو صرف اسی وجہ سے منع کر دیتے ہیں کہ یہاں ہمارے بیٹے کی ضرورت پوری نہیں ہوتی یا پھر بڑی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں جس سے وہ اپنے لڑکے کے لئے رشتہ کا انتظام کر سکے بلکہ لڑکیوں کو باقاعدہ جانوروں کی طرح فروخت کرنا بھی بعض خاندانوں میں رائج ہے، یہاں تک کہ اس کو گناہ یا عیب بھی نہیں سمجھتے۔

بلاشبہ ایسے خاندانوں میں نابالغ لڑکی کا نکاح اگر باپ نے کیا ہو اور اسکے مستقبل کا صحیح نہ سوچا ہو تو بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو اختیار حاصل ہے چاہے تو اس کو فسخ کر دے چاہے تو قائم رکھے اور واضح رہے کہ بلوغت کے فورا بعد لڑکی کا اس نکاح کی نامنظوری کو ظاہر کرنا ضروری ہے پھر فسخ کرنے کی صورت میں لڑکی قاضی کے پاس فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کریگی اور جہاں قاضی نہ ہو تو پنچائیت قاضی کے حکم میں ہے پھر قاضی یا پنچائیت کی تائید سے فسخ مکمل ہوگا اور لڑکی دوسری جگہ شادی کر سکے گی۔

لمافی ردالمحتار:(۶۷/۳،طبع سعید)

حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه اولطمعه لایجوز عقده اجماعاً.

ولمافی الدرالمختار:(۶۶/۳،طبع سعید) وللولی انکاح الصغیر والصغیرة جبراً ولو ثیباً.

ولمافی ردالمحتار:(۶۸/۳،طبع سعید)

ولو فعل الاب او الجد عند عدم الاب لایکون للصغیر والصغیرة حق الفسخ بعد البلوغ.

ولمافی الهدایة:(۳۲۸/۲،طبع رحمانیه)

یجوز نکاح الصغیر والصغیرة اذا زوّجها الولی بکراً کانت الصغیرة او ثیباً.

ولمافی الهندیة:(۲۸۵/۱،طبع رشیدیه)

لولی الصغیر والصغیرة ان ینکحهما وان لم یرضیا بذلک کذافی البرجندی سواء کانت بکراً او ثیباً کذافی العینی.

اور جس لڑکی کا باقاعدہ نکاح نہیں ہوا صرف منگنی ہوئی تھی تو صرف منگنی سے نکاح نہیں ہوتا، منگنی وعدے کے درجہ میں ہے، اب لڑکی دوسری جگہ چاہے تو شادی کر سکتی ہے، اسکو اسی شخص کیساتھ نکاح پر مجبور کرنا ظلم اور سخت گناہ ہے۔

لمافی ردالمحتار:(۱۱/۳،طبع سعید)

(تحت قوله اذالم ینو الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لوقال هل اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح.

ولمافی البحر الرائق:(۳/۸۳،طبع سعید)

ولو قال هل اعطیتنیها فقال اعطیتک ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح.

وکذا فی الهندیة:(۱/۲۷۱،طبع رشیدیه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۵۵

﴿بالغہ کو نکاح کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عاقلہ بالغہ لڑکی کو نکاح پر مجبور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی نے زبردستی اس کا نکاح کسی لڑکے کیساتھ کر دیا جس سے وہ لڑکی انکاری ہو تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: محمد جمیل کراچی

﴿جواب﴾ عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح اسکی رضامندی سے ہی منعقد ہوتا ہے، البتہ اقرار کی صورت میں رضامندی تصور ہوگی اگرچہ بادل نخواستہ ہو اس لئے کہ رضامندی پوشیدہ کیفیت ہے لیکن زبردستی اقرار کرانا سخت گناہ اور ظلم ہے۔

لمافی اعلاء السنن:(۱۱/۷۷،طبع دار الکتب العلمیة بیروت)

روی عن ابن عباسؓ أن جاریة بکراً أتت النبی صلیٰ الله علیه وسلم فذکرت أن أباها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی صلیٰ الله علیه وسلم،رواه الامام احمد ورجاله ثقات وقال ابن القطان:صحیح.

ولمافی التنویر مع الدر:(۳/۵۸،طبع سعید)

(ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح)لانقطاع الولایة بالبلوغ.

ولمافی الهندیة:(۱/۲۸۷،طبع رشیدیه)

لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من اب أو سلطان بغیر اذنها بکراً کانت أو ثیباً فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردّته بطل.

ولمافی البحر الرائق:(۳/۱۱۰،طبع سعید)

(تحت قوله ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح)أی لا ینفذ عقد الولی علیها بغیر رضاها عندنا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۱۲

﴿بہن کے نکاح کے بعد بھائیوں کا ساتھ دے یا ماں کا﴾

﴿سوال﴾ ایک لڑکی کی منگنی گھر والوں نے اتفاق رائے سے ایک لڑکے کے ساتھ کی، کچھ عرصہ بعد لڑکی کے بعض بھائیوں نے انکار کر دیا، لڑکی کی والدہ نے کورٹ کے ذریعے اسی منگیتر سے لڑکی کا کورٹ میرج کیا، انکار کرنے والے بھائی غنڈہ قسم کے لوگ ہیں، اب حالت کچھ ایسی بنی ہے کہ لڑکی اور اسکی ماں کو جان کا خطرہ ہے، ایک بھائی دیندار ہے اسکو یہ رشتہ منظور ہے لیکن ڈر کی وجہ سے ظاہر نہیں کرسکتا، اس کا سوال ہے کہ ایسی صورت میں اگر والدہ کا ساتھ دوں تو میری جان کو خطرہ ہے، ساتھ نہ دوں تو والدہ ناراض ہو رہی ہیں، مذکورہ صورت میں خطرہ مول لیتے ہوئے اس بھائی پر ماں کا ساتھ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ مستفتی: بلال احمد

﴿جواب﴾ سوال میں ذکر کردہ صورت میں والدہ کی رہنمائی میں آپکی بہن کا کورٹ میرج کرانا شرعاً درست ہے، دیندار بھائی پر مباح امور میں والدہ کا ساتھ دینا تو ضروری ہے لیکن ساتھ دینے میں چونکہ جان کا خطرہ ہے، اس لئے خاموشی کی حکمت عملی اختیار کرنے کی بھی گنجائش ہے اور خفیہ طور پر والدہ کو تسلی اور ممکنہ تعاون کا اطمینان دلاتے رہیں، دیندار بھائی اپنے علاوہ والدہ اور بہن کو بھی دعاء، نماز اور صبر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد کو متوجہ کرنے پر لگائیں، ایسی صورت حال میں "اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم" کا کثرت سے ورد کرنا سنت سے ثابت بڑا موثر عمل ہے لیکن اس عمل سے پہلے بھائیوں کو کسی کے ذریعے حق کی ترغیب دیدیں تو زیادہ بہتر ہے۔

لما فی التنویر مع الدر: (۲/۵۷، طبع سعید)

(فرضا البعض) من الاولیاء قبل العقد او بعده "کالکل" لثبوته لکل کملا کولایة امان وقود وفی الشامیة: (قوله قبل العقد او بعده) فیه ان الرضا قبل العقد یصح علی کل من الاول والثانی واما المبنی علی الاول فقط فهو الرضا بعد العقد فانه یصح علیه لا علی الثانی المفتی به کما قدمناه..... "قوله لثبوته لکل کملا" لانه حق واحد لا یتجزأ لانه ثبت بسبب لا یتجزأ بحر.

ولما فی أحکام القرآن: (۱/۷۲۲-۷۲۳، طبع قدیمی)

"لایکلف اللہ نفسا الا وسعها" الآیة (۲۸۶) فیه نص علی ان اللہ تعالیٰ لا یکلف احدا ما لایقدر علیه ولا یطیقه..... ولم تختلف الامة فی ان اللہ لا یجوز ان یکلف الزمن المشی والاعمی البصر والاقطع الیدین البطش لانه لا یقدر علیه ولا یستطیع فعله ولا خلاف فی

ذلک بین الامة وقد وردت السنة عن رسول الله ﷺ ان من لم یستطیع الصلاة قائما فغیر مکلف للقیام......ونص التنزیل قد اسقط التکلیف عمن لا یقدر علی الفعل ولایطیقه...... ومایتعلق بذلک من الاحکام سقوط الفرض عن المکلفین فیما لا تتسع له قواهم لا ن الوسع هو دون الطاقة ، وانه لیس علیهم استفراغ المجهود فی اداء الفرض نحو الشیخ الکبیر الذی یشق علیه الصوم ویؤذیه الی ضرر یلحقه فی جسمه وان لم یخش الموت بفعله فلیس علیه أن یصوم لان الله لم یکلفه الا ما یتسع لفعله......فهذاحکم مستمرفی سائر اوامر الله وزواجره : ان لزوم التکلیف فیها علی مایتسع له ویقدر علیه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

۱۹ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۲۹

﴿باپ، دادا کا کیا ہوا نکاح ایک صورت میں فسخ ہوسکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص مثلاً زید اپنی پھوپی کی بیٹی زینب کو والدین کی مرضی کے بغیر کراچی لے آیا تھا اور نکاح کرلیا تھا، زینب کے والدین کراچی آکر زید کے والدین سے اس طرح مصالحت کرنے پر راضی ہوئے کہ زید کی بہن فاطمہ (جو کہ اس وقت چار پانچ سال کی تھی) زینب کے بھائی نوید کو نکاح میں دی جائے تاکہ ہماری برادری والے ہم کو ملامت نہ کریں اور ہم نوید کیلئے کسی اور جگہ رشتہ کرنے کی کوشش کرینگے، دونوں میں مصالحت ہوگئی کچھ دنوں بعد زید کے ہاتھ سے اپنی بیوی زینب کی موت واقع ہوگئی، زینب کے والدین نے کراچی آکر زید کو جیل میں ڈالا اور تیس ہزارروپے بھی وصول کئے، وہاں زینب کے بھائی نے دوسری جگہ شادی کرلی لیکن اس نے بھی کچھ مدت بعد اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔

اب وہ چاہتا ہے کہ زید کی بہن فاطمہ سے شادی کرلے جسکی عمر اب تقریباً اٹھارہ سال ہے اور فاطمہ پہلے سے ہی انکے ساتھ شادی کرنے پر تیار نہیں تھی اور والدین بھی نہیں چاہتے کہ شادی ہوجائے تو کیا باپ، دادا اپنی بیٹی کا نکاح اپنی ہی مصلحت کی خاطر اور اپنے جھگڑوں کو ختم کرنے کے واسطے کسی کے ساتھ کروادیں تو شرعاً اسکا کیا حکم ہے؟ جبکہ لڑکی کیلئے پوری زندگی اجیرن بن جاتی ہے، مذکورہ صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: قاری امان اللہ اورنگی ٹاؤن

﴿جواب﴾ نکاح کے معاملے میں شریعت نے باپ دادا کو ایک مقام دیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی مصلحت پر نظر رکھتے ہوئے مناسب جگہ نکاح کروائیں تاکہ وہ اپنی زندگی خوشگوار گزار

سکیں، اس وجہ سے باپ دادا کا کیا ہوا نکاح بچے بلوغت کے بعد بھی فسخ نہیں کر سکتے، البتہ باپ، دادا نے اپنی نابالغ اولاد کا نکاح ذاتی لالچ کی بناء پر کیا ہو جس میں فائدہ اور بہتر مستقبل کے بجائے نابالغ اولاد کا نقصان واضح ہو تو شریعت نے ایسی صورت میں بالغ ہونے کے بعد بذریعہ قاضی نکاح فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر واقعی باپ نے صرف بیٹے ہی کا جھگڑا ختم کرنے کیلئے اپنی بیٹی صلح کرنے کی غرض سے نکاح پر دی ہے اور اس میں لڑکی کی کوئی بھی مصلحت نہیں ہے تو شرعاً بلوغت کے فوراً بعد لڑکی کو خیار حاصل ہے کہ اس نکاح سے انکار کرے اور بعد میں عدالت سے رجوع کر کے باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ کرالے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۶۶/۳-۶۷ طبع سعید)

(ولزم النكاح ولو بغبن فاحش او بغير كفوء ان كان الولى أبا او جدا لم يعرف منهما سوء الاختيار) مجانة و فسقاً وان (عرف لايصح) النكاح اتفاقاً.

وفى الشا مية: وفى شرح المجمع حتى لو عرف من الأ ب سوء الاختيار لسفهه او لطمعه لايجوز عقده اتفاقاً.

ولما فى الهندية:(۲۹۴/۱، طبع رشيديه)

والخلاف فيما اذا لم يعرف سوء اختيار الأب مجانة او فسقا اما اذا عرف ذالک منه فالنكاح باطل اجماعاً.

ولما فى البحر:(۱۲۵/۳، طبع سعيد)

وقيده الشارحون وغيرهم بان لايكون معروفابسوء الاختيارحتى لوكان معروفا بذالک مجانة وفسقا فالعقدباطل على الصحيح، قال فى فتح القدير: ومن زوج ابنته الصغيرة القابلة للتخلق بالخير والشرممن يعلم انه شريرفاسق فهوظاهرسوء اختياره.

ولما فى الفتاوى الخيرية:(۲۰/۱-۲۱ طبع حقانيه)

سئل فى الأب اذا علم منه سوء الاختيار وعدم النظر فى العواقب اذا زوج ابنته القابلة للتخلق بالخير والشر بغير كفوء هل يصح النكاح ام لا (أجاب) قال ابن فرشته فى شرح المجمع لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه او لطمعه لا يجوز عقده اتفاقاً ومثله فى الدرر والغرر وقال فى البحر ولو زوج طفله غير كفوء او بغبن فاحش صح ولم يجز ذالک لغير الأب والجد اطلق فى الأب والجد وقيده الشارحون وغيرهم بان لا يكون معروفا بسوء الاختيار حتى لو كان معروفا بذالک مجانة و فسقا فالعقد باطل على الصحيح قال فى فتح القدير ومن زوج وله ابنته الصغيرة القابلة للتخلق بالخير والشر ممن يعلم انه شرير فاسق فهو ظاهر سوء اختياره ولان ترك النظر ههنا مقطوع

به فلا يعارضه ظهور ارادة مصلحة تفوق ذالک نظرا الى شفقة الأبوة ثم قال وقد وقع في اكثر الفتاوىٰ في هذه المسئلة ان النكاح باطل فظاهره انه لم ينعقد وفي الظهيرية يفرق بينهما ولم يقل انه باطل وهو الحق ولذا قال في الذخيرة في قولهم فالنكاح باطل اى يبطل انتهى كلام البحر والمسئلة شهيرة. (بهامش تنقيح الحامدية)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن

۲۹ جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۱۹۸

﴿فصل في المحرمات واللاتي يحل نكاحهن﴾

﴿سوتیلی ماں کی اولاد سے نکاح جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی بیوی فوت ہوگئی، اولاد باقی رہی اور ایک عورت کا شوہر فوت ہوگیا اولاد باقی رہی، ان دونوں نے آپس میں نکاح کرلیا، پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں کی اولاد کا ایک دوسرے سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ شخص اور عورت کی اولاد کا آپس میں ایک دوسرے سے نکاح جائز ہے۔

لمافي الدر المختار: (۳۱/۳ طبع سعيد) وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال.

وفي الشامية: قال الخير الرملي: ولا تحرم بنت زوج الام ولا أمه ولا أم زوجة الاب ولا بنتها.

ولمافي الهندية: (۲۷۷/۱ طبع رشيديه)

لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها كذا في محيط السرخسي.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۹۳۶

﴿صرف نکاح سے ہی بیٹے کی بیوی باپ پر حرام ہوجاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ زید کی ایک جگہ منگنی ہوگئی اور نکاح بھی باقاعدہ گواہوں کے سامنے پڑھایا گیا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی ہے، زید کہہ رہا ہے کہ مجھے یہ لڑکی پسند نہیں ہے، اب اگر زید کا باپ اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟　　　مستفتی: خدا بخش

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں جب گواہوں کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول (نکاح کی صورت میں) ہوگیا تو وہ لڑکی زید کی منکوحہ بن گئی، اب زید کے باپ کا اس سے نکاح کرنا

ناجائز اور حرام ہے، زید نے صحبت کی ہو یا نہیں کی ہو، اس کا کوئی اعتبار نہیں، زید کے والد کے لئے اُس لڑکی سے نکاح کی کوئی صورت نہیں بن سکتی۔

لمافی الهداية:(۲/۲۲۷،طبع رحمانیه)

ولا بامرأة ابنه وبنی اولاده لقوله تعالیٰ وحلائل أبناء کم الذین من اصلابکم و ذکر الأصلاب لاسقاط اعتبار التبنی لالاحلال حليلة الابن من الرضاعة.

ولمافی الشامی:(۳/۳۱،طبع سعید)

وتحرم زوجة الأصل والفرع بمجرد العقد دخل بها أولا.كذافي البحر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۱۸/۳/۱۴۲۷ھ　　　　فتوی نمبر:۱۷۳

﴿کتابیہ لڑکی سے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ آج کل کسی کتابیہ لڑکی کے ساتھ نکاح کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ جو لوگ حقیقۃً یہودیت ونصرانیت پر قائم ہوں (اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نبی مرسل اور کتاب منزل پر ایمان ہو جنت و دوزخ کو تسلیم کرتا ہو) انکی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا فی نفسہ اگرچہ حلال ہے مگر بہت سے خرابیوں کی وجہ سے احتراز بہتر ہے۔

اس لئے کہ آئندہ نسل پر غالب گمان بُرے اثرات کا ہے، تفسیر معارف القرآن: (۳/۲۷، طبع ادارۃ المعارف) میں لکھا ہے کہ ''قرآن وسنت اور اُسوہ صحابہؓ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کھلی پرہیز کریں''

لمافی الدرالمختار:(۳/۴۵،طبع سعید)

(وصح نکاح کتابية)وان کره تنزيها(مؤمنة بنبی)مرسل(مقرة بکتاب)منزل و ان اعتقدوا المسيح الهاً وکذا حل ذبيحتهم علی المذهب ، بحر.

وفی الشامية:(قوله کتابية)أطلقه فشمل الحربية والذمية والحرة والامة ح عن البحر (قوله وان کره تنزيها) ای سواء کانت ذمية او حربية فان صاحب البحر استظهر ان الکراهة فی الکتابية الحربية تنزيهية فالذمية او لی اه ح. قلت علل ذالک فی البحر بان التحريمية لابدلها من نهی أو مافی معناه لأنها فی رتبة الواجب اه وفيه ان اطلاقهم الکراهة فی الحربية يفيد انها تحريمية......وقوله والاولی ان لايفعل يفيد کراهة التنزيه فی غير الحربية وما بعده يفيد کراهة التحريم فی الحربية تأمل.

ولما فی البحر الرائق:(۲/۲۱۰،طبع سعید)

(قوله والمجوسی شرمن الکتابی)لان للکتابی دیناسماویابحسب الدعوی ولهذاتوکل ذبیحته وتجوز مناکحة الکتابیة بخلاف المجوسی.

ولما فی الهدایة:(۲/۳۳۰،کتاب النکاح،طبع رحمانیه)

(ویجوزتزوج الکتابیة)لقوله تعالی والمحصنات من الذین أوتواالکتاب:ای العفائف.....

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد ادریس عفااللہ عنہ

۹ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:

﴿جس عورت سے ناجائز تعلقات ہوں اسکی بیٹی سے نکاح جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے ایک عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات ہوں اور پھر بعد میں اسکی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس سے نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ مستفتی:جنت گل کراچی

﴿جواب﴾ کسی بھی موقع پر مرد یا عورت کا ایک دوسرے کے جسم پر بلا حائل شہوت کیساتھ ہاتھ بھی لگا ہو تو اس شخص پر اس خاتون کی تمام لڑکیاں ہمیشہ کیلئے حرام ہیں، انکے ساتھ کسی بھی صورت میں نکاح نہیں ہو سکتا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۳/۳۲،طبع سعید)

وحرم أیضابالصهریة(أصل مزنیته)أرادبالزنی الوطء الحرام(و)أصل(ممسوسته بشهوة)

وفی الشامیة:قال فی البحرأراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسباورضاعا وحرمة اصولها وفروعهاعلی الزانی نسبا ورضاعاکما فی الوطء الحلال.

ولما فی الهندیة:(۱/۲۷۴،طبع رشیدیه)

فمن زنی بامرأة حرمت علیه أمها وان علت وابنتها وان سفلت.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:حبیب الوہاب سواتی

۹ رجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۶۷۱

﴿زانی کے بیٹے کا نکاح مزنیہ کی بیٹی کیساتھ جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے عورت کیساتھ زنا کا ارتکاب کیا تھا اب یہ آدمی اپنے بیٹے کیلئے اس عورت کی بیٹی سے نکاح کرنا

چاھتا ہے پوچھنا یہ ہے کہ زانی کے بیٹے کا نکاح زانیہ کی بیٹی کیساتھ جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی رو سے اسکا کیا حکم ہے قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل جواب دیکر ممنوں فرمائیں۔

﴿جواب﴾ حرمت مصاہرت جس طرح نکاح سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح زنا سے بھی ثابت ہوتی ہے، زانی پر زانیہ کے تمام اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں اسی طرح زانیہ پر زانی کے تمام اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں، تاہم حرمت مصاہرت صرف زانی اور زانیہ تک محدود رہتی ہے۔ چنانچہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اپنے رسالہ حرمت مصاہرت میں لکھتے ہیں ''زنا اور حرام لمس ونظر سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے وہ زانی زانیہ تک محدود رہتی ہے ان کے اطراف یعنی ان کے اصول اور انکی اولاد میں حرمت پیدا نہیں ہوتی مثلاً زید اور فاطمہ میں ناجائز تعلق رہا تو زید پر فاطمہ کے اصول وفروع اور فاطمہ پر زید کے اصول وفروع حرام ہونگے مگر زید کی وہ مذکر ومونث اولاد جو کسی اور مرد سے ہے ان میں حرمت ثابت نہ ہوگی، اسی طرح زید کے مذکر اصول (باپ، دادا، نانا) اور فاطمہ کے مونث اصول (ماں، دادی، نانی) میں اور فاطمہ کے مذکر اصول اور زید کے مونث اصول میں بھی حرمت ثابت نہ ہوگی''۔ (ص:۱۲، طبع: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ)

اور علامہ شامی نے بھی لکھا ہے کہ زانی کے اصول وفروع کیلئے مزنیہ کے اصول وفروع حلال نہیں ہیں لہذا صورت مذکورہ میں اگر یہ لڑکی زانی کے نطفہ سے نہیں ہے تو اسکا نکاح زانی کے بیٹے کیساتھ جائز ہے ہاں احتیاط اسی میں ہے کہ انکی اولاد کا بھی آپس میں نکاح نہ کرائیں تاکہ وہی غلط تعلق دوبارہ قائم کرنے کیلئے شیطان کو موقع نہ ملے۔

لمافی نور الانوار: (ص ۷۲، طبع: میزان)

وعندنا کما تثبت بالنکاح تثبت بالزناء دواعیه من القبلة واللمس والنظر الی الفرج الداخل بشهوة وذالک لان دواعی الزنا مفضیة الی الزنا۔۔۔ فالزنا واسبابه انما یفید حرمة المصاهرة بواسطة الولد لامن حیث انه زنا کما ان التراب انما یطهر الاحداث لاجل قیامه الماء لامن حیث نفسه۔۔۔ الخ۔

لمافی الشامی: (۳/۳۲، طبع: سعید کراچی)

قال فی البحر: اراد بحرمة المصاهرة المحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها علی الزانی نسبا ورضاعا کما فی الوطی

الحلال ويحل لاصول الزاني وفروعه اصول المزني بها وفروعها.

ولما في الهنديه:(۱/۲۷۴،طبع:رشيديه)

وهي اربعة فرق الولى امهات الزوجات وجداتهن من قبل "الاب والام وان علون الثانية بنات الزوجة وبنات اولادها وان سلفن بشرط الدخول بالام كذا۔۔۔الرابعة نساء الاباء والاجداد من جهة الاب والام وان علو فهؤلاء محرمات على التابيد نكاحا ووطأكذافي الحاوي القدسي۔۔۔۔فمن زنابامرأة حرمت عليه امها وان علت وابنتها وان سفلت وكذاتحرم المزني بها على آباء الزاني واجدادها وان علو وابنائه وان سفلوا كذافي فتح القدير.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر: ۳۹۸۹

﴿سودی کمرشل بینک کی ملازمہ عورت سے شادی کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص ایسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے جو باہر کسی ملک میں سودی کمرشل بینک کی ملازمہ ہے اور شادی کے بعد ملازمت جاری رکھنے پر اصرار کرتی ہے آیا اس شخص کا ایسی عورت سے شادی کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ سودی کمرشل بینک کی ملازمت حرام ہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی ناجائز ہے، اس کے باوجود ایسی عورت سے شادی کرنا فی نفسہ جائز ہے نکاح ہو جاتا ہے لیکن یہ واضح رہے کہ اسلام نے کسب معاش کی ذمہ داری مرد کے کندھوں پر ڈالی ہے جبکہ عورت کے ذمہ گھر کے کام کاج اور بچوں کی تربیت ہے، اسی لئے بیوی کا نان ونفقہ بھی شوہر کے ذمہ ہے اور عورت کو بلاضرورت گھر سے باہر نکلنے کو بھی منع کیا ہے۔

سو یہ عورت شادی ہونے کے بعد بھی اپنی ملازمت جاری رکھنے پر اگر اصرار کرتی ہے تو ایسی عورت کے ساتھ شادی کرنے میں خیر نہیں ہے اگر چہ نکاح ہو جائے گا لیکن شادی کے فوائد اور برکات ایک فرمانبردار نیک خاتون سے جو حاصل ہوں گے بینک ملازمہ اور شوقیہ نوکری کرنے والی خاتون سے حاصل نہ ہوں گے۔

لما في قوله تعالى:(سورة الأحزاب،آيت ۳۳) وقرن في بيوتكن۔۔۔۔ الأية.

ولما في قوله تعالى:(سورة النساء،آيت) واحل لكم ماوراء ذلكم۔۔۔ الأية.

ولما فی روح المعانی:(۲۱/۲۵۵،طبع رشیدیه)

عن ابن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان المراة عورة فاذا خرجت من بیتها استشرفها الشیطان واقرب ماتکون من رحمة ربها وهی فی قعربیتها.

ولما فی مشکوة المصابیح:(ص ۲۴۴،طبع سعید)

عن جابرقال لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء

ولما فی مشکوة المصابیح:(ص ۲۶۷،طبع سعید)

وعن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم تنکح المراة لاربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدینها فاظفر بذات الدین تربت یداك.

ولما فی الهدایة:(۲/۲۸۵،طبع رحمانیه)

وهذا(ای قوله ونحن امرنا بان نترکهم)بخلاف الربوا لانه مستثنی عن عقودهم.

ولما فی فتح القدیر:(۹/۲۶۷،طبع رشیدیه)

(وهذا بخلاف الربا)......لان الربا لماکان مستثنی من عقودهم وکان ذلک فسقامنهم لاتدینا لثبوت حرمة الربا فی دینهم بقوله تعالی(واخذهم الربا وقدنهوا عنه)(النساء،۱۶۱)...... وهذا ای عدم کون الذمی ممنوعاً عن تملیک الخمر وتملکها ملتبس بخلاف الربا لکونهم ممنوعین عن الربا وکذافی احسن الفتاوی:(۸/۱۰۰،طبع سعید)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عدنان خدا بخش

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۷۲۶

منکوحہ خاتون کا کسی غیر کیساتھ چلی جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھائی کے یہاں کافی عرصہ سے اولاد نہیں ہورہی تھی،اس لئے انکی گھر والی مختلف جگہ پر دم ودرود کیلئے جاتی تھیں ہمارے علاقے میں ایک غالی شیعہ تھا وہ ایک مرتبہ اسکے پاس دم کیلئے چلی گئی،تو اس نے بجائے ان پر دم کرنے کے جادو کے ذریعے مسخر کیا اور رات کے وقت گھر سے غائب ہوگئی اور بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ دم کرانے کیلئے اس شیعہ کیا پاس جاتی تھیں اور اسی نے ان پر جادو کیا ہے۔ اور تلاش کرنے پر وہ اسی کے گھر سے مل گئیں،انہوں نے اس شیعہ کے پاس پانچ مہینہ گزارے اسکے بعد ہم نے علاقے کے دستور کے مطابق صلح کر کے اپنی بھابھی کو گھر لے آئے۔اسکے بعد ہم نے ان سے خوب پوچھ گچھ کی۔انہوں کہا کہ ان پانچ ماہ میں وہ آٹھ دن اکٹھے بھی رہے ہیں۔

لیکن میرے ساتھ کوئی غلط کام نہیں کیا اسکے بعد جب اس شیعہ کے گھر والوں کو پتہ چلا کہ یہ عورت شادی شدہ ہے۔ انہوں نے اسکو علیحدہ کر دیا اور اس کو شیعہ کو اپنے علاقے پاراچنار بھیج دیا۔ عرض مسئلہ یہ ہے۔ کہ اب میرے بھائی کیلئے اس عورت (میری بھابھی) کیساتھ رہنا شرعا کیسا ہے؟ آیا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا یا کیا صورت اختیار کریں؟ کیونکہ یہ کہتی ہے کہ میرے ساتھ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔ اور یہ کہ ہمارے لئے اس شیعہ کا قتل کرنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿جواب﴾ اولاد دینا صرف اللہ جل شانہ کا کام ہے وہ جس کو چاہے لڑکیاں دیتا ہے اور جس کو چاہے تو لڑکے دیتا ہے اور کسی کو لڑکے لڑکیاں دونوں سے نوازتا ہے اور جس کو چاہے بے اولاد سانڈی رکھتا ہے دم درود سے اور علاج سے اولاد نہیں ہوتی ہاں سبب کے درجہ میں علاج اور دم درود بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن دم درود کسی پرہیزگار متقی عالم سے کرائے تو اسکی گنجائش ہے بشرطیکہ شوہر خود بیوی کیساتھ ہو اور عورت پوری طرح پردے میں ہو کسی شیعہ یا دیگر پیشہ ور عاملوں کے ذریعہ دم درود کرنا خصوصا عورت کا ایسے لوگوں کے پاس جانا بڑی حماقت اور سخت گناہ ہے یہ عورت شوہر کی اجازت سے ایسے لوگوں کے پاس دم دورد کیلئے اگر جاتی رہی تو شوہر بھی پوری طرح گناہ میں شریک ہے اور شوہر کی اجازت کے بغیر جاتی رہی تب بھی انتہائی بے مروتی اور غیرت کے خلاف بات ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی کوئی خبر نہ ہو کہ وہ کہاں کہاں جاتی ہے، رہا یہ کہ عورت اب اپنے شوہر کے نکاح میں رہی یا نہیں؟ سو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ شوہر نے اگر طلاق نہیں دی ہے اور وہ اس کو بسانا چاہتا ہے تو اسکی بیوی سے تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

ہاں دین اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف کوئی بات بیوی یا شوہر نے کہی ہو یا اس عورت سے ایسی کوئی بات کہلائی گئی ہو تو تجدید ایمان و نکاح ضروری ہے۔ احتیاطاً تجدید ایمان و نکاح کرائی جائے تو زیادہ بہتر ہے مذکورہ جرم میں اس شیعہ کو قتل کرنے کی عام لوگوں کو اجازت نہیں اس قسم کی سزا یا انتقام لینا صرف حکومت کی ذمہ داری ہے۔

پارہ ۲۵ سورۃ الشوریٰ ایت (۴۹، ۵۰)

للہ ملک السموت والارض یخلق مایشآء یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشآء الذکور او یزوجھم ذکرانا واناثا ویجعل من یشاء عقیما انہ علیم قدیر۔

(فی درمختارمع ردالمحتار ج۲، ۲۲۶/۲۲۷، باب المرتد سعید)

مایکون کفرااتفاقا یبطل العمل ونکاح ـــ امافیه خلاف یومر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح ـ الخ(قوله وتجدید النکاح)ای احیتاطا کمافی الفصول العمادیة وزاد فهاقسما ثالثا فقال وماخطامن الالفاظ ولایوجب الکفر فقائله یقول علی حاله ،ولایومر بتجدید النکاح ولکن یئو مر بالاسغفار والرجوع عن ذلک ،وقوله احتیاطا ای یامره المفتی بالتجدید لیکون وطؤه حلالا باتفاق ،

لما فی ردالختار ج۳/ ۵۰فصل فی المحرمات

ولو تزوج بامراة الغیر عالما بذالک ودخل بها لاتجب العدة علیها حتی لایحرم علی الزوج وطئوها وبه یفتی لانه زنی والمزنی بها لاتحرم علی زوجهانعم لوو طها بشبهة وجب علیهاالعدة وحرم علی الزوج وطئوها .

فی المحیط البرهانی :۲۹۰/۶کتاب الحدود ،ط:ادارة القران

فان من تزوج امرأة لایحل له نکاحها بان تزوج لمة اوذات رحم یحرم ودخل بها قال ابو حنیفه رحمةالله لاحد علیه ولکن یعزر وقال ابویوسف ومحمد رحمها الله علیهما الحد اذا علما بالحرمة

فی المنصنف ابن ابی شیبه :ج۱/ ۵۰۶

عن الحسن قال :اربعة الی السطان الزکاة ،والصلاة ،والحدود ،والقضاء .

فی الهندیه ج:۲/ ۱۴۳کتاب الحدود

ورکنه اقامة الامام اونائبه فی الاقامة وشرطه کون من یقام علیه صحیح العقل وسلیم للبدن وکونه من اصل الاعتبار والاقتدار حتی لایقا م علی الجنون ــ الخ

فی البدائع الصنائع ج:۹/ ۲۴۹، ۲۵۱کتاب الحدود :ط:دارالکتب العلمیة

اماالذی یعم الحدود کلها فهو الامامة ،وهو ان یکون المقیم للحد هو الامام او من ولاه الامام ـــ ولنا ان ولایة اقامه الحدود ثابتة للامام بطریق التعین والمولی لایساویه فیما شرع له بهذه الولایة .فلایثبت له ولایة الاقامة .

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :صفی اللہ

۵صفر ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر :۳۸۸۷

﴿بیٹے کی ساس سے نکاح جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ باپ کا نکاح بیٹے کی ساس سے درست ہے یا نہیں؟

مستفتی :زاھد محمود راولپنڈی

﴿جواب﴾ باپ کا نکاح بیٹے کی ساس سے جائز ہے ،اسلئے کہ بیٹے کی ساس باپ کے لئے محرم نہیں ہے۔

لمافی ردالمحتار:(۳۱/۳،طبع سعید)

ولا تحرم بنت زوج الام ولا امه وام زوجة الاب ولا بنتها ولا ام زوجة ابن.

ولمافی الهندية:(۲۷۷/۱،طبع رشيديه)

لاباس بأن يتزوج الرجل امراة ويتزوج ابنه ابنتها او امها كذا فی محيط السرخسی.

ولمافی اعلاء السنن:(۳۹/۱۱،طبع دارالكتب العلمية بيروت)

وان تزوج امراة لم تحرم امها ولا ابنتها على ابيه ولا ابنه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود پنڈوی

۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۹۹

﴿سوتیلی ساس سے نکاح کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی اور سسر کے انتقال کے بعد سوتیلی ساس کیساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: دوست محمد صاحب

﴿جواب﴾ بیوی کی موجودگی میں بھی سوتیلی ساس کیساتھ نکاح کرنا جائز ہے تو بیوی کے انتقال کے بعد سوتیلی ساس کیساتھ نکاح کرنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۱۱۷/۲،طبع امدادیه)

فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها.....لانه لوفرضت ذكرالم يحرم بخلاف عكسه.

ولمافی الهندية:(۲۷۷/۱،طبع رشيديه)

ويجوز (الجمع) بين امرأة وبنت زوجها فان المرأة لوفرضت ذكراً حلت له تلك البنت بخلاف عكسه. وكذافی البحرالرائق:(۹۸/۳،طبع سعيد)

ولمافی بدائع الصنائع:(۲۶۳/۲،طبع سعيد)

ويجوز الجمع بين امرأة وبنت زوج كان لها من قبل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

۲۶ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۹۰

﴿سوتیلی ماں کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہو کیساتھ نکاح جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا سوتیلی ماں کی بیٹی

(جو کہ دوسرے شوہر سے ہو) کیساتھ نکاح کرنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ سوتیلی ماں کی بیٹی جو کہ دوسرے شوہر سے ہو چونکہ نہ ماں شریک بہن ہے اور نہ باپ شریک بہن اس لئے اسکے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة النساء،آیت ۲۳)

حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم واخواتكم وعماتكم وخالاتكم وبنت الاخ وبنت الاخت وامهاتكم التى ارضعنكم واخواتكم من الرضاعة وامهت نسائكم وربائبكم التى فى حجوركم من نسائكم التى دخلتم بهن فان لم تكونوادخلتم بهن فلاجناح عليكم وحلائل ابنائكم الذين من اصلابكم وان تجمعوابين الاختين...... الأية.

ولمافی الشامی:(۳۱/۳،طبع سعید)

أمابنت زوجة أبيه او أبنه فحلال.

ولمافی البحر الرائق:(۹۲/۳،طبع سعید)

فلاتحرم زوجةالابن ولا بنت ابن زوجةالابن ولابنت زوجةالاب ولابنت ابن زوجةالاب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود

۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۷۲

﴿مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم سے جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسلمان عورت عاقلہ بالغہ کا نکاح ایک کرسچن (مسیحی) لڑکے سے ان کے مذہبی طریقے سے کردیا گیا جبکہ آٹھ ماہ گزر چکے ہیں، سوال یہ ہے کہ (۱) کیا اس مسلمان عورت کا نکاح کرسچن لڑکے سے ہوگیا ہے جبکہ نکاح مسیحی مذہب کے مطابق کیا گیا ہو؟ (۲) عورت بدستور مسلمان ہے تو مذکورہ نکاح کا کیا حکم ہے؟ (۳) دونوں کے درمیان علیحدگی کی کیا صورت ہے؟ مستفتی: شہزاد ساہیوال

﴿جواب﴾ (۱) (۲) مذکورہ عورت کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا (۳) عورت پر لازم ہے کہ فوراً مرد سے الگ ہوجائے اور قریب کے تمام مسلمانوں پر اس عورت کو خلاصی دینے میں مدد کرنا واجب ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة البقرة،آیت ۲۲۱) ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا.....الأية.

ولمافی قوله تعالی:(سورة النساء،آیت ۱۴۱) ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا۔

ولما فی الهندیة:(۱/۲۸۲،طبع رشیدیه)

ولا یجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا کتابی کذا فی السراج الوهاج......الخ.

ولما فی بدائع الصنائع:(۲/ص ۲۷۱-۲۷۲،طبع سعید)

ومنها اسلام الرجل اذا کانت المرأة مسلمة فلا یجوز انکاح الکافر لقوله تعالی ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا ولان فی انکاح المومنة الکافر خوف وقوع المومنة فی الکفر لان الزوج یدعوها الی دینه والنساء فی العادات یتبعن الرجال ... الخ. فلا یجوز انکاح المسلمة الکتابی کما لا یجوز انکاحها الوثنی والمجوسی لان الشرع قطع ولایة الکافرین عن المومنین لقوله تعالی ولن یجعل الله للکافرین علی المومنین سبیلا فلو جاز انکاح الکافر المومنة لثبت له علیها سبیل وهذا لا یجوز......الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب

۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۲۸۵

﴿مرتد عورت کے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی کی بیوی نعوذ باللہ مرتد ہوگئی جسکی وجہ سے اسکا نکاح بھی منسوخ ہوگیا، اب کچھ عرصہ کے بعد وہ عورت دوبارہ اسلام لے آئی تو کیا یہ عورت اب اس شوہر کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کیساتھ نکاح کرسکتی ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں عورت کیلئے جائز نہیں کہ وہ سابق شوہر کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے بلکہ اگر شوہر سابق اپنے نکاح میں رکھنا چاہتا ہے تو شرعاً عورت پر جبر کیا جائے گا کہ شوہر سابق سے نکاح کی تجدید کرلے لیکن اگر سابق شوہر اسکو نہیں رکھنا چاہتا اور وہ اس بات پر راضی ہے کہ وہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرلے تو اس صورت میں اگر عورت کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو کرسکتی ہے۔

لما فی الدر المختار:(۴/۲۵۳،طبع سعید)

ولیس للمرتدة التزوج بغیر زوجها به یفتی.

ولما فی الشامی:(۳/۱۹۴،طبع سعید)

قوله:(وعلی تجدید النکاح) فلکل قاض أن یجدده بمهر یسیر ولو بدینار رضیت أم لا وتمنع من التزوج بغیره بعد اسلامها ولا یخفی أن محله ما اذا طلب الزوج ذالك اما لو سکت او ترکه صریحا فانها لا تجبر و تزوج من غیره لأنه ترك حقه بحر ونهر. (قوله زجرا لها) عبارة البحر حسما لباب المعصیة: والحیلة للخلاص منه ولا یلزم من هذا أن یکون

الجبر على تجديد النكاح مقصودا على ما اذا ارتدت لاجل الخلاص منه بل قالوا ذلك سدأ لهذا الباب من أصله سواء تعمدت الحيلة أم لا كي لا نجعل ذلك حيلة.

ولما في تقريرات الرافعي:(۲۰۸/۳،طبع سعيد)

(قوله ولا يلزم من هذا ان يكون الجبر على تجديد النكاح مقصودا......الخ)لكن ما نقله ط عن الهندية بقوله لو أجرت كلمة الكفر مغايظة لزوجها أو اخراجها نفسها عن حالته أو استيجاب المهر عليه بنكاح مستانف تحرم على زوجها ولكل قاض أن يجدد النكاح بادنى شئ......الخ،ظاهره التقيد وانها لو ارتدت جهلا لا تعطى هذا الحكم كما قاله ط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۸۷

﴿حكم النكاح مع الشيعة﴾

﴿شیعہ عورت سے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ماذا يقول علماء اهل السنة والجماعة هل النكاح مع الشيعة جائز ام لا؟

﴿جواب﴾الشيعي ان كان يعتقد خلاف ما ثبت في الدين بالضرورة كاعتقادهم الالوهية في عليؓ اوتحريف القرآن او قذف عائشة الصديقةؓ اوانكار صحبة ابي بكر الصديقؓ فلا نكاح معه اصلا لكفره وان لم يكن يعتقد خلاف ما ثبت في الدين بالضرورة فالنكاح معه وان كان جائزا لكن الاحتياط في تركه لان النكاح معهم لا يخلو عن المفسدة في الدين.

لما في الفتاوى الشامي:(۴۶/۳،طبع سعيد)

وبهذا ظهر ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الالوهية في عليؓ اوان جبريل غلط في الوحي اوكان ينكر صحبة ابي بكر الصديقؓ او يقذف السيدة الصديقةؓ فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة بخلاف ما اذا كان يفضل علياؓ او يسب الصحابةؓ فانه مبتدع لا كافر كما اوضحته في كتابي تنبيه الولاة والحكام.

ولما في الفتاوى الهندية:(۲۸۱/۱،طبع)

لا يجوز نكاح المجوسيات ولا الوثنيات......والمعطلة والزنادقة والباطنية والاباحية وكل مذهب يكفر به معتقده.

ولما في البحر الرائق:(۱۲۱/۵،طبع سعيد)

ويكفر بقوله ان كان ما قال الانبياء حقا......وبقذفه عائشةؓ من نسائه ﷺ فقط وبانكاره

صحبة ابی بکرؓ بخلاف غیره.....(کتاب السیر باب احکام المرتدین.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: معراج الدین

۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۲۷۳

﴿حكم النكاح مع الكتابية﴾

﴿اہل کتاب سے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ماقولكم(رحمكم الله)فى النكاح مع الكتابية سيمافى هذاالزمان عند فسادعقائدهم ؟زدناايضاحا زادكم الله صلاحا. المستفتى:رواج الدين نزيل الروس

﴿جواب﴾ان كانت الكتابية باقية على اصول معتقداتها كايمانها بنبى مرسل واقرارها بكتاب منزل وتسلمها الجنة والنار فالنكاح معها جائز وان كان لاينا سب لان الولد المتولد منهما يتخلق باخلاق الكفار بل لايخلو هذاالنكاح عن الفساد فى دين الزوج وان لم تكن باقية على اصول معتقداتها فهى دهرية لانكاح معها اصلا وهى الاغلب فى هذاالزمان.

لمافى الدرمع الرد:(۴۵/۳،طبع سعید)

(وصح نكاح كتابية)وان كره تنزيها (مؤمنة بنبى) مرسل (مقرة بكتاب) منزل وان اعتقدوا المسيح الٰها وكذا حل ذبيحتهم فى المذهب بحر.

وفى الشامية:(قوله كتابية)أطلقه فشمل الحربية والذمية والحرة والامة عن البحر (قوله وان كره تنزيها):اى سواء كانت ذمية او حربية فان صاحب البحر استظهر ان الكراهة فى الكتابية الحربية تنزهية فالذمية اولى اه ح قلت علل ذالک فى البحر بان التحريمية لابد لها من نهى أو ما فى معناه لأنها فى رتبة الواجب اه وفيه ان اطلاقهم الكراهة فى الحربية يفيد انها تحريمية قوله والاولى ان لايفعل يفيد كراهة التنزهية فى غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم فى الحربية تأمل.

ولمافى البحرالرائق:(۲۱۰/۳،طبع سعید)

(قوله والمجوسى شرمن الكتابى) لان للكتابى دينا سماويا بحسب الدعوى ولهذا تؤكل ذبيحته وتجوز مناكحة الكتابية بخلاف المجوس.

ولمافى الهداية:(۳۲۰/۲،كتاب النكاح طبع رحمانيه)

(ويجوز تزوج الكتابيات)لقوله تعالى والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب:اى العفائف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: معراج الدین

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۲۶۹

﴿زنا سے حاملہ عورت کے لئے نفس نکاح کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ رجل زنی بامراۃ فحبلت منه نعوذ بالله ویرید ذلک الزانی نکاحها هل یجوز له ذلک یعنی فی حالة الحمل؟ مستفتی : ملا قیام الدین

﴿جواب﴾ یجوز نکاح الحبلی من الزنا مطلقا سواء نکحها الذی زنی بها او شخص آخر الا انه اذا نکحها الذی زنی بها یحل له الوطی ایضا وان نکحها غیره فلا یحل له وطیها حتی تضع حملها.

لما فی البحر: (۱۰۶/۳ طبع سعید)

ای وحل تزوج الحبلی من الزنا ولا یحل تزوج الحبلی من غیر الزنا (ثم قال) ومحل الخلاف تزوج غیر الزانی أما تزوج الزانی فجائز اتفاقا وتستحق النفقة عند الکل ویحل وطؤها عند الکل.

ولما فی الفتاوی النوازل: (ص ۱۴۷ طبع حقانیه)

رجل زنی بامرأة فحبلت منه فلما استبان حملها تزوج الذی زنی بها جاز نکاحها منه لان الرحم مشغولة بمائه.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد غفرلہ ولوالدیہ

۲۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۲۲۲۶

﴿مسلمان مرد کا آغا خانی عورت سے نکاح﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ زید نے جو کہ خود سنی مسلمان ہے ایک اسماعیلی (آغا خانی) خاتون سے نکاح کیا حالانکہ زید کو اس بات کا علم ہے کہ آغا خانی عورت سے نکاح جائز نہیں ہے پھر بھی نکاح کر لیا اور لوگوں کے روکنے پر بھی نہ رکا، اب مسئلہ یہ ہے کہ اس عورت سے نکاح کا کیا حکم ہے؟ اگر نکاح صحیح نہیں ہوتو بچوں کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ نکاح درست نہ ہونے کی صورت میں تفریق کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مستفتی: شیر نواز چشتی

﴿جواب﴾ آغا خانی فرقہ اپنے کفریہ عقائد کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس لئے ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے، صورت مسئولہ میں زید کا نکاح اس آغا خانی خاتون سے صحیح نہیں ہوا اور بچے اپنی اصل فطرت کے لحاظ سے مسلمان ہیں اور مسلمان باپ کے نطفہ سے متولد ہیں اس لئے وہ باپ کے تابع رہیں گے اور باپ کی طرف منسوب ہونگے۔

اب تفریق کی صورت یہ ہے کہ زید اس آغا خانی خاتون سے علیحدگی اختیار کرلے لیکن اگر زید اس عورت کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہے تو لوگوں کو چاہیئے کہ وہ زید کو علیحدگی پر مجبور کردیں یا عدالت کے ذریعے سے تفریق کرادیں اور اگر یہ خاتون اپنے عقائد سے تائب ہوکر اسلام قبول کرلے تو تجدید نکاح کرکے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

لمافی التنویر مع الرد:(۱۲۵/۴،طبع امدادیه)وحرم نکاح الوثنية بالاجماع.

وفی الشامية:وفی الفتح:ویدخل فی عبدة الاوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التی استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنية والاباحية وفی شرح الوجیز وکل مذهب یکفر به معتقده.

ولمافی التنویر مع الرد:(۴/۲۷۰،۲۷۱،طبع امدادیه)(والولد يتبع خير الابوين دیناً)

وفی الشامية:قلت:یظهر لی الحکم بالاسلام للحديث الصحيح "کل مولود یولد علی الفطرة حتی یکون ابواه هما اللذان یهودانه أو ینصرانه" فانهم قالوا: انه جعل اتفاقهما ناقلا له عن الفطرة فاذا لم یتفقابقی علی اصل الفطرة اوعلی ماهواقرب الیها حتی لوکان احدهما مجوسیاً والاخر کتابیاً فهوکتابی کمایاتی،وهنالیس له ابوان متفقان فیبقٰی علی الفطرة ولا نهم قالوا: ان الحاقه بالمسلم منهما أو بالکتابی انفع له ولا شک ان النظر للحقيقة الجزئية انفع له. وأیضاً حیث نظر وا للجزئية فی تلک المسائل احتیاطاً فلینظر الیها هنا احتیاطاً ایضاً فان الاحتیاط بالدین اولیٰ ولان الکفر أقبح القبیح فلا ینبغی الحکم به علی شخص بدون أمر صریح.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۲۵ رجب ۱۴۲۷ھ   فتویٰ نمبر:۵۶۱

﴿عدت میں بیوی کی بہن سے نکاح جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی اس کی ابھی عدت پوری نہیں ہوئی اور وہ اپنی بیوی کی دوسری بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

مستفتی:محمد یاسر نیو کراچی

﴿جواب﴾ تین طلاقوں سے اگرچہ شوہر پر بیوی حرام ہوجاتی ہے لیکن جب تک عدت پوری نہیں گذرتی اس عورت کی بہن کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اس لیے کہ دوران عدت نکاح کے بعض احکامات باقی رہتے ہیں البتہ عدت گذرنے کے بعد چاہے تو نکاح کرسکتے ہیں۔

لما فی قوله تعالیٰ :(النساء ، الایة ۲۳)حرمت علیکم ۔ الی وان تجمعوا بین الاختین

ولما فی الهدایه:(۳۲۹/۲،فصل فی بیان المحرمات)

واذا طلق امرأته طلاقاً بائناً أو رجعیاً لم یجز له ان یتزوج باختها حتی تنقضی عدتها۔ان نکاح الاولی قائم لبقاء احکامه کالنفقة والمنع والفراش

ولما فی الهندیه:(۲۷۹/۱،طبع رشیدیه)

ولایجوز ان یتزوج أخت معتدته سواء کانت العدة عن طلاق رجعی أو بائن أوثلاث أو عن نکاح فاسد أو عن شبهة وکما لایجوز ان یتزوج واحدة من المحارم التی لایجوز الجمع بین اثنین منهن

ولما فی تنویر الابصار مع الدر :(۳۸/۳،طبع سعید)

وحرم الجمع بین المحارم نکاحاً وعدة ولو من طلاق بائن.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۵۸

﴿اپنی بیوہ ساس کے ساتھ نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں ایک شخص جس کا نام یٰسین ہے، کا نکاح باقاعدہ ایجاب وقبول کے ساتھ ہوا تھا اور اس کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اُس لڑکی کا انتقال ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد اس لڑکی کے والد بھی انتقال کر گئے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں یٰسین اپنی ساس (جو کہ اب بیوہ ہے) کیساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ پہلے سے اُن کے درمیان کوئی محرمیت کا رشتہ بھی نہیں ہے۔

مستفتی: تاج محمد لانڈھی کراچی

﴿جواب﴾ جب کوئی شخص کسی خاتون کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے تو اس عقدِ نکاح ہی سے اُس خاتون کی والدہ شخص مذکور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہیں، رخصتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، لہٰذا مسئولہ صورت میں یٰسین کا نکاح اپنی بیوہ ساس کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

لما فی بدائع الصنائع:(۲۵۸/۲،طبع سعید)

الفرقة الأولیٰ ام الزوجة وجداتها من قبل أبیها وأمها وان علون فیحرم علی الرّجل أم زوجته بنص الکتاب العزیز وهو قوله عزّوجل:(وأمهات نسائکم)معطوفاعلی قوله عزوجل حرمت علیکم أمهاتکم وبناتکم سواء کان دخل بزوجته اولم یدخل بها عندعامة العلماء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۸

﴿داماد ساس کے لئے محرم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری والدہ ماجدہ جنکی عمر ۶۰ سال ہے کیا وہ اپنے داماد یعنی میرے شوہر جنکی عمر ۱۵ سال ہے انکی محرم ہو سکتی ہے۔

﴿جواب﴾ ساس اپنے داماد کے لیے محرم ہی ہوتی ہے۔

لما فی قوله تعالی:(سورة النساء،پارہ:۴،آیت:۲۳)

حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم وأخواتكم وعماتكم وخلٰتكموبنات الأخ وبنات الاخت وامهاتكم التى ارضعنكم واخواتكم من الرضاعةوامهاتكم نسائكم الخ الأية.

ولما فی تفسیر ابن کثیر:(۲/۲۲۴،طبع:رشیدیه)

اما ام امراة فانها تحرم بمجرد العقد على بنتها سواء دخل بها او لم يدخل.

ولما فی روح المعانی:(۴/۲۳۲،طبع:رشیدیه)

(وامهاتكم نسائكم)شروع فى بيان المحرمات من جهة المصاهرة ....والمراد بالنساء المنكوحات على الاطلاق سوء كن مدخولاًبهن او لا وهو مجمع عليه عند الائمة الاربعة.

ولما فی البدائع الصنائع:(۲/۲۵۸)،طبع:سعید)

واما النوع الثانى فا لمحرمات بالمصاهرةأربع فرق الفرق الاولىٰ ام الزوجة وجداتها من قبل ابيها وامها وان علون فيحرم على الرجل ام الزوجة بنص الكتاب العزيز وهو قول تعالى وامهات نسائكم معطوفاً على قوله عزوجل حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم سواء كان دخل بزوجتها و كان لم يدخل بها عند عامة العلماء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۶۹۴

﴿مفقود شوہر کی بیوی کے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک پاکستانی آدمی جہاز میں سفر کر رہا تھا جہاز کو حادثہ ہوا اور آگ لگ گئی جس میں سوار تمام لوگ جل گئے اور لاشوں کی شناخت ناممکن ہوگئی اللہ کی قدرت سے صرف نو (۹) افراد زندہ بچ گئے شدید زخمی ہوئے جسم، کپڑے اور سامان وغیرہ سب کچھ جل گیا لیکن یہ لوگ زندہ تھے اس ملک کی حکومت نے علاج کیا کئی مہینوں کے بعد ہوش میں آئے لیکن حافظہ پھر بھی کام نہیں کر رہا تھا مزید علاج ہوا آخر کار انکے حافظہ اور تمام حواس نے صحیح کام کرنا شروع کر دیا زندہ بچ جانے والوں میں یہ پاکستانی مسلمان بھی تھا ادھر اس پاکستانی کے اہل خانہ اور دیگر

متعلقین نے یقین کرلیا کہ یہ شخص مرگیا ہے جسکی وجہ سے اسکی بیوی کے خاندان والوں نے اس کا نکاح دوسری جگہ کرادیا اور یہ نکاح صرف ایک عالم کے کہنے سے کیا نہ عدالت کے ذریعے اس آدمی کی موت کا فیصلہ کرایا اور نہ پنچائیت کے ذریعے، پوچھنا یہ ہے کہ یہ آدمی اپنی بیوی کو دوبارہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے آدمی سے جو نکاح ہوا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ خاتون حاملہ ہے تو اولاد کا کیا حکم ہوگا؟

مستفتی حاجی سید بشیر احمد شاہ ابو بکر مسجد فیزہ

﴿جواب﴾ اگر کسی عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مرگیا ہے تو ایسی صورت میں عورت اپنا مقدمہ شرعی عدالت میں دائر کرے جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمہ کا شرعی فیصلہ کرنیکا اختیار دیا ہو تو اس مسلم جج کے یہاں مقدمہ دائر کرے یا دیندار مسلمانوں کی پنچائیت میں (جو شریعت کے مطابق فیصلہ کر سکے) اپنا مقدمہ پیش کر کے جدائی کا مطالبہ کرے تو قاضی وغیرہ معاملہ کی پوری تحقیق و تفتیش کر کے عورت کو مزید چار برس انتظار کرنے کا حکم دے اگر عورت عرصہ دراز تک صبر کر کے عاجز و تنگ آگئی ہو اور مزید چار برس صبر نہ کرسکتی ہو فتنہ میں مبتلا ہونے کا نہایت قوی اندیشہ ہو تو ایسے خطرناک موقع پر فقط ایک سال انتظار کروا کر جدائی کر کے عدت طلاق گزار کر قاضی وغیرہ نکاح کی اجازت دے سکتے ہیں۔

صورت مسئولہ میں چونکہ دوسرا نکاح شریعت کے اصول کے مطابق نہیں ہوا ہے، اس لئے یہ نکاح شرعاً معتبر نہیں، لہذا یہ عورت بدستور پہلے شوہر کی بیوی ہے اور اس کے لئے تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا نکاح باقی ہے، البتہ شوہر کو چاہیئے کہ ازدواجی تعلق سے اجتناب کرے یہاں تک کہ وضع حمل ہو جائے، نیز واضح رہے کہ اولاد کا نسب دوسرے شوہر سے ثابت ہوگا اور اسی کے ذمہ اسکا نفقہ وغیرہ لازم ہوگا۔

لما في المبسوط: (۱۱/۲۷ مطبع بیروت)

لانها بمنزلة الموطوءة بالشبهة كما قال شمس الأئمة فعرفنا ان الصحيح انها زوجة الاول ولكن لا يقربها لكونها معتدة الغير كالمنكوحة اذا وطئت بشبهة. (حيله ناجزه)

ولما في الدر المختار: (۲/۵۱۷ باب العدة مطبع سعيد)

وللموطوءة بشبهة ان تقيم مع زوجها الاول وتخرج باذنه في العدة لقيام النكاح بينهما

انما حرم الوطی ایضاً.

ولمافی ردالمحتار:(۲۶۳/۲،طبع امدادیہ ملتان)

قال ثم بعد رأیت المرحوم أباالسعود نقله عن الشیخ شاهین ونقل أن زوجته له والأولاد للثانی تامل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۱۷ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:

﴿عیسائی عورت سے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک شخص جرمنی میں نیشنلٹی حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس ملک کے قانون کے مطابق نیشنلٹی حاصل کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہاں کسی مقیم عورت سے شادی کرلے تو کیا یہ شخص وہاں کسی عیسائی عورت سے نیشنلٹی حاصل کرنے کے لئے شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کے دل میں یہ نیت ہو کہ بعد میں طلاق دے دوں گا تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

﴿جواب﴾ شریعت کی رو سے اہل کتاب کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی آسمانی کتاب کے ماننے والے اور اسکی اتباع کے دعویدار ہوں جو لوگ کسی آسمانی کتاب کے ماننے والے نہ ہوں انکا حکم اہل کتاب کا نہیں ہے جیسا کہ موجودہ دور میں بعض یہود ونصاریٰ کی عادت ہوگئی ہے۔

لہٰذا ان کیساتھ نکاح جائز نہیں ہے، تاہم اگر تحقیق سے ثابت ہوجائے کہ یہ عورت واقعی عیسائی ہے تو اس کے ساتھ نکاح اگرچہ جائز ہے لیکن چند مفاسد کی وجہ سے مکروہ ہے، اسلئے پرہیز بہتر ہے مثلاً اولاد کے کافر ہوجانے کا اندیشہ، خود نکاح کرنے والے کے ایمان کا خطرہ میں پڑنا اور کفار کے طور طریقوں کا اختیار کرنا وغیرہ لیکن اگر نکاح کرنا ناگزیر ہے تو پھر کسی ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہیے جس کے مسلمان ہونے کا قوی امکان ہو تاکہ عنداللہ ماخوذ ہونے کے بجائے ماجور ہوجائے اگر دل میں طلاق کی نیت ہو اور زبان سے ذکر نہ کرے تو اس سے نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑتا لیکن گناہ ہوگا۔

لمافی المظهری:(۲۱/۳،طبع رشیدیه)

وقد انعقد الاجماع علی حل نکاح الحرة الکتابیة وانما الخلاف فی الامة الکتابیة کما ذکرنا فی سورة النساء لکنه یکره نکاح الکتابیة مطلقا اجماعاً لاستلزام النکاح مصاحبة الکافرة

وموالاتها وتعريض الولد على التخلق باخلاق الكفار لاجل مصاحبة الام وموانستها.

ولما في التنوير مع الدر:(۴۵/۳،طبع سعيد)

(وصح نكاح كتابية) وان كره تنزيها (مومنة بنبي) مرسل (مقرة بكتاب) منزل وان اعتقد واالمسيح الٰها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
واللہ اعلم: عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
فتویٰ نمبر: ۲۷۰

﴿نکاح پر نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک مطلقہ خاتون سے باقاعدہ گواہوں کی موجودگی میں ایک عالم دین سے نکاح پڑھوایا میں نے اس کو صحیح طریقے سے رکھا ہے تمام حقوق بجالا رہا ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کسی دوسرے ملک میں جا کر کسی دوسرے شخص کیساتھ نکاح کرلے گی کیا یہ ممکن ہے؟ یعنی مجھ سے طلاق لیے بغیر وہ کسی اور شخص کیساتھ ازدواجی تعلق قائم کرسکتی ہے؟

﴿جواب﴾ جب پہلا نکاح شرعاً صحیح ہے تو عورت کو یہ حق نہیں کہ دوسرا نکاح کرے جب تک آپ طلاق نہ دیں اگر دوسرا نکاح کیا تو یہ نکاح پر نکاح ہے جو قطعاً حرام ہے اور ایسی عورت سے کسی کا ازدواجی تعلق قائم کرنا زنا شمار ہوگا اور جو اولاد پیدا ہوگی وہ حرامی ہوگی۔

لما في قوله تعالىٰ:(سورة النساء،آيت ۲۴)﴿والمحصنت من النساء...... الأية.﴾

ولما في المظهري:(۲۴/۲،طبع رشيديه)

والمحصنٰت من النساء عطف على امهاتكم يعني حرمت عليكم المحصنٰت من النساء اى ذوات الازواج لا يحل للغير نكاحهن ما لم يمت زوجها او يطلقها وتنقضي عدتها من الوفات او الطلاق.

ولما في التاتارخانية:(۸/۳،طبع قديمي)

ولا يجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل.

ولما في الهندية:(۲۸۰/۱،رشيديه)

لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة.

ولما في الشامي:(۱۳۲/۳،طبع سعيد)

اما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة ان علم انها للغير لانه لم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلا.قال:فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا

یجب الحد مع العلم بالحرمة لانه زنی کما فی القنیة وغیرها اھ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ

۲ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۰۵

﴿سوتیلی ماں کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سوتیلی ماں کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد عثمان ایبٹ آباد

﴿جواب﴾ سوتیلی ماں کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ نہ ہو کیوں کہ یہ محرمات میں داخل نہیں بلکہ یہ احل لکم ما وراء ذلکم (سورۃ النساء آیت ۲۴) کے زمرہ میں آتی ہے۔

لما فی البحر الرائق: (۱۸/۳ طبع سعید)

لا باس ان یتزوج الرجل امراۃ ویتزوج ابنه امها او بنتها لانه لا مانع وقد تزوج محمد بن الحنفیه امراۃ وزوج ابنه بنتها.

ولما فی الشامی: (۱۰۵/۳ طبع امدادیه)

واما بنت زوجة ابیه او ابنه فحلال وکذا بنت ابنها بحر: قال: الخیر الرملی: ولا تحرم بنت زوج الام ولا امه ولا ام زوجة الاب ولا بنتها ولا ام زوجة الابن ولا بنتها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ سبحانہ اعلم: افتخار احمد کلکتی

۲۴ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۶۰

﴿اپنے باپ کی منگیتر سے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک چچازاد بھائی ہے، دو سال پہلے اسکی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا پھر اسکے والد نے ایک جوان لڑکی سے منگنی کی لیکن شادی سے پہلے پہلے میرے چچا کا بھی انتقال ہوگیا، اب میرا چچازاد بھائی چاہتا ہے کہ اپنے باپ کی اس منگیتر سے شادی کرلے کیا شرعاً اسکے لئے یہ جائز ہے؟ مستفتی: گل زمان

﴿جواب﴾ منگنی اگرچہ باقاعدہ نکاح نہیں ہے لیکن عام لوگوں کی نظر میں نکاح سے کم بھی نہیں ہے بلکہ منگنی میں بعض اوقات ایسی صورتیں پیش آجاتی ہیں کہ غیر شعوری طور پر نکاح بھی ہوجاتا ہے مثلاً معروف صیغوں کے علاوہ ایجاب وقبول کے صیغوں کا استعمال اور منگنی کی صورت

میں دونوں طرف سے ایسے صیغوں کا زبان پر جاری ہونا بعید نہیں ہے، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ نکاح نہ کیا جائے۔

لما فی قوله تعالیٰ:(پ۴،سورۃ النساء،آیت ۲۲)﴿ولا تنكحوا ما نكح آباء كم من النساء..... الأية.﴾

ولما فی الهندية:(۱/ ۲۷۴،طبع رشيديه)

نساء الآباء والاجداد من جهة الاب اولام وان علوا فهولاء محرمات على التابيدنكاحا ووطأ كذا في الحاوي القدسي.

ولما في الشامي:(۳/ ۱۱ طبع سعيد)

لوقال هل اعطيتنيها فقال اعطيت ان كان المجلس للوعد فوعدوان كان للعقد فنكاح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب: اسرار عزیز

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ فتوی نمبر: ۱۰۱۹

﴿رضاعی ماموں کے ساتھ نکاح جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فاطمہ کی تین بیٹیاں ہیں رقیہ، عائشہ اور آمنہ۔ آمنہ کا بیٹا ہے احمد اس نے فاطمہ کا دودھ پی لیا ہے کیا وہ عائشہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ احمد از روئے نسب فاطمہ کا نواسہ ہے۔ لیکن دودھ پینے کی وجہ سے فاطمہ کا رضاعی بیٹا بھی قرار پاتا ہے اور فاطمہ کی تمام اولاد کیلئے رضاعی بھائی قرار پاتا ہے لہذا احمد چونکہ عائشہ کی تمام اولاد کیلئے رضاعی ماموں ہے اسلئے احمد کے ساتھ عائشہ کی کسی بھی لڑکی کا نکاح جائز نہیں ہے۔

لما في بدائع الصنائع ۵/ ۱۲ طبع دار الكتب العلمية

اما تفسير الحرمة من جانب المرضعة،فهو ان المرضعة تحرم على المرضع لانها صارت اما له بالرضاع فتحرم عليه.....وكذا بناتها يحرمن عليه.سواء كن من صاحب اللبن او من غير صاحب اللبن من تقدم منهن ومن تاخر،لانهن اخواته من الرضاعة،وكذا بنات بناتها وبنات ابنائها وان سفلن لانهن بنات اخ المرضع واخته من الرضاعة وهن يحرمن من النسب كذا من الرضاعة

ولما في العالمكيرية ۱/ ۳۴۳ طبع رشيدية

يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا حتى ان المرضعة لو ولدتا من هذا الرجل او غيره قبل هذا الارضاع او بعده اوارضعت رضيعا اوولد لهذا الرجل من غير هذه المرأة قبل هذا الارضاع اوبعده او ارضعت امرأة من

لبنه رضيعا فلكل اخوة الرضيع واخواته واولادهم اولاد اخوته واخواته ۔الخ

ولما فی فتاوی قاضیخان : ۱/۳۶۱/طبع قدیمی

الرضاع فی اثبات حرمة المناكحة بمنزلة النسب والصهرية كما ان الحرمة بالنسب اذا ثبتت فی الامهات والبنات تتعدى الى الجدات والنوافل .فكذا اذا ثبتت بالرضاع تتعدى الى اصول المرضعه وفروعها واخوتها واخواتها الى الاخر .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: شفقت اللہ

۲۰ اربیع الاول ۱۴۳۵ھ　　　فتوی نمبر: ۳۹۸۶

﴿بھتیجی اور بھانجی کی بیٹیاں محرم ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اپنی سگی بھتیجی اور بھانجی کی بیٹیوں کیلئے محرم ہوں یا غیر محرم؟ اور یہ بھی بتادیں کہ ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو کلر (رنگ) سے رنگنا جائز ہے یا نا جائز؟　　　مستفتی: اویس دہلی کالونی کراچی

﴿جواب﴾ آپ اپنی بھتیجی اور بھانجی کی بیٹیوں کیلئے محرم ہیں اور ان سے آپ کا پردہ نہیں ہے۔

لما فی قوله تعالى:(سورة النساء، آیت ۲۳)

﴿حرمت عليكم امهتكم وبنتكم واخواتكم وعماتكم وخالتكم وبنات الاخ وبنات الاخت﴾

ولما فی المظهری:(۲/۵۶ طبع رشیدیه)

(وبنات الاخ وبنات الاخت)يعنى فروع الاخ والاخت بناتهما وبنات ابنائهما وبنات بناتهما وان سفلن.

ولما فی التنویر مع الدر (۳/۱۰۰ طبع امدادیه ملتان)

حرم على المتزوج ذكراكان اوانثى نكاح (اصله وفروعه)علااونزل(وبنت اخيه واخته وبنتها)

(۲) ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو کالے رنگ کے علاوہ دوسرے رنگ کیساتھ رنگنا جائز ہے چاہے وہ خضاب کے ذریعے سے ہو یا کسی کیمیکل کیساتھ، کالے رنگ کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایسا شخص جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔

لما فی سنن أبی داؤد:(۲/۲۲۶ طبع امدادیه)

عن ابن عباس ؓ قال قال رسول الله ﷺ يكون قوم يخضبون فی آخر الزمان كحواصل الحمام لايريحون رائحة الجنة.

ولما فی الهندية:(۳۵۹/۵،طبع رشيديه)

اتفق المشائخ ان الخضاب فی حق الرجال بالحمرة سنة وانه من سيماء المسلمين وعلاماتهم ..... وعن الامام ان الخضاب حسن ولكن بالحناء والكتم والوسمة واراد به اللحية وشعر الراس والخضاب فی غير حال الحرب لاباس به فی الأصح كذافی الوجيز للكردری.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب: محمد حسین

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۸۳۵

﴿فصل فی حقوق الزوجة والنفقة﴾

﴿بیوی کے حقوق اور خرچہ کا بیان﴾

﴿حالت حیض میں بیوی کے لیے حق بیتوتت ثابت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں، ایک حالت حیض میں ہے تو کیا قسم یعنی بیتوتت میں اس کا حق ہے یا ساقط ہو چکا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ حیض کی وجہ سے بیوی کا حق بیتوتت (رات گزارنے کا حق) ساقط نہیں ہوتا، لہٰذا حائضہ کی باری میں دوسری بیوی کے پاس رات گزارنا حائضہ کی اجازت پر موقوف ہے، وہ اجازت دے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے اجازت نہ دے تو دوسری کے پاس رات گزارنا جائز نہیں ہوگا۔

لما فی التنوير والدر:(۲۰۱/۳تا۲۰۵،طبع سعيد)

(يجب)وظاهر الرواية انه فرض نهر (ان يعدل)ای لا يجوز (فيه)ای فی القسم بالتسوية فی البيتوتة (وفی الملبوس والماكول)والصحبة (لا فی المجامعة)كالمحبة بل يستحب(بلا فرق بين فحل وخصی وعنين ومجبوب ومريض وصحيح)وصبی دخل بامرأته وبالغ لم يدخل بحر بحثاً وأقره المصنف ومريضة وصحيحة (وحائض وذات نفاس ومجنونة لا تخاف ورتقاء وقرناء)وصغيرة يمكن وطؤها .

ولما فی الهندية:(۳۴۰/۱،قديمی كتب خانه)

ومما يجب على الازواج للنساء العدل والتسوية بينهن فيما يملكه والبيتوتة عندها للصحبة والموانسة لا فيما لا يملك وهو الحب والجماع فيسوی بين الجديدة والقديمة والبكر والثيب والصحيحة والمريضة والرتقاء والمجنونة اللتی لا يخاف منها والحائض والنفساء والحامل والحائل والصغيرة التی يمكن وطؤها والمحرمة والمولی منها .

ولما فی البحر الرائق:(۲۱۹/۳،طبع سعيد)

(قوله والبكر كالثيب والجديدة كالقديمة والمسلمة كالكتابية فيه)ای فی القسم لان

القسم من حقوق النکاح ولا تفاوت بینهما فی ذلک ...... وکما لا فرق بین ما ذکر ومقابلیهن لا فرق بین المجنونة التی لا یخاف منها والمریضة والصحیحة والرتقاء والحائض والنفساء والصغیرة التی یمکن وطؤها۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق ابکی

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿حلالہ کیلئے انزال ہونا ضروری نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا حلالہ کیلئے صرف دخول شرط ہے، یا انزال کا ہونا بھی ضروری ہے؟ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ حلالہ کیلئے نکاح کے بعد صرف دخول شرط ہے، انزال ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

لما فی الهندیة: (۱/۴۷۳، طبع رشیدیہ)

اما الا انزال فلیس بشرط لـلا حلال واذا وطئها انسان بالزنا او شبهة لا تحل لزوجها لعدم النکاح

ولما فی الفتاوی التاتا رخانیه: (۴/۲۲۵، طبع قدیمی)

وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة او ثنتین فی الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها والشرط الا یلاج دون الا نزال

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿بیوی کے مہر، علاج اور بچے کی رضاعت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم دو بہنوں کی شادی ایک گھر میں ہوئی ہے، ہمارے سسرال والوں نے شروع دن سے ہمارے ساتھ ناروا سلوک رکھا یہاں تک کہ مہر میں دیا ہوا زیور بھی چھین لیا، میری ایک بیٹی پیدا ہوئی انھوں نے نہ تو کسی دائی کو بلایا اور نہ ہی مجھے ہسپتال لے گئے، اسکے علاوہ بیماری کی صورت میں بھی علاج نہیں کرواتے، بچی کی پیدائش کے تین دن بعد میرے گھر والے مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور بچی کو شوہر کے سپرد کر دیا، تقریباً (۲۰) دن بعد بچی کا انتقال ہو گیا۔

اب ہماری صلح تو ہو چکی ہے لیکن میرا شوہر مجھے بچی کا قاتل کہہ کر پکارتا ہے کہ تیرا دودھ نہ

پلانے کی وجہ سے بچی فوت ہوئی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا اسکا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا دودھ پلانا میرے لئے ضروری تھا یا نہیں؟

مستفتی: شاہد محمود

﴿جواب﴾ (۱) مہر عورت کا حق ہے جسکی ادائیگی شوہر کے ذمہ واجب ہے، شوہر یا اسکے گھر والوں کا زبردستی مہر چھین کر اپنے پاس رکھنا درست نہیں ہے، لہٰذا عورت کو مہر کے مطالبہ کا حق ہے عدم ادائیگی کی صورت میں شوہر ظالم کہلائے گا بلکہ بعض احادیث میں ایسے شوہر کو زانی سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: (سورة النساء، آیت ۴): ﴿واتو النساء صدقتهن نحلة..... الآية﴾.

ولما فی البدائع: (۲/۲۷۵، طبع ایچ ایم سعید)

اذا طلبت الفرض من الزوج يجب عليه الفرض حتى لو امتنع فالقاضي يجبره على ذلک ولو لم يفعل ناب القاضي منابه في الفرض.

ولما فی الترغیب والترهیب: (۲/۵۸٦ طبع حقانیه)

ايما رجل تزوج امرأة على ما قل من المهر او كثر ليس في نفسه ان يودي اليها حقها خدعها فمات ولم يودّ اليها حقها لقي الله يوم القيمة وهو زان.

(۲) ولادت پر ہونے والے جملہ اخراجات شوہر پر لازم ہیں، البتہ ہسپتال لے جانا اس وقت ضروری ہوگا جب بیوی یا پیدا ہونے والے بچے کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو، عام حالات میں ہسپتال لے جانا مناسب ہے، اسی طرح عام بیماری کی صورت میں علاج شوہر پر اگرچہ شرعاً لازم نہیں ہے لیکن میاں بیوی کے باہمی تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر اس ذمہ داری کو بھی پورا کرے۔

لما فی الدر المختار: (۳/۵۷۹-۵۸۰ طبع سعید)

وفيه اجرة القابلة على من استاجرها من زوجة وزوج ولو جاءت بلا استئجار قيل عليه، وقيل عليها.

وفي الشامية: ويظهر لي ترجيح الاول لان نفع القابلة يعود الى الولد فيكون على ابيه. تأمل.

ولما في الدر مع الرد: (۳/۵۷۵، طبع سعيد) كما لا يلزمه مداواتها.

وفي الشامية: اى اتيانه لها بدواء المرض ولا اجرة الطبيب ولا الفصد ولا الحجامة.

(۳) اگر بچی کا انتقال طبعی موت یا بیماری کی وجہ سے ہوا ہو تو مذکورہ شخص کا اپنی اہلیہ کو اسکی موت کا ذمہ دار ٹھہرانا درست نہیں ہے، البتہ دودھ نہ پینے کی وجہ سے بچی فوت ہوئی ہو تو ماں گنہگار ضرور ہوئی ہے لیکن شوہر کا اسے قاتل قرار دے کر ساری ذمہ داری اس پر ڈالنا صحیح نہیں ہے

کیونکہ اس میں جہاں ماں کی غفلت اور لا پرواہی ہے، وہاں باپ کا اپنی اہلیہ کیساتھ نامناسب سلوک بھی اسکا سبب ہے۔

لہذا صلح کے بعد طعن وتشنیع اور ملامت کے بجائے دونوں پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کرتے رہیں اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کر کے گھر بسانے کی کوشش کریں تا کہ آئندہ ایسی صورت پیش نہ آئے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة البقرة،آیت ۲۳۳):﴿لا تضار والدة بولدها ولا مولود له بولده......الآية.﴾

(۴) بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے، خصوصا جب باپ کیلئے دوسری عورت کا بندوبست کرنا ممکن نہ ہو یا بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیتا ہو تو ایسی صورت میں دودھ پلانے کیلئے ماں ہی متعین ہے، نہ پلانے کی صورت میں گنہگار ہوگی۔

لمافی التنویر مع الدر:(۶۱۸/۳،طبع سعید)

(وليس على امه ارضاعه)قضاء بل ديانة(الا اذا تعينت)فتجبر كما مر في الحضانة.

وفي الشامية:قوله الا اذا تعينت بان لم يجد الاب من ترضعه او كان الولد لا ياخذ ثدي غيرها وهذا هو الاصح.

ولمافی الشامی:(۶۱۹/۳،طبع ایچ ایم سعید)

قلت:وتحقيقه ان فعل الارضاع واجب عليها ومؤنته على الاب لانها من جملة نفقة الولد ففي حال الزوجية والعدة هو قائم بتلك المؤنة لا بعد البينونة ،فتجب عليه بعدها وان وجب على الام ارضاعه.

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عبد الحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر :۱۲۳۱

﴿نافرمان بیوی اگر نرمی سے نہیں رکتی تو سختی کرنے کی بھی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی ۲۰۰۸ء میں اجالہ فرخ بنت سید جواد شاہ سے ہوئی تھی جس سے میرا ایک بیٹا بھی ہے، میں نے اپنی اہلیہ کو الگ گھر میں رہائش دی ہے، اور اس کی تمام ضروریات پوری کرتا ہوں، اور اسکو ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود وہ بچے اور گھر کو چھوڑ کر اپنے والدین کے گھر چلی جاتی ہیں اور مجھ سے بلاوجہ رشتہ ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے صرف ایک وجہ مجھے معلوم ہے کہ اس والد

اور بھائی خود کام نہیں کرتے اور لڑکیوں سے کام کرواتے ہیں چنانچہ اس کی ایک اور بیس سال کی جوان لڑکی ہے اس سے فیشن ڈیزائنر کا کام بازار میں کرواتے ہیں، اور میری بیوی کی والدہ آرٹی فیشل کا اسٹال لگاتی ہے اور اس اسٹال پر میری بیوی کو بیٹھاتی ہیں اسٹال پر مرد، عورت ہر طرح کے لوگ آتے ہیں وہ لوگ اس کو کوئی عیب نہیں سمجھتے جبکہ میں اس کو غیرت کے خلاف جانتا ہوں، ایسی صورت میں شریعت میری بیوی اور اس کے والدین کو کیا حکم دیتی ہے؟ مستفتی: فرخ پٹیل

﴿جواب﴾ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت ہر ایک پر اس کے فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذمہ داریاں عائد کی ہیں، چنانچہ بیوی اور چھوٹے بچوں کے علاوہ بوڑھے اور ضعیف والدین کا نان ونفقہ بھی مرد کے ذمہ عائد کیا ہے گرمی ہو یا سردی، آسانی ہو یا مشکلات، مرد ہی کو کمانا ہے، عورت باہر کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہے عورت کے ذمہ گھر کے اندرونی ذمہ داریاں ہیں بچوں کی تربیت، شوہر کی خدمت، اپنی اور شوہر کی عزت کا خیال رکھنا وغیرہ، اور یہ تمام اسکی فطرت کے موافق ہیں، عورت اپنی فطرت اور مزاج کے اعتبار سے نرم ونازک ہے گھر سے باہر کی مشقتوں کی متحمل نہیں ہے، جو لوگ گھر سے باہر کے کام بھی عورتوں سے لیتے ہیں وہ بڑا ظلم کرتے ہیں گویا فطرت کا مقابلہ کرتے ہیں جس کے نتائج انتہائی خطرناک ثابت ہوتے ہیں، آپ کی بیوی کو گھر کے اندر والدین کی خدمت کا اگر موقع ملے تو بیشک کرتی رہے بڑی سعادت کی بات ہے لیکن مارکیٹ میں آرٹی فیشل اسٹال پر بیٹھنا ہرگز جائز نہیں اسی طرح آپ کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا بالکل جائز نہیں ہے، احادیث میں ہے کہ ایسی عورت پر بڑی لعنت ہوتی ہے جو گھر سے شوہر کی اجازت کے بغیر نکلتی ہے، آپ اپنی بیوی کو نرمی سے سمجھائیں اس کے باوجود اگر باز نہیں آتی تو شرعاً ایسی بیوی کو زبردستی اور سختی سے بھی روکنے کی گنجائش ہے۔

لما فی قوله تعالى (سورة النساء آية ۳۴)

﴿والتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن، فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا، ان الله كان عليا كبيرا.﴾

ولما في المشكوة (۱۰۰/۱، طبع: سعيد كراچی)

عن أبي امامة قال قال رسول الله ﷺ ثلاثة لا تجاوز صلاتهم اذانهم العبد الأبق حتى يرجع وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط وامام قوم وهم له كارهون، رواه الترمذي.

و لما فی الهدایة اولین (ص ۴۴۲ طبع رحمانیه) و ان نشزت فلا نفقة لها حتی تعود الی منزله۔

و لما فی البحر الرائق (۴۹/۵ طبع : سعید)

قال الولوالجی فی فتاواه للزوج أن یضرب زوجته علی اربعة أشیاء، و ما فی معناها ......و منه ما اذا کشفت وجهها لغیر المحرم أو کلمت اجنبیاً أو تکلمت عامداً مع الزوج أو شاغبت معه لیسمع صوتها الاجنبی۔

و لما فی الدر المختار مع الشامی (۲۰۸/۳ طبع : سعید)

(و حقه علیها ان تطیعه فی کل مباح یأمرها به) ظاهره أنه عند الامر به منه یکون واجباً علیها کأمر السلطان الرعیة به۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار غفرلہ ولوالدیہ

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۵۶۷

﴿بیوی کا زیادہ عرصہ جدا رہنے سے نکاح متاثر نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ میری بیوی عرصہ چار سالوں سے اپنے میکے چلی گئی ہے اور اپنے دو بہن بھائیوں کے ہمراہ اپنے خالو (جو کہ نامحرم ہیں) ان کے ساتھ رہتی ہے میں نے بہت کوشش کی کہ وہ میرے پاس آجائے لیکن وہ آنے کو تیار نہیں ہے اور جن کے پاس وہ رہتی ہے وہ کہتے ہیں چونکہ تمہارا چار سال سے بیوی سے کوئی تعلق نہیں رہا، اسلئے تمہارا نکاح ختم ہوگیا ہے، براہِ کرم مجھے شریعت مطہرہ کی روشنی میں بتائیں کہ کیا واقعی میرا نکاح ختم ہوگیا ہے؟ مستفتی: ضیاء اللہ

﴿جواب﴾ جب آپ نے اپنی اہلیہ کو طلاق نہیں دی ہے یا ایسے کوئی الفاظ بھی آپ نے نہیں کہے ہیں کہ جن سے طلاق واقع ہو جائے تو آپ کا نکاح بالکل ختم نہیں ہوا بلکہ مکمل طور پر برقرار ہے، یاد رہے کہ بیوی کے میکے میں طویل عرصہ رہنے سے نکاح متاثر نہیں ہوتا۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۳۰ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۲۳۳

﴿بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیویوں کے درمیان برابری کس چیز میں ضروری ہے؟ مستفتی: محمد طاہر صوابی

﴿جواب﴾ ایک سے زائد بیویاں جس کی ہوں تو شوہر پر لازم ہے کہ وہ ان کے درمیان

تمام سہولیات میں برابری قائم رکھے مثلاً، کھانے پینے کی اشیاء میں رہائش ولباس میں اور رات گذارنے میں وغیرہ، البتہ غیر اختیاری چیزوں میں مساوات قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔

مثلاً محبت اور جماع انسان کے اختیار میں نہیں ہے، اس لئے ایسی چیزوں میں مساوات قائم رکھنا ضروری نہیں ہے اور اختیاری چیزوں میں مساوات قائم رکھنا اگرچہ ممکن ہے لیکن مشکل ضرور ہے، اس لئے احتیاطاً معاف کرانا چاہیئے بیوی معاف کردے تو یہ اس کا اپنا حق ہے معاف کرسکتی ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲۰۱/۳، ۲۰۲ طبع سعید)

(یجب أن یعدل فیه) أی فی القسم بالتسویة فی البیتوتة (وفی الملبوس والمأکول) والصحبة (لافی المجامعة) کالمحبة بل یستحب.

ولمافی الشامی:(۲۰۲/۳ طبع سعید)

قوله لافی المجامعة لأنها تبتنی علی النشاط ولا خلاف فیه.

ولمافی الهندیة:(۳۴۰/۱ طبع رشیدیه)

ومایجب علی الازواج للنساء العدل والتسویة بینهن فیمایملکه والبیتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لافیمالایملک وهوالحب والجماع..... فیسوّی بین الجدیدة والقدیمة والبکر والثیب والصحیحة والمریضة والرتقاء والمجنونة التی لایخاف منها والحائض والنفساء والحامل والحائل والصغیرة التی یمکن وطؤها.

ولمافی البحر الرائق:(۲۱۸/۳ طبع ایچ ایم سعید)

والمراد به هنا التسویة بین المنکوحات والأصل فیه ان الزوج مأمور بالعدل فی القسمة بین النساء بالکتاب قال الله تعالی ولن تستطیعوا أن تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل، معناه لن تستطیعوا العدل والتسویة فی المحبة فلا تمیلوا فی القسم

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱۱۲

﴿خاوند کتنا عرصہ بیوی سے جدا رہ سکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خاوند (علم، تبلیغ یا تجارت وغیرہ کی غرض سے) کتنے عرصے تک اپنی بیوی سے جدا رہ سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ عام حالات میں چار ماہ سے زیادہ عرصہ کیلئے بیوی سے جدا رہنا مناسب نہیں ہے، البتہ دینی تقاضا ہو اور بیوی کیلئے نفقہ کا انتظام بھی کیا ہو، نیز اس کے بارے میں شوہر کو

اطمینان ہو کہ کسی فتنہ میں مبتلاء نہ ہوگی تو ایسی صورت میں مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، زیادہ عرصہ کیلئے بھی جدا رہ سکتا ہے، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے دور میں اسکی مثالیں موجود ہیں۔

لمافی ردالمحتار:(۳۷۹/۲ طبع امدادیہ)

ولا یبلغ مدة الایلاء الا برضاها...... لا ینبغی أن یطلق نه مقدار مدة الایلاء وهو أربعة أشهر...... ویؤید ذلک أن عمر رضی الله عنه لما سمع فی اللیل امرأة تقول:

فوالله لولا الله تخشیٰ عواقبه ☆ لزحزح من هذا السریر جوانبه

فسأل عنها فاذا زوجها فی الجهاد فسأل بنته حفصة "کم تصبر المرأة عن الرجل؟

فقالت: أربعة أشهر. فأمر امراء الأجناد أن لا یتخلف المتزوج عن أهله أکثر منها ولو لم یکن فی هذه المدة زیادة مضارة بها لما شرع الله تعالیٰ الفراق بالایلاء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: ابوخزیمہ محمد کفایت اللہ

فتویٰ نمبر: ۱۴۲۷ھ

﴿بیوی کے لئے بلا عذر شوہر کو حق زوجیت سے انکار جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا بیوی طبیعت کے معمولی خراب ہونے یا موڈ نہ ہونے کی بنا پر شوہر کو حق زوجیت دینے سے انکار کر سکتی ہے، کیا شوہر اپنے حق کے حصول کے لئے بیوی پر دباؤ ڈال سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ طبیعت کی معمولی خرابی یا موڈ نہ ہونے کیوجہ سے بیوی کیلئے حق زوجیت دینے سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، البتہ حیض یا نفاس ہو یا واقعی کوئی ایسی بیماری ہو جسکی وجہ سے وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے سخت تکلیف یا نقصان کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بجائے انکار کے معذرت کرنے کی گنجائش ہے اور شوہر کو بھی چاہیئے کہ بیوی کی طبیعت کا لحاظ رکھے۔

لمافی احیاء علوم الدین:(۵۰/۲ طبع دار المعرفة بیروت)

(قال ﷺ لا یقعن احدکم علی امرأته کما تقع البهیمة علی البهیمة ولیکن بینهما رسول قیل وما الرسول یا رسول قال القبلة والکلام) وقال ﷺ ثلاث من العجز فی الرجل ...... والثالث: أن یقارب الرجل جاریته فیصیبها قبل ان یحدثها ویؤانسها.

بغیر کسی عذر کے بیوی انکار کرے تو شوہر کو دباؤ ڈالنے کا حق حاصل ہے، احادیث میں ایسی عورت کے لئے جو بغیر کسی عذر کے جماع سے انکار کرے سخت وعیدیں آئی ہیں، اسکا اندازہ آپ ان احادیث سے کر سکتے ہیں:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر میں آنے کے لئے بلائے پس وہ

عورت انکار کردے اور شوہر بحالت ناراضگی میں رات گزارے تو اس عورت پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہو جائے اور ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو اپنی ضرورت (جماع) کیلئے بلائے تو اسکو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کی طرف جائے اگرچہ وہ تنور پر ہو۔

لمافی المرقاۃ:(۲۶۱/۶طبع رشیدیہ)

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا دعا الرجل امرأته الى فراشه فأبت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح.

ولما فيه ايضا:(۲۶۹/۶طبع رشیدیہ)

عن طلق بن على قال قال رسول الله ﷺ اذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتأته وان كانت على التنور.

ولما في فقه العنقى:(۲۸۲/۲طبع دار الكلم الطيب)

بخلاف ما اذا امتنعت من التمكين في بيت الزوج فلا تزول النفقة لوجود الاحتباس والزوج يقدر على الوطء كرها واذا كان الزوج معها في بيتها فمنعته من الدخول عليها كانت ناشزة.

ولما في بدائع الصنائع:(۳۳۴/۲طبع سعيد)

ومنها وجوب طاعة الزوج على الزوجة اذا دعاها الى الفراش لقوله تعالى ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف قيل لها المهر والنفقة وعليها ان تطيعه في نفسها وتحفظ غيبته ولان الله عزوجل امر بتأديبهن بالهجر والضرب عند عدم طاعتهن.

ولما في الاشباه:(۱۷۵/۱طبع قديمى)

للزوج ان يضرب امرأته على اربع وما بمعناها.....وعلى عدم اجابتها الى فراشه وهى طاهرة من الحيض والنفاس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۲۵صفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۹۲۱

﴿بیوی کو والدین کی زیارت کیلئے کتنے عرصہ بعد اجازت دینا ضروری ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی اپنے والدین کی زیارت کیلئے کتنے عرصہ کے بعد جا سکتی ہے؟ کیا والدین کے پاس جانے کیلئے خاوند کی اجازت ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ عام حالات میں ہفتہ میں ایک بار والدین کی زیارت کیلئے بیوی کو اجازت دینی چاہئے، اور والدین خود بیٹی کے پاس آسکیں تو یہ زیادہ بہتر ہے، اسلئے کہ جوان عورت کیلئے

جہاں تک ہوسکے گھر سے باہر نہ نکلے، اور والدین اگر بیمار ہیں اور انکو اپنی لڑکی سے خدمت لینے کی ضرورت ہے اور اس کے باوجود شوہر بلا وجہ اجازت نہ دے تو بغیر اجازت کے بھی جا سکتی ہے، اور والدین دور ہوں تو علاقہ اور برادری کے عرف کیمطابق جلدی یا تأخیر سے بیوی کو اپنے والدین وغیرہ سے ملنے کی اجازت دینی چاہیے۔

لما فی صحیح البخاری: ۱/۱۲۰ طبع قدیمی)

عن سالم بن عبد الله عن ابيه عن النبي ﷺ قال اذا استأذنت امرأة احدكم فلا يمنعها .

ولما فی عمدة القاری:(۲۳۰/۶ طبع رشیدیه)

وهذا معناه العموم ،وفي معنى هذا الأذن للخروج الى العيد وزيارة قبر ميت لها واذا كان حق عليهن ان يأذنوافيما هو مطلق لهن الخروج فيه ،فالأذن لهن فيما هو فرض عليهن او يندب الخروج اليه اولى ،كخروجهن لأداء شهادة له منهن ،ولأدا فرض الحج وشبهه من الفرائض،او لزيارة آبائهن وأمهاتهن وذوى محارمهن.

ولما فی الدر المختار مع الشامی :۳/۶۰۲ طبع سعید)

(ولا يمنعها من الخروج الى الوالدين)في كل جمعة ان لم يقدرا على أتيانها على مااختاره في الاختيار)الذى رأيته في الاختيار شرح المختار:هكذا قول لا يمنعها من الخروج الى الوالدين وقيل يمنع ،ولا يمنعهما من الدخول اليها في كل جمعة وغيرهم من الاقارب في كل سنة هو المختار ،نعم ماذكره الشارح اختاره في فتح القدير حيث قال :وعن ابي يوسف في النوادر تقييد خروجها بأن لا يقدرا على أتيانها ،فان قدرا لاتذهب وهو حسن ،وقد اختار بعض المشايخ منعها من الخروج اليهما .والحق الاخذ بقول ابي يوسف اذا كان الابوان بالصفة التى ذكرت ،والا ينبغي ان يأذن لها في زيارتهما في الحين بعد الحين على قدر متعارف ،اما في كل جمعة فهو بعيد ،فان في كثرة الخروج فتح باب الفتنه خصوصا اذا كانت شابة والزوج من ذوى الهنيات ، بخلاف خروج الأبوين فانه أيسر ، في البحر انه الصحيح المفتى به من انها تخرج للوالدين في كل جمعة باذنه وبدونه وللمحارم في كل سنة مرة بأذنه وبدونه .

ولما في البحر الرائق :۳/۱۹۵ ،طبع سعید)

الصحيح انه لايمنعها من الخروج الى الوالدين ولا يمنعهما من الدخول عليها في كل جمعة وفي غيرهما من المحارم في كل سنة وانما يمنعهم من الكينونة عندها وعليه الفتوى كما في الخانية ،وقد استفيد مما ذكرنا ه ان لها الخروج الى زيارة الابوين والمحارم فعلى الصحيح المفتى به تخرج للوالدين في كل جمعة باذنه وبغير اذنه ولزيارة المحارم في كل سنة مرة باذنه وبغير اذنه .

ولما في النهر الفائق:(۲/۵۱۵، طبع قدیمی)

لكن الاصح انه لايمنع الاب والام من الدخول عليها ولا تمنع هي من خروجها اليهما في

کل جمعة وفی غیرهما من المحارم فی کل سنة وانما یمنعهم من البیتوتة عندها وعلیه الفتوی ولو کان ابوها زمنا مثلا وهو محتاج الی خدمتها وهو یمنعها کان علیها ان تعصیه مسلما کان الاب او کافرا ،قالوا بوله ان یأذن لها فی الخروج الی زیارة الابوین وعیادتهما وتعزیتها او احدهما وزیارة المحارم فان وقعت لها نازلة فسأل الزوج عنها واخبرها بحکمها لاتخرج وان امتنع خرجت بلا اذن ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۸۲

﴿دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکے کی شادی کو کئی سال ہو چکے ہیں اور اس کے دو بچے بھی ہیں ،اب وہ دوسری شادی کا خواہشمند ہے،اب اس دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی سے اجازت لینا کوئی ضروری نہیں ہے ،البتہ دلجوئی کیلئے اجازت لینا بہتر ہے لیکن یاد رہے کہ دوسری شادی کرنے سے پہلے آپکو اندازہ ہو کہ دونوں کو برابر حق دے سکتا ہوں، پہلے سے اگر غالب گمان ہو کہ دونوں کے برابر حقوق ادا نہیں کرسکوں گا تو دوسرا نکاح اگرچہ ہو جائیگا لیکن گناہ ہے۔

حقوق برابر ادا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ مستقل مسئلہ ہے اگر معلوم نہیں ہے تو دوبارہ رجوع فرمالیں۔

لما فی مرقاة المفاتیح:(۲۵۲/٦،طبع رشیدیه)

عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال: اذاکانت عندالرجل امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیامة وشقه ساقط.

لما فی الدرالمختار:(۷/۳،طبع سعید)

(ومکروها لخوف الجور)فان تیقنه حرم ذلک.

وفی الشامیة:(قوله مکروها) أی تحریما بحر(قوله فان تیقنه)أی تیقن الجور حرم لان النکاح انما شرع لمصلحة تحصین النفس وتحصیل الثواب وبالجور یأثم ویرتکب المحرمات فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد بحر وترک الشارح قسما سادسا ذکره فی البحر عن المجتبی وهوالاباحة ان خاف العجزعن الایفاء بموجبه اھ أی خوفا

غیر راجح والا کان مکروھا تحریما لان عدم الجور من مواجبه......الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۶ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۶۹۵

﴿العدل بين النساء واجب﴾

﴿بیویوں کے درمیان مساوات ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ تحتی امرأتان وأكثر ما اكون عند القديمة منهما فان لي منها اولادا واني ساكن عندها منذ ثلاثين سنة واما الحديثة ابيت عندها في كل اسبوع ليلة او ليلتين واعطيها من المال والثياب شيئا زائدا من حقها لترضى عني هل يجوز لي هذا العمل.

﴿جواب﴾ ان وهبت المرأة نوبتها او رضيت بترك نوبتها وذلك بطيب نفس منها فلا وبال ان لم تقسم لها حينئذ. واما ان تركت باخذ شيء في بدلها فلا يجوز فانه مثل الرشوة. والعدل بين النساء واجب ومن خاف الجور فلينكح واحدة.

لما في البدائع:(۲/۳۳۳،طبع سعيد)

وكذلك لو بذل الزوج لواحدة منهن مالا لتجعل نوبتها لصاحبتها أو بذلت هي لصاحبتها مالا لتترك نوبتها لها لا يجوز شيء من ذلك ويسترد المال.

ولما في الفقه الاسلامي:(۷/۱۰۲، طبع دار الفكر)

واذا أخذت الواهبة مالا على ترك نوبتها لم يجز أخذه ويلزمها رده الى من أخذته منه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد سلمہ

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۹۷

﴿حلالہ کی شرط یا نیت کیساتھ نکاح کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مطلقہ عورت حلالہ کی نیت سے یا حلالہ کی شرط کیساتھ نکاح کرتی ہے تو کیا عورت اپنے پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائے گی کہ نہیں؟ اور حلالہ کے ان دونوں طریقوں میں کوئی فرق ہے کہ نہیں؟

﴿جواب﴾ مطلقہ خاتون حلالہ کی نیت سے نکاح کرے یا باقاعدہ اس شرط کیساتھ کہ شوہر اسکو طلاق دیگا، ہر دونوں صورتوں میں پہلے والے شوہر کیلئے حلال ہو جائے گی بشرطیکہ دوسرا شوہر

اسکے ساتھ جماع کر کے طلاق دیدے اور عدت بھی گزر جائے، البتہ باقاعدہ اس طرح کی شرط لگانا غلط ہے، گناہ ہے اور اس کا حاصل بھی کچھ نہیں، چنانچہ دوسرا شوہر طلاق نہ دے تو اسی کی منکوحہ رہیگی لیکن دل میں ارادہ ہو کہ دوسرے شوہر کیساتھ نکاح اسی غرض سے کر رہی ہوں تاکہ پہلے والے شوہر کیلئے حلال ہو جاؤں تو اس صورت میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ دوسرا شوہر بننے والے کیساتھ اس عمل پر اجرت طے کر کے نکاح کیا جائے تو اس پر احادیث میں سخت وعید آئی ہے اور باعث لعنت قرار دی گئی ہے، البتہ اس طرح کی کوئی شرط نہ لگی ہو اور کوئی معاوضہ بھی مقرر نہ ہو اور دوسرا شخص صرف اس جذبہ سے نکاح کرے تاکہ یہ گھرانہ اجڑنے سے بچ جائے تو حلالہ کرنے والوں کو اسکا اجر ملیگا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۳/۴۱۴-۴۱۵،باب الرجعة،طبع سعید)

(وكره)التزوج للثاني (تحريماً)لحديث لعن المحلّل والمحلّل له (بشرط التحليل) كتزوّجتك على أن أحللك(وان حلّت للأوّل) لصحة النكاح وبطلان الشرط فلا يجبر على الطلاق.....(أما اذا أضمرا ذلك لا) يكره (وكان)الرجل (مأجوراً) لقصد الاصلاح وتأويل اللعن اذا شرط الأجر ذكره البزازي.

ولما فی البحر الرائق:(۴/۵۸،باب الرجعة،فصل فيما تحل به المطلقة،طبع سعيد)

(قوله وكره بشرط التحليل للأوّل)أي وكره التزوّج للثاني بشرط أن يحلّها للأوّل بأن قال تزوّجتك على أن أحللك له أو قالت المرءة ذلك أما لو نويا كان مأجوراً لأن مجرد النيّة في المعاملات غير معتبر وقيل المحلّل مأجور.وتأويل اللعن اذا شرط الأجر كذا في البزازية.

ولما فی الهداية:(۲/۴۱۰،طبع رحمانيه)

واذا تزوّجها بشرط التحليل فالنكاح مكروه لقوله عليه السلام لعن الله المحلّل والمحلّل له وهذا هو محمله فان طلقها بعد وطيها حلت للأوّ ل لوجود الدخول في نكاح صحيح اذ النكاح لايبطل بالشرط.

وقال العلامة عبدالحي اللكهنوي تحت قوله وهذا هو محمله أي محمله اشتراط التحليل في العقد كما ذكرنا اذ لو أضمر ذلك في قلبه لم يستحق اللعن.

الجواب صحیح :عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب :علی خان

۶ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

فتوی نمبر :۲۷۴۰

﴿فصل فی حرمة المصاهرة﴾

﴿حرمت مصاہرت کا بیان﴾

﴿جن امور سے بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وہ کون کونسے امور ہیں جن کی وجہ سے نکاح ختم ہو جاتا ہے اور بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے؟

﴿جواب﴾ طلاق مغلظہ وبائن سے نکاح ختم ہو جاتا ہے اور بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے اور طلاق رجعی میں دوران عدت شوہر اگر رجوع نہیں کرتا تو عدت گذرنے سے بھی نکاح ختم ہو جاتا ہے بیوی حرام ہو جاتی ہے۔

۲۔ میاں بیوی دونوں میں سے کسی ایک نے اگر کفریہ الفاظ بولے جسکی وجہ سے وہ اسلام سے خارج ہو گیا العیاذ باللہ تو اس سے بھی نکاح ختم ہو جاتا ہے، اور کفریہ الفاظ بے شمار ہیں تحقیق کیلئے علماء سے رجوع کرنا چاہئے۔

۳۔ شوہر نے بیوی کے اصول یا فروع میں سے کسی مشتہاۃ کو بدون حائل ہاتھ لگایا، یا شوہر کے اصول یا فروع میں سے کسی مرد نے یا اس عورت نے مرد کو بدون حائل کم از کم ہاتھ لگایا تو اس سے بھی نکاح ختم ہو جاتا ہے، اور میاں بیوی کا رشتہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتا ہے، اسکو فقہی اصطلاح میں حرمت مصاہرہ کہتے ہیں۔

اور کچھ ایسے امور بھی ہیں جنکی وجہ سے عارضی طور پر بیوی حرام ہو جاتی ہے، جب وہ مانع زائل ہو جاتا ہے تو حرمت بھی ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ ظہار کرنے والا جب تک کفارہ ادا نہیں کرتا بیوی حرام رہتی ہے اور طواف زیارت کسی حاجی کے ذمہ اگر باقی ہے تو جب تک طواف زیارت ادا نہیں کرتا بیوی حرام رہتی ہے، مذکورہ بالا امور کی وضاحت چونکہ تفصیل طلب ہے ایک دو فتوی میں ساری تفصیل نہیں ہو سکتی، ضرورت ہو تو ہر ایک کی وضاحت کیلئے الگ الگ استفتاء کریں۔

لمافی الهداية:(۴۰۱/۲ مطبع رحمانيه)

واذاكان الطلاق بائنادون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضاء العدة لأن حل المحلية باق لأن زواله بالطلقة الثالثة فينعدم قبله......واذاكان الطلاق ثلاثا في الحرة

أو ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره والأصل فيه قوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره)

ولما في ص۲۰۷

وإذا انقطع الدم من الحيضة الثالثة لعشرة أيام انقطعت الرجعة، وإن لم تغتسل.

ولما في التنوير مع الدر: (۳۲/۳ تحت فصل في المحرمات)

(و) حرم أيضا بالصهرية (أصل مزنيته) أراد بالزنى الوطء الحرام (و) أصل (ممسوسته بشهوة) ولو لشعر على الرأس بحائل لا يمنع الحرارة.....ض (وفروعهن) مطلقا

ولما في التنوير مع الدر: (۱۹۳/۳ طبع سعيد)

(وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ)

ولما في الشامي: (۶۵/۳ باب الظهار طبع سعيد كراچی)

(هو) لغة: مصدر ظاهر من امرأته إذا قال لها أنت علي كظهر أمي، وشرعا: (تشبيه المسلم زوجته) ولو كتابية أو صغيرة......(أو) تشبيه ما يعبر به عنها من أعضائها (جزء شائع منها بمحرم عليه تأبيدا) فيحرم عليه وطؤها ودواعيه)......(حتى يكفر)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سیف اللہ

۲ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۸۷

﴿حرمت مصاہرت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی کے ساتھ زنا کیا اور زنا کا دونوں اقرار بھی کرتے ہیں یعنی اس شخص کی بیوی اور اس کا والد دونوں زنا کا اقرار کرتے ہیں کیا اس صورت میں شوہر اس بیوی کو اپنے پاس شرعا رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر شوہر کو یہ یقین ہے کہ اس کے والد نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی ہے، اب یہ شخص اس بیوی کو شرعا اپنے پاس نہیں رکھ سکتا اور حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے، اس پر لازم ہے کہ اس بیوی کو اپنے سے فورا علیحدہ کردے اور زبان سے کہہ دے کہ میں نے اسے چھوڑ دیا یا طلاق دے دی، اس کے بعد یہ عورت عدت شرعیہ گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

لما في الدر المختار: (۳۲/۳ طبع سعيد)

(و) حرم أيضا بالصهرية (أصل مزنيته) أراد بالزنى الوطء الحرام (و) أصل ممسوسته بشهوة) ولو لشعر على الرأس بحائل لا يمنع الحرارة (وأصل ماسته وناظرة إلى ذكره والمنظور إلى فرجها)

ولمافی ردالمحتار:(۳/۳۲-۳۳-۳۷،طبع سعید)

(وحرم أيضا بالصهرية الخ) قال في البحر: أرادبحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمةالمرئة على اصول الزاني وفروعه نسبا ورضا عاوحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضا عاكمافي الوط الحلال و يحل لأصول الزاني وفروعه أصول المزني بها وفروعها اه.

(قوله وأصل ماسته) أي بشهوة قال في الفتح: وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان يصدقها، ويقع في اكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه اياهالا تحرم على أبيه وابنه الاأن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه.

ولمافی الدرالمختار:(۳/۳۷،طبع سعید)

وبحرمة المصاهرةلايرتفع النكاح حتى لايحل لهاالتزوج بآخرالابعدالمتاركةوانقضاء العدة.

ولمافی الشامی:(۳/۳۷،طبع سعید)

(قوله الابعد المتاركة) أي وان مضى عليها سنون كما في البزازية، وعبارة الحاوي الابعد تفريق القاضي أوبعد المتاركة اه وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقدصرحوافي النكاح الفاسد بأن المتاركة لاتحقق الّا بالقول، ان كانت مدخولابها كتركتك أو خليت سبيلك، وأماغيرالمدخول بها فقيل تكون بالقول وبالترك على قصد عدم العود اليها، وقيل: لاتكون الابالقول فيهما حتى لو تركها ومضى على عدتها سنون لم يكن لها أن تتزوج بآخر فافهم.

ولمافی فتح القدیر:(۳/۲۱۵-۲۱۶،طبع رشیدیه)

عن ابن عمر رضي الله عنه قال "اذاجامع الرجل المرأة أوقبلها أولمسها بشهوة أو نظر الى فرجها بشهوة حرمت على أبيه وابنه وحرمت عليه أمها وابنتها" وعن مسروق أنه قال بيعوا جاريتي هذه أما أني لم أصب منها الاما يحرمها على ولدي من المس والقبلة.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم :صلاح الدین ڈیروی

۲۵رجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۵۵۹

﴿کسی عورت کو شہوت کیساتھ بلا حائل چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ یہ مسئلہ تو معلوم ہے کہ مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے لیکن اب مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ ایک عورت کیساتھ پیار ومحبت میں بوس وکنار کیا جائے تو پھر اسکی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے . یا نہیں؟

مستفتی :نور بادشاہ

﴿جواب﴾ کسی عورت کو شہوت کیساتھ بلا حائل چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو

جاتی ہے اور اس کے اصول وفروع اس شخص پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں، لہٰذا اس عورت کی لڑکی کیساتھ اس شخص کا نکاح ہرگز جائز نہیں ہے۔

لما فی البحر الرائق:(۱۸/۳،طبع سعید)

قوله والزنا، واللمس والنظر بشهوة يوجب حرمة المصاهرة.

ولما فی الهداية:(۲۹/۲،طبع رحمانیه)ومن مسته امرأة بشهوة حرمت علیه امها وابنتها.

ولما فی الدر المختار:(۳۱/۳،طبع سعید)

وفی الكشاف :واللمس ونحوه كالدخول عند ابی حنیفةؒ واقرّه المصنف (وزوجة اصله وفرعه مطلقا)ولو بعيدا دخل بها او لا.

ولما فی رد المحتار:(۳۲/۳،طبع ایچ ایم سعید)

قوله (واصل ممسوسته الخ)لان المس والنظر سبب داع الی الوطی، فيقام مقامه فی الموضع الاحتياط.هداية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسلام بادشاہ کھیتی

۲۹ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر ۲۱۱۵

﴿غفلت اور لاپرواہی کے ایسے مقامات جہاں آدمی پر اپنی بیوی حرام ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کو اپنی بہو سے بہت محبت تھی ایک مرتبہ اس نے اسکو گلے لگایا اور بوسہ لے لیا اور وہ کہہ رہا ہے کہ میری کوئی غلط نیت نہیں تھی۔ اس کا کیا حکم ہے؟ اور وہ کون کون سے مواقع ہیں جہاں حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے؟ براہ کرم کچھ مثالیں لکھ دیں تاکہ یہ مسئلہ واضح ہو جائے اور عام لوگوں کو بھی فائدہ ہو۔

﴿جواب﴾ بیوی کے علاوہ کسی بھی عورت کو گلے لگانا اور بوسہ لینا ناجائز اور کبیرہ گناہ ہے۔ جوان بیٹی ہو یا ماں، بہو ہو یا ساس گلے لگانے اور بوسہ لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اگرچہ نیت صحیح ہو۔ گناہ کبیرہ کے علاوہ اس غلط حرکت کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ خدانخواستہ مرد کو یا عورت کو اس موقع پر اگر شہوت آگئی یا شہوت پہلے سے تھی اب اس میں اضافہ ہوا تو اس عورت کے اصول وفروع (اوپر، نیچے والے) یعنی اس عورت کی ماں، نانی، بیٹی، نواسی، پوتی وغیرہ سب اس مرد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے حرام ہو گئیں ہیں۔ اسی طرح اس مرد کے اصول وفروع (اوپر، نیچے والے) یعنی اس کا باپ، دادا، بیٹا، پوتا نواسا وغیرہ تمام اس عورت پر حرام ہو گئے ہیں۔ گلے

لگانے اور بوسہ لینے کے علاوہ جسم کا کوئی بھی حصہ آپس میں شہوت کے ساتھ کپڑے وغیرہ کے بغیر لگنے سے یہ نقصان ہو جاتا ہے۔ اس لیئے اس معاملے میں بہت احتیاط ضروری ہے۔

اس ضابطہ کو سمجھ لینے سے حرمت مصاہرہ کے اکثر مسائل سمجھ میں آجاتے ہیں۔ سوال میں ذکر کردہ صورت میں اس شخص کو یا اس کی بہو کو اگر شہوت آگئی تھی اور غالبا آگئی ہوگی تو یہ عورت اس آدمی کے بیٹے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے حرام ہوگئی ہے وہ نیک نیتی کے ساتھ ساتھ شہوت نہ آنے کا بھی اگر دعوی کرتا ہے اور اس کی بہو بھی اس موقع پر دونوں کو شہوت نہ آنے کے بارے میں اطمینان کا اظہار اگر کرتی ہے اور اس کا بیٹا بھی خلاف ظاہر اس دعوی میں باپ بہو دونوں کو سچا جان رہا ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوئی یہ لڑکا اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے۔ تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ اس عورت سے یہ شخص علیحدگی اختیار کرلے۔

حرمت مصاہرت کے اسباب مذکورہ صورت کے علاوہ بھی ہیں۔ مثلاً باپ، دادا نے کسی عورت سے نکاح کرلیا تو محض نکاح کرنے سے یہ عورت فروع کے لیئے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے حرام ہوجاتی ہے۔ اسی طرح بیوی کی ماں، نانی، دادی وغیرہ یعنی اصول ہمیشہ کیلیئے حرام ہیں۔ اور بیوی کے فروع یعنی اسکی بیٹی (جو سابقہ شوہر سے ہو)، نواسی، پوتی، وغیرہ بھی ہمیشہ کی لیئے حرام ہیں بشرطیکہ بیوی سے جماع کرلیا ہو محض نکاح سے بیوی کے فروع بیٹی وغیرہ حرام نہیں ہوتی۔

لما فی المبسوط السرخسی: ۲۰۷/۴ طبع دار المعرفة بیروت

"فنقول کما تثبت حرمت المصاہرة بالوطء تثبت بالمس والتقبیل عن الشهوه عندنا...لان المس التقبیل سبب یتوصل به الی الوطء فانه من دواعیه ومقدماته فیقام مقامه فی اثبات الحرمة".

ولما فی الهندیة: ۲۷۴/۱ طبع رشیدیه

"(القسم الثانی المحرمات بالمصهریة) وهی اربع فرق (الاولی) امهات الزوجات وجداتهن من قبل الاب والام وان علون (والثانیة) بنات الزوجه وبنات اولادها وان سفلن بشرط الدخول بالام...واصحابنا ما اقاموا الخلوة مقام الوطء فی حرمة البنات هکذا فی الذخیرة فی نوع ما یستحق به جمیع المهر (والثالثة) حلیلة الابن والابن الابن وابن البنت وان سفلو دخل بها االابن ام لا (الرابعة) نساء الآباء والاجداد من جهة الاب او الام وان علوا فهؤلاء محرمات علیالتأبید نکاحا ووطأ کذا فی الحاوی القدسی...والمباشرة عن الشهوة بمنزلة القبلة وکذا المعانقة...فان نظرت المرأة الیٰ ذکر الرجل او لمسته بشهوة او قبلة بشهوة تعلقت به حرمت المصهرة".

ولما فی الشامی ۲۸/۳ طبع سعید

"وکذا المقبلات او الملموسات بشہوۃ لاصولہ او فروعہ او من قبل او لمس اصولہن او فروعہن".

ولما الشامی :۳۲/۳ طبع سعید

"(قولہ واصل الممسوسۃ الخ)لان المس و النظر سبب داع الی الوطء یقام مقامہ فی موضع الاحتیاط ہدایۃ...(قولہ بشہوۃ)ای ولو من احدھما".

ولما فی البحر الرائق :۹۲/۳،۹۹،۱۰۰،۱۰۱ طبع سعید

"الثانی المحرمات بالمصاہرۃ وہن فروع نسائہ المدخول بہن واصولہن وحلائل فروعہ وحلائل اصولہ.واطلق فی اللمس و النظر بشہوۃ فافاد انہ لانہ لا فرق بین العمد الخطاء و النسیان ولاکراہ.ـــــــوقد اطلق المصنف ایضافی محل التقیید واطلق فی اللمس والملموس لیفیدانہ لافرق بین الرجل والمراۃ فلو مست المراۃ عضوامن اعضاء الرجل بشہوۃ اونظرت الیٰ ذکرہ بشہوۃ تثبت الحرمۃ".

ولمافی التاتارخانیۃ ۲۶۱/۲،طبع:قدیمی

ثم المس انمایوجب حرمۃ المصاہرۃ اذالم یکن بینہماثوب اماذاکان بینہماثوب فان کان ثخیناصفیقاای کثیفالایجدحرارۃ الممسوس لا تثبت حرمۃ المصاہرۃ وان انتشرت الآلۃ لذالک وان کان رقیقابحیث تصل حرارۃ الممسوس الیٰ یدہ تثبت الحرمۃ المصاہرۃ".

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب :تنویرالرحمٰن کشمیری

۳صفرالمظفر ۱۴۳۴ھ　　　فتویٰ نمبر:۳۵۰۷

﴿اگر شہوت کا اندیشہ ہو تو محرمات سے معانقہ ممنوع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی کے علاوہ عورتوں سے معانقہ کرنے اور بوسہ لینے کو آپ نے منع لکھا ہے، بسااوقات بیٹی دور دراز سفر سے بڑے عرصے کے بعد آتی ہے یا مثلاً بوڑھی ضعیف ماں ہے تو شفقت اور طبعی محبت کے اظہار کے لیے آخر شریعت نے کچھ گنجائش تو دی ہوگی، یا فقط سلام ومصافحہ کی حد تک گنجائش ہے اور باقی ہاتھ پر ہاتھ باندھ کر کھڑے رہیں، اظہار شفقت وطبعی جذبات کی تسکین کے لیے مزید کوئی گنجائش نہیں ہے؟

﴿جواب﴾ ماں، بیٹی سے بلاشبہ طبعی محبت اور گہری شفقت ہوتی ہے اور طبعی محبت وشفقت کے جذبات کی تسکین کے لیے بوسہ لینا یا معانقہ کرنا بھی فطری عمل ہے۔لیکن جوان باپ وبیٹی میں اور جوان ماں، بیٹے میں نفسانی خواہشات بھی تو ایک طبعی چیز ہے، معانقہ اور بوسہ لینے میں شیطان کو شہوانی جذبات بیدار کرنے کا موقع ملتا ہے۔اور شہواتی جذبات کی تسکین کے لیے بیوی

کے علاوہ کسی بھی عورت کا بوسہ لینا یا معانقہ کرنا شرعاً سختی سے منع ہے۔جبکہ ماں بیٹے یا باپ بیٹی میں اس کی قباحت اور شناعت بہت ہی زیادہ ہے۔اس لیے ایسی کیفیت کا صرف اندیشہ بھی اگر ہو تو شریعت نے سختی سے منع کیا ہے۔چنانچہ بوڑھی ضعیف ماں ہو یا بوڑھا ضعیف باپ اپنی بیٹی سے اگر معانقہ کر لے یا پیشانی پر بوسہ لے لے اور شہوت کا کوئی اندیشہ کسی ایک جانب سے بھی نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ منہ پر بوسہ لینے سے اور معانقہ سے احتراز کیا جائے۔سر پر بوسہ لینے سے بھی یا فقط ہاتھ رکھنے سے بھی طبعی جذبات کی تسکین اور اظہار شفقت ہو جاتی ہے۔اسی پر اکتفاء کریں۔

لما في الشامي:(۳۶۷/۶،طبع:سعید،کراچی)

(وما حل نظره)مما مر من ذكر أو انثى(حل لمسه)اذا أمن الشهوة وعلى نفسه وعليها.لأنه عليه الصلوة والسلام كان يقبل رأس فاطمةؓ .وقال عليه الصلواة والسلام من قبل رجل أمه فكأنما قبل عتبة الجنةوان لم يأمن ذالك أوشك فلا يحل له النظر والمس.

ولما قال البحر الرائق:(۱۹۴/۸،طبع:سعید،کراچی)

(ويمس ما يحل له النظر اليه)يعني يجوز أن يمس ما حل له النظر اليه من محارمه لا من الاجنبية لتحقق الحاجة الى ذالك من المسافرة والمخالطةوكان عليه الصلواة السلام يقبل رأس فاطمةؓ ويقول اجد منها ريح الجنة وقال من قبل رأس امه فكأنما قبل عتبة الجنة ......فان كان عجوزألا تشتهي فلا بأس بمصافحتهاومس يدها.......وكذا اذا كان شيخنا يأمن على نفسه وعليها وفي الغياثيةولا بأس ان يعانقها من وراء الثياب الا ان تكو ن ثيابها رقيقة تصل حرارة بدنها اليه...قال وان كانت ممن لا يجامع مثله فلا باس با لمصافحة....فان كانت صغيرة لا تشتهي أو لا يشتهي مثلها فلا بأس باالنظر اليها ومسها

ولما في الهندية:(۳۲۸/۵،طبع:رشیدیہ،کوئٹہ)

وما حل النظر اليه مسه ونظره وغمزه من غير حائل.....وكذالك المس انما يباح له اذا امن على نفسه وعليها الشهوة وأما اذا خاف على نفسه أو عليها الشهوة فلا يحل المس.

واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۳۵۶۲ ۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿اغلام بازی سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جو شخص کسی لڑکے کے ساتھ

خود بدکاری میں ملوث ہو چکا ہو اس کے لئے اپنی لڑکی کو اس کے نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اغلام بازی بڑا گندہ باعث لعنت اور کبیرہ گناہ ہے لیکن اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی لہذا اس لڑکے کا نکاح مذکورہ لڑکی کے ساتھ جائز ہے۔

لما فی الشامی:(۳/۳۴، ۳۵ طبع:سعید کراچی)

فی الولوالجیة اتی رجل رجلا له ان یتزوج ابنته لان هذا الفعل لو کان فی الاناث لایوجب حرمة المصاهرة ففی الذکر اولی.

ولما فی فتاوی قاضی خان:(۱/۱۷۱ طبع :قدیمی)

لو جامع الرجل رجلا لا یحرم علی الفاعل ام المفعول به وابنته وکذا لو لاط امرة لایحرم علیه امها وابنتها.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار عفی عنہ

۵ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۶۸

﴿حرمت مصاہرت کا تعلق اصول وفروع کیساتھ ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ایک عورت (جو کہ کپڑوں میں ملبوس تھی صرف چہرہ، ہاتھ اور پاؤں نظر آرہے تھے) کو شہوت کی نظر سے بار بار دیکھا۔

پوچھنا یہ ہے کہ کیا مذکورہ صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی؟ اور زید اس لڑکی کی بہن کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: سمیع اللہ دیروی

﴿جواب﴾ کپڑوں میں ملبوس عورت کو شہوت کی نظر سے دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، اگرچہ یہ گناہ کا کام ہے اس سے توبہ ضروری ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ حرمت مصاہرت کا تعلق اس عورت کے اصول وفروع سے ہوتا ہے اور بہن اصول وفروع میں داخل نہیں۔ لہذا مذکورہ صورت میں اس عورت کی بہن سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی تنویر الابصار مع الدر المختار:(۳/۳۳،طبع:سعید)

وناظرة الی ذکره والمنظور الی فرجها) المدور (الداخل) وفی الشامیة قوله والمنظور الی فرجها) قید بالفرج لان ظاهر الذخیرة وغیرها انهم اتفقوا علی ان النظر بشهوة الی سائر اعضائها لا عبرة بها ما عدا الفرج

لما فی التاتار خانیہ:(۲/۵۹،طبع:قدیمی)

وكما تثبت حرمة المصاهرة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر الى الفرج بشهوة ......ولا تثبت هذه الحرمة بالنظر الى سائر الاعضاء وان كان عن شهوة

ولما فی الرد المختار:(۲/۳۲،طبع:سعید)

قوله وحرم ايضا بالصهرية اصل مزنيه)قال فی البحر اراد بالحرمة المصاهرة الحرمات الأربعة حرمة المرأة على اصول الزانی وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزانی نسبا ورضاعا ......وتقيده بالحرمات الاربع مخرج لما عداها.

الجوب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ أعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن دیروی

۲۵ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿بیوی کی خالہ کے ساتھ زنا کرنے سے بیوی حرام نہ ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں نے سنا ہے کہ ساس کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے سے بیوی کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے لیکن سالی کے ساتھ زنا کرنے کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا، اب اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی خالہ کے ساتھ زنا کرے تو اس کی بھانجی یعنی بیوی سے نکاح ٹوٹے گا یا نہیں؟　　　　مستفتیہ: متعلمہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ جاننا چاہیے کہ زنا اور مس بالشہوۃ کی وجہ سے عورت کے اصول اور فروع زانی پر اور زانی کے اصول اور فروع عورت یعنی مزنیہ پر ہمیشہ کے لیئے حرام ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ساس کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے سے تو بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی، اس لئے کہ ساس بیوی کے لئے اصل ہے لیکن سالی اسی طرح بیوی کی خالہ کا نسبی رشتہ چونکہ زانی کی بیوی کے ساتھ اصول وفروع کا نہیں، اس لئے سالی اور بیوی کی خالہ کے ساتھ زنا کرنے سے بیوی حرام نہ ہوگی اگرچہ گناہ کے اعتبار سے دیگر زنا کی نسبت بہت زیادہ اور سخت ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۳/۳۲،طبع سعید)

(و)حرم ايضا بالصهرية(اصل مزنيته)قال فی البحر اراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المراة على اصول الزانی وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها على الزانی نسبا ورضاعا كما فی وطء الحلال.

ولما فی الهندية:(۱/۲۷۴،طبع رشيديه)

فمن زنا بامراة حرمت عليه امها وان علت وابنتها وان سفلت وكذا تحرم المزنی بها على آباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا كذا فی فتح القدير.

ولما فی جامع الرموز للقهستانی:(۱/۲۵۱،طبع سعید)

ومنها ماحرم بالزنا والمس والنظر كما سياتى وحكم الكل حرمة كل منهما على اصل الآخر وفرعه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۳ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۲۸۱

﴿اپنی بیوی کوخون دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کی بیوی کو خون کی ضرورت ہوتو کیا اسکا شوہراسے خون دے سکتا ہے یا نہیں؟ اوراپنی بیوی کوخون دینے سے نکاح پرکوئی اثر پڑےگا یا کہ نہیں؟

مستفتی:رحیم اللہ کوہاٹ

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ عام حالات میں ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے بدن میں داخل کرنا جائز نہیں، البتہ اگرضرورت وحاجت ہومثلاً مریض کی ہلاکت کا خطرہ ہو یا ہلاکت کا خطرہ تو نہ ہولیکن خون دیئے بغیر مریض کی صحت کا امکان نہ ہوتو ایسی صورتوں میں خون دینے کی گنجائش ہے، لہٰذا ضرورت وحاجت کی صورت میں شوہر بھی اپنی بیوی کوخون دے سکتا ہے اور خون دینے سے انکے نکاح پرکوئی فرق نہیں پڑےگا کیونکہ شریعت نے محرمیت کونسب، مصاہرت اور رضاعت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور یہاں ان میں سے کوئی سبب نہیں پایا جارہا۔

ولما فی الهندية:(۵/۳۵۵،طبع رشیدیه)

ولا بأس بأن يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء وفى شرب لبن المرأة للبالغ من غير ضرورة اختلاف المتأخرين كذا فى القنية ويجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوى اذا اخبره طبيب مسلم ان شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه.

ولما فی الدر المختار:(۳/۲۸،طبع سعید)

اسباب التحريم انواع: قرابة،مصاهرة،رضاع،جمع،ملك،شرك.....الخ.

وفى الشامية:(قوله قرابة)كفروعه وهم بناته و بنات اولاده وان سفلن و اصوله وهم امهاته وامهات امهاته وآباءه وان علون وفروع ابويه وان نزلن(قوله مصاهرة) كفروع نسائه المدخول بهن وان نزلن، وامهات الزوجات.....(قوله رضاع) فيحرم به ما يحرم من النسب الا ما استثنى كما سياتى فى بابه وهذه الثلاثة محرمة على التابيد.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

۱۰جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۷۳۴

﴿ایک ہی طرف سے شہوت حرمت مصاہرت کیلئے کافی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ وہ چھونا (لمس) جس سے حرمت مصاہرۃ ثابت ہوتی ہے، شہوت دونوں طرف سے ہونا ضروری ہے یا ایک طرف سے بھی کافی ہے مثلاً عورت کسی مرد کیساتھ شہوت کی حالت میں ہاتھ ملائے اور مرد کے دل میں خیال تک نہ گزرا ہو تو حرمت مصاہرۃ ثابت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ ایک ہی طرف سے شہوت ہو تب بھی حرمت مصاہرۃ ثابت ہو جاتی ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۳/۳۵طبع سعید)

ولا فرق (بین اللمس والنظر بشهوة بین عمد ونسیان)وخطأ واكراه فلو ایقظ زوجته أو ایقظته هی لجماعها فمست یده بنتها المشتهاة أو یدها ابنه حرمت الأم ابداً فتح.

ولمافی رد المحتار:(۳/۳۶طبع سعید)

(قوله وتكفی الشهوة من احداهما)هذا انما یظهر فی المس أما فی النظر فتعتبر الشهوة من الناظر سواء وجدت من الآخر أم لا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن

جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۳۰

﴿سالی سے زنا کرنے کی صورت میں بیوی سے نکاح نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا سالی سے زنا کرنے کی صورت میں بیوی سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ سائلہ: متعلمہ جامعہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ سالی سے زنا کرنا کسی عام عورت سے زنا کرنے کی بنسبت زیادہ سخت گناہ ہے، اس سے جلد از جلد توبہ واستغفار اور آئندہ نہ کرنے کا عزم لازم ہے اور سالی سے شرعی پردہ بھی ضروری ہے، البتہ اسکی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن جب تک مزنیہ یعنی سالی کو ایک حیض نہ آجائے تب تک بیوی سے جماع کرنا جائز نہیں۔

لمافی الدر المختار:(۳/۳۲طبع سعید)

وفی الخلاصة :وطی اخت امرأته لا تحرم علیه امرأته.

وفی الشامیة:هذا محترز التقیید بالاصول والفروع وقوله لا تحرم ای لاتثبت حرمة المصاهرة فالمعنیٰ لاتحرم حرمة مؤبدة والا فتحرم الیٰ انقضاء العدة الموطوئة لو بشبهة قال فی البحر لو وطی اخت امرأته بشبهة تحرم امرأته مالم تنقض عدة ذات الشبهة وفی الدرایة

عن الکامل لو زنی باحدی الاختین لایقرب الاخریٰ حتیٰ تحیض الاخریٰ حیضۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:فیاض احمد

۲۹صفر ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۹۴۸

﴿صرف دیکھنے یابات کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں کوئی شرعی پردے کا اہتمام نہیں ہے،لوگ اپنے رشتے داروں کے گھروں میں آتے جاتے ہیں جس میں نامحرم عورتوں پرنظر پڑتی ہے اور ایک دوسرے کیساتھ گفتگو بھی کرتے ہیں،بعض ایک دوسرے کیساتھ ہاتھ بھی ملاتے ہیں،پوچھنا یہ ہے کہ صرف دیکھنے سے یابات کرنے سے حرمت مصاہرت لازم آتی ہے یانہیں؟اگر اس صورت میں لازم نہیں آتی تو کس صورت میں لازم آتی ہے؟

﴿جواب﴾ صرف دیکھنے یابات کرنے سے حرمت مصاہرت لازم نہیں ہوتی،البتہ زنا یاشہوت کیساتھ بدون حائل چھونے،ہاتھ ملانے یابوس وکنار سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔

لمافی ردالمحتار:(۳۶۵/۶،طبع سعید)

أقول:حاصله ان مجرد النظر واستحسانه لذلک الوجه الجمیل وتفضیله علی الوجه القبیح کاستحسان المتاع الجزیل لاباس به.

ولمافی الشامی:(۳۰/۳،طبع سعید)

(قوله الصحیح)احترازعن النکاح الفاسد فانه لایوجب بمجرده حرمة المصاهرة بل بالوطء او مایقوم مقامه من المس بشهوة والنظر بشهوة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:نثارمحمود کوہائی عفی عنہ

۲۷جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۳۳۵

﴿جس عورت سے زنا کیا ہواسکی بیٹیاں زانی پر ہمیشہ کیلئے حرام ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی ایک لڑکی کیساتھ منگنی ہوگئی،اور منگنی کے بعداس نے اپنی ساس کیساتھ زنا کرلیااور مزنیہ کی بیٹی سے شادی بھی ہوگئی ہےاور مزنیہ کی بیٹی سے ابھی زانی کے بچے بھی پیدا ہوگئے ہیں جبکہ بڑا بچہ ابھی تیرہ سال کا ہے تو ابھی ان دونوں کے درمیان جدائی کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور عورت کہتی ہے کہ اگر جدائی بھی ہوجائے تو پھر بھی میں اپنے بچوں کی پرورش کرونگی جبکہ شوہر بھی اس پر راضی ہے تو کیا

جدائی کے بعد یہ عورت شوہر کے گھر میں اپنے بچوں کی پرورش کرسکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں زانی پر مزنیہ کی تمام لڑکیاں ہمیشہ کیلئے حرام ہیں، حلال ہونے کیلئے کوئی صورت نہیں، مزنیہ کی لڑکی کیساتھ زانی کی شادی بھی جہالت کا نتیجہ ہے، دونوں کی علیحدگی ضروری ہے شوہر بلا تاخیر اس عورت کو اپنے سے جدا کردے طلاق کے الفاظ بولکر یا اس کے علاوہ ایسے الفاظ جو جدائی پر دلالت کریں مثلاً یوں کہے کہ میں نے تجھے اپنے سے جدا کر دیا ہے، اسکے بعد عورت عدت پوری گزار کر کسی دوسری جگہ چاہے تو شادی کرسکتی ہے۔

البتہ بچے ثابت النسب ہیں اور اس شخص کی اولاد تصور ہوگی، کفالت بھی اسی کی ذمہ ہے یہ خاتون بچوں کی پرورش کیلئے بچوں کیساتھ رہنا چاہتی ہے اور شوہر بھی اس پر راضی ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بشرطیکہ شوہر سے اس کا مکمل پردہ ہو بلکہ رہائش بھی الگ الگ مکان میں ہو اور کسی گناہ میں مبتلاء ہونے کا کوئی اندیشہ نہ ہو ورنہ اس عورت کو اسی گھر میں بسانا ہرگز جائز نہیں۔

لما فی الشامی:(۱۰۷/۳، طبع امدادیه)

وارادبحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرءة علی اصول الزانی وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها علی زانی نسبا ورضاعا کما فی الوطء الحلال.

ولما فی الهندیة:(۲۷۴/۱، طبع رشیدیه)

فمن زنی بامراة حرمت علیه امها وان علت وابنتها وان سفلت.

ولما فی الشامی:(۱۹۷/۵، طبع امدادیه) ونکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافالهما.

ولما فی الهندیة:(۵۴۰/۱، طبع رشیدیه)

رجل مسلم تزوجه بمحارمه فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنیفةؒ خلافا لهما بناء علیٰ ان النکاح فاسد عند ابی حنیفةؒ باطل عندهما.

ولما فی الشامی:(۲۵۲/۵، طبع امدادیه)

بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فیثبت به النسب ولذاتکون بالفاسد فراشا لاباالباطل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۲۶ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۷۸۷

﴿بیوی کی بیٹی سے زنا کیا تو بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی بیٹی

(جو کہ اس کے پہلے شوہر سے ہے) سے زنا کیا، تو کیا اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہو گئی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اپنی بیوی کی بیٹی سے اس شخص نے اگر زنا کیا ہے تو اسکی بیوی اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی ہے یہ عورت اس شخص کے لیے اب نہ نکاح جدید کرنے سے حلال ہو سکتی ہے اور نہ حلالہ کرنے سے، اس شخص پر توبہ واستغفار کے علاوہ یہ بھی لازم ہے کہ وہ اس عورت پر اب واضح کردے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے تاکہ عدت گذارنے کے بعد چاہے تو کسی اور شخص سے نکاح کرلے۔

لما فی قوله تعالی:(سورة النساء ۲۳)

حرمت علیکم امہتکم...... وربئبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بهن.

ولما فی الشامی:(۲۲/۳): فصل فی المحرمات: طبع سعید)

(قوله وحرم ایضا بالصهرية اصل مزنية) قال فی البحر: اراد بحرمة المصاهرة المحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها وفروعها علی الزانی نسباً ورضاعاً.

ولما فی الهندیه:(۲۷۴/۱ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریه)

فمن زنی بامراة حرمت علیه امها وان علت وابنتها وان سفلت وکذا تحرم المزنی بها علی اباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا.

ولما فی فتح القدیر:(۲۰۱/۳ طبع رشیدیه فصل فی بیان المحرمات).

(ومن زنی بامراة حرمت علیه امها) ای وان علت .(وابنتها) وان سفلت.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۳۰

﴿حرمت مصاہرت کی ایک مخصوص صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میرے شوہر نے میری جوان بیٹی (جوان سے پیدا ہوئی تھی) کیساتھ بدکاری کی، اب اپنے کئے پر سخت نادم ہیں اور شریعت کی ہر سزا کے لئے تیار ہیں، میرے ساتھ رشتہ زوجیت ختم کر چکے ہیں لیکن رہتے ایک ہی گھر میں ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ میرا ان کے ساتھ ایک گھر میں رہنا اور ایک چارپائی پر بیٹھ کر کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپ اپنے شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی ہو، رشتہ زوجیت برقرار رکھنے کی کوئی صورت نہیں ہے، البتہ آپ کی عمر اگر بڑھاپے کو پہنچ چکی ہے اور آپ کا اور آپ کے سابق شوہر کا آپس میں فتنہ میں مبتلا ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، تب ایک گھر میں رہنے کی

گنجائش ہے، ایک ساتھ کھانے کی اور میاں بیوی کیطرح بے تکلف رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لمافی الهداية:(۲/۳۲۹،طبع رحمانيه)

ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امها وابنها وقال الشافعي لاتحرم، وعلى هذا الخلاف مسه امرأة بشهوة ونظره الى فرجها ونظرها الى ذكره،عن شهوة......ولناان اللمس والنظر سبب داع الى الوطى فيقام مقامه في موضع الاحتياط.

ولمافي البحر:(۲/۹۸-۱۰۰-۱۰۱ طبع سعيد)

قوله والزنا واللمس والنظر بشهوة يوجب حرمة المصاهرة......واطلق في اللمس والنظر بشهوة فافاد انه لافرق بين العمد الخطاء والنسيان والاكراه حتى لو ايقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده الى بنته منهافقرصها بشهوة وهى ممن تشتهى يظن انها امها حرمت عليه الام مؤبدة.

وارادبحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المراة على اصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها على الزاني نسباورضاعا.

ولمافي الفقه الحنفي:(۲/۱۶۶ طبع دارالكلم الطيب بيروت)

ولومست يده بنته من صلبه بشهوة خطأاو عمدا حرمت عليه امها التى هى زوجته.

ولمافي التنويرمع الدر:(۶/۳۶۷،طبع سعيد)

(وماحل نظره)ممامرمن ذكرأوانثى (حل لمسه) اذاأمن الشهوة على نفسه وعليها (لانه عليه الصلوة والسلام كان يقبل رأس فاطمةوقال عليه الصلوة والسلام "من قبل رجل امه فكانماقبل عتبةالجنة"وان لم يأمن ذلك اوشك فلايحل له النظروالمس.

ولمافي ردالمحتار:(۶/۳۶۹،طبع سعيد)

(قوله والصهرة الشابة)قال في القنيةماتت عن زوج وام فلهما ان يسكنافي دار واحدةاذالم يخافاالفتنة وان كانت الصهرةشابة فللجيران ان يمنعوها منه اذاخافوا عليهماالفتنة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۲۱۷۱

﴿عورت کے ساتھ ناجائز تعلق سے بھی اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ارشد کے سلمیٰ سے ناجائز تعلقات تھے، ثوبیہ نے سلمیٰ کا دودھ مدت رضاعت کے اندر پیا تھا تو کیا ارشد ثوبیہ کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے؟

﴿جواب﴾ زانی کا مزینہ کی رضاعی اولاد سے نکاح نہیں ہوسکتا، کیونکہ مزینہ عورت زانی

کے اصول وفروع پر خواہ وہ نسبی ہوں خواہ رضائی حرام ہے، ایسا ہی مزنیہ کے اصول وفروع خواہ نسبی ہوں یا رضائی زانی پر حرام ہیں، لہٰذا مذکورہ صورت میں ارشد ثوبیہ سے نکاح نہیں کرسکتا۔

لمافی البحرالرائق:(۲۲۲/۳،طبع سعید)

وفي القنية زنى بامرأة يحرم عليه بنتها من الرضاع اه .....كتاب الرضاع من البحر.

ولمافي الدر مع الرد:(۱۰۵/۳،باب المحرمات،طبع امدادیه)

(و) حرم (الكل) مما مرتحريمه نسبا ومصاهرة (رضاعاً) الاما استثنى في بابه.وفي ردالمحتار:تنبيه: مقتضى قوله ((والكل رضاعاً)) مع قوله سابقاً ((ولومن زنى)) حرمة فرع المزنية وأصلها رضاعاً..... ثم قال: لكن في الناظم وغيره انه يحرم كل من الزاني والمزنية على اصل الآخروفرعه رضا عااه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ	واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی
۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ	فتویٰ نمبر: ۳۷۰

﴿سسر اور بہو کے درمیان آزادانہ فحش گوئی جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ اگر سسر اپنی بہو سے بے تکلفانہ انداز میں ایسی باتیں کرے جیسا کہ خاوند اپنی بیوی سے کرتا ہے کہ جو شہوانی کیفیت طاری کرنے والی ہوں تو آیا حرمت مصاہرت ثابت ہو جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ صرف ایسی گفتگو کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی جب تک کہ شہوت کے ساتھ چھونا، زنا، بوسہ یا برہنہ حالت میں کسی ایک کا دوسرے کی داخل فرج کو شہوت کے ساتھ دیکھنا نہ پایا جائے، البتہ ان دونوں کا ایسی گفتگو کرنا سخت گناہ کبیرہ ہے۔

لمافی البحرالرائق:(۹۸/۳ طبع سعید)

والزناواللمس والنظربشهوة يوجب حرمة المصاهرة.

ولمافي التاتارخانية:(۲۶۱/۲،طبع قدیمی)

واما جلوسها بين يديه ووجودالشهوة من بعيد وانزاله من غير مسيس فهو غير معتبر في الحرمة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز
۱۷ المحرم الحرام ۱۴۳۰ھ	فتویٰ نمبر: ۱۸۴۵

﴿اپنی سالی سے زنا کرنے سے حرمت مصاہرت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی نے اپنی سالی سے زنا کیا تو کیا اس آدمی پر اس کی بیوی (جو اس کی سالی کی سگی بہن ہے) حرام ہوئی یا نہیں؟ مستفتی سعید الرحمٰن

﴿جواب﴾ سالی سے زنا کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا مذکورہ شخص پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی لیکن مرتکب زنا سخت گناہ گار ہے جس کے لئے توبہ واستغفار لازم ہے اور سالی سے پردہ کرنا ضروری ہے، یاد رہے سالی کے ساتھ زنا کا گناہ دیگر زنا کے گناہ سے بہت زیادہ اور سخت ہے۔

لمافی التنویر مع الدر والرد (۱۰۹/۳ مطبع امدادیہ)

وفی الخلاصة: وطیٔ أخت امرأته لاتحرم علیه امرأته.(وفی الخلاصة الخ)هذا محترز التقیید بالاصول والفروع وقوله: "لاتحرم" أی لاتثبت حرمة المصاهرة فالمعنی لاتحرم حرمة مؤبدة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۶۱۰

﴿بوسہ اور معانقہ سے حرمت مصاہرت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ رسم چلی ہے کہ شادی کے موقع پر جوان مرد عورتیں ایک دوسرے کے بوسے لیتے ہیں جسمیں جوان باپ بھی اپنی جوان بیٹی کا بوسہ لیتا ہے، اسی طرح جب باپ یا بیٹی سفر سے واپس آجائیں تو ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ اس چوما چاٹی اور گلے ملنے ملانے کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور اس سے بیوی آدمی پر حرام ہوجاتی ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ اپنی بیوی کے علاوہ کسی بھی عورت سے بوسہ لینا یا گلے ملنا جائز نہیں ہے، سخت گناہ ہے، بیٹی ہو خواہ بہن ہو یا کوئی بھی رشتہ دار عورت، اسکے علاوہ دوسرا نقصان یہ ہے کہ منہ کا بوسہ لینے سے بعض علماء کے نزدیک حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے خواہ شہوت نہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، اسی طرح اگر شہوت سے گلے ملا ہے تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے، البتہ بغیر شہوت کے گلے ملا ہے اور شہوت کا انکار بھی کرتا ہے یا سر، پیشانی وغیرہ کا بوسہ لیا ہے اور شہوت کا منکر ہے تو حرمت ثابت نہ ہوگی لیکن حرمت کیلئے شہوت ایک

جانب سے بھی کافی ہے چاہے مرد کو ہو جائے یا عورت کو حرمت ثابت ہوگی، حرمت سے مراد یہ ہے کہ جسکا بوسہ لیا ہے یا گلے ملا ہے، اسکے اصول وفروع اس شخص پر اور اسی طرح اس عورت کے لئے بھی اسی شخص کے اصول وفروع ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتے ہیں۔

لمافی فتح القدير:(۲۱۲/۳-۲۱۵،طبع رشیدیه)

والحاصل انه اذاأقربالنظروأنكرالشهوةصدق بلاخلاف..... وقيل بالتفصيل بين كونه على الراس والجبهةوالخدفيصدق اوعلى الفم فلا والارجح هذاالاانالخد يترا ى الحاقه بالفم.....عن ابن عمرقال اذاجامع الرجل المرأةاوقبلهااو لمسها بشهوةاونظر الى فرجهابشهوة حرمت على ابيه وابنه وحرمت عليه امها وابنتها.

ولمافي مبسوط السرخسي:(ص۲۰۷،الجزء الرابع طبع دارالمعرفةبيروت)

لان المس والتقبيل سبب يتوسل به الى الوطء فانه من دراعيه ومقدماته فيقام مقامه فى اثبات الحرمة.

ولمافي فتاوى قاضي خان على هامش الهندية:(۳۶۱/۱،طبع رشيديه)

ولو قبل الرجل ام امرءته تثبت الحرمة ما لم يظهر انه قبلها بغير شهوة وفى المس مالم يعلم انه كان عن الشهوة لا تثبت الحرمة لان تقبيل النساء غالبا يكون عن شهوة والمعانقة بمنزلة التقبيل كذا ذكره فى الجامع الكبير.

ولمافي البزازيةعلى هامش الهندية:(۱۱۳/۲ طبع رشيديه)

قام اليهامنتشراوعانقهاوقبلهاوزعم عدم الشهوة لايصدق ولولم ينتشرلكنه قبلهاذكرفى المنتقى انه يصدق.

ولمافي التنويرمع الدر:(۳۶/۳،طبع سعيد)

(قبل ام امرأته)فى أى موضع كان على الصحيح جوهرة(حرمت)عليه (امرأته مالم يظهرعدم الشهوة)ولوعلى الفم كما فهمه فى الذخيرة(وفى المس لا)تحرم(مالم تعلم الشهوة)لان الاصل فى التقبيل الشهوةبخلاف المس(والمعانقة كالتقبيل) وكذاالقرص والعض بشهوة الذخيرة.

ولمافي الشامي:(۱۱۲/۳ طبع امداديه)

(على الصحيح).....قال لو مس او قبل وقال لم اشته صدق الااذاكان المس على الفرج والتقبيل فى الفم اه وهذاهو الموافق لما سينقله الشارح عن الحدادى، ولما نقله عنه فى البحر قائلا:ورجحه فى فتح القدير و ألحق الخد بالفم اه وقال ايضا وقا ل فى الفيض،ولو قام اليها وعانقها منتشرا اوقبلها وقال لم يكن عن شهوة لا يصدق ولو قبل ولم تنتشرآلته وقال كان عن غير شهوة يصدق.

الجواب صحيح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ

۲۳ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۶۰۳

﴿جوان بہو کا بوسہ لینے سے حرمت مصاہرت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے ایک دوست نے اپنے بیٹے کی نئی نئی شادی کرائی ہے، وہ اپنی جوان بہو سے بے تکلفانہ انداز میں رخسار پر بوسہ لیتے ہیں، مجھے یہ مسئلہ کچھ معلوم تھا، اس لئے انکو نقصان سے بچانے کے لئے بتادیا کہ رخسار پر اپنی جوان بہو کا بوسہ لینا انتہائی خطرناک ہے، اس نے کہا میں اسکو اپنی بیٹی سمجھ کر شفقت کیوجہ سے بوسہ لیتا ہوں، اسمیں کیا قباحت ہے؟ براہ کرم اس مسئلہ کی پوری وضاحت فرمائیں، نیز یہ کہ اپنی جوان بیٹی کا بوسہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ بوسہ لینے والا خود بھی جوان ہو۔ مستفتی حبیب اللہ مروت

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ اپنی بیوی کے علاوہ کسی بھی جوان عورت کا رخسار پر بوسہ لینا جائز نہیں ہے، سخت گناہ ہے، بہو ہو خواہ بیٹی، بہن وغیرہ شہوت سے ہو تو گناہ کے علاوہ حرمت مصاہرت بھی ثابت ہو جاتی ہے، مرد شہوت سے بوسہ لے یا عورت کو دوران بوسہ شہوت آجائے، دونوں صورتوں میں حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے یعنی بوسہ لینے والے اور جسکا بوسہ لیا ہے دونوں پر انکے اصول وفروع ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتے ہیں، باپ نے بیٹی کا بوسہ لیا تو اسکی والدہ (اس شخص کی بیوی) ہمیشہ کیلئے اس پر حرام ہوگئی، بہو کا بوسہ لیا تو یہ بہو ہمیشہ کیلئے اس شخص کے بیٹے (شوہر) پر حرام ہوگئی حلال کرانے کی کوئی تدبیر وطریقہ نہیں ہے۔

لہٰذا آپکے دوست نے اپنی بہو کو بیٹی سمجھ کر بوسہ لیا ہے تو اس نے سخت گناہ اور حرام کا ارتکاب کیا، اب اگر وہ دعوی کرتا ہے کہ مجھے کوئی شہوت نہیں تھی اور بہو کو بھی شہوت نہیں ہوئی اور اس شخص کے بیٹے کو اطمینان ہے کہ واقعی میرے والد کو یا میری بیوی کو شہوت نہیں آئی ہوگی تو اس صورت میں یہ لڑکا اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ یہ لڑکا اس بیوی کو چھوڑ دے اس لئے کہ بعض فقہاء کرام نے واضح فرمادیا ہے کہ رخسار پر جوان عورت کا بوسہ اگر کوئی لے اور شہوت کا انکار کرے تو اسکا انکار معتبر نہیں ہے، حرمت ثابت ہو جائیگی۔

تاہم فتوی اس پر ہے کہ جانبین میں سے کسی کو بھی واقعی شہوت نہ ہو تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، البتہ اسطرح حرکت بلاشبہ سخت گناہ اور بے غیرتی ہے۔

لمافی المبسوط السرخسی:(۲/۲۰۷،طبع دار المعرفةبیروت)

وقال لان المس والتقبيل سبب يتوسل به الى الوطئ فانه من دواعيه ومقد ماته فيقام مقامه فى اثبات الحرمة.

ولمافی فتح القدیر:(۳/۲۱۴،طبع رشیدیه)

والحاصل انه..... وقيل بالتفصيل بين كونه على الراس و الجبهة والخد فيصدق او على الفم فلا والارجح هذاالاان الخد يترا ى الحاقه بالفم.

ولمافی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية:(۲/۳۶۱،طبع رشیدیه)

ولو قبل الرجل ام امرءته تثبت الحرمة ما لم يظهر انه قبلها بغير شهوة وفى المس مالم يعلم انه كان عن الشهوة لا تثبت الحرمة لان تقبيل النساء غالبا يكون عن شهوة والمعانقة بمنزلة التقبيل كذا فى الجامع الكبير.

ولمافی الشامی:(۲/۱۱۲،طبع امدادیه)

(على الصحيح)..... قال لو مس او قبل،وقال لم اشته صدق الااذاكان المس على الفرج والتقبيل فى الفم اه وهذاهو الموافق لما سينقله الشارح عن الحدادى، ولما نقله عنه فى البحر قائلا؛ورجحه فى فتح القدير و الحق الخد بالفم اه.وقال ايضا وقا ل فى الفيض؛ولو قام اليها وعانقها منتشرا اوقبلها وقال لم يكن عن شهوة لا يصدق ولو قبل ولم تتنتشر الته وقال كان عن غير شهوة يصدق.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب :فرمان اللہ

۱۷رجب ۱۴۲۸ھ   فتوی نمبر:۱۰۸۵

﴿بیٹی کو شہوت کے ساتھ چھونے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کوئی شخص اپنی بالغہ بیٹی کو بلا حائل شہوت کے ساتھ چھولے، اس سے اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے، کیا دوبارہ حلال ہونے کی کوئی صورت ہے؟

﴿جواب﴾ بلا حائل شہوت کیساتھ بیٹی کو چھونے سے اسکی ماں ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے، دوبارہ حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

لمافی التنویرمع الدر:(۳/۳۲،طبع سعید)

(و)حرم ايضاً بالصهرية(اصل مزنيته و)اصل(ممسوسته بشهوة)......(واصل ماسته و ناظرة الى ذكرة والمنظور الى فرجها)المدور(الداخل)

وفى الشامية:(قوله وحرم ايضابالصهرية اصل مزنيته)قال فى البحر اراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المراة على اصول الزانى وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها على الزانى نسباو رضاعا كمافى الوطىء الحلال.....(قوله و

اصل ممسوته)لان المس والنظر سبب داع الى الوطء فيقام مقامه فى موضع الاحتياطا (قوله بشهوة اى و لو من أحدهما.

ولمافى الخانية:(۲۱٦/۱،طبع قديمى)

حرمة النكاح على نوعين مؤبدة و غير مؤبدة فالمؤبدة تثبت بالنسب والرضاع والصهرية..... وآما بدواعى الوطء اذا مسها او قبلها بشهوة تثبت حرمة المصاهرة وان انكر الشهود كان القول قوله الا ان يكون ذلك مع انتشار الالة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

٦ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۸۳

﴿عورت کو چھونے سے انزال ہو تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی نے عورت کو چھولیا اور چھونے کے بعد انزال ہو گیا تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کسی عورت کو شہوت کیساتھ چھولیا اور زنا کے بغیر اسی مجلس میں انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

لمافى الدر المختار:(۲۲/۲-۲۳،طبع سعيد)

فى الجوهرة لا يشترط فى النظر للفرج تحريك آلته به يفتى هذا اذا لم ينزل فلو انزل مع مس او نظر فلا حرمة به يفتى (قوله فلا حرمة)لانه با لانزال تبين انه غير مفض الى الوطء هداية.قال فى العناية: ومعنى قولهم انه لايوجب الحرمة با لانزال ان الحرمة عند ابتداء المس بشهوة كان حكمها موقوفا الى ان يتبيّن بالانزال فان انزل لم يثبت والا ثبت لا انها تثبت بالمس ثم باالا نزال تسقط لان حرمة المصاهرة اذا ثبتت لا تسقط ابدا.

ولمافى الهندية:(۲۷۵/۱،طبع رشيديه)

ولو مس فانزل لم تثبت به حرمة المصاهرة فى الصحيح لا نه تبين بالانزال أنه غير داع الى الوطء كذا فى الكافى.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: حبیب الوہاب سواتی عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۸۳

﴿زانی کی اولاد کا مزنیہ کی اولاد کیساتھ نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے دوسرے کی بیوی سے زنا کا ارتکاب کیا جس سے ایک بچی پیدا ہوئی بعد میں زانی اپنے بڑے لڑکے کا نکاح

مزنیہ کی بڑی لڑکی سے کروانا چاہتا ہے جو زنا کے ارتکاب سے پہلے پیدا ہوئی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا شرعا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: شروز خان

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں زانی کے بڑے لڑکے کا نکاح مزنیہ کی بڑی لڑکی سے جائز تو ہے لیکن زانی کا مزنیہ سے قریبی تعلق پیدا ہونے کی وجہ سے مزید فتنہ اور گناہ کا قوی اندیشہ ہے، اس لئے دونوں سابقہ گناہ سے توبہ کریں اور پوری طرح قطع تعلق کر لیں وگرنہ یہ رشتہ نحوست اور بے برکتی کا شکار ہوگا۔

لما فی الهداية:(۲/۲۷۱،طبع رحمانيه)

ويجوزان يتزوج الرجل باخت لخيه من الرضاع،لانه يجوزان يتزوج باخت اخيه من النسب وذلك مثل الاخ من الاب الااذاكانت له لخت من امه جازلاخيه من ابيه ان يتزوجها.

ولما فی التاتارخانية:(۲/۱۷۰،طبع قديمی)

رجل له ام فارضعت صبية صغيرة ولتلك الصغيرة اخوة واخوات جازلهذالرجل ان يتزوج باخوات تلك الجارية وانما تحرم عليه تلك الجارية بعينها.

ولما فی الشامی:(۳/۳۱،طبع سعيد)

واما بنت زوجة ابيه اوابنه فحلال وكذابنت ابنها(بحر)قال خير الرملی: ولاتحرم بنت زوج الام ولاامه ولاام زوجة الاب ولابنتها.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عبد الحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ   فتوی نمبر: ۱۲۲۱

﴿داماد کے سر کے بالوں پر بالشہوت بوسے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں اگر کوئی اپنے سسرال جائے تو ساس داماد کے سر کا بوسہ لیتی ہے، بوسہ لیتے ہوئے اگر ساس کے دل میں شہوت پیدا ہو جائے تو کیا اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی؟

﴿جواب﴾ سر کا بوسہ لیتے ہوئے ساس کو شہوت آجائے یا داماد کو دونوں صورتوں میں حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے یعنی داماد پر ساس کی لڑکی ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے، البتہ اگر داماد کے سر کے بال سر سے بہت اٹھے ہوئے ہوں جیسا کہ آج کل کے معاشرہ میں رواج ہے اور بوسہ صرف بالوں کو دیا ہو تو اسطرح کے بال لٹکے ہوئے بالوں کے حکم میں ہوں گے اور حرمت ثابت نہ ہوگی۔

لما فی الشامی:(۲/۱۰۷-۱۰۸،طبع امدادیہ)

(ولولشعر علی الرأس)خرج به المسترسل وظاهر مافی الخانیة ترجیح أن مس الشعر غیر محرم ،وجزم فی المحیط بخلافه ورجحه فی البحر،وفصل فی الخلاصة فخص لتحریم بما علی الرأس دون المسترسل،وجزم به فی الجوهرة وجعله فی النهر محمل القولین،وهو ظاهر فلذا جزم به فی الشارح.

ولما فی الهندیة:(۱/۲۷۴،طبع رشیدیه)

ولو مس شعرها بشهوة ان مس ما اتصل برأسها تثبت وان مس ما استرسل لا تثبت.

ولما فی البحر الرائق:(۳/۱۰۰،طبع سعید)

وفی الخانیة لو مس شعر امرأة عن الشهوة قالوا لا تثبت حرمة المصاهرة،وذکر فی الکیسانیات أنها تثبت،وینبغی ترجیح الثانی لأن الشعر من بدنها من وجه دون وجه کما قدمناه فی الغسل فتثبت الحرمة احتیاطا کحرمة النظر الیه من الأجنبیة ولذا جزم فی المحیط بثبوتها وفصل فی الخلاصة فما علی الرأس کالبدن بخلاف المسترسل.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود عفا اللہ عنہ

۱۶صفر ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۱۹۸

﴿بیٹی کو غلطی سے ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید رات کے وقت اپنی بیوی کے پاس جماع کی نیت سے چلا گیا، سردی کا زمانہ تھا، کمبل اوڑھنے کی وجہ سے پتہ نہ چلا اور غلطی سے بالغ بیٹی کو بیوی سمجھ کر شہوت کے ساتھ کپڑوں کے اوپر سے سینہ کو ہاتھ لگایا فوراً پتہ چلتے ہی اٹھ کر الگ ہو گیا، پوچھنا یہ ہے کہ اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو گئی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ غلطی سے بالغ لڑکی کے سینے کو ہاتھ لگایا ہاتھ اور سینے کے بیچ میں کپڑا حائل تھا لیکن اس قدر باریک کہ سینے کی حرارت ہاتھ کو محسوس ہوئی جس سے فوراً شہوت آ گئی یا شہوت پہلے سے تھی اور ہاتھ لگانے سے اسی وقت شہوت میں اضافہ ہو گیا ہو تو اس لڑکی کی والدہ ہمیشہ کیلئے اس پر حرام ہو گئی، حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے اور اگر کپڑا موٹا تھا جس سے عام طور پر جسم کی حرارت کا احساس نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں اس کو شہوت اگرچہ آئی تھی لیکن حرمت ثابت نہیں ہوئی، یہ مسئلہ چونکہ نازک ہے، اس لئے مستفتی کو چاہیے کہ اس کو سمجھنے کیلئے کسی مفتی صاحب سے براہ راست ملاقات کرے۔

لما في التاتارخانيه:(۲/۲۶۱،طبع قديمي)

ثم المس انما يوجب حرمة المصاهرة اذالم يكن بينهماثوب،اما اذاكان بينهماثوب فان كان ثخيناً صفيقاًاى كثيفاً،لايجد حرارة الممسوس لاتثبت حرمت المصاهرة وان انتشرت الالة لذلك،وان كان رقيقاًبحيث تصل حرارة الممسوس الى يده تثبت حرمة المصاهرة.

ولما في الدر المختار:(۳/۳۵،طبع سعيد)

(ولافرق)فيما ذكر(بين اللمس والنظر بشهوة بين عمد والنسيان)وخطأواكراه،فلوايقظ زوجته او أيقظته هي لجماعها فمست يده بنتها المشتهاة اويدهاابنه حرمت الام ابداً.

ولما في البحر الرائق:(۳/۱۰۰،طبع سعيد)

وانصرف اللمس الى اى موضع من البدن بغير حائل واما اذاكان بحائل فان وصلت حرارة البدن الى يده تثبت الحرمة والافلا،كذافي اكثر الكتب.

ولما في البحر الرائق:(۳/۹۹،طبع سعيد)

وأجيب بأن العلة هي الوطى السبب للولد وثبوت الحرمة بالمس ليس الالكونه سبباً لهذاالوطء،ولم يتحقق في الصورتين وليفيدانه لابدأن يكون بغير حائل يمنع وصول الحرارة.

ولما في فتح القدير:(۳/۱۲۹،طبع رشيديه)

ولافرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامداًأوناسياًأومكرهاًأومخطئاًحتى لوأيقظ زوجته ليجامعهافوصلت يده الى بنته منهافقرصها بشهوة وهي ممن تشتهى يظن أنهاأمهاحرمت عليه الام حرمةمؤبدة.

ولما في البحر الرائق:(۳/۱۰۰،طبع سعيد)

وأطلق في اللمس النظر بشهوة،فافاده انه لافرق بين العمدوالخطاوالنسيان والاكراه،حتى لوأيقظ زوجته ليجامعهافوصلت يده الى بنته منهافقرصهابشهوة وهي ممن تشتهى يظن انهاأمهاحرمت عليه الام حرمةمؤبدة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد ادریس عفااللہ عنہ

۲۸/محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۱۲۰

﴿نوجوان لڑکی کا اپنے والد کی خدمت کرنا﴾

﴿سوال﴾ آیا کوئی نوجوان لڑکی اپنے والد کی خدمت کرسکتی ہے یا نہیں؟ مثلاً سر پر تیل لگانا ٹانگیں دبانا یا تلووں پر تیل لگانا،اپنی والدہ کے ہوتے ہوئے یا والدہ کے فوت ہوجانے کے بعد؟

﴿جواب﴾ جوان لڑکی کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت نہ صرف جائز بلکہ شریعت کا حکم بھی ہے لیکن سوال میں مذکورہ جسمانی خدمات ایسی ہیں کہ ان سے احتراز ہی مناسب ہے۔

خصوصاً اگر والد صاحب زیادہ عمر رسیدہ نہ ہوں، اس لئے کہ ایسی صورت میں غیر دانستہ طور پر خیالات پر شیطانی حملہ ہوسکتا ہے اور بعض کیفیات میں لڑکی کی والدہ لڑکی کے والد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوسکتی ہے، اس لئے ایسی خدمت سے گریز کریں۔

لمافی المظهری:(۴۳۰/۵،طبع رشیدیه)

وبالوالدين احسانا اي وان تحسنوا واحسنوا بالوالدين احسانا لانهما السبب الظاهري للوجود والتعيش.

ولمافی التاتارخانية:(۲۶۱/۲،طبع قديمی)

ثم المس انما يوجب حرمة المصاهرة اذا لم يكن بينهما ثوب اما اذا كان بينهما ثوب فان كان ثخينا صفيقا اي كثيفا لا يجد حرارة الممسوس لا تثبت حرمة المصاهرة وان انتشرت الآلة لذلك وان كان رقيقا بحيث تصل حرارة الممسوس الى يده تثبت حرمة المصاهرة

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن عفااللہ عنہ

۲۶ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۶۰۵

﴿فصل في احكام الرضاعة﴾

﴿رضاعت کے متعلق احکام کا بیان﴾

﴿رضائی خالہ سے نکاح جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ میں اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھانجے سے کرانا چاہتا ہوں جبکہ میری والدہ نے میری بیٹی کو دودھ پلایا ہے، کیا میری بیٹی کا نکاح میرے بھانجے سے جائز ہے؟

﴿جواب﴾ چونکہ آپ کی بیٹی نے آپ کی والدہ کا دودھ پیا ہے جس کی وجہ سے وہ آپکی والدہ کی پوتی ہونے کیساتھ ساتھ رضائی بیٹی بھی قرار پائی اور آپ کے بھانجے کے لئے رضائی خالہ بھی ہوگئی ہے اور خالہ کے ساتھ نکاح حرام ہے، اس لئے آپ کی بیٹی کا نکاح آپ کے بھانجے کے ساتھ ناجائز ہے۔

لمافی جامع الترمذی:(۱۳۶/۱،طبع فاروقی ملتان)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب.

ولمافی التنویر مع الدر:(۲۱۷/۳،طبع سعید)

(ولا)حل(بين الرضيعة وولد مرضعتها)......(وولد ولدها)

ولما فی البحر:(۲۲۸/۳ طبع سعید)

لاحل بین الصغیرة المرضعة وولد المراة التی ارضعتها ولا ولد ولدها لانه ولد الاخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شریف حسین چترالی

۱۴ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷

﴿رضاعی بہن کیساتھ بھتیجے کے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ خالد اپنی رضاعی بہن عائشہ کا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کرنا چاہتا ہے، شرعاً ان دونوں کا نکاح آپس میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ عائشہ خالد کی رضاعی بہن ہے اس کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت میں نکاح جائز ہے اور دوسری صورت میں ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۱) خالد نے عائشہ کی والدہ کا دودھ اگر پی لیا ہے تو خالد عائشہ کی والدہ کا بیٹا قرار پاتا ہے، خالد کے دیگر بھائی عائشہ کے رضاعی بھائی نہیں قرار پاتے، اس لئے اس صورت میں خالد کے بھتیجے کے ساتھ عائشہ کا رشتہ جائز ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عائشہ نے خالد کی والدہ کا دودھ پی لیا ہو اس لئے وہ خالد کی رضاعی بہن ہے لیکن ساتھ ساتھ خالد کے دیگر بھائیوں کی بھی رضاعی بہن قرار پاتی ہے اور خالد کے تمام بھتیجے عائشہ کے لئے بھی رضاعی بھتیجے شمار ہوتے ہیں، اس لئے اس صورت میں یہ رشتہ ہرگز جائز نہیں ہے۔

لما فی الترمذی:(۱۳۶/۱ طبع فاروقی ملتان)

عن علی رضی اللہ عنه ان اللہ حرم من الرضاع ما حرم من النسب.

ولما فی الهدایه مع الفتح:(۹۴/۲۲۷ طبع رشیدیه)

یحرم من الرضاع مایحرم من النسب للحدیث الذی روینا.

ولما فی فتح القدیر(۴۲۱/۳ طبع رشیدیه)

ولا یتزوج المرضعة احد من الولد التی ارضعت لانه اخوها ولا ولد ولدها لانه ولد اخیها.

ولما فی الهندیة:(۳۴۳/۱ طبع رشیدیه)

یحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعا حتی ان المرضعة لو ولدت من هذا الرجل او غیره قبل هذا الارضاع او بعده او ارضعت

امرأة من لبنه رضيعا فالكل اخوة الرضيع واخواته واولادهم اولاد اخوته واخواته واخو الرجل عمه واخته عمته واخو المرضعة خاله واختها خالته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر: ۲۶۰۸

﴿رضاعی بھائی، بہن کے درمیان نکاح کرنا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم دونوں بھائیوں (بکر اور خالد) نے اپنی خالہ کی ان بیٹیوں سے شادی کی ہیں جن کی والدہ نے ہمیں بچپن میں اپنا دودھ پلایا تھا، شادی کے کچھ عرصہ بعد ہمیں ہماری ماں اور ہماری خالہ نے بتایا کہ مذکورہ خالہ نے ہمیں اپنا دودھ پلایا تھا، پوچھنا یہ ہے کہ ہمارے لئے شرعاً کیا حکم ہے اب ہم کیا کریں؟ شرعی حکم بتا کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ مستفتی: محمد معاذ گاشکوز سواتی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں آپ دونوں بھائیوں کی ماں اور خالہ کی بات کہ (مذکورہ خالہ نے آپکو اپنا دودھ پلایا ہے) اگر حقیقت پر مبنی ہے تو اس سے رضاعت ثابت ہوگئی اور یہ دونوں عورتیں آپکی بہنیں ہیں، غلطی سے نکاح ہوا ہے تو اب ہر ایک شوہر زبان سے چھوڑنے یا طلاق کے الفاظ بولکر یہ عورتیں عدت گذار دیں، عدت گذرنے کے بعد یہ دونوں عورتیں دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہیں لیکن یہ اس صورت میں کہ ان عورتوں کی بات پر شوہروں کو یقین یا غالب گمان ہو جائے۔

لما في صحيح البخاري: (رقم الحديث: ۲۶۴۵، طبع رحمانيه)

يحرم من الرضاع مايحرم من النسب.

ولما في فتاوى شامي: (۳/۲۱۵، طبع امداديه)

بيان ذلك أن الحديث دل على أن كل مايحرم من النسب يحرم نظيره من الرضاع.

ولما في ردالمحتار: (۵/۱۹۷، كتاب الطلاق، باب العدة، طبع امداديه)

قلت: لكن يشكل على هذا تصريحهم بان النكاح الفاسد انما يجب فيه مهر المثل والعدة بالوطء

ولما في التاتارخانية: (۳/۱۶۸، كتاب الرضاع، قديمي كتب خانه)

وفي الخلاصة: ويحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعاً.

ولما فی الهدایة:(۳۶۹/۲،کتاب الرضاع،طبع رحمانیه)

وقوله علیه السلام "یحرم من الرضاع مایحرم من النسب"

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۰محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۷۷۳

﴿مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد بچے کو دودھ پلانے سے ماں گنہگار ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد بچے کو دودھ پلانا ناجائز ہے، پلانے کی صورت میں پلانے والی بلاشبہ گنہگار ہوگی۔

لمافی التنویرمع الدر:(۲۱۱/۳،طبع ایچ ایم سعید)

ولم یبح الارضاع بعدمدته،لانه جزء آدمی والانتفاع به لغیرضرورةحرام علی الصحیح.وفی الشامیة:اقتصرعلیه الزیلعی وهوالصحیح کمافی شرح المنظومه بحر.لکن فی القهستانی عن المحیط:ولواستغنی فی حولین حل الارضاع بعدهماالی نصف ولاتاثم عندالعامةخلافا لخلف ابن ایوب.

ولمافی فتح القدیر:(۲۲۷/۳کتاب الرضاع،طبع رشیدیه)

هل یباح الارضاع بعدالمدة؟فقیل لایباح لان اباحته ضرورتلکونه جزء الآدمی.

ولمافی التاتارخانیه:(۱۸۱/۳،قدیمی کتب خانه)وفی الکافی:ولایباح الرضاع بعدالمدة

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:طاہرزمان عفی عنہ

۲۰محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۷۶۶

﴿رضاعی خالہ سے نہیں،البتہ اسکی بہن سے نکاح ہوسکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی کی بات میری خالہ کی جس لڑکی سے چل رہی تھی اس نے میری نانی کا دودھ پیا تھا،کسی سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ اس لڑکی سے آپ کا نکاح نہیں ہوسکتا،کیا واقعی میرا نکاح اس لڑکی سے نہیں ہوسکتا؟نیز کیا اس لڑکی کی دوسری بہنیں جنہوں نے میری نانی کا دودھ نہیں پیا،ان کے ساتھ بھی میرا نکاح نہیں ہوسکتا؟

﴿جواب﴾ آپکی خالہ کی جس لڑکی نے آپ کی نانی کا دودھ پیا ہے اس سے آپکا نکاح نہیں

ہوسکتا کیونکہ آپکی نانی کا دودھ پینے کی وجہ سے وہ آپکی نانی کی رضاعی بیٹی قرار پا گئی ہے، اس طرح وہ آپکی رضاعی خالہ قرار پائی ہے، ہاں اس کے علاوہ آپکی خالہ کی وہ بیٹیاں جنہوں نے آپکی نانی کا دودھ نہیں پیا ہے ان سے آپکا نکاح ہوسکتا ہے۔

لمافی مشکوۃ المصابیح: (۲۷۳، طبع ایچ ایم سعید)

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ یحرم من الرضاعۃ مایحرم من الولادۃ.

ولمافی التنویر مع الدر: (۲/۲۱۳-۲۱۵، طبع سعید)

(فیحرم منہ) ای بسببہ (مایحرم من النسب)..... (الام اخیہ واختہ)..... (و) ..... (اخت ابنہ) وبنتہ (وجدۃ ابنہ) وبنتہ الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدابخش

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۳۲

﴿رضاعی بھتیجے سے نکاح جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ثمینہ بنت جان ولی کی دو دادیاں ہیں پہلی دادی جو کہ اسکی اپنی سگی دادی ہے انکے پانچ بیٹے ہیں اور دوسری دادی (سوتیلی) سے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ ثمینہ نے اپنی سگی دادی کا دودھ مدت رضاعت میں پیا ہے، اب ثمینہ اور انکے چچا (جو رضاعی بھائی ہے) کے بچوں کا نکاح وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ثمینہ کی سوتیلی دادی کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے اور ثمینہ نے اس سوتیلی دادی کا دودھ نہیں پیا ہے اور اسکے والد نے بھی نہیں پیا ہے لیکن اس سوتیلی دادی کا دودھ انکی سگی دادی کے بچوں نے پیا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ ثمینہ کا اپنی سوتیلی دادی کے پوتوں اور نواسوں سے نکاح اور پردہ کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ ثمینہ بنت جان ولی نے اپنی سگی دادی کا دودھ مدت رضاعت میں پیا ہے جسکی وجہ سے ثمینہ اپنے چچاؤں کی رضاعی بہن قرار پاگئی اور دادی کے تمام لڑکے رضاعی بھائی تو جس طرح نسبی (حقیقی) بھائیوں کے بچوں سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح رضاعی بھائیوں کے بچوں سے بھی نکاح ناجائز اور حرام ہے۔

(۲) ثمینہ نے اپنی سوتیلی دادی کا دودھ اگر نہیں پیا ہے اور ثمینہ کے والد نے بھی اپنی سوتیلی

ماں کا دودھ نہیں پیا تو ثمینہ کا نکاح سوتیلے چچا زاد بھائیوں اور سوتیلے پھوپھی زاد بھائیوں سے جائز ہے اور پردہ بھی ضروری ہے بشرطیکہ جن سے نکاح مطلوب ہے انہوں نے خود یا انکے والد نے ثمینہ کی سگی دادی کا دودھ نہ پیا ہو۔

لمافی مشکوٰۃ المصابیح:(ص ۲۷۳،باب المحرمات،طبع سعید)

وعن علیؓ انه قال یارسول الله ﷺ هل لک فی بنت عمک حمزۃؓ فانها اجمل فتاة فی قریش فقال له اما علمت ان حمزةؓ اخی من الرضاعة وان الله حرم من الرضاعة ماحرم من النسب.رواه مسلم.

ولمافی التنویرمع الرد:(۲۱۳/۳،طبع سعید)(فیحرم منه مایحرم من النسب)

وفی الشامیة:معناه ان الحرمة بسبب الرضاع معتبرة بحرمة النسب.

ولمافی التنویرمع الدر:(۲۱۷/۳،طبع سعید)

(ولا)حل(بین الرضیعة وولدمرضعتها)ای التی ارضعتها(وولدولدها)لانه ولدالأخ.

ولمافی الفتاوی الهندیة:(۳۴۳/۱،طبع رشیدیه)

یحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب.....فالکل اخوة الرضیع وأخواته واولادهم اولاداخوته واخواته.....الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۱۴رجب المرجب ۱۴۳۱ھ　　　　فتوی نمبر:۲۷۴۵

﴿ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی میرے کزن کے ساتھ ہوئی الحمدللہ بہت اچھی زندگی گزر رہی تھی،اسی دوران میرا ایک لڑکا ہوگیا اور شادی کو دو سال مکمل ہوگئے تو ہماری ایک دور کی رشتہ دار خاتون آئیں اور انہوں نے کہا کہ تم دونوں آپس میں بہن بھائی ہو جبکہ بچپن سے کوئی اس طرح کا تذکرہ ہم نے نہیں سنا اگر اس طرح ہوتا تو شادی کیوں کرتے؟!

اب میں اپنے شوہر سے الگ ہوگئی لیکن بہت پریشان ہو رہی ہوں،مہربانی فرما کر کوئی بھی صورت ہمارے نکاح کو برقرار رکھنے کی نکال دیں،اللہ آپکو بہت اجر دے گا،واضح رہے کہ ان خاتون کے علاوہ اور کوئی یہ بات نہیں کہتا ہے۔　　　　مستفتیہ:بنت عبداللہ کراسنگ

﴿جواب﴾ کسی ایک خاتون کی بات سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی،لہذا آپ

دونوں کا نکاح بدستور قائم ہے، البتہ محض اس خاتون کی بات نہیں کچھ دیگر قرائن سے بھی معلوم ہو جائے کہ تم دونوں رضاعی بہن بھائی ہو جسکی وجہ سے میاں بیوی کو بھی اس بات کا یقین یا غالب گمان ہو جائے تو ایسی صورت میں علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے۔

لما فی اعلاء السنن:(۲۷۶/۱۵،طبع بیروت)

فائدة:لاتقبل شهادة النساء منفردات على الرضاع عندنا.

ولما فی التنویر مع الدر:(۲۲۴/۳،طبع سعید)

(و)الرضاع(حجته حجة المال)وهي شهادة عدلين او عدل وعدلتين لكن لاتقع الفرقة الابتفريق القاضي.

وفي الشامية:(قوله وهي......)اي من الرجال وأفاد انه لايثبت بخبر الواحد امرأة كان او رجلا قبل العقد اوبعده......وان بعده وهما كبيران فالاحوط التنزه.

لما فی بدائع الصنائع:(۱۴/۴،طبع سعید کمپنی)

واما البينة فهي ان يشهد على الرضاع رجلان اورجل وامراتان ولايقبل على الرضاع اقل من ذلك ولاشهادة النساء بانفرادهن وهذا عندنا.

واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر: ۲۶۷۲
۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿دو عورتوں کا ایک دوسرے کے بچوں کو دودھ پلانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا رضاعت کی وجہ سے جانبین سے بہن بھائی حرام ہو جاتے ہیں یا ایک طرف سے؟ نیز اگر دو عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے بچوں کو دودھ پلائیں تو کیا دونوں کی اولاد میں سے ہر ایک دوسری کی اولاد پر حرام ہو جاتی ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

مستفتی: محمد ابراہیم کوہائی لاچی سوڈل

﴿جواب﴾ رضاعت کے بارے میں ایک ضابطہ سمجھ لیں، امید ہے اس سے رضاعت کے اکثر مسائل واضح ہوں گے، ضابطہ یہ ہے کہ کوئی بھی بچہ اپنی ماں کے علاوہ کسی عورت کا دودھ اگر پی لے تو یہ بچہ اس عورت کا اور اسکے شوہر کا رضاعی بیٹا قرار پاتا ہے اور ان دونوں کی اولاد کے لئے رضاعی بھائی قرار پاتا ہے اور نکاح سے متعلق رضاعی بھائی، بیٹے کا وہی حکم ہے جو ایک نسبی بھائی بیٹے کا ہوتا ہے لیکن صرف یہی دودھ پینے والا بچہ ہی رضاعی بیٹا، بھائی قرار پائیگا۔

اس بچے کے بھائی بہن دودھ پلانے والی اور اسکے شوہر کے لئے رضاعی اولاد قرار نہیں پاتے، لہذا دودھ پینے والے بچے کے بھائی، بہنوں کا رشتہ اس عورت اور اسکے شوہر کی تمام اولاد سے ہوسکتا ہے۔ صرف دودھ پینے والے بچے کا رشتہ اس عورت اور اسکے شوہر کی تمام اولاد اور دیگر محارم سے نہیں ہوسکتا، دو عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے بچے کو دودھ پلادیں تو مندرجہ بالا ضابطہ سے اس کا حکم بھی واضح ہوگیا کہ صرف دودھ پینے والے بچوں کا رشتہ دودھ پلانے والی عورتوں کی اولاد اور محارم کیساتھ نہیں ہوسکتا، ان عورتوں کی دیگر اولاد کا رشتہ آپس میں ہوسکتا ہے یعنی جنھوں نے دوسری عورت کا دودھ نہیں پیا ان کا رشتہ آپس میں ہوسکتا ہے، اس لئے کہ یہ آپس میں نہ تو نسبی بھائی، بہن ہیں اور نہ رضاعی، لہذا انکا رشتہ جائز ہے۔

لما في الهندية:(۱/۳۴۳،طبع رشيديه)

يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعاحتى ان المرضعة لوولدت من هذاالرجل او غيره قبل هذاالارضاع او بعده او ارضعت رضيعا...... فالكل اخوة الرضيع واخواته واولادهم اولاداخوته واخواته واخوالرجل عمه واخته عمته واخوالمرضعة خاله اختهاخالته وكذا في الجد والجدة.

ولما في بدائع الصنائع:(۲/۴،طبع سعيد)

وكذابناتها يحرمن عليه سواء كن من صاحب اللبن اومن غير صاحب اللبن من تقدم منهن ومن تأخر لانهن اخواته من الرضاعة وقد قال الله عزوجل واخواتكم من الرضاعة اثبت تعالى الاخوة بين بنات المرضعة و بين المرضع والحرمة بينهما مطلقا من غيرفصل بين اخت واخت وكذا بنات بناتها وبنات ابنائها وان سفلن لانهن بنات أخ المرضع و اخته من الرضاعة وهن يحرمن من النسب كذا من الرضاعة.

ولما في البحرالرائق:(۳/۲۲۸طبع سعيد)

ولوكانت ام البنات أرضعت احدى البنين وأم البنين أرضعت احدى البنات لم يكن للابن المرتضع من أم البنات ان يتزوج واحدة منهن وكان لاخوته ان يتزوجوا بنات الاخرى الا الابنة التي أرضعتها أمهم وحدها لانها اختهم من الرضاعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۱۰۲

﴿سگی بہن کی رضاعی بہن کیساتھ نکاح جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہندہ نے زید کیساتھ اس کی ماں کا دودھ پیا ہے،

اب ہندہ کے بڑے بھائی کا نکاح زید کی چھوٹی بہن کیساتھ درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زید کی ماں کا دودھ پینے سے ہندہ اس خاتون کی بیٹی قرار پائی، لہٰذا ہندہ کا نکاح زید یا اسکے دیگر بہن بھائیوں سے نہیں ہوسکتا، لیکن ہندہ کے دیگر بہن بھائیوں کا رشتہ زید اور اسکے دیگر بہن بھائیوں کیساتھ جائز ہے، لہٰذا ہندہ کے بڑے بھائی کا نکاح زید کی چھوٹی بہن کیساتھ بلاشبہ درست ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۲۱۰، طبع امدادیه)

(وتحل اخت اخیه رضاعا) یصح اتصاله بالمضاف کان یکون له اخ نسبی له اخت رضاعیة ... (ولا حل بین رضیعی امرأة) لکونهما اخوین وان اختلف الزمن والاب (ولا) حل (بین الرضیعة وولد مرضعتها)

ولمافی الهدایة:(۲/۳۷۱، طبع رحمانیه)

ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیه من الرضاع لانه یجوز ان یتزوج باخت اخیه من النسب ......وکل صبیین اجتمعا علی ثدی امرأة واحدة لم یجز لاحدهما ان یتزوج بالاخری هذا هو الاصل.

ولمافی الشامی:(۲/۲۱۰-۲۱۱، طبع امدادیه)

لوکانت ام البنات ارضعت احدالبنین وام البنین ارضعت احدی البنات لم یکن للابن المرتضع من ام البنات ان یتزوج واحدة منهن وکان لاخوته ان یتزوجوا بنات الاخری، الاالابنة التی ارضعتها امهم......الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم

۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۲۰

﴿رضاعی بہن بھائی کا نکاح نہیں ہوسکتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ کسی عورت کا دودھ لڑکے اور لڑکی نے پیا ہو تو ان کا نکاح آپس جائز ہے یا نہیں؟ (۲) ایک صاحب کہتے ہیں کہ ماموں اور بھانجی کا نکاح نہیں ہوسکتا کیا یہ درست ہے؟ واضح رہے کہ ماموں سے ان صاحب کی مراد لڑکی کے نانا کا بھتیجا ہے (۳) وہ گیارہ عورتیں کون ہیں جن سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے؟ مستفتی: محمد یوسف لانڈھی

﴿جواب﴾ (۱) کسی بچے اور بچی نے اگر مدت رضاعت میں کسی ایک عورت کا دودھ پیا ہو تو ان کا نکاح آپس میں بالکل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ دونوں رضاعی بہن بھائی بن گئے ہیں، رضاعی

بہنیں محرمات ابدیہ میں سے ہیں۔

لمافی قوله تعالی:(سورة النساء،آیت۲۳)

﴿حرمت علیکم امهٰتکم وبنٰتکم واخواتکم وعمّٰتکم وخٰلٰتکم وبنٰت الاخ وبنٰت الاخت وامهٰتکم الّٰتی ارضعنکم واخوٰتکم من الرضاعة......الأية.﴾

ولمافی الدرالمختار:(۲۸/۳ طبع سعید)

اسباب التحریم انواع:قرابة،مصاهرة،رضاع.....الخ.

وفی الشامية:(قوله رضاع)فیحرم به مایحرم من النسب......الخ.

(۲) ماموں اور بھانجی کا نکاح نہیں ہوسکتا یہ بات تو بالکل درست ہے لیکن تفتیش کرنے سے معلوم ہوا کہ ماموں سے ان صاحب کی مراد لڑکی کے نانا کا بھتیجا ہے جو کہ شرعاً ماموں نہیں ہے، لہٰذا نانا کے بھتیجا کیساتھ لڑکی کا نکاح بالکل جائز ہے، اس لئے کہ یہ محرمات میں داخل نہیں ہے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة النساء،آیت۲۴)

﴿احل لکم ما وراء ذٰلکم ان تبتغوا باموالکم......الأية.﴾

(۳) گیارہ عورتیں جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے جن کا ذکر باقاعدہ آیت میں ہے آیت مع ترجمہ ملاحظہ ہو: (قوله تعالیٰ: (سورة النساء، آیت ۲۳)

﴿حرمت علیکم امهٰتکم وبنٰتکم واخوٰتکم وعمّٰتکم وخٰلٰتکم وبنٰت الاخ وبنٰت الاخت وامهٰتکم الّٰتی ارضعنکم واخوٰتکم من الرضاعة وامهٰت نسا ئکم وربائبکم الّٰتی فی حجورکم من نسائکم الّٰتی دخلتم بهن......الأية.﴾

ترجمہ: حرام کی گئی ہیں تمہارے اوپر (۱) تمہاری مائیں (۲) تمہاری بیٹیاں (۳) تمہاری بہنیں (۴) تمہاری پھوپھیاں یعنی باپ کی بہنیں (۵) تمہاری خالائیں یعنی ماں کی بہنیں (۶) تمہاری بھتیجیاں یعنی بھائیوں کی بیٹیاں (۷) تمہاری بھانجیاں یعنی بہنوں کی بیٹیاں (۸) تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے (۹) تمہاری وہ بہنیں جنھوں نے تمہارے ساتھ کسی عورت کا دودھ پیا ہے یعنی رضاعی بہنیں (۱۰) تمہاری ساس یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں (۱۱) تمہاری وہ بیویاں جن کی ساتھ تم نے صحبت کی ہے ان کی وہ بیٹیاں جوان کے پہلے شوہر سے ہوں۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

۲ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۱۹۵۸

﴿رضاعی بھانجی، بھتیجی سے نکاح درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی پھوپھی کیساتھ دادی کا دودھ پیا یا خالہ کیساتھ نانی کا دودھ پیا، پوچھنا یہ ہے کہ اب اس کیلئے پھوپھی زاد یا خالہ زاد بہنوں سے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ دادی یا نانی کا دودھ پینے کی وجہ سے یہ شخص ان کا رضاعی بیٹا قرار پاتا ہے، اور یہ شخص پھوپھی اور خالہ کیلئے جہاں نسبی بھانجا، بھتیجا ہے وہاں رضاعی بھائی بھی ہے، اسی طرح پھوپھی اور خالہ کی لڑکیوں کیلئے یہ شخص رضاعی ماموں بھی بن گیا ہے، لہذا اس شخص کا نکاح پھوپھی زاد یا خالہ زاد بہنوں سے نہیں ہوسکتا۔

لمافی التنویرمع الدر:(۲/۴۱۰،طبع امدادیه)

(ولا حل بین رضیعی امرأة) لکونهما اخوین وان اختلف الزمن والاب(ولا)حل(بین الرضیعة)(ولد مرضعتها) ای التی ارضعتها(وولدولدها)لانه ولدالاخ.

ولمافی الهندیة:(۱/۳۴۳،طبع رشیدیه)

یحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعا حتی ان المرضعة لو ولدت من هذاالرجل او غیره قبل هذاالارضاع او بعده--- فالکل اخوة الرضیع واخواته---الخ.

ولمافی التاتارخانیة:(۳/۱۶۸،طبع قدیمی)

وفی "الخلاصة": ویحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری
۱۸محرم الحرام ۱۴۲۹ھ	فتویٰ نمبر: ۱۲۳۰

﴿رضاعی خالہ کے ساتھ نکاح درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خالہ کی بیٹی نے نانی کا دودھ بچپن میں پیا ہے اس خالہ کی بیٹی کا نکاح دوسری خالہ کے بیٹے کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نانی کا دودھ پینے کیوجہ سے یہ لڑکی نہ صرف نواسی ہے بلکہ یہ نانی کی رضاعی بیٹی

بھی قرار پائی ہے اور اس لڑکے کیلئے نہ صرف خالہ زاد بہن بلکہ رضاعی خالہ بھی بن گئی ہے، اس لئے دونوں کا آپس میں رشتہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

لمافی جامع الترمذی:(۱/۱۳۶ طبع فاروقی ملتان)

عن علیؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حرم من الرضاع ما حرم من النسب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

فتویٰ نمبر: ۲۱۶۴

﴿سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک شخص نے ایک لڑکی سے شادی کی اور اس شخص کا لڑکا بھی جوان تھا اپنے اس لڑکے کی شادی سالی سے کرادی اسکا کیا حکم ہے؟ اپنی سالی کی شادی لڑکے سے کرانا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ سوتیلی ماں کی بہن سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ سوتیلی ماں کی بہن اور اس مرد کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہ ہو، لہذا یہ رشتہ درست ہے۔

لمافی البدائع:(۲/۲ طبع سعید)

المحرمات نکاحا علی التأبید انواع ثلاثۃ محرمات بالقرابۃ ومحرمات بالصھریۃ ومحرمات بالرضاع.

ولمافی الھندیۃ:(۱/۲۷۷ طبع رشیدیہ)

والاصل ان کل امرأتین لو صورنا احداھما من ای جانب ذکرا لم یجز النکاح بینھما برضاع او نسب لم یجز الجمع بینھما ھکذا فی المحیط.

ولمافی الدر المختار:(۲/۹۹-۱۰۰ طبع امدادیہ)

اسباب التحریم انواع قرابۃ مصاھرۃ رضاع جمع ملک شرک ادخال امۃ علی حرۃ، فھی سبعۃ ذکرھا المصنف بھذا الترتیب وبقی التطلیق ثلاثا وتعلق حق الغیر بنکاح او عدۃ ذکرھا فی الرجعۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبدالستار

۶ رجب ۱۴۲۸ھ

فتویٰ نمبر: ۱۰۵۴

﴿رضاعت کے مسئلہ میں شہادت کا نصاب﴾

﴿سوال﴾ ایک عورت اپنے بیٹے اور بہو (جو کہ میاں بیوی ہیں) سے کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو مدت رضاعت کے اندر دودھ پلایا تھا اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس عورت کے دودھ پلانے

کے بارے میں اسطرح کہنے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی یا شرعی شہادت کی ضرورت ہوگی؟ اگر رضاعت ثابت ہو جائے تو کیا نکاح باطل ہو جائیگا؟ از راہ کرم وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ صرف ایک عورت کے کہنے سے کہ ”میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا“ حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، حرمت ثابت ہونے کے لئے باقاعدہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی شرط ہے، تاہم بیٹے کو اپنی ماں کی بات پر اگر یقین آرہا ہے کہ واقعی ہم دونوں کو دودھ پلایا ہوگا تو بہتر ہے کہ وہ اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرلے اور ایک طلاق بائن دیدے جب عدت گزر جائے اس کے بعد یہ خاتون کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔

لما في التنوير مع الدر:(۲۲۰/۴، طبع امدادیه)

(و)الرضاع(حجته حجة المال)وهي شهادة عدلين أو عدل وعدلتين.

وفي الشامية:وان بعده وهما كبيران فالأحوط التنزه.

ولما في بدائع الصنائع:(۱۴/۴، طبع سعيد)

واما البينة فهي ان يشهد على الرضاع رجلان أو رجل وامرأتان ولا يقبل على الرضاع أقل من ذلك ولا شهادة النساء بانفرادهن.

ولما في اعلاء السنن:(۲۷٦/۱۵، طبع بيروت)

فائدة:لاتقبل شهادة النساء منفردات على الرضاع عندنا......الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:

﴿صرف پستان چوسنے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بچے کی ولادت کے دو سال ہوئے تھے کہ میرا دودھ خشک ہو گیا اسی دوران ایک بچی کے والدین میں اختلاف ہوا جسکی وجہ سے بچی کی والدہ نے اپنی بچی کو دودھ پلانا چھوڑ دیا تو میں نے اس بچی کو بہلانے کیلئے اپنا پستان اسکے منہ میں دیا اب اس لڑکی کیساتھ میرے بیٹے کی شادی ہوئی ہے شریعت کی نظر میں ان کا نکاح آپس میں جائز ہے یا نہیں؟ مستفتیہ: ام ہارون ٹانک

﴿جواب﴾ رضاعی بہن بھائی کا آپس میں نکاح کرنا ناجائز ہے لیکن مذکورہ صورت میں جب

آپ کو یقین ہے کہ جب میں نے بچی کے منہ میں پستان دیا تھا اس وقت میرا دودھ خشک ہو چکا تھا تو ایسی صورت میں رضاعت ہی ثابت نہیں ہوئی، لہٰذا آپ کے بیٹے کا نکاح اس کے ساتھ جائز ہے۔

لمافی الدر المختار:(۲۱۲/۳،طبع سعید)

فلو التقم الحلمة ولم يدر ادخل اللبن في حلقه ام لا لم يحرم، لان في المانع شكاً والوالجية.

وفي الشامية:وفي القنية:امرأة كانت تعطى ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن حين القمتها ثديي ولم يعلم ذلك الامن جهتها جاز لابنها ان يتزوج بهذه الصبية اه ط وفي الفتح:لو ادخلت الحلمة في في الصبي وشكت في الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك.

ولمافی البحر الرائق:(۲۲۲/۳،طبع سعید)

وخرج بالوصول لو ادخلت امرأة حلمة ثديها في فم رضيع ولا يدرى ادخل اللبن في حلقه ام لا لا يحرم النكاح لان في المانع شكاً كذا في الولوالجية وفي القنية امرأة كانت تعطى ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن حين القمتها ثديي ولا يعلم ذلك الا من جهتها جاز لابنها ان يتزوج بهذه الصبية.

ولمافی فتح القدیر:(۴۱۸/۳،طبع رشیدیہ)

(قوله قليل الرضاع وكثيره سواء اذا تحقق في مدة الرضاع تعلق به التحريم)وبه قال مالك،اما لو شك فيه بان ادخلت الحلمة في فم الصغير وشكت في الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك......الخ.

الجواب صحیح:عبد الرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:سلمان احمد

۱۴ جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۱۷۳

﴿اپنی لڑکی کے رضاعی بھائی کے بھائی سے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ میں نے اپنی چھوٹی لڑکی (گلشن بی بی) کا قول کیا تھا (محمد سلیم) کیساتھ کہ میں اسکے نکاح میں دوں گا گویا رواج کے مطابق منگنی ہوئی تھی لیکن اب پتہ چلا ہے کہ (محمد سلیم) کے بڑے بھائی نے میری اہلیہ کا دودھ پی لیا تھا، اس لڑکی کے علاوہ دوسرے میرے لڑکے کیساتھ جس کے ساتھ میری لڑکی (گلشن بی بی) کا نکاح ہونے والا ہے یعنی (محمد سلیم) نے میری اہلیہ کا دودھ نہیں پیا ہے، البتہ اسکے دوسرے بھائی (محمد رحمن) نے پیا ہے اب ہم تشویش میں ہیں کہ کیا یہ نکاح جائز ہوگا یا ناجائز؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپکی لڑکی (گلشن بی بی) کا نکاح (محمد سلیم) کیساتھ بلاشبہ

جائز ہے، انکے بڑے بھائی (محمد رحمٰن) کے دودھ پینے سے (محمد سلیم) رضاعی بھائی نہیں قرار پاتا، البتہ جس نے دودھ پیا ہے یعنی (محمد رحمٰن) وہ آپکی اہلیہ کا رضاعی بیٹا قرار پایا ہے صرف اس سے آپکی کسی بھی بیٹی کا نکاح نہیں ہوسکتا اور اس کے علاوہ اسکے تمام بھائیوں وغیرہ کیساتھ آپکی کسی بھی بیٹی کا نکاح ہوسکتا ہے۔

لمافی التنویر:(۲/۴۰۲ طبع امدادیہ)(فیحرم منه مایحرم من النسب.....الا أم أخیه وأخته)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۳/۳/۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۳۱

﴿اپنے حقیقی بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ زید نے عمر کی والدہ کا دودھ پیا ہے اور عمر کا بھائی ہے جس کا نام بکر ہے کیا اس (بکر) کا زید کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے؟ مستفتی: تاج لانڈھی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں بکر کا نکاح زید کی بہن کے ساتھ جائز ہے۔

لمافی الهندیة:(۱/۳۴۳ طبع رشیدیه)

یحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعا.

وفیه ایضا: وتحل اخت اخیه رضاعا کما تحل نسبا مثل الاخ لأب اذا کانت له اخت من امه یحل لاخیه من ابیه أن یتزوجها کذافی الکافی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۴۲۹

﴿رضاعی چچا سے بھتیجی کے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکے نے ڈیڑھ یا دو سال کی عمر میں اپنی دادی کا دودھ پیا تھا اب وہ لڑکا چچازاد بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا اس صورت میں چچازاد بہن اس کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟ یعنی دونوں کا نکاح آپس میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اس لڑکے نے واقعی اپنی دادی کا دودھ پیا ہو تو یہ لڑکی اس لڑکے کی رضاعی بھتیجی لگتی ہے اور بھتیجی خواہ نسبی ہو یا رضاعی اس سے نکاح جائز نہیں، لہٰذا مذکورہ

صورت میں دونوں کا نکاح آپس میں نہیں ہوسکتا۔

لمافی التنویر مع الدر:(۳/۲۱۳،طبع سعید)

(فیحرم منه) ای بسببه (مایحرم من النسب) رواه الشیخان.

ولمافی الهدایة:(۲/۳۶۹،کتاب الرضاع،طبع رحمانیه)

قوله علیه السلام یحرم من الرضاع مایحرم من النسب.

ولمافی البحر الرائق:(۳/۲۲۲،طبع سعید)

(قوله وحرم به وان قل فی ثلاثین شهراما حرم منه بالنسب) ای حرم بسبب الرضاع ماحرم بسبب النسب قرابة وصهریة فی هذه المدة ولوکان الرضاع قلیلا لحدیث الصحیحین المشهور......الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین ڈیروی

۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:

﴿سوتیلی دادی سے رضاعت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکے کی، ایک لڑکی کے ساتھ منگنی ہوگئی، بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکے نے لڑکی کی سوتیلی دادی سے دودھ پیا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا مذکورہ لڑکے کیلئے اُس لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ ایک مفتی صاحب نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ مستفتیہ: مسز عطاء اللہ

﴿جواب﴾ صورتِ مسئولہ میں اگر یہ دودھ جو سوتیلی دادی نے مذکورہ لڑکے کو پلایا ہے لڑکی کے دادا ہی سے تھا یعنی دادا کے نکاح میں آنے سے قبل کسی اور شوہر سے اُس کی چھاتیوں میں دودھ نہیں تھا تو پھر مذکورہ لڑکی، لڑکے کی رضاعی بھتیجی بن گئی ہے اِس لئے اُن کا آپس میں نکاح جائز نہیں ہے۔

لمافی الهدایة:(۲/۳۷۰،طبع رحمانیه)

ولبن الفحل یتعلق به التحریم وهوان ترضع المرأة صبیة فتحرم هذه الصبیة علی زوجها وعلی اٰبائه وابنائه ویصیر الزوج الذی نزل لها منه اللبن أباللمرضعة

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۴۰۹

﴿رضاعت سے متعلق مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ طاہرہ نے کاشف کی ماں کا دودھ پیا کاشف کی چھوٹی بہن کے ساتھ، اب طاہرہ اور کاشف کا آپس میں رشتہ ہو سکتا ہے؟ اسی طرح مدثر نے دودھ پیا ہے صائمہ کی ماں کا صائمہ کی چھوٹی بہن کے ساتھ، مدثر اور صائمہ کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ سائلہ: متعلمہ

﴿جواب﴾ جس بچے نے شیر خوارگی کے زمانے میں جس عورت کا دودھ پیا وہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں بن گئی اور اسکی اولاد خواہ اس بچے کے ساتھ دودھ پینے میں شریک ہوں یا نہ ہوں اس بچے کی رضاعی بہن بھائی بن گئیں، لہٰذا اس بچے کے ساتھ ان میں سے کسی کا نکاح شرعاً درست نہیں ہے۔

سوال میں ذکر کردہ صورت کے مطابق طاہرہ اور کاشف، اسی طرح مدثر اور صائمہ چونکہ آپس میں رضاعی بھائی بہن ہیں، لہٰذا طاہرہ اور کاشف کا آپس میں نکاح جائز نہیں اور مدثر کا نکاح صائمہ سے جائز نہیں۔

لما فی الدر مع الرد: (۲۱۷/۳، طبع سعید)

(ولا حل بین رضیعی امرأة) لکونهما اخوین وان اختلف الزمن والاب، (قوله وان اختلف الزمن) كان ارضعت الولد الثاني بعد الاول بعشرين سنة مثلا وكان كل منهما في مدة الرضاع (ولا حل بين الرضيعة وولد مرضعتها) اى التى ارضعتها وشمل ايضا مالو ولدته قبل ارضاعها للرضيعة اوبعده ولو بسنين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبید اللہ عابد دیروی

۵ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۴۰۰

﴿لاعلمی کی صورت میں رضاعی بہن بھائی کے نکاح اور ان کی اولاد کا حکم﴾

﴿سوال﴾ خالد اور نائلہ کی شادی ہوگئی اور اُن کے ۳ بچے بھی ہو گئے، بعد میں پتہ چلا کہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں، مکمل تحقیق کے بعد ان دونوں کے درمیان رضاعت کا رشتہ ثابت ہوگیا، اب سوال یہ ہے کہ ان کے نکاح کا کیا حکم ہے؟ اور ان تینوں بچوں کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: شاکر اللہ صاحب سواتی

﴿جواب﴾ حقیقت سے مکمل آگاہی کے بعد رضاعت کا رشتہ ثابت ہونے پر دونوں کے

درمیان تفریق کرنا ضروری ہے جو کہ نفس متارکت سے ثابت ہوجاتی ہے کہ شوہراُس منکوحہ سے یہ کہہ دے کہ میں نے اس عورت کو علیحدہ کردیا یا اس کو طلاق دیدی تو پھراس عورت پر عدّت واجب ہوگی (عدّت کے گزرنے کے بعد اگر عورت دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر سکتی ہے) اور مرد پر مہر مثل لازم ہوگا، لیکن بچّوں کا نسب باپ کی طرف منسوب ہوگا۔

لمافی المشکوٰۃ:(۲/۲۷۳ طبع سعید)

عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ یحرم من الرّضاع مایحرم من الولادۃ رواہ البخاری۔

ولمافی التنویر مع الدر:(۳/۲۷۳ طبع امدادیہ)

(ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد) قال الشامی تحت ہذہ (قولہ:فی نکاح فاسد) وحکم الدخول فی النکاح الموقوف کالدخول فی الفاسد،فیسقط الحد ویثبت النسب ویجب الأقل من المسمیٰ ومن مہر المثل اھ۔

ولمافی التنویر مع الدر:(۵/۱۹۷ طبع امدادیہ)

قلت :ویشکل علیہ أن نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد کما علمت مع انہ لم یقل أحد من المسلمین بجوازہ وتقدم فی باب المہران الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ وثبوت النسب.....وذکر فی کتاب الدعوی من الاصل:اذا تزوجت المراۃ بغیر اذن مولاھا ودخل بھا الزوج وولدت لستۃ اشھر مذ تزوجھا فادعاہ المولی والزوج فھو ابن الزوج فقد اعتبرہ من وقت النکاح لا من وقت الدخول ولم یحک خلافاً.قال الحلوانی:ھذہ المسئلۃ دلیل علی ان الفراش ینعقد بنفس العقد فی النکاح الفاسد..... فھذا صریح فی ثبوت النسب فیہ ویتبعہ وجوب العدۃ فکان ما فی المحیط والا ختیار سھواً۔

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: صلاح الدین

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ　　　　فتوی نمبر:۳۱۶

﴿حرمت رضاعت کے ثبوت کی ایک صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری کوئی اولاد نہیں، میں ایک شیرخوار بچہ گود لینا چاہتا ہوں، کیا یہ بچہ بالغ ہونے کے بعد میری اہلیہ کے لئے نامحرم ہوجائے گا؟ اور اس سے میری اہلیہ کا پردہ ہوگا؟ اور ایسی کیا صورت ہوگی کہ یہ بچہ میری اہلیہ کا محرم بن جائے اور اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے۔؟　　مستفتی: بھائی آصف حسین

﴿جواب﴾ (۱) محرمات میں سے کوئی رشتہ نہ ہو تو صرف گود لینے سے یا متبنّی (منہ بولا بیٹا)

بنالینے سے وہ بچہ محرم نہیں بن جاتا بلکہ نامحرم ہی رہتا ہے، اس سے پردہ بھی ہوگا۔

(۲) اس کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ آپ کی اہلیہ یا اہلیہ کی حقیقی بہن اس شیر خوار بچہ کو مدت رضاعت میں دودھ پلادیں تو یہ بچہ آپ کی اہلیہ کا رضاعی بیٹا اور اہلیہ کی بہن کا دودھ پینے سے رضاعی بھانجا بن جائیگا اور اس بچہ سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائیگی، البتہ وراثت وغیرہ کے احکامات جاری نہیں ہونگے۔

لمافی قوله تعالی:(سورۃ الاحزاب،ایت ۴)

وماجعل ادعیاء کم ابناء کم ذلکم قولکم بافواهکم......الأیة.

ولمافی المظهری:(۵۶/۲ سورۃ النساء،طبع رشیدیه)

(وامهتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة) وکذاالعمات والخالات وبنات الاخ وبنات الاخت من الرضاعة اجماعا علے حسب مافصلناه فی النسب ......الخ.

ولمافی المرقاة:(۲۹۲/۲،طبع رشیدیه)

(یحرم من الرضاع مایحرم من الولادة......)قال النووی فیه دلیل علی انه یحرم النکاح ویحل النظر والخلوة والمسافرة لکن لا یترتب علیه احکام الامور من کل وجه فلا یتوارثان......الخ.

ولمافی البحر:(۲۲۸/۳،طبع سعید)

(قوله وبین مرضعة وولد مرضعتها وولد ولدها)......بعداسطر......وکذالایتزوج اخت المرضعة لانها خالته ولا ولد ولدها لانه ولد الاخ......الخ.

ولمافی تبیین الحقائق:(۲۵۹/۲،طبع سعید)

اعلم ان المحرمات انواع :النوع الاول......والنوع الثانی......والثالث المحرمات بالرضاع وانواعهن کالنسب......الخ.وکذافی الشلبی علی حاشیة التبیین:(۲۵۹/۲)

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب :انیس طالب
۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	فتوی نمبر:۲۶۲۵

﴿نانی کے دودھ پینے کیوجہ سے خالہ زاد سے نکاح درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ نواسی نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے، خالہ زاد بھائی سے اسکا نکاح درست ہے؟

﴿جواب﴾ یوں تو خالہ زاد بھائی سے نکاح درست ہے لیکن مذکورہ صورت میں نانی کا دودھ پینے سے یہ لڑکی نانی کیلئے رضاعی بیٹی بھی قرار پائی اسطرح اپنے خالہ زاد بھائی کیلئے رضاعی خالہ بھی قرار پاگئی تو جہاں یہ لڑکی نسباً اس لڑکے کیلئے خالہ زاد بہن ہے دودھ پینے کیوجہ سے ساتھ

ساتھ رضاعی خالہ بھی قرار پا گئی اس لئے اس لڑکی کا اپنے خالہ زاد بھائی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

لمافی فتح القدیر:(۴۲۰/۳،طبع رشیدیہ)

واذا ثبتت هذه الحرمة من زوج المرضعة لمنها اولی فلا تتزوج اباها لانه جدها لامها ولا اخاها لانه خالها ولا عمها لانها بنت اخيه ولا خالها لانها بنت لخته ولا ابنائها.

ولمافی الهندية:(۳۴۳/۱،طبع رشيديه)

اوارضعت امرأة من لبنه رضيعا فالكل اخوة الرضيع واخواته واولادهم اولاد اخوته واخواته واخوالرجل عمه واخته عمته واخوالمرضعة خاله واختها خالته.

ولمافی الدرالمختار:(۲۰۲/۴،طبع امداديه)فيحرم منه ما يحرم من النسب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ

۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر: ۷۱۰

﴿رضاعی ماں کی سوتیلی بہن سے نکاح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ زید نے ہندہ کا دودھ پیا ہے، ہندہ کی ایک سوتیلی بہن فاطمہ ہے، زید کا نکاح فاطمہ سے جائز ہے یا نہیں؟　　　مستفتی: اعجاز رحیم صاحب

﴿جواب﴾ ہندہ کا دودھ پینے سے زید اس کا رضاعی بیٹا قرار پایا فاطمہ چونکہ ہندہ کی بہن ہے اگر چہ سوتیلی ہے لیکن رضاعت کیوجہ وہ زید کی خالہ قرار پائی ہے اور نسب میں چونکہ سوتیلی خالہ سے نکاح ناجائز ہے، لہٰذا رضاعت کیوجہ سے بھی ناجائز ہے۔

لمافی فتح القدیر:(۴۲۰/۳،طبع رشیدیہ)

واذاثبتت هذه الحرمة من زوج المرضعة لمنها اولی فلا تتزوج اباها لانه جدها لامها ولا اخاها لانه خالها ولا عمها لانها بنت اخيه ولا خالها لانها بنت لخته ولا ابنائها.

ولمافی الهندية:(۳۴۳/۱،طبع رشيديه)

اوارضعت امرأة من لبنه رضيعا فالكل اخوة الرضيع واخواته والادهم اولاداخوته واخواته واخوالرجل عمه واخته عمته واخوالمرضعة خاله واختها خالته.

ولمافی التنویر مع الدر:(۲۰۲/۴،طبع امداديه)

(امرمية المرضعة للرضيع و)يثبت (ابوة زوج مرضعة)اذاكان (لبنهامنه له) ......

(فيحرم منه)اي بسببه (مايحرم من النسب)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرہ اللہ

۴ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر: ۹۵۳

﴿بیوی کا دودھ اگر منہ میں چلا جائے تو نکاح متاثر نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنی بیوی کا دودھ پینا کیسا ہے؟ کیا اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ میرے ساتھ مسئلہ پیش آیا ہے اور میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے میں پانچ چھ دن سے کافی تشویش میں مبتلا ہوں۔ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ اپنی بیوی کا دودھ پینا حرام ہے لیکن اس عمر میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، حرمت رضاعت کے ثبوت کیلئے دو اڑھائی سال کی عمر میں دودھ پینا شرط ہے آپکو کسی نے غلط مسئلہ بتایا ہے، البتہ اپنی بیوی کے دودھ پینے سے آئندہ کیلئے احتراز کریں۔

لمافی الخانیة: (۱/۲۱۷، طبع رشیدیه)

ووقت الرضاع فی قول ابی حنیفةؒ مقدر بثلاثین شهرا اذا ارتضع فی هذه المدة تثبت الحرمة...... قال ابویوسفؒ ومحمدؒ والشافعیؒ وقته مقدر بحولین ان ارتضع فی لحولین تثبت الحرمة فطم اولم یفطم وبعد الحولین لاتثبت....... اذامص الرجل ثدی امراته وشرب لبنها لم تحرم علیه امراته.

ولمافی الدر المختار: (۳/۲۲۵، طبع سعید) مص رجل ثدی زوجته لم تحرم.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:

﴿رضاعی بہن سے نکاح کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ میری چھوٹی بہن کی لڑکی حناء نے میرا دودھ پیا ہے جبکہ میرے بیٹے عمران نے میری چھوٹی بہن کا دودھ پیا ہے، حناء کا رشتہ تو کسی دوسری جگہ ہو گیا ہے، کیا میں اپنے بیٹے عمران کا رشتہ اپنی چھوٹی بہن کی کسی اور لڑکی سے کر سکتی ہوں؟

﴿جواب﴾ دودھ پینے کی وجہ سے حناء آپکی رضاعی بیٹی قرار پاتی ہے اسی طرح عمران آپ کی چھوٹی بہن کا رضاعی بیٹا قرار پاتا ہے، سو آپ کی بہن کی تمام لڑکیاں جہاں عمران کی خالہ زاد بہنیں ہیں عمران کی رضاعی بہنیں بھی قرار پا گئیں ہیں، لہٰذا عمران کا نکاح آپ کی چھوٹی بہن کی کسی بھی لڑکی سے نہیں ہو سکتا۔

لمافی قوله تعالی: (سورة النساء، ۲۳) ﴿واخوتكم من الرضاعة ..... الآية.﴾

ولمافی الهندية: (۱/ ۳۴۳، طبع رشيديه)

يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا حتى ان المرضعة لوولدت من هذا الرجل اوغيره قبل هذا الارضاع اوبعده او ارضعت رضيعا..... فالكل اخوة الرضيع واخواته.

ولمافی الشامی: (۳/ ۲۱۳، طبع سعيد)

(قوله رضاعا.....)يعني يحرم من الرضاع اصوله وفروعه وفروع ابويه وفروعهم.

واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۶۷۷

۱۴۲۸ھ

﴿بچی کی ناک میں دودھ ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت ہوسکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زینب نے اپنی بھتیجی سلمیٰ کی ناک میں دوائی کے طور پر مدت رضاعت میں اپنا دودھ ڈالا اور وہ صحت یاب ہوگئی، پوچھنا یہ ہے کہ زینب کے بیٹے سے سلمیٰ کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز کان اور ناک میں دودھ ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

مستفتی: ولی اللہ

﴿جواب﴾ ناک میں دودھ کے قطرے ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی جب تک اس بات کا یقین نہ ہو کہ ناک کے راستے سے دودھ معدہ میں بھی گیا ہے، سواتنی مقدار میں دودھ ناک میں اگر ڈالا ہو جسکا معدہ تک پہنچنا یقینی ہو تو حرمت رضاعت ثابت ہے، دونوں کا نکاح جائز نہ ہوگا، اور اگر ناک کے راستے سے دودھ معدہ تک پہنچنے کا یقین نہ ہو تو محض شک کیوجہ سے حرمت کا حکم نہیں دیا جاسکتا اور احتیاطاً اگر نکاح نہ کریں تو زیادہ بہتر ہے، کان اور آنکھ میں دودھ ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

لمافی الهندية: (۱/ ۳۴۴، طبع رشيديه)

وكمايحصل الرضاع بالمص من الثدي يحصل بالصب والسعوط والوجور.

ولمافی الدر المختار: (۳/ ۲۰۹، طبع سعيد) والحق بالمص الوجور والسعوط.

ولمافی التنوير مع الدر: (۳/ ۲۱۲، طبع سعيد)

(ويثبت به وان قل) ان علم وصوله لجوفه من فمه اوانفه لا غير.

ولما فی الشامی:(۲/۲۰۹،طبع سعید)

ثم اجاب بان المراد بالمص الوصول الی الجوف من المنفذین.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب:محمد حسن غفرلہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر:۱۵۹۴

﴿رضاعی بہن کیساتھ خلوت میں بیٹھنا یا سفر کرنا ناجائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومشائخ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رضاعی بہن کا رضاعی بھائی کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا کیسا ہے؟ نیز اسکے ساتھ سفر کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ از راہ کرم مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ مستفتی:گلزار حسین صاحب چارسدوی

﴿جواب﴾ رضاعی بہن کیساتھ نہ سفر جائز ہے اور نہ ہی تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے۔

لما فی الشامی:(۳/۶۲۴،طبع امدادیہ)

(وقوله او ذميا او برضاع) يختص بالمحرم كمالايخفى ح لكن نقل السيد ابو السعود عن نفقات البزازية لاتسافر باخيها رضاعافي زماننااه اى لغلبة الفساد،قلت:ويؤيده كراهة الخلوة بها كالصهرة الشابة فينبغي استثناء الصهرة الشابة هنا ايضا لان السفر كالخلوة.

ولما فی الاشباہ:(ص ۳۲۲،طبع قدیمی)

احكام المحارم:...... واحكامه تحريم النكاح وجواز النظر والخلوة والمسافرة الا لمحرم من الرضاع فان الخلوة بها مكروهة وكذا بالصهرة الشابة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب:عزیز الرحمٰن

۹ صفر الخیر ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر:۱۱۹۵

﴿رضاعی بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کو اسکی نانی صاحبہ نے دودھ پلایا ہے،اب زید کا نکاح اپنی ماموں زاد بہن سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی:محمد شعیب

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں زید کا اپنی ماموں زاد بہن سے نکاح کرنا درست نہیں، اسلئے کہ نانی کا دودھ پینے کی وجہ سے یہ لڑکی زید کی رضاعی بھتیجی بن گئی اور جس طرح سگی بھتیجی سے نکاح حرام ہے.اسی طرح رضاعی بھتیجی سے بھی نکاح حرام ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲۱۳/۳،طبع سعید)

(فیحرم منه)ای بسببه (مایحرم من النسب)رواه الشیخان.

ولمافی الهدایة:(۳۲۱/۲،طبع رحمانیه)

ویحرم من الرضاع مایحرم من النسب للحدیث الذی روینا الاام اخته من الرضاع ......

ولمافی الهندیة:(۳۴۳/۱،طبع رشیدیه)

یحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعا.]

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد شاکراللہ

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۶۳

﴿دودھ پیتے بچے کے جھوٹے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دودھ پیتے بچے کے جھوٹے سے (مثلاً کسی بچے کو دودھ پینے کے بعد پانی پلایا جائے اور اسکا بچا ہوا پانی کسی دوسرے بچے کو پلایا جائے تو اس سے) حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائیگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ دودھ پیتے بچے کے جھوٹے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی، پانی میں شامل اتنی قلیل مقدار میں دودھ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

لمافی شرح الوقایة:(۶۴/۲-۶۵،طبع امدادیه)

یثبت بمصة فی حولین ونصف لابعده اموميه المرضعة للرضيع وابوة زوج مرضعة لبنها منه له فیحرم منه ما یحرم من النسب الاام اخته.....الخ.

ولمافی الدرالمختار:(۲۱۸/۳،طبع سعید)

(ومخلوط بماء اودواء اولبن اخری اولبن شاة اذاغلب لبن المرأة وکذااذااستویا)اجماعا لعدم الاولویة جوهرة.

ولمافی الهندیة:(۳۴۴/۱،طبع رشیدیه)

وکمایحصل الرضاع بالمص من الثدی یحصل بالصب والسعوط والوجور.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد شاکراللہ

۱۹رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۷۳۳

﴿دو بچوں نے ایک دوسرے کی ماں کا دودھ پیا تو رضاعت ثابت ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہاسپٹل میں دو عورتوں

کے بچے پیدا ہوئے اور آپس میں خلط ملط ہو گئے، ایک عورت کا بچہ ایک کے پاس اور دوسری عورت کا دوسری کے پاس چلا گیا، وہاں ایک عورت کو اس کا علم تھا لیکن اس نے نہیں بتایا، اب بچوں کے بالغ ہونے کے بعد یہ بات معلوم ہو چکی ہے کیونکہ ان دونوں بچوں نے اپنی اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا تو کیا اس صورت میں ان دونوں کا نکاح آپس میں درست ہے؟ مستفتی: زاہد محمود

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں دونوں بچوں نے اگرچہ اپنی اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا لیکن رضاعی بہن بھائی ہونے کی وجہ سے انکا نکاح آپس میں جائز نہیں، دودھ پینے کی وجہ سے بچہ اس خاتون کا رضاعی بیٹا قرار پا گیا اور اس خاتون کی نسبی لڑکی اس بچہ کی رضاعی بہن قرار پا گئی، اب اس لڑکے اور لڑکی کا مذکورہ دونوں خواتین کی کسی بھی اولاد سے نکاح نہیں ہوسکتا اگرچہ اس نے کسی نسبی بچہ کو دودھ نہ بھی پلایا ہو۔

لما فی المرقاة: (۶/۲۹۳ طبع رشیدیه)

وعن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ((يحرم من الرضاعة ما يحرم الولادة)) قال صاحب المرقات تحت هذا الحديث فاذا رضعت المرضعة رضيعا يحرم على الرضيع وعلى اولاده من اقارب المرضعة كل من يحرم على ولدها من النسب.

ولما فی الشامی: (۲/۴۱۰ طبع امدادیه)

(وولد مرضعتها) اى من النسب اما الذى من الرضاع فانه وان كان كذلك لكنه فهم حكمه من قوله: ولا حل بين رضيعي امرأة. ح. واطلقه فافاد التحريم وان لم ترضع ولدها النسبي.

وهكذا فی الهندية: (۱/۳۴۳ طبع رشيديه) وقاضی خان هامش هندية: (۱/۴۱۶ طبع رشيديه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود

۱۰ صفر ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۲۰۰

﴿ایک عورت کا دودھ پینے سے لڑکا لڑکی رضاعی بہن بھائی ہو گئے ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی اور لڑکے نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے، جو کہ لڑکی کی خالہ لیکن لڑکے کی خالہ نہیں لگتی۔ تو کیا اب ان لڑکے اور لڑکی کے درمیان نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: سعید جان

﴿جواب﴾ ایک ہی عورت کا دودھ پینے کی وجہ سے یہ لڑکا اور لڑکی رضاعی بھائی بہن بن گئے ہیں، لہٰذا ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

لما فی المشکوٰۃ (۲/۲۷۳، کتاب النکاح طبع: سعید)

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ ﷺ یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ. (متفق علیہ)

و لما فی البدائع (۴/۲۰۳ کتاب الرضاعۃ) طبع سعید

ولو ارضعت امرأۃ صغیرین من اولاد الاجانب صارا أخوین لکونہما من أولاد المرضعۃ فلا یجوز المناکحۃ بینہما اذا کان احد ہما أنثی، والاصل فی ذلک ان کل اثنین اجتمعا علی ثدی واحد صار اخوین او اختین او أخا و أختا من الرضاعۃ فلا یجوز لاحدہما ان یتزوج بالآخر ولا بولدہ کما فی النسب.

ولما فی تحفۃ الفقہاء، (ص ۳۲۹ طبع: مکتبہ معروفیہ)

ولا یجوز للمرضع ان یتزوج بمن ارضعتہ المرضعۃ من الاناث لانہن أخواتہ، لکونہن بنات لہا من جہۃ الرضاع، وأصل ذلک ان کل اثنین اجتمعا علی ثدی واحد فہما أخوان أو أختان أو أخ وأخت.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
۱۵ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ

واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ
فتویٰ نمبر: ۳۷۲۸

حرمت رضاعت کی ایک صورت

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بچی نے اپنی دادی کا دودھ پیا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ بچی کے بہن بھائیوں کا اپنے چچازاد بہن بھائیوں سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ ہمارے ہاں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جس طرح مذکورہ بچی کا نکاح اپنے چچازاد بھائیوں سے نہیں ہوسکتا اسی طرح اس کے دیگر بھائی بہنوں کا نکاح بھی اپنے چچازاد بھائیوں اور بہنوں سے نہیں ہوسکتا۔

مستفتی: آدم خان

جواب مذکورہ صورت میں دادی کا دودھ پینے سے بچی دادی کی رضاعی بیٹی بھی قرار پا گئی، اس طرح وہ اپنے تمام چچازاد اور تایازاد بھائیوں کے لئے رضاعی پھوپھی بھی قرار پاتی ہے، جس کی وجہ سے صرف اس بچی کا نکاح اپنے کسی بھی چچازاد، تایازاد یا پھوپھی زاد بھائی سے نہیں ہوسکتا، لیکن اس بچی کے دیگر بہن بھائیوں کا نکاح جنہوں نے اپنی دادی کا دودھ نہیں پیا اپنے تمام چچازاد، تایازاد اور پھوپھی زاد بہن بھائیوں سے ہوسکتا ہے۔ لہذا بعض حضرات کا کہنا کہ جس طرح مذکورہ بچی کا نکاح اپنے چچازاد بھائیوں سے نہیں ہوسکتا، اسی طرح اس کے دیگر

بھائی بہنوں کا نکاح بھی اب اپنے چچازاد بھائیوں اور بہنوں سے نہیں ہوسکتا غلط ہے۔

لما فی المشکوٰۃ: (۲۷۳/۲ طبع: سعید)

"عن عائشۃ رضی اللہ عنہ قالت: قال رسول اللہ ﷺ یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ" (متفق علیہ)

ولما فی الشامی: (۲۱۷/۳ طبع: سعید)

(فرع) فی البحر عن آخر المبسوط لو کانت ام البنات ارضعت احد البنین وام البنین ارضعت احدی البنات لم یکن للابن المرضع من ام البنات ان یتزوج واحدۃ منھن وکان لاخوتہ ان یتزوجوا بنات الاخری الا الابنۃ التی ارضعتھا امھم وحدھا لانھا اختھم من الرضاعۃ۔

ولما فی التنویر مع الدر: (۲۱۳/۳، ۲۱۲ طبع: سعید)

فیحرم منہ ای بسببہ ما یحرم من النسب الا ام اخیہ واختہ واخت ابنہ وبنتہ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولولدیہ

۱۶ ذی القعدہ ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۶۹

﴿لے پالک کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بچہ جسے گود میں لیا گیا ہو اور گود میں لینے والے والدین کی نیت یہ ہو کہ یہ ہماری سگی اولاد کی طرح ہے۔ مگر خونی رشتہ نہیں اور گود میں لینے والی ماں نے اپنا دودھ بھی نہ پلایا ہو جبکہ گود میں لینے والی ماں کے خاندان میں سے کسی نے دودھ پلایا ہو تو جب یہ بچہ بالغ ہوگا تو (۱) کیا گود میں لینے والی ماں کے لیے محرم ہوگا یا نہیں؟ (۲) کیا دودھ پلانے سے خون کا رشتہ ثابت ہوتا ہے؟ (۳) کیا گود میں لینے والے والدین کی طرف سے یہ بچہ شرعی طور پر وراثت کا حقدار ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟ مستفتی: فیصل کاروانی

وضاحت: دودھ پلانے والی عورت کا گود میں لینے والی عورت سے کیا رشتہ ہے؟ جواب: دودھ پلانے والی عورت گود میں لینے والی کی بھابھی کی بہن ہے۔

﴿جواب﴾ کسی غیر کے بچے کو گود میں لینے سے وہ محرم قرار نہیں پاتا اور نہ ہی وہ پرورشی والدین کا وارث بن سکتا ہے۔ اسی طرح رضاعی بیٹا محرم اگر چہ ہو جاتا ہے لیکن میراث کا حقدار نہیں ہوتا۔ اور نہ رضاعی والدہ یا والد کا اس کی وراثت میں کوئی حصہ ہوتا ہے۔

لما فی قوله تعالی: سورۃ الاحزاب، آیت نمبر:۴

وما جعل ادعیا ئکم ابنائکم ذالکم قولکم بافواہکم واللہ یقول الحق وہو یہدی السبیل.

ولما فی قوله تعالی: سورۃ النساء، آیت نمبر:۲۳

حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم وخلتکم وبنات الاخ وبنات الاخت وامھاتکم التی ارضعنکم الخ.

ولما فی احکام القرآن، ۲۹۱/۲، ادارۃ القرآن، کراچی

ان الدعی والمتبنی لا یلحق فی الاحکام بالابن فلا یستحق المیراث.

ولما فی تفسیر المظہری، ۲۸۴/۷، طبع: رشیدیه

فلایثبت بالتبنی شیء من احکام البنوۃ من الارث وحرمۃ النکاح وغیر ذالک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ

۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ فتوی نمبر: ۳۳۸۱

﴿رضاعی ماموں سے نکاح حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری والدہ بیماری کیوجہ سے اسپتال میں تھی میری چھوٹی بہن رو رہی تھی، تو میری بڑی بہن نے اسے دودھ پلایا اور بڑی بہن کا کہنا ہے، کہ میرا دودھ اتر آیا ہے، اور اس نے پیا بھی ہے، اب میرے اس بڑی بہن کا چھوٹا بیٹا زید ہے، اور چھوٹی بہن کی بڑی بیٹی زینب ہے، جسکا رشتہ ہم آپس میں کرانا چاہتے ہے، تو کیا شریعت کے رو سے زید کا نکاح زینب سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: اسدالرحمٰن پشاور

﴿جواب﴾ زید از روئے نسب اگر چہ زینب کا خالہ زاد بھائی ہے، لیکن از روئے رضاعت زینب کا ماموں بھی لگتا ہے، جسکی وجہ سے آپس میں نکاح جائز نہیں ہے۔

لما فی الجامع الترمذی: (۱۳۶/۱، طبع فاروقی کتب خانہ)

عن علیؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ حرم من الرضاع ما حرم من النسب، ومثل هکذا فی صحیح مسلم وابی داود.

ولما فی الشامیه: ۲۱۳/۳ طبع سعید

(قوله ما یحرم من النسب) معناہ ان الحرمۃ بسبب الرضاع معتبر بحرمۃ النسب ــــ ومحرمات النسب ھی السبع المذکورۃ فی اٰیۃ التحریم.

ایضا، ۲۱۵/۳ طبع سعید.

وبیان ذلک ان الحدیث دل علی ان کل ما یحرم النسب یحرم نظیرہ من الرضاع

فيقال تحرم الام نسبا فكذا تحرم الام رضاعا وتحرم البنت نسباً فكذا تحرم البنت رضاعا وهكذا الى آخر المحرمات النسبية.

ولما في التفسير المظهري :(۵۶/۲ طبع :رشيديه)

"وامهتكم التى ارضعنكم واخواتكم من الرضاعة" وكذا العمات والخالات وبنات الاخ وبنات الاخت من الرضاعة اجماعا على حسب ما فصلنا ه في النسب ..لقوله :يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب ويروى ما يحرم من الولادة.متفق عليه .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریحان اللہ روغانی

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۵۹۰

﴿رضاعی بھائی کی سگی بہن سے نکاح جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نواز اور عزیز اللہ نے مشترکہ دودھ پیا ہے نواز کی والدہ کا، اب عزیز اللہ کی چھوٹی بہن سے نواز نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ عزیز اللہ نے نواز کی والدہ کا دودھ پیا ہے تو عزیز اللہ ہی نواز کی والدہ کا رضاعی بیٹا قرار پاتا ہے، عزیز اللہ کے دیگر بھائی بہن اس خاتون کی رضاعی اولاد قرار نہیں پاتی، لہٰذا عزیز اللہ کے علاوہ اس کے بھائی بہنوں کا نکاح نواز اور اس کے دیگر بہن بھائیوں کے ساتھ جائز ہے۔

لما في الهداية:(كتاب الرضاع،۱/۳۵۱،طبع: رحمانيه)

"ويجوزان يتزوج الرجل باخت اخيه من الرضاع لانه يجوزان يتزوج باخت اخيه من النسب وذلك مثل الاخ من الاب اذا كانت له اخت من امه جاز لاخيه من ابيه ان يتزوجها".

ولما في [illegible] مع الدر:(كتاب الرضاع ،۲۱۷/۳،طبع: سعيد)

(وتحل اخت اخيه رضاعا)يصح اتصاله بالمضاف كان يكون له اخ نسبي له اخت رضاعية وبالمضاف اليه كان يكون لاخيه رضاعا اخت نسبا وبهما وهو ظاهر(وكذا نسبا)بان يكون لاخيه لابيه اخت لام فهومتصل بهما لا باحدهما للزوم التكرار كما لايخفى.

ولما في الشامي :(۲۱۷/۳،طبع:سعيد)

"قوله :(للزوم التكرار)لانه اذا اتصل بالمضاف فقط كان المضاف اليه من الرضاع او بالمضاف اليه فقط كان المضاف من الرضاع وهما داخلان في قوله وتحل اخت اخيه رضاعا".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین ککلتی

۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۵۶۱

﴿کتاب الطلاق﴾

﴿طلاق دینے کا بیان﴾

﴿طلاق کے مسئلہ میں شوہر کا قول دیانۃ معتبر ہوگا قضاءً نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے غصے میں اپنی بیوی سے اس طرح کہا طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے اس آدمی کا کہنا ہے کہ میں نے آخر کے دو الفاظ پہلے لفظ کی تاکید میں ادا کی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اس صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہونگی ایک یا تین از روئے شریعت جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾ ایک ہی موقع پر تین بار مستقل طلاق کے الفاظ بولکر شوہر اگر دعوی کرے کہ دوسرے اور تیسرے بار محض تاکید کی غرض سے بولدئے ہیں تو یہ دعوی قضاء معتبر نہیں ہے یعنی قاضی اسی طرح پنچائیت وغیرہ میں شوہر کی بات کا اعتبار نہیں ہے قاضی اور جرگہ والے تین طلاق کا فیصلہ دیں گے، البتہ دیانۃ اس کی بات معتبر ہوسکتی ہے یعنی شوہر نے واقعی دوسری تیسری مرتبہ تاکید کے غرض سے بولدیا ہو تو عنداللہ صرف ایک طلاق واقع ہوگئی شوہر بیوی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے اسکو گناہ نہیں ہوگا، لیکن طلاق کے معاملہ میں عورت قاضی کیطرح ہے لہذا عورت نے تین بار طلاق کے الفاظ خود اگر سن لئے ہیں یا اسکو یقینی طور پر معلوم ہو تو شوہر سے اس بات پر قسم کھلوائے کہ دوسری تیسری بار طلاق کا لفظ واقعی اس نے محض تاکید کی غرض سے بولدیا تھا؛ پھر اگر عورت کو شوہر کی بات پر یقین آجائے تو دونوں کیلئے میاں بیوی کی طرح رہنا جائز ہوگا۔

لما في الدر المختار:(۲۹۳/۳،طبع سعيد)

[فروع]كرر لفظ الطلاق وقع الكل وان نوى التأكيد دين،وفي الشامي(قوله كرر لفظ الطلاق)بأن قال للمدخولة:أنت طالق،أنت طالق........واذا قال:أنت طالق ثم قيل له ما قلت فقال قد طلقتها أو قلت هي طالق فهي طالق واحدة لأنه جواب،كذا في كافي الحاكم.(قوله وان نوى التأكيد دين)أي ووقع الكل قضاء.

ولما في الهندية:(۳۵۵/۱،۳۵۶،طبع رشيديه)

رجل قال لامرأته أنت طالق،أنت طالق،أنت طالق،فقال عنيت بالأولى الطلاق وبالثانية والثالثة افهامها صدق ديانة وفي القضاء طلقت ثلاثا.

وکما فی المحیط البرہانی:(۳۹۳/۴، طبع ادارۃ القرآن)

ولو قال لہا:۔أنت طالق طالق أو قال:طلقتک طلقتک أو قال أنت طالق قد طلقتک ثم قال عنیت الأول دین فیما بینہ وبین اللہ ولم یدین فی القضاء.

وکما فی فتاوی قاضی خان:(۲۰۲/۱،طبع قدیمی)

رجل قال لامرأتہ انت طالق أنت طالق أنت طالق وقال عنیت بالأول الطلاق وبالثانیۃ والثالثۃ افہامہا صدق دیانۃ وفی القضاء طلقت ثلاثا.

وکما فی الاشباہ والنظائر:(۱۲۷،طبع قدیمی)

التاسیس خیر من التاکید:فاذا دار اللفظ بینہما تعین الحمل علی التأسیس ولذا قال أصحابنا:لو قال لزوجتہ:أنت طالق طالق طالق،طلقت ثلاثا فان قال:أردت بہ التاکید صدق دیانۃ لاقضاء.

وکما فی الشامی:(۲۰۷/۵،طبع سعید)

لو ادعت أن زوجہا أبانہا بثلاث فأنکر فحلفہ القاضی فحلف والمرأۃ تعلم أن الأمر کما قالت لا یسعہا المقام معہ

وکما فی الہندیۃ:(۳۵۴/۱،طبع رشیدیہ)

والمرأۃ کالقاضی لایحل لہا أن تمکنہ اذا سمعت منہ ذلک أو شہد بہ شاہد عدل عندہا.

الجواب صحیح مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب عمران الحق سواتی

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۲۶

﴿طلاق کے معاملہ میں عورت قاضی کے حکم میں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے طلاق دیتے وقت میاں بیوی کے علاوہ اور کوئی وہاں موجود نہ تھا اب بیوی کا کہنا ہے کہ شوہر نے اسے تین طلاقیں دی ہے جبکہ شوہر کہتا ہے کہ اس نے صرف ایک ہی طلاق دی ہے۔ وضاحت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں کسی کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور کتنی طلاقیں شمار کی جائیں گی؟ مستفتی:مولوی اقبال حسین

﴿جواب﴾ طلاق کا مسئلہ بڑا نازک ہے اور میاں بیوی کا رشتہ بھی عجیب ہے کہ انکے آپس کے حالات ومعاملات اکثر وبیشتر تنہائی میں ہوتے ہیں اس لئے شریعت نے طلاق کے معاملہ میں عورت کو قاضی کا مقام دیا ہے، چنانچہ اس نے خود طلاق کے الفاظ اگر سن لئے ہیں کہ شوہر نے

تین طلاقیں دی ہیں۔ اور شوہر کو وہ یقینی طور پر جھوٹا جانتی ہے تو ایسی صورت میں گواہ نہ ہونے کیوجہ سے قاضی یا جرگہ عورت کے خلاف فیصلہ اگر دیدے تب بھی عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس شوہر کیساتھ ازدواجی تعلق قائم رکھے۔ ہاں قاضی یا مقامی جرگہ کے پاس فیصلہ جائے تو اصول قضاء کے مطابق گواہ یا قسم پر فیصلہ کرنے کے پابند ہیں۔ ایسی صورت میں اہل محلہ مرد وعورت دونوں کے بارے میں انکے گذشتہ کردار وغیرہ کو دیکھ کر مظلوم کی مدد کریں اور ظالم کو ظلم سے روکنے کیلئے کوئی بہتر ترتیب اختیار کریں۔

لما فی الشامی:(۵/۲۰۷، طبع سعید)

لو ادعت أن زوجها أبانها بثلاث فأنكر فحلفه القاضي فحلف و المرأة تعلم أن الأمر كما قالت لا يسعها المقام معه......وفي الخلاصة ولا يحل وطؤها اجماعا بحر.

ولما فی التنویر مع الدر والرد:(۳/۲۲۰، طبع سعید)

وفي البزازية:قالت طلقني ثلاثا ثم أرادت تزويج نفسها منه ليس لها ذلك أصرت عليه أم كذبت نفسها (سمعت من زوجها أنه طلقها ولاتقدر على منعه من نفسها)الا بقتله (لها قتله) بدواء خوف القصاص وفي الشامي وفيه دليل انها لو ادعت الطلقات الثلاث وانكر الزوج حل لها ان تزوج نفسها منه اه وعلله في النهر بان الطلاق في حقها مما يخفى لاستقلال الرجل فصح رجوعها اه أي صح في الحكم اما الديانة لو كانت عالمة بالطلاق فلا يحل.

ولما فی الشامی :(ج۳/۲۵۱ طبع سعید)

والمرأة كالقاضي اذا سمعته أو اخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ــــ وفي البزازية عن الاوزجندي انها ترفع الامر للقاضي فان حلف ولا بينة لها فالاثم عليه.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۴۱۷۴

﴿کیا حرام کو حلال سمجھنے والے کی بیوی کو طلاق واقع ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر اہل سنت والجماعت کا کوئی فرد کسی شیعہ کے نماز جنازہ خود پڑھ لے یا خود پڑھا لے تو کیا اس صورت میں انکی اہلیہ کو طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ اور کیا اس صورت میں تجدید نکاح کرنا ہوگا؟ ہمارے علاقہ کے کسی مفتی کا یہ کہنا ہے۔ مستفتیہ: متعلمہ جامعہ معہد الخلیل الاسلامی

﴿جواب﴾ اگر اس شخص نے جائز سمجھتے ہوئے ایسے شیعہ کے نماز جنازہ پڑھ لی یا پڑھوائی

جو ضروریات دین اسلام کا منکر ہو مثلاً ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والا ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کے صحابی ہونے کا منکر ہو، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوھیت یا نبوت کا قائل ہو؛ (العیاذ باللہ) تو وہ شیعہ چونکہ مسلمان نہیں۔ اور غیر مسلم کا جنازہ پڑھنا یا پڑھانا حرام ہے اور حرام چیز کو جائز یا کار ثواب جاننا کفر ہے لہذا اس شخص پر جس نے نماز جنازہ پڑھی یا پڑھائی۔ اس شیعہ کے عقائد بھی اگر واضح تھے۔ اور وہ واقعی ضروریات دین اسلام کی باتوں کا منکر تھا تو ایسی صورت میں اس شخص کا ایمان واقعی خطرہ میں ہے۔ اس کو چاہیے کہ تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرے

لما فی الهندیه:(۲/۲۷۲،طبع رشیدیه)

من اعتقد الحرام حلالا أوعلى القلب يكفر أما لو قال هذا حلال لترويج السلعة او بحكم الجهل لا يكون كفرا۔

ولما فی الدر المختار :(۲/۲۷۲،طبع سعید)

وفی شرح الوهبانيه للشرنبلالی:ما يكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح واولاده اولادزنا وما فيه خلاف يومر با الاستغفار والتوبة وتجديد النكاح:

ولما فی الهندیة:(۲/۲۶۴،طبع رشیدیه)

ولو قذف عائشه رضى الله عنها با الزنى كفر باالله

وأيضا فی بحر الرائق :(۵/۱۲۱)طبع سعید)

وبقذفه عائشة رضى الله عنها من نسائه صلى الله عليه وسلم فقط.وبانكاره صحبة أبى بكر رضى الله عنه.

ولما فی الشامی:(۳/۴۶،طبع سعید)

ان الرافضى ان كان ممن يعتقد الألوهية فى على اوأن جبريلؑ غلط فى الوحى أو كان ينكر صحبة الصديق أو يقذف السيدة الصديقه فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين با الضرورة.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سوات

۸ صفر ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر: ۳۸۷۷

﴿صرف طا، لام یعنی طل سے طلاق واقع نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو

طلاق، طلاق دو دفعہ کہا اور تیسری دفعہ بولنے میں صرف طا، لام۔ ۔لاتو منہ بند کر دیا گیا اور پورا لفظ ادا نہیں کیا، پوچھنا یہ ہے کہ دو طلاقیں واقع ہوئیں یا تین؟ مستفتی: ولی محمد کوئٹہ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں صرف دو طلاقیں واقع ہوئیں تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی ۔کیونکہ ط، ل (یعنی طل) نہ تو طلاق کے صریح الفاظ میں سے ہے اور نہ ہی کنایہ میں سے بلکہ یہ ایک مہمل لفظ ہے جس کا کوئی معنی نہیں اس لئے تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لما فی العالمگیریہ: (۱/۵۷ مطبع :رشیدیہ کوئٹہ)

وان حذف اللام والقاف بان قال انت طاوسکت او اخذانسان فمه لایقع وان نوی۔

ولما فی الولوالجیہ :(۱/۲ ۱۷ مطبع :فاروقیہ پشاور)

رجل قال لامرأته :انت طاطاخذانسان فمه .لایقع شئ نوی او لم ینو .حتی یجیء بالللام وینوی الطلاق .لان العرب تنقص حرفا الا انه یشترط النیة ـــــالخ۔

ولما فی الخانیه: (۱/۲۰۷ مطبع :قدیمی کراچی)

ولو قال انت طاوسکت او اخذ انسان فمه لایقع الطلاق وان نوی .لان العامة ماجرت بحذف حرفین من الکلام ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار بنوی عفی عنہ

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ | فتوی نمبر: ۳۷۰۸

﴿''میں نے تجھے تلاق دی'' سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام درپیش مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک عالم دین دوست ہے ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ'' میں نے تجھے تلاق دی'' انکا موقف ہے کہ یہ لفظ مہمل ہے اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ میں اپنی بیوی کو ڈرانے اور دھمکانے کے طور پر یہ الفاظ کہا تھا اور نہ ہی اس سے میری طلاق کی نیت تھی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ واقعی اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؟ برائے مہربانی ادلہ کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

﴿جواب﴾ ''میں نے تجھے تلاق دی'' بولنے سے ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے اس لئے کہ قضاء'' تلاق'' بھی'' طلاق'' کیطرح صریح ہے نیت کے بغیر بھی اس سے رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے، لہذا آپ کے دوست کی بیوی کو طلاق ہوئی ہے شوہر چاہے تو دوران عدت رجوع

کرسکتا ہے، بعد میں صرف دو طلاق کا حق باقی رہیگا۔ اور یاد رہے کہ طلاق کے معاملہ میں عورت قاضی کے حکم میں ہے۔ لہذا محض شوہر کی بات پر یقین نہ کرے کہ انہوں نے ''طلاق'' نہیں ''تلاق'' بولا ہے اور طلاق کی نیت سے نہیں بولا ہے۔

البتہ شوہر بولنے سے پہلے کسی کو گواہ بنا تا کہ میں دھمکانے کی غرض سے مہمل لفظ بولوں گا تو گواہ کی بات پر یقین کرنے کی گنجائش ہے اسی طرح بیوی شوہر سے ''تلاق'' مہمل لفظ بولنے پر اور طلاق کی نیت کے بغیر اس طرح کہنے پر اگر قسم لے لے اور بیوی کو یقین آ جائے تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی اس لئے کہ دیانۃً یہ مہمل لفظ ہے طلاق شمار نہیں ہوتی۔

لما فی الشامی :(۲۴۸/۳ طبع ایچ ایم سعید)

ویقع بها ای بهذه الالفاظ ومابمعناها من الصریح ویدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاك وتلاك او"ط،ل،ق"أو" طلاق باش" بلا فرق بين عالم وجاهل ،وان تعمد ته تخويفالم يصدق قضاء الااذاأشهد عليه قبله به يفتى ــ قال فى البحر ومنه الالفاظ المصحفة وهى خمسة فزاد على ماهنا تلاق۔

لما فى الهنديه:(۱/۵۷ طبع رشيديه)

رجل قال لامرأته تراتلاق ،ههناخمسة الفاظ تلاق وتلاغ وطلاغ وطلاك وتلاك عن الشيخ الامام الجليل أبى بكر محمدبن الفضل رحمه الله انه يقع وان تعمد وقصد أن لا يصدق قضاء ويصدق ديانة الااذاأشهد قبل ان يتلفظ به .

لما فى خلاصة الفتاوى :(۲/۸۲،۸۳ طبع رشيديه)

رجل قال لامرأته تراتلاق ،ههناخمسة الفاظ تلاق وتلاع وطلاع وطلاك وتلاك عن الشيخ الامام الجليل أبى بكر محمدبن الفضل رحمه الله انه يقع وان تعمد وقصد أن لا يصدق قضاء ويصدق ديانة الااذاأشهد قبل ان يتلفظ به .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۰۳

﴿لغو الفاظ سے وقوع طلاق کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی صدام حسین نے اپنی والدہ کو غصے کی حالت میں کہا کہ تو بے غیرت ہے والدہ نے صدام حسین کو کہا کہ تیرے ان الفاظ کے کہنے سے تیری بیوی کو طلاق ہوگئی ہے اور اگر طلاق نہیں ہوئی تو میں طلاق

دلوادوں گی، صدام حسین نے جواب میں کہا اگر طلاق ہوئی تو میں دیکھ لوں گا، ان الفاظ سے شرعاً طلاق ہوگی یا نہیں؟ مستفتی: لطیف شاہ

﴿جواب﴾ صدام حسین کا اپنی والدہ کو یہ نازیبا الفاظ کہنا گناہ کبیرہ اور حرام ہے، لہٰذا توبہ استغفار کے علاوہ اپنی والدہ سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے اور آئندہ کے لئے ایسی گستاخی سے بچی توبہ ضروری ہے، تاہم اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لمافی قوله تعالی:(سورة بنی اسرائیل،آیت ۲۳)﴿ولاتقل لهما اف ولاتنهرهما.....الآية.﴾

ولمافی صحیح البخاری:(۲/۵۵۹،کتاب استتابة المعاندین،طبع رحمانیه)

قال النبی ﷺ اکبر الکبائر الاشراك بالله وعقوق الوالدین وشهادة الزور.....الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ناجد محمود کبوٹ

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۲۸۰۷

﴿کسی کے غلط مسئلہ بتانے پر اقرار طلاق کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے غلط راستہ سے بیوی سے جماع کیا کسی نے بتایا کہ اس سے بیوی کو تین طلاق ہوجاتی ہیں، اس نے یقین کرلیا اور ایک دوسرے شخص کو بتادیا کہ میں نے بیوی کو تین طلاق دی ہیں، ارادہ صرف وہی غلط عمل تھا، کوئی طلاق دینا نہیں تھا، اس سے طلاق ہوجاتی ہے یا نہیں؟ مستفتی: مفتی ولی اللہ ڈیروی

﴿جواب﴾ بیوی سے غلط راستہ سے جماع کرنا ناجائز اور حرام فعل ہے، حدیث پاک میں ایسے شخص کیلئے سخت وعید آئی ہے، تاہم اس فعل قبیح کیوجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لمافی قوله تعالی:(سورة البقرہ،آیت ۲۲۳)﴿فاتوا حرثکم انی شئتم.....الآية.﴾

ولمافی سنن ابی داود:(۱/۲۱۱، باب فی جامع النکاح،طبع رحمانیه)

عن أبی هریرة قال قال النبی ﷺ ملعون من اتی امراة فی دبرها.

چونکہ مذکورہ الفاظ (میں نے بیوی کو تین طلاق دی) اقرار طلاق ہے اگرچہ تعبیر غلط ہے جس سے قضاء طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس لئے معاملہ قاضی یا حاکم کے پاس اگر گیا تو طلاق کا حکم جاری کرنا ضروری ہے لیکن حقیقت اور واقع میں طلاق کی خبر نہیں، اس لئے دیانۃً کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، لہٰذا بیوی کو بھی شوہر کی بات پر اگر یقین ہے اور وہ طلاق کا دعویٰ اگر نہیں کرتی تو عند

اللہ کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، میاں بیوی کی طرح رہنے کی گنجائش ہے۔

لمافی الشامی:(۲/۲۲۲،طبع سعید)

(تنبیہ)فی الحاوی الزاهدی:ظن انه وقع الثلا ث علی امرأته بافتاء لمن لم یکن اهلا للفتوی وکلف الحاکم کتابتهافی الصک فکتبت ثم استفتی ممن هو اهل للفتوی فافتی بانه لایقع والتطلیقات الثلاث مکتوبةفی الصک بالظن فله ان یعودالیهادیانة ولکن لایصدق فی الحکم.

ولمافی الاشباه:(ص۱۵۸،القاعدةالسابعةعشر،طبع قدیمی)

لواقر بطلاق زوجته ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبین عدمه لم یقع قال الحموی ای دیانةاماقضاء فیقع کمافی القنیه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تاجدمحمود کھوٹہ

۲۰محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۷۷۲

﴿نافرمان بیوی کوطلاق دینے کاحکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی بات بات پر مجھ سے جھگڑتی ہے حد سے زیادہ بدتمیزی کرتی ہے، میں ایک شریف آدمی ہوں، اولاد اور عزت کی خاطر برداشت کرتا رہتا ہوں، اب حد ہوگئی مجھ پر ہاتھ بھی اٹھا لیتی ہے، میں شراب اور نشہ سے پرہیز کرتا ہوں، وہ میرے سامنے پی لیتی ہے، جوا بھی کھیلتی ہے میرے کئی کروڑ روپے جوے کی نذر کردیئے کبھی کام سے تھکا ہوا آتا ہوں وہ دروازہ بند کرلیتی ہے، مجھے مندرجہ ذیل باتوں کا جواب دین اسلام کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

(۱)ایسے حالات میں اگر میں طلاق دوں تو عنداللہ گناہ گار ہوں گا یا نہیں؟

(۲)اگر میں دوسری شادی کرلوں تو اس سے اجازت لیناضروری ہے یا نہیں؟

(۳)دوسری شادی سے اگر وہ منع کرتی ہے تو مجھے اس کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

(۴)میں جس ملک میں رہائش پذیر ہوں وہاں کے قانون کے مطابق اگر میں ''لیگل اسپروشن'' کا معاملہ کروں تو ہماری شریعت میں اسکی کیا حیثیت ہے؟لیگل اسپروشن کا مطلب یہ ہے کہ شوہر بیوی کو طلاق دیئے بغیر الگ کردیتا ہے،اسکا پورا خرچ برداشت کرتا ہے اور رہائش بھی شوہر کے ذمہ داری ہوتی ہے اور موجودہ تمام ملکیت میں بھی اسکا آدھا حصہ ہوتا ہے،میراث میں

بھی اسکا حصہ ہوتا ہے اور وہ بھی پابند رہتی ہے کہ دوسری شادی نہیں کرسکتی لیکن ازدواجی حقوق ایک دوسرے پر باقی نہیں رہتے اور نہ کوئی اسکا مطالبہ کرسکتا ہے جبکہ طلاق کی صورت میں وہ دوسری شادی کرسکتی ہے اور میراث میں اسکا حصہ نہیں ہوتا، خرچہ رہائش بھی اسکے ذمہ نہیں ہوتا، البتہ موجودہ ملکیت میں سے طلاق کی صورت میں آدھا حصہ دینا پڑتا ہے، برائے کرم میرے لئے شریعت ایسے حالات میں کیا حکم کرتی ہے؟

مستفتی: شعیب فیز اڈیفنس کراچی

﴿جواب﴾ اللہ تعالی نے انسانوں میں رشتہ ازدواج اسلئے مشروع فرمایا تاکہ انسانوں میں توالد وتناسل جاری رہ سکے اور مرد وعورت حلال طریقے سے اپنی فطری جنسی خواہش پوری کرسکیں اور دونوں ایک دوسرے کیلئے باعث سکون ورحمت بن سکیں لیکن بدقسمتی سے کسی شوہر کو ایسی بیوی سے واسطہ ہوجائے جسکا سوال میں ذکر ہے یا کسی بیوی کو ایسے مرد سے واسطہ ہوجائے جو کہ بیوی کے واجب حقوق ادا نہ کرتا ہو اور بجائے سکون وراحت کے دونوں کی زندگی تلخ گزرتی ہو اور نکاح کے مطلوبہ فوائد حاصل نہ ہوسکیں تو شریعت اسلام نے ایسے حالات میں طلاق کو مستحب قرار دیا ہے، اسلئے کہ ایسی صورت میں طلاق ہی دونوں کیلئے خلاصی کا ذریعہ ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة البقرة آیت ۲۳۱)﴿لاجناح علیکم ان طلقتم النساء... الایة.﴾

ولمافی التنویر مع الدر:(۲۲۷/۲-۲۲۸،کتاب الطلاق،طبع امدادیه)

(وایقاعه مباح)عندالعامة لاطلاق الآیات ثم قال بعدسطوربل یستحب لو موذیة اوتارکة صلاة.

(۲-۳) دین اسلام میں چار تک شادیاں کرنے کا مرد کو اختیار ہے، اس لئے پہلی بیوی سے اجازت لینا ہرگز ضروری نہیں۔

لمافی قوله تعالی:(سورة النساء،آیت ۵)

﴿فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع... الایة.﴾

ولمافی التنویر مع الدر:(۱۲۸/۲،کتاب النکاح،طبع امدادیه)

وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر.

(۴) لیگل اسپروشن کی حیثیت دین اسلام میں طلاق کی ہے یا نہیں؟ اسکی مزید تحقیق انشاء اللہ کریں گے لیکن اتنا تو واضح ہے کہ دین اسلام اسکو اپنی تمام شرائط کے ساتھ ہرگز تسلیم نہیں کرتا، اس لئے کہ میاں بیوی کے تعلق کے بارے مین دین اسلام میں صرف دو ہی راستے ہیں تیسرا کوئی راستہ

نہیں (۱) معروف طریقے سے بیوی بنا کر رکھنا یا (۲) احسان کے ساتھ قید نکاح سے اسکو خلاصی دینا، اس کیلئے اس کے علاوہ کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے جو شریعت اسلام نے جائز رکھا ہو۔

لما في قوله تعالى: (سورة البقرة، آیت ۲۲۹) فامساك بمعروف او تسريح باحسان..... الاية

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فیاض احمد

۶ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۱۸۲۷

﴿والدین کے حکم سے بیوی کو طلاق دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ آج سے تین سال پہلے میرے والدین نے میری شادی کرادی لیکن اتفاق سے میری بیوی بیمار نکلی جسکا ہمیں شادی سے قبل علم نہیں تھا جسمانی طور پر بھی بیمار ہے اور ذہنی طور پر بھی نہ تو الدکی صلاحیت ہے نہ گھر کا کام جانتی ہے اور نہ سیکھ سکتی ہے، ڈاکٹروں نے اس کو خاص قسم کی مریضہ بتلایا ہے۔

میرے والدین اب میری دوسری شادی کرانا چاہتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ پہلے اسکو طلاق دے دو، ایک دن میرے والد صاحب کو بہت غصہ آیا اور مجھے کہہ دیا کہ میں اسکو چھوڑ دوں یا پھر گھر الگ کر کے علیحدہ ہو جاؤں لیکن میں چاہتا ہوں کہ دوسری شادی کر کے اسکو بھی ساتھ رکھوں کیونکہ اسکی حالت ایسی نہیں ہے کہ کہیں اور اسکی شادی ہو سکے حالانکہ میرے والدین نے ہی اسکو پسند کیا تھا، ایسے حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ بیوی کو رکھتا ہوں تو والدین ناراض ہوتے ہیں اور اگر والدین کی مانتا ہوں تو بیوی کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ مستفتی: منصور اختر

﴿جواب﴾ بلاشبہ آپ بڑی آزمائش میں ہیں اللہ تعالی آپ کی مدد کرے، والدین کی اطاعت نہ صرف یہ کہ دین اسلام میں اسکی بڑی اہمیت ہے بلکہ ابھی آپکو انکے سہارے کی بھی بڑی ضرورت ہے اور مذکورہ صفت والی بیوی کو رکھنا اور نبھانا بھی کوئی آسان نہیں ہے لیکن بیوی پر شفقت اور بغیر کسی جرم کے اسکو بے سہارا چھوڑنے کو گوارہ نہ کرنا بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، بلاشبہ بڑا اچھا جذبہ ہے بلکہ وفاداری اور حسن خلق کا بھی یہی تقاضا ہے۔

لیکن دوسری شادی کرنے کا واقعی آپ نے اگر فیصلہ کرلیا ہے تو ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھ لیں کہ دونوں بیویوں کے حقوق بھی بجالا سکو گے یا نہیں؟ اور دونوں کے درمیان برابری کا مستقل حکم

ہے، اس کی بھی تعمیل کرسکو گے یا نہیں؟ اور ہمارے معاشرے میں ایک بیوی ہوتے ہوئے دوسری دینے کیلئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔

بلاشبہ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے سب کچھ لیکن سبب کے درجے میں رکاوٹ تو ہے، مذکورہ بالا حالات کے تناظر میں آپ طلاق دینا چاہیں تو شرعاً مذموم نہیں ہے، نہیں دینا چاہتے تو والدین کی نافرمانی کیوجہ سے گنہگار بھی نہیں ہو رہے ہیں، ایسی صورت میں والدین کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

لہذا آپ اپنا فیصلہ خود ہی کرسکتے ہیں شریعت کی طرف سے آپ پر کوئی پابندی عائد نہیں ہو رہی اور ہم کوئی رائے بھی نہیں دے سکتے اسلئے کہ مفتی دوسروں کے گھریلو حالات سے پوری طرح باخبر نہیں ہوسکتا۔

لما في الشامي :(۲/۲۲۸ طبع سعيد)

أما الطلاق فان الاصل فيه الحظر بمعنى انه محظور الالعارض يبيحه ،وهو معنى قولهم :الاصل فيه الحظر والاباحة للحاجة الى الخلاص ،فاذاكان بلاسبب لم يكن فيه حاجة الى الخلاص بل يكون حمقا وسفاهة راى و مجرد كفران النعمة واخلاص الايذاء بها وباهلها واولادها فحيث تجرد عن الحاجة المبيحة له شرعا يبقى على اصله من الحظر ولهذا قال تعالى:﴿ فان اطعنكم فلاتبغوا عليهنّ سبيلا﴾ اى الفراق، وعليه الحديث "ابغض الحلال الى الله الطلاق" قال في الفتح :ويحمل لفظ المباح على ما ابيح في بعض الاوقات أعني اوقات تحقق الحاجة المبيحة اه واذا وجدت الحاجة المذكورة ابيح وعليها يحمل ماوقع منه صلى الله عليه وسلم الخ.

ولما في روح المعاني:(۱۵/۲۲ سورة الاسراء طبع رشيديه)

وذكر بعض المحققين :ان العقوق فعل مايحصل منه لهما اولاحدهما ايذاء ليس بالهين عرفا ويحتمل ان العبرة بالمتأذى لكن لو كان الوالد في غاية الحمق وسفاهة العقل فأمره أونهى ولده بما لايعد مخالفته فيه في العرف عقوقا لايفسق ولده بمخالفته حينئذلعذره وعليه فلوكان متزوجا بمن يحبها فأمره بطلاقها ولولعدم عفتها فلم يمتثل لأمره لااثم عليه نعم الأفضل طلاقها امتثالا لأمر والده ،فقد روى ابن حبان في صحيحه انّ رجلا أتى أبا درداء فقال:ان ابى لم يزل بى حتّى زوّجني وانه الأن يأمرني بفراقها فقال:ما أنا بالذى آمرك ان تعق والديک ولا بالذى آمرك ان تطلق زوجتک غير أنک ان شئت حدثتک بما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول "الوالد اوسط ابواب الجنّة" انّ شئت فحافظ على ذلک أودع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: شاہد خان سواتی

۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ   فتوی نمبر: ۲۹۴۶

﴿مرتد ہونے سے طلاق مغلظہ کا اثر ختم نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے اور تین طلاقیں دینے کے بعد یہ طلاق دینے والا شخص اور مطلقہ بیوی دونوں ہی کافر ہو جائیں اور پھر مسلمان ہو کر نکاح کر لیں کیا یہ دونوں بغیر حلالہ کروائے اکٹھے رہ سکتے ہیں اور مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد جو نکاح ان دونوں نے کیا ہے۔ کیا وہ جائز ہو گا یا حلالہ کروانا ضروری ہے؟ مستفتی: محمد اختر حسین قصور

﴿جواب﴾ مرتد ہونے سے طلاق مغلظہ کا اثر ختم نہیں ہوتا لھذا بیوی کو تین طلاق دینے والا اگر مرتد ہو گیا (العیاذ باللہ) اس کے بعد دوبارہ اسلام قبول کر لیا تب بھی اس بیوی سے دوبارہ شادی کرنے کے لیئے حلالہ شرعیہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر وہ حلال نہیں ہو سکتی۔

لما فی الشامی ۱۸۴/۳ طبع سعید

وانہ تثبت بقیۃ احکام النکاح فی حقھم کالمسلمین :من وجوب النفقۃ فی النکاح، ووقوع الطلاق ونحوھما: کعدۃ ونسب ، وخیار بلوغ، وتوارث بنکاح صحیح، وحرمۃ مطلقۃ ثلاثا، ونکاح محارم.

ولما فی الشامی ۱۸۶/۳ طبع سعید

(قولہ محرمین) بان تزوج مجوسی امۃ او بنتہ، وکذا لو تزوج مطلقۃ ثلاثا او جمع بین خمس او اختین فی عقدۃ ثم اسلما او احدھما فرق بینھما اجماعا فتح، وکذا قال فی النھر، ولیس الحکم مقصورا علی المحرمیۃ بل کذالک لو تزوج مطلقتہ ثلاثا الخ.

ولما فی الشامی ۱۸۷/۳ طبع سعید

(قولہ فانہ یفرق بینھما) لان ھذا التفریق ابطال حق علی الزوج، لان الطلقات الثلاث قاطعۃ لملک النکاح فی الادیان کلھا بحر.

ولما فی الدر المختار ۱۸۷/۳ طبع سعید

او تزوجھا قبل زوج آخر وقد طلقھا ثلاثا. فانہ فی ھذہ الثلاثۃ یفرق من غیر مرافعۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۴۸۵

﴿مرتد ہونے سے عورت نکاح سے نہیں نکل سکتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو

نان نفقہ نہ دینے کیساتھ ساتھ اس پر بہت زیادہ ظلم کرتا تھا، بلآخر وہ عورت ظلم و بربریت کے برداشت سے عاجز آکر شوہر کے مظالم سے خلاصی کیلئے مرتد ہوگئی (نعوذ باللہ) اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس عورت کا پہلے شوہر سے نکاح ٹوٹ گیا؟ کیا اس کے بعد وہ دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: مولوی حسین احمد مدنی

﴿جواب﴾ ایسی عورت سے متعلق تین روایات ہیں:

(۱) مرتد ہونے سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور اس جرم کی وجہ سے وہ باندی بن جائے گی، اس کا شوہر چاہے تو اس کو امام وقت سے خرید کر اپنے پاس رکھے اور اگر شوہر مصرف ہو تو امام اسے مفت بھی دے سکتا ہے۔

(۲) ایسی عورت کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، مگر یہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی، بلکہ اسے تجدید اسلام اور پہلے شوہر سے ہی نکاح کرنے مجبور کیا جائیگا۔

(۳) ارتداد کے باوجود اسکا نکاح نہیں ٹوٹے گا، وہ بدستور شوہر کے نکاح میں رہے گی۔ (مشائخ بلخ و سمرقند اور بعض مشائخ بخارا نے اسی قول پر فتوی دیا ہے)

ہمارے اس دور میں پہلی دونوں صورتوں کو اختیار کرنا ناممکن ہے، کیونکہ ایک طرف قوانین اسلام پر عمل نہ ہونا تو دوسری طرف حکومت سے ایسے احکام کے بجالانے کی امید رکھنا شاید خام خیالی ہوگی۔ لہذا تیسری صورت متعین ہے کہ اس عورت کا نکاح نہیں ٹوٹے گا، وہ بدستور شوہر کے نکاح میں رہیگی، لیکن تجدید اسلام سے قبل شوہر کو اس سے جماع، تقبیل اور لمس بالشہوۃ (بوس وکنار) کی اجازت نہیں، یہاں تک کہ اسلام قبول کرلے پھر اسکے بعد تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔ اس عورت کا شوہر کے نکاح سے نکلنے کیلئے مرتد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ انتہائی ناسمجھ عورت ہے، شاید اسی وجہ سے شوہر بھی اس کو نہیں چاہتا، شوہر اگر بے کار ہے تو اسکا حل یہ تھوڑا ہے کہ اپنے رب کو بھی ناراض کردے، اس حماقت پر سچے دل سے توبہ کرے اور شوہر واقعی ایسا ہی اگر ہے جسکی وجہ سے خاتون خلاصی چاہتی ہے، مثلاً شوہر معنت ہے جو نان نفقہ نہیں دیتا اور نہ ہی طلاق دیتا ہے تو اس کے لئے یہ شرعی حل موجود ہے کہ

شوہر سے طلاق لی جائے، اگر وہ یوں طلاق نہ دے تو خلع کی صورت اختیار کی جائے کچھ

دے دلا کر طلاق پر آمادہ کیا جائے، اس پر راضی نہ ہو تو عدالتی کاروائی کی جائے اور عدالت میں طلب کر کے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے، اگر وہ اس پر بھی طلاق نہ دے تو حاکم خود دونوں میں تفریق کر دے، بحالت مجبوری قابل فہم وبصیرت اہل علم ودانش مسلمانوں کی جماعت بھی یہ فرض انجام دے سکتی ہے۔ اس کے بعد وہ عورت عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

لما في التنوير مع الدر :(۱۹۴/۳ طبع: ایچ ایم سعید)

لو ارتدت لمجيئ الفرقة منها قبل تأكده ولو ماتت في العدة ورثها زوجها المسلم استحسانا ،وصرحوا بتعزيرها خمسة وسبعين ،وتجبر على الاسلام وعلى تجديد النكاح زجرالها بمهر يسير كدينار ،وعليه الفتوى ولوالجية.وأفتى مشانخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجراً لها وتيسيراًلاسيماالتي تقع في المكفر ثم تنكر .قال في النهر :والافتاء بهذا اولى من الافتاء بما في النوادر لكن قال المصنف : ومن تصفح احوال نساء زماننا ومايقع منهن موجبات الردة مكررافي كل يوم لم يتوقف في الافتاء برواية النوادر .قلت : وقد بسطت في المنح والمجتبى والفتح والبحر .وحاصلها أنها بالردة تسترق وتكون فيأللمسلمين عند أبي حنيفة ،ويشتريها الزوج من الامام أو يصرفها اليه لو مصرفا.

لما في الهندية:(۳۳۹/۱طبع :رشيديه كوئٹه)

ولو أجرت كلمة الكفر على لسانها مغايظة لزوجها أو اخراجا لنفسها عن حبالته أو لاستيجاب المهر عليه بنكاح مستأنف لزوجها تحرم على زوجها فتجبر على الاسلام ولكل قاض ان يجدد النكاح بأدنى شئ ولو بدينارسخطت أو رضيت وليس لها أن تتزوج الابزوجها.

لمافي فتاوى قاضي خان:(۲۹۵/۱طبع :قديمي كتب خانه)

منكوحة ارتدت والعياذبالله تعالى حكى عن ابي النصر وابي القاسم الصفار انهما قالا لايقع الفرقة بينهما حتى لاتصل الى مقصودها ان كان مقصودها الفرقة وفي الرواية الظاهرة يقع الفرقة وتجبر المرأة حتى تسلم ويجدد النكاح سدألهذاالباب عليها.

لمافي الشامي:(۲۵۳/۳طبع :ایچ ایم سعید کراچی)

(وليس للمرتدة التزوج بغير زوجها به يفتي)وقد افتى الدبوسي والصفار وبعض اهل سمر قند بعدم وقوع الفرقة بالردة عليها ،وغيرهم مشو على الظاهر ولكن حكموا بجبرها على تجديدالنكاح مع الزوج ويضرب خمسة وسبعين سوطا.

لما في فتح القدير :(۴۰۷/۳طبع :رشيديه كوئٹه)

وبعض مشائخ بلخ وسمر قند أفتو افي ردتها بعدم الفرقة حسما لاحتيالها على الخلاص بأكبر الكبائر ،وعامة مشائخ بخارى أفتوابالفرقةوجبرها على الاسلام وعلى النكاح مع زوجها الاول لأن الحسم بذالك يحصل ،ولكل قاضي أن يجدد النكاح بينهما بمهر يسير ولو بدينار رضيت أم لا ،وتعزر خمسة وسبعين

كذافي كفاية المفتي :(۹/۲۷۳،۲۷۲، طبع:ادارۃ الفاروق کراچی)

كذافي الحيلة الناجزة:(ص ۱۱۳،۱۱۴ طبع:دارالاشاعت کراچی)

كذافي احسن الفتاوی:(ج۶/۳۶۱،۶۲ طبع :ایچ ایم سعید کراچی)

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :عزیز احمد خضداری

۷ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر:۴۱۲۰

﴿حلالہ کا شرعی طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے تقریباً ایک سال پہلے ایک ہی وقت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دیدیں تھیں اور اس کے بعد رجوع بھی نہ کرسکا، اب دونوں اکٹھے رہنا چاہتے ہیں، قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ وہ اکٹھے رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ پہلے الجامعہ الاسلامیہ (اہل حدیث) ملتان سے فتویٰ طلب کیا تھا انہوں نے تجدید نکاح کا فتویٰ دیا تھا۔ مستفتی:ابوبکر

﴿جواب﴾ جب اس شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دیدیں تو تینوں واقع ہوگئی ہیں اور تین طلاقوں کے بعد تجدید نکاح سے بھی وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔

اب اگر وہ دوبارہ اکٹھے رہنا چاہتے ہیں تو حلالہ شرعی کے بعد ہی اکٹھے رہ سکتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور باقاعدہ ہمبستری بھی کرے پھر اگر وہ اس کو طلاق دیدے تو عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرسکے گی۔

اہل حدیث حضرات کا فتویٰ کوئی فتویٰ نہیں، یہ دنیا کے چاروں مذاہب کے خلاف ہے، اس لئے جو شخص شریعت کے حلال وحرام کی پابندی کرنا چاہتا ہو اسکو اہل حدیث حضرات کے فتویٰ پر عمل کرنا حلال نہیں۔

لمافي ردالمحتار:(۳/۲۳۲-۲۳۳ طبع سعید)

(قوله ثلاثة متفرقة)وكذا بكلمة واحدة بالاولى..... اما ولا فاجماعهم ظاهر لانه لم ينقل عن احد منهم انه خالف عمر (رضي الله عنه) حين امضى الثلاث.

ولمافي فتح القدير:(۳/۳۲۱ طبع رشيديه)

وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعد هم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث.

ولما فی قوله تعالیٰ :(سورة البقرة،پ۲،آیت ۲۳۰)

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره...... الأية.

ولما فی الصحيح لمسلم:(۱/۴۶۳،طبع قديمى)

عن عائشة قالت جاء ت امراة رفاعة الى النبى صلى الله عليه وسلم فقالت كنت عند رفاعة فطلقنى فبت طلاقى فتزوجت عبد الرحمن بن الزبيروانمامعه مثل هدبة الثوب فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال اتريدين ان ترجعى الى رفاعة ،لا حتى تذوقى عسيلته ويذوق عسيلتك...... الخ.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :محمد امیر ملک خوشابی

۲۹صفرالخیر ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۲۹۶۴

﴿حلالہ ضروری ہو تو صرف توبہ واستغفار سے بیوی حلال نہیں ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا تو شوہر نے غصہ میں آکر کہا کہ ''میں نے تمہیں طلاق دی ،میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے تمہیں طلاق دی''۔اس جھگڑے کے بعد بیوی شوہر کا گھر چھوڑ کر ماں باپ کے گھر چلی گئی کچھ دن کے بعد شوہر کو ندامت ہوئی اور وہ جا کر اپنی بیوی کو لے آیا۔بیوی اب اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔شوہر کا کہنا ہے کہ میں حلالہ نہیں کراؤں گا مجھے غیرت آتی ہے کہ میری بیوی کے جسم کو میرے علاوہ کوئی دوسرا مرد دیکھے، بلکہ صرف توبہ، استغفار کروں گا۔اور وہ شخص ہر روز تسبیحات ،تلاوت ،نوافل کا اہتمام کرتا ہے اور اللہ سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہتا ہے اور روتا بھی ہے لیکن بیوی کو نہیں چھوڑتا ،کیا اس شخص کا ایسا کرنا درست ہے کیا شرعی حلالہ کے بغیر توبہ و استغفار سے وہ اس کی بیوی بن جائیگی؟ مستفتی:عبدالصمد نوکوٹ سندھ

﴿جواب﴾ گناہ چھوڑے بغیر توبہ واستغفار کرنا جہالت ہے۔اس طرح توبہ قبول نہیں ہوتی مرد وعورت دونوں پر لازم ہے کہ جدا ہو جائیں برادری کے لوگوں کو چاہئے کہ دونوں کے درمیان تفریق کریں۔وعظ ونصیحت کے ذریعہ اگر کامیاب نہ ہوں تو سوشل بائیکاٹ کریں ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔تین طلاقوں کے بعد بیوی شوہر کے لئے حرام رہتی ہے جب تک دوسری جگہ شادی نہ کرے اور اس حکم کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ تاکہ تین طلاق اگر کوئی دے تو سوچ سمجھ کر دے اس سے طلاق کی شرح کم ہوگی اس شوہر کو بیوی زیادہ محبوب تھی تو طلاق نہ دیتا۔اب توبہ

عورت اسکی بیوی رہی نہیں، غیرت اپنی بیوی پر آتی ہے لہذا یہ شیطانی دھوکہ ہے۔

لما فی العالمگیریہ:(۱/۲۵۶، طبع سعید)

رجل قال لامرأته انت طالق انت طالق انت طالق فقال عنيت بالاولى الطلاق و بالثانية و الثالثة افهامها صدق ديانة و فى القضاء طلقت ثلاثا كذا فى فتاوى قاضى خان۔

ولما فی العالمگیریہ:(۱/۴۷۳، طبع سعید)

اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها فى العدة و بعد انقضائها وان كان الطلاق ثلاثا فى الحرة و ثنتين فى الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها كذا فى الهداية۔

ولما فی الهدایة:(۲/۳۷۴، طبع رحمانیه)

و طلاق البدعة ان يطلقها ثلثا بكلمة واحدة او ثلثا فى طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق عاصيا۔

ولما فی روح المعانی:(۲۸/۲۸۸، طبع رشیدیه)

وقال الامام النووى :التوبة ما استجمعت ثلاثة امور ان يقلع عن المعصية و ان يندم على فعلها وان يعزم عزما جازما على ان لا يعود الى مثلها ابدا فان كانت تتعلق بآدمى لزم رد الظلامة الى صاحبها او وارثه او تحصيل البرأة منه و ركنها الاعظم الندم۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ فتوی نمبر: ۳۷۸۶

﴿دو بیویوں کو بلا تعیین طلاق دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اور بکر کا آپس میں کسی بات پر تکرار ہو گیا، زید کہتا ہے کہ تم نے یہ کام کیا ہے اور بکر انکار کرتا ہے، جب بات بڑھ گئی تو بکر نے کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو میری بیوی تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہے لیکن بکر نے وہ کام کیا تھا جان چھڑانے کیلئے جھوٹ بولا، پوچھنا یہ ہے کہ اسطرح کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اسکی زبان سے یہ الفاظ بلا قصد طلاق نکلے تھے اور بکر کی دو بیویاں ہیں اگر طلاق واقع ہو گئی ہے تو کونسی بیوی پر؟ کیونکہ اس نے تو کسی ایک کی تعیین نہیں کی تھی۔ مستفتی: ذبیح اللہ پشاور

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں بلا شبہ طلاق مغلظہ واقع ہو گئی ہے، بکر نے دونوں بیویوں میں سے کسی ایک کا طلاق کے وقت اگر تعیین نہیں کیا تھا تو اب اس پر کسی ایک کو متعین کرنا واجب

ہے اور جب تک یہ تعین نہیں کریگا دونوں بیویوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی جانا حرام ہے جسکی تعیین کرے تو وقت طلاق سے وہ تین ماہواری پوری کر کے اسکی عدت مکمل ہو جائیگی، اسکے بعد کسی دوسری جگہ چاہے تو نکاح کر سکتی ہے، یہ بھی واضح رہے کہ حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ اسی شوہر کیساتھ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

لمافی الدر المختار:(۲/۲۳۵،طبع سعید)

ویقع طلاق کل زوج بالغ ،عاقل،وتقدیرا ولو عبدا او مکرها اوهازلا او مخطئا بأن أراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانه الطلاق.

ولمافی الهندیة:(۱/۳۸۷،طبع قدیمی)

یقع الطلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او عبدا طائعا او مکرها کذافی جوهرة النیرة وطلاق اللاعب والهازل به واقع کذالک لو أراده ان یتکلم بکلام فسبق لسانه بالطلاق فالطلاق واقع کذافی المحیط.

ولمافی التنویر مع الدر:(۳/۷۰۵-۷۰۶،طبع سعید)

(ان حلف علی کاذب عمدا)ولو غیر فعل اوترک کوالله انه حجز الأن فی ماض(کوالله مافعلت)کذا(عالما بفعله أو)حال(کوالله ماله علی ألف عالما بخلافه ووالله انه بکر عالما بانه غیره)......(ویاثم بها)فتلزم التوبة(و)ثانیها(لغو)لامؤاخذة فیها الا فی ثلاث طلاق وعتاق ونذر أشباه.

ولمافی الدر مع الرد:(۳/۲۹۰،طبع سعید)

(ولو قال امرتی طالق وله امرأتان او ثلاث تطلق واحدة منهن وله خیار التعین)اتفاقا.

ولمافی الشامی:(۳/۲۹۱،طبع سعید)

وفی الخانیة امرأته طالق وله امرأتان معروفتان له ان یصرف الی ایتهما شاء ولم یحک خلافا.

ولمافی البحر الرائق:(۳/۲۵۲،طبع سعید)

ولو قال امرأته طالق وله امرأتان کلتاهما معروفة کان له ان یصرف الطلاق الی ایتهما شاء.

واللہ اعلم بالصواب: محمد عمران غفرلہ ولوالدیہ الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۲۸۹۳ ۱۹ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿عام حالات میں بلا وجہ طلاق دینا شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ میری بیوی میرے والدین کو بہت تنگ کرتی ہے، گالی گلوچ اور انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کرتی ہے، میرے والد نے بھی تنگ

آ کر بار بار مجھے طلاق دینے کا کہا اور میں نے کئی دفعہ اس کو والدین کے گھر بھیجا ہے اسی وجہ سے لیکن وہ پھر بھی شرارت سے باز نہیں آتی، میرے چھوٹے بچے ہیں، انکی پرورش کا مسئلہ بھی ہے، کیا اس صورت میں اس کو طلاق دے سکتا ہوں یا نہیں؟ مستفتی عبدالرؤف پنڈی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ عام حالات میں بلا وجہ طلاق دینا شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے اور کوئی وجہ ہو تو بعض صورتوں میں طلاق دینا ضروری بھی ہوتا ہے، سوال میں تحریر کردہ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی بیوی ضدی اور نافرمان ہے، آپکے سمجھانے کے باوجود شاید وہ اپنے رویہ کو بدلنے کے لئے تیار نہیں ہے، ایسی صورت میں طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ روز کی تلخی سے دونوں کو نجات ملے یہ تو آپکی تحریر سے ہمیں اندازہ ہوا ہے جبکہ حقیقت میں آپ خود ہی اپنے گھر والوں سے بخوبی واقف ہیں، آپکے والد صاحب کا حکم کہ بیوی کو طلاق دیدو اگر صرف ذاتی رنجش کی وجہ سے ہے کہ بہو انکی خدمت نہیں کرتی حالانکہ بہو پر انکی خدمت واجب نہیں ہے کرے تو اسکی سعادت ہے نہ کرے تو ضروری نہیں ہے۔

باقی وہ آپکی عزت واحترام کرتی ہے، اولاد کی تربیت کرتی ہے، جان ومال میں خیانت نہیں کرتی تو طلاق کا مطالبہ بے جا ہے، طلاق دینا کوئی ضروری نہیں ہے اور اگر انکا مطالبہ اس لئے ہے کہ وہ مزاج کی ٹیڑھی ہے، مستقبل میں بیٹے کے لئے مزید پریشانی کا باعث بنے گی تو ایسی صورت میں والد صاحب کی بات پر عمل کرنا مناسب ہے، رہی اولاد کی تربیت سو مزاج کی ٹیڑھی اولاد کی تربیت بھی نہیں کرسکتی بلکہ اولاد کا بھی نقصان کرتی ہے۔

بہرحال آپ خود ہی بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں، ہمارے معاشرہ میں اس قسم کے گھریلو مسائل جب سامنے آتے ہیں تو بعض جگہ زیادتی بہو کی ہوتی ہے اور بعض جگہ ساس وسسر بہو سے حد سے زیادہ توقعات رکھتے ہیں جس کی وجہ سے اس کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲۲۷/۲-۲۲۸ طبع امدادیہ)

(وایقاعه مباح) عند العامة لاطلاق الأیات اکمل وقیل قائله الکمال الاصح حظره ای منعه الا لحاجة، کریبة وکبر......بل یستحب لو موذیة.

وفی الشامیة: ولما الطلاق فان الاصل فیه الحظر بمعنی انه محظور الا لعارض یبیحه وهو معنی قولهم الاصل فیه الحظر والاباحة للحاجة الی الخلاص فاذا کان بلا سبب اصلا لم

یکن فیه حاجة الی الخلاص بل یکون حمقا وسفاهة رأی ومجرد الحاجة الی الخلاص عند تباین الاخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم اقامة حدود الله تعالی فلیست الحاجة مختصة بالکبر والریبة ولهذا" قال تعالی ﴿فان اطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلا﴾ ای لا تطلب الفراق۔۔۔ قوله (لو مونیة) اطلقه فشمل المونیة له او لغیره بقولها او بفعلها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۶۱

﴿طلاق دینے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی ہے اس لئے کہ میں نے ایک عالم دین سے معلوم کیا تھا کہ میرا ارادہ طلاق دینے کا ہے، آپ بہتر طریقہ بتادیں تو انہوں نے بتایا کہ صرف ایک طلاق دیکر رجوع کئے بغیر عدت گزارنے دیں تین طلاقوں کی ضرورت نہیں ہے لیکن سسرال والے دو طلاق مزید دینے کا اصرار کررہے ہیں، براہ کرم آپ صحیح طریقہ بتادیں؟

﴿جواب﴾ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے اگرچہ طلاق واقع ہوجاتی ہے لیکن شرعا بدعت اور ممنوع قرار دیا گیا ہے الگ الگ طہر میں دینے کی گنجائش ہے، تاہم اس سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ صرف ایک طلاق ایسے طہر میں جس میں جماع بھی نہ کیا ہو دیکر رجوع نہ کریں اور عدت گزرنے دیں جیسا سوال میں بتایا گیا ہے، عدت گزرنے کے بعد عورت مکمل آزاد ہوجائیگی، دوسری جگہ چاہے تو نکاح کرسکے گی۔

ایک فائدہ یہ بھی ہے اس طریقہ کو اختیار کرنے میں کہ میاں بیوی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو بغیر حلالہ نئے حق مہر کیساتھ نکاح کرسکیں گے جب کہ تین طلاقیں دینے کی صورت میں بغیر حلالہ نکاح نہیں ہوسکے گا، لہٰذا ایک پر اکتفاء کرنا صحیح اور بہتر طریقہ ہے اس کو شریعت میں طلاق احسن کہتے ہیں۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿بیوی کے علاقے کی تمام عورتوں کو طلاق دینے سے بیوی کا مطلقہ ہونا﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی کی اپنی بیوی سے لڑائی ہوگئی بحث وتکرار میں اس نے کئی دفعہ بیوی کے

علاقے کا نام لے کر کہا کہ میں نے اس علاقے کی تمام عورتوں کو طلاق دی ہے تو کیا اس سے اسکی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی؟ جبکہ وہ آدمی اب انکار کر رہا ہے کہ میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی بلکہ اسکو عار دلا رہا تھا۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ اس آدمی نے دو سے زائد مرتبہ طلاق کے الفاظ صراحۃً بولے ہیں تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی ہے، اب دوبارہ بغیر حلالہ کے اسکے نکاح میں نہیں آسکتی، جب اس نے صریح طور پر طلاق کے الفاظ بولے ہیں، اب اس میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، لہٰذا یہ کہنا کہ میں اسکو عار دلا رہا تھا طلاق کی نیت نہیں تھی، فضول اور بے سود ہے، طلاق واقع ہو گئی ہے کیونکہ جب اس نے اس عورت کے علاقے کا نام لے کر سب عورتوں کو طلاق دی تو اس میں اسکی بیوی بھی داخل ہے، اس پر بھی ضمناً طلاق پڑ گئی۔

لمافی الهندية:(۱/۳۵۷،طبع رشيديه)

ولو قال نساء هذه البلدة أو هذه القرية طوالق وفيها امراته طلقت كذا في قاضيخان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:

﴿طلاق کے بارے میں میاں بیوی کے بیان میں اختلاف﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا اور غصہ میں آکر شوہر نے کہا میں تمہیں "طلاق طلاق طلاق دے دوں گا" اس مجلس میں ان کے ساتھ دو عورتیں اور بھی تھیں۔ اس کی بیوی اور ان عورتوں کا کہنا ہے کہ اس نے کہا میں نے تمہیں "طلاق طلاق طلاق دی" جب کہ شوہر کہتا ہے کہ میں نے یہ کہا کہ میں تمہیں "طلاق طلاق طلاق دے دوں گا" اس بات پر بیوی قسم کھانے کے لئے تیار ہے اور شوہر بھی اپنے قول پر قسم کھانے کو تیار ہے۔

مستفتی: عبدالصمد نوکوٹ سندھ

﴿جواب﴾ میاں بیوی دونوں کی بات میں تضاد ہے، لازمی بات ہے دونوں میں سے کوئی ایک سچا دوسرا جھوٹا ہے۔ دونوں کو سمجھایا جائے کہ معاملہ طلاق کا ہے حرام حلال کا ہے جو بھی غلط بیانی سے کام لے گا دنیا آخرت دونوں اپنی برباد کرے گا اور اس سے اس کی پوری آنے والی نسل حرام کی ہو جائیگی۔ مفتی غیب نہیں جانتا وہ سوال کے مطابق جواب دیتا ہے۔ شوہر کے بیان کے

مطابق طلاق نہیں ہوئی لیکن بیوی کے دعوی کے مطابق طلاق مغلظہ ہوگئی ہے اور بظاہر شوہر کی بات غلط معلوم ہورہی ہے اس لئے کہ عام طور پر طلاق کی دھمکی دیتے ہوئے کوئی بھی "طلاق، طلاق، طلاق دیدوں گا" نہیں بولتا بلکہ طلاق دے دوں گا بولتا ہے البتہ طلاق مقصود ہوتو طلاق، طلاق، طلاق تین بار بولنا واقعی عام معمول ہے۔ بہر حال اس صورت میں عورت نے طلاق کے الفاظ خود ہی سن لئے ہیں اس لئے اب اس عورت پر لازم ہے کہ شوہر سے الگ رہے اس کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم رکھنا اس کے لئے حرام ہے۔ شوہر اگر بضد ہے تو پنچائیت اور برادری کے لوگوں کو چاہئے کہ عورت کو اس شخص سے خلع وغیرہ کے ذریعہ خلاصی دلوادیں۔

لما في العالمگيريه:(۱/۳۸۴،طبع رشيديه)

و في المحيط لو قال بالعربية اطلق لايكون طلاقاًالا اذا غلب استعماله للحال فيكون طلاقا.

ولما في الدرالمختار على ردالمحتار :(۳/۳۱۹، طبع سعيد)

قوله طلقي نفسك فقالت انا طالق او انا اطلق نفسي لم يقع لانه وعدجوهرة،و عبارة الجوهرة: وان قال طلقي نفسك فقالت انا اطلق لم يقع قياساًواستحساناً.

ولما في العالمگيريه:(۱/۳۵۴،طبع رشيديه)

ولو قال لها انت طالق و نوى به الطلاق عن وثاق لم يصدق قضاء ،و يدين فيما بينه وبين الله تعالى والمرأة كالقاضي لا يحل لها ان تمكنه اذا سمعت منه ذلك او شهد شاهد عدل عندها .

ولما في الهدايه:(۳/۱۶۱، طبع سعيد)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين او رجل و امراتين سواء كان الحق مالاًاو غير مال مثل النكاح و الطلاق والوكالة والوصية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۷۸۵

﴿شک کی صورت میں کتنی طلاق واقع ہوں گی؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص کو یہ شک پڑ جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی ہے یا تین؟ تو کیا یہ شخص بیوی سے اس صورت میں رجوع کرسکتا ہے یا حلالہ شرعی لازمی ہے؟

مستفتی: محمد نسیم پشاوری

﴿جواب﴾ اگر کسی شخص کو تعداد طلاق میں شک پڑ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ کم عدد پر عمل کرلے جو کہ یقینی ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں عورت پر ایک طلاق ہوگئی ہے اور طلاق رجعی

ہونے کی بناء پر آدمی رجوع کرسکتا ہے، حلالہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

لمافی الدر مع الرد:(۴/۲۸۳،طبع سعید)لوشک أطلق واحدۃ او اکثر بنی علی الأقل.

وفی الشامیۃ:(قوله بنی علی الأقل)ای کما ذکرہ الاسبیجابی،الاأن یستیقن بالأکثر أو یکون اکبر ظنه.

ولمافی الهندیۃ:(۱/۳۶۳،طبع رشیدیه)

فی نوادر ابن سماعۃ عن محمدؒ اذاشک فی انه طلق واحدۃ او ثلاثافهی واحدۃ حتی یستیقن أویکون أکبر ظنه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:رضوان اللہ حقانی

۲۸جمادالاولی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۲۳۴

﴿طلاق بشکل خلع کی ایک صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض وجوہات کی بناء پر میری اور میری اہلیہ کی نہ بن سکی تو میرے سسر کے اصرار پر میرے والد صاحب ایک کاغذ تیار کروا لائے جس کی فوٹو کاپی اس سوال کے ساتھ منسلک ہے،اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میری بیٹی کو خلع کی شکل میں طلاق دے دو ہم اسکا حق مہر بھی معاف کررہے ہیں،اس کاغذ پر میں نے بلا کچھ کہے دستخط کردیئے زبان سے طلاق کا لفظ نہیں نکالا،ساتھ اس لڑکی نے بھی دستخط کردیئے اور دو گواہوں نے بھی،میرا سوال یہ ہے کہ(۱) کیا میں اس لڑکی سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہوں؟ (۲) دوبارہ نکاح میں لانے کی کیا صورت ہوگی؟

نوٹ:منسلک فوٹو کاپی میں تین طلاقوں کا ذکر ہے۔ — سائل:محمد یوسف کراچی

﴿جواب﴾ طلاق بشکل خلع کی مذکورہ صورت درست ہے(۱) بلا جبر و اکراہ تحریر کو سمجھ کر آپ نے اگر دستخط کردیئے ہیں تو زبان سے طلاق کے الفاظ بولے بغیر بھی طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اب رجوع نہیں ہوسکتا اور حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا،طلاق نامہ پر بلا جبر و اکراہ تحریر کو سمجھ کر دستخط کرنا طلاق واقع ہونے کے لئے کافی ہے،زبان سے طلاق کے الفاظ کہنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

لمافی ردالمحتار:(۵/۱۱،طبع امدادیه)

لوقالت ابرائتک عمالی علیک علی طلاقی فلعل بری وبانت.

ولما فی رد المحتار: (۴/۲۵۶، طبع امدادیه)

وان كانت مرسومة يقع الطلاق نوى اولم ينو......لا يحتاج الى النية فى المستبين المرسوم ... ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقراه على الزوج فاخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به اليها فاتاها وقع ان اقر الزوج انه كتابه.

(۲) دوبارہ نکاح میں لانے کی صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ عورت کسی دوسری جگہ شادی کرے اور شوہر ثانی باقاعدہ اس سے جماع بھی کرے پھر وہ اگر اس کو طلاق دیدے تو عدت گزرنے کے بعد دوبارہ سابق شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: (البقرة، آیت ۲۳۰)

فان طلقها فلا تحل له حتىٰ تنكح زوجاً غيره......الآية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ابوخزیمہ محمد کفایت اللہ

۲۷ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۷۷

﴿ کیا طلاق دینے کے لئے طلاق ہی کا لفظ کہنا ضروری ہے؟ ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص لفظ طلاق کے علاوہ کسی اور لفظ مثلاً تو آزاد ہے یا میں نے تجھے چھوڑ دیا سے طلاق دے تو کیا ان لفظوں سے طلاق ہوجائے گی؟ واقع ہوگی تو کونسی؟ کئی مرتبہ بولنے سے کتنی واقع ہوں گی؟ یا طلاق دینے کے لئے طلاق ہی کا لفظ کہنا ضروری ہے؟

مستفتی: محمد کاشف ایاز مسجد ڈیفنس کراچی

﴿جواب﴾ وقوع طلاق کے لئے لفظ طلاق ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ ان الفاظ سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے جو طلاق کے معنی میں استعمال ہوتے ہوں اگر وہ الفاظ خاص طلاق ہی کے معنی میں استعمال ہوتے ہوں تو وہ صریح کہلاتے ہیں اور ان سے نیت کے بغیر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اگر ایک بار کہا تو ایک طلاق رجعی اور اگر دو بار کہا تو دو طلاق رجعی واقع ہوتی ہیں، تین بار کہا تو تین طلاق مغلظہ واقع ہوتی ہیں۔

اور جو الفاظ عرف میں طلاق کے لئے مختص نہیں بلکہ طلاق کے علاوہ بھی استعمال ہوتے ہوں تو وہ کنایہ کہلاتے ہیں، کنایہ سے طلاق اس وقت واقع ہوتی ہے جب شوہر نے یہ الفاظ بنیت طلاق کہے ہوں یا شوہر یہ الفاظ تذکرۂ طلاق کے دوران یا غضب کی حالت میں کہے۔

سوال میں ذکر کردہ الفاظ ''تو آزاد ہے، میں نے تجھے چھوڑ دیا'' ہمارے عرف میں صریح ہیں اگر ایک بار کہا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر دو بار کہا تو دو رجعی اور اگر تین بار کہا تو تین طلاق مغلظہ واقع ہوں گی بغیر حلالہ شرعیہ کے عورت حلال نہ ہوگی۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲۹۶/۳،طبع ایچ ایم سعید)

(کنایته)عند الفقهاء(مالم یوضع له) ای الطلاق (واحتمله) وغیره (و) الکنایات (لاتطلق بها)قضاء(الابنیة اودلالة الحال)وهی حالة مذاکرة الطلاق اوالغضب.

ولمافی الشامی:(۲۹۹/۳،طبع سعید)

فاذاقال:(رهاکردم)ای سرحتک یقع به الرجعی مع ان اصله کنایة ایضاً،وماذلک الالانه غلب فی عرف الفرس استعماله فی الطلاق،وقدمران الصریح مالم یستعمل الافی الطلاق من ای لغة کانت.

ولمافی الهندیة:(۳۷۹/۱،طبع رشیدیه)

والاصل الذی علیه الفتوی فی زماننا هذا فی الطلاق بالفارسیة انه اذاکان فیهالفظ لایستعمل الافی الطلاق فذلک اللفظ صریح یقع به الطلاق من غیر نیة اذااضیف الی المرأة وماکان بالفارسیة من الالفاظ مایستعمل فی الطلاق وفی غیره فهو من کنایات الفارسیة فیکون حکمه حکم کنایات العربیة فی جمیع الاحکام کذافی البدائع:اذاقال الرجل لامراته بهشتم ترا ازژنی فاعلم بان هذه اللفظة استعملها اهل خراسان واهل عراق فی الطلاق وانهاصریحة عند ابی یوسف رحمه الله تعالی حتی کان الواقع بهارجعیاویقع بدون النیة الخ واذاقال بهشتم تراولم یقل ازژنی فان کان فی حالة الغضب ومذاکرة الطلاق فواحدة یملک الرجعة وان نوی بائنااوثلاثاًفهو کمانوی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدابخش

۱۹ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر: ۲۴۴۴

﴿غصہ کی وجہ سے بیوی کے پاس نہ جانے سے طلاق واقع نہ ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ میں اور میری بیوی میں تلخ کلامی ہوئی اور غصہ کی وجہ سے میں اپنی بیوی کے پاس چار، ساڑھے چار ماہ تک نہیں گیا جبکہ میں نے کوئی قسم وغیرہ بھی نہیں کھائی تھی، کیا اس طرح میرا اپنی بیوی کے پاس نہ جانے سے ایلاء ہوا یا نہیں؟ اور اگر ایلاء ہوا تو کونسی اور کتنی طلاق واقع ہوئیں؟

﴿جواب﴾ آپ نے بیوی کے پاس نہ جانے کی کوئی قسم نہیں کھائی اور نہ کسی اور کام سے

اس کو معلق کیا ہے جسکا کرنا دشوار ہو تو محض غصہ یا کسی اور وجہ سے بیوی کے پاس نہ جانے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اور زبان سے کہے بغیر قسم بھی منعقد نہیں ہوتی، لہٰذا آپ کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور نہ آپ کے ذمہ کوئی کفارہ واجب ہے۔

لما فی الھندیۃ:(۴۷۶/۱ طبع رشیدیہ)

الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحۃ منعاً مؤکداً بالیمین باللہ او غیرہ من طلاق اوعتاق اوصوم اوحج اونحو ذلک مطلقاً او مؤقتاً باربعۃ اشہر فی الحرائر......فان قربھا فی المدۃ حنث وتجب الکفارۃ فی الحلف باللہ......وفی غیرہ الجزاء ویسقط الایلاء بعد القربان وان لم یقربھا فی المدۃ بانت بواحدۃ.

ولما فی التنویر مع الدر:(۴۲۲/۳ طبع ایچ ایم سعید)

(ھو) لغۃ الیمین وشرعاً (الحلف علی ترک قربانھا) مدتہ ولو ذمیا (والمولی ھو الذی لایمکنہ قربان امراتہ الابشئ) مشق (یلزمہ)

وفی الشامیۃ: قولہ (شرعا)......وفی الشرع ھو الیمین علی ترک قربان الزوجۃ اربعۃ اشھر فصاعدا باللہ تعالی او بتعلیق یستشقہ علی القربان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدا بخش

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ | فتویٰ نمبر: ۲۶۴۸

﴿فون پر طلاق دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص فون پر اپنے سسر صاحب کو کہتا ہے کہ میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی تو کیا فون پر طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر واقع ہو گئی ہے تو کتنی طلاقیں واقع ہوئی ہیں؟ جبکہ اس نے تین مرتبہ یہ لفظ کہا، ایک عالم صاحب یہ فرما رہے تھے کہ چونکہ اس نے ایک ہی مجلس میں یہ لفظ کہا ہے، لہٰذا ایک ہی طلاق واقع ہوئی ہے تین نہیں۔ مستفتی: محمد راشد کراچی

﴿جواب﴾ طلاق فون پر دینے سے بھی واقع ہو جاتی ہے اور صورت مسئولہ میں چونکہ تین مرتبہ طلاق بول کر طلاق دی ہے، لہٰذا تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں ہیں، اب حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

ایک ہی مجلس میں تینوں طلاق دینے سے واقع ہو جاتی ہیں، اس عالم صاحب کی بات غلط

ہے، صحابہ کرام کے زمانہ سے لیکر اب تک اس مسئلہ پر پوری امت کا اجماع ہے، اس قسم کی باتیں آزاد خیال لوگ کرتے ہیں جو کہ دنیا بھر میں رائج چاروں مذاہب (مسالک) میں سے کسی ایک کے بھی پیروکار نہیں ہیں۔

لمافی روح المعانی:(۲/۲۹، طبع رشیدیہ)

(فان طلقها فلاتحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره) ای تتزوج زوجا غیره ویجامعها فلایکفی مجرد العقد الخ وذهب بعضهم الی ان مثل ذلک مالوطلق فی مجلس واحد ثلاث مرات فانه لایقع الا واحدة. الخ.

والجواب عن الاحتجاج بالآية انها کما علمت لیست نصا فی المقصود:.....فلما کثرتا لاخلاط فیهم اقتضت المصلحة عدم تصدیقهم وایقاع الثلاث.....ثم فی زمن عمر رضی الله عنه استعجلوا وصاروا یوقعونه ثلاثا فعاملهم بتضیته واوقع الثلاث علیهم.....

ولمافی الدر مع الرد:(۳/۲۴۶، طبع سعید)

کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی وقیل مطلقا ولو علی نحو الماء فلا مطلقا.

وفی الشامیة:(قوله کتب الطلاق الخ).....وان کانت مرسومة یقع الطلاق نوی اولم ینو الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب کان اللہ لہ

۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر: ۲۶۸۱

﴿مہر فاطمی کی مقدار اور تین طلاقوں کا ایک مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں،

(۱) محترمہ افشاں بنت سراج الدین مرحوم کی شادی محمد فیصل ولد محمد سلطان مرحوم کے ساتھ مورخہ ۱۳ مئی ۲۰۰۶ء کو ہوئی انکے شوہر نے مورخہ ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز جمعرات کو تین طلاق ایک وقت میں دیدیں۔ ان الفاظ کے ساتھ (افشاں میں نے تمھیں طلاق دی) میرا جو مہر طے ہوا تھا وہ مہر فاطمی ہے۔ مہر فاطمی کی رقم موجودہ وقت کے حساب سے کیا بنتی ہے؟

(۲) میری دو بچیاں بھی ہیں ایک کی عمر تقریبا چار سال ہے اور دوسری بچی کی عمر تقریبا ایک سال ہے۔ ان بچیوں کا خرچہ کون ادا کرے گا، اور کب تک، اور یہ بچیاں کن کی کفالت میں رہیں گی؟

(۳) اب وہ مجھ پر یہ الزام لگا رہا ہے کہ طلاق میں نے خود مانگی ہے تو لہذا میں آپ کو مہر دینے کا حقدار نہیں ہوں جب کہ میں اللہ کو حاظر و ناظر جان کر یہ بات کہہ رہی ہوں کہ میں نے اس وقت کوئی ایسے الفاظ ادا نہیں کئے۔ اس مسئلے کے بارے میں آپ حضرات کیا کہتے ہیں؟

(۴) مجھے جہیز میں جو سامان ملا تھا وہ بھی کچھ محمد فیصل کے پاس ہے کیا میں وہ تمام سامان کا مطالبہ کر سکتی ہوں یا نہیں؟ مستفتیہ: افشان بنت سراج الدین کورنگی ساڑھے پانچ

﴿جواب﴾ (۱) سوال میں بیان کردہ صورت اگر واقعی درست ہے یعنی شوہر نے ایک ساتھ تینوں طلاقیں اگر دی ہیں تو اب رجوع نہیں ہوسکتا تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور حرمت مغلظہ ثابت ہوگئی ہے دوبارہ حلالہ شرعیہ کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا عورت چاہے تو دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے۔ مہر فاطمی پانچ سو درہم ہیں اور پانچ سو درہم کی ایک سو اکتیس تولے تین ماشے چاندی بنتی ہے اس وقت چاندی کا بھاؤ اگر ۱۱۶۰ روپے فی تولہ ہے تو پانچ سو درہم یعنی ایک سو اکتیس تولہ چاندی کی قیمت ایک لاکھ باون ہزار (۱۵۲۰۰۰) سے کچھ اوپر بنتی ہے۔ (بھاؤ کی کمی بیشی کے مطابق اس مقدار میں کمی بیشی ہوسکتی ہے)۔

لما فی اوزان الشرعیه: (ص ۳۲ طبع: ادارۃ المعارف)

(۲) بچوں کا نان ونفقہ یعنی ضروری خرچہ انکے والد کے ذمے ہے اور کم از کم نو سال تک یہ بچیاں اپنی والدہ کے پاس رہیں گی البتہ اگر مطلقہ خاتون دوسری جگہ شادی کرے تو اس کا یہ حق ساقط ہوجائیگا پھر یہ بچیاں اپنی نانی کے پاس رہینگی۔

لما فی الهدایه اولین: (ص ۴۲۷ طبع: رحمانیه)

ونفقة الاولاد الصغار علی الاب لا یشارکه فیها احد کما لایشارکه فی نفقة الزوجة لقوله تعالی وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف

ولما فی الشامی: (ص ۵۶۱ ج ۳ طبع: سعید)

قال فی البحر فعلی هذا یجب علی الاب ثلاثة، اجرة الرضاع واجرة الحضانة ونفقة الولد ومثله فی الشرنبلالیه

ولما فی التنویر مع الدر (۵۶۶/۳، ۵۶۷، طبع: سعید)

وغیرهما احق بها حتی تشتهی وقدر بتسع وبه یفتی و عن محمد ان الحکم فی الام و الجدة کذالک وبه یفتی۔

(۳) محمد فیصل نے باقاعدہ اگر خلع نہیں کیا بلکہ طلاق دی ہے جیسا کہ سوال میں طلاق کے الفاظ کا ذکر ہے تو اس صورت میں پورا حق مہر اس کے ذمے واجب ہے طلاق کے مطالبہ سے بیوی کا حق مہر ساقط نہیں ہوگا۔

لما فی الهدایه اولین (ص ۳۲۷ طبع برحمانیه)

واذا خلا الرجل بامرأته ولیس هناك مانع من الوطی ثم طلقها فلها کمال المهر

(۴) جہیز کا سامان آپکو والدین کی طرف سے اگر ملا ہے تو وہ سارا سامان آپکی ملکیت ہے آپکو مطالبہ کا حق حاصل ہے البتہ وہ سامان جو محمد فیصل نے خود لیا ہے یا اس کی برادری والوں نے خرید کر دیا تھا اس کے مطالبہ کا حق آپکو حاصل نہیں۔

لما فی الشامی (ج ۲ ص ۵۸۵) طبع سعید)

علی ان هذا العرف غیر معروف فی زماننا فان کل احد یعلم ان الجهاز تلک المرأة وانه اذا طلقها تاخذه کله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۵ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ فتوی نمبر: ۳۴۷۲

﴿کیا تین طلاقیں تین ہیں یا ایک؟﴾

﴿اہل سنت والجماعت اور فرقہ اہل حدیث کا نقطہ نظر دلائل کے آئینہ میں﴾

پاک وہند میں جہاں اور کئی سارے فرقے وجود میں آئے اور فتنوں کی شکل اختیار کرتے چلے گئے وہیں ایک فرقہ ہندوستان میں انگریز دور حکومت کے دوران اہل حدیث کے نام سے وجود میں آیا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فرقہ اپنا نام بدلتا رہا، چنانچہ اہل حدیث، موحدین، غیر مقلدین، سلفی ان مختلف ناموں کے ساتھ انہوں نے اپنی جماعت کو موسوم کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس فرقہ نے حدیث کے نام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین پر بے اعتمادی اور سلفیت کے نام پر اسلاف بیزاری اور نت نئے مسائل اٹھا کر امت کے اجتماعی شیرازہ کو منتشر کرنے کی جو کوشش کی اور درس دیا شاید ہی کسی اور فرقہ کے حصہ میں یہ کام آیا ہو۔

مذکورہ جماعت نے بہت سارے مسائل میں اہل سنت والجماعت کے طریق سے ہٹ کر اپنا الگ راستہ اور موقف اختیار کیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو راہ اعتدال سے ہٹانے کی کوششوں میں مصروف رہے، تاہم الحمدللہ ہمارے اکابرین نے ان کا ہمیشہ تعاقب کیا اور ہر موڑ پر انہیں دلائل قطعیہ کے ذریعے شکست سے دوچار کیا۔

اسوقت زیر بحث مسئلہ طلاق ثلاثہ کا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک لفظ کے ساتھ ہوں یا متفرق طور پر دی جائیں ایک شمار ہونگی یا تین؟ چنانچہ جمہور امت سے ہٹ کر بعض اہل ظواہر اور اہل شذوذ کی اتباع کرتے ہوئے اس فرقہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں بلفظ واحد ہوں یا متفرق ایک ہی شمار ہونگی اور تین طلاقیں دینے کے باوجود شوہر کے لئے جائز ہوگا کہ وہ عورت کو اپنے ساتھ رکھ لے، مذکورہ موقف عقلا اور نقلا مخدوش، گمراہ کن اور نا قابل التفات ہے، چنانچہ ہم ذیل میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اہل سنت والجماعت کے مذہب اور ان کے دلائل اور فریق مخالف کا استدلال اور اسکے جواب نقل کرتے ہیں:

واللہ ھو المستعان والموفق للصواب

﴿اہل سنت والجماعت کا مذہب﴾

تمام صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ جن کی تقلید پر تمام محدثین اور مفسرین متفق ہیں) کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے اپنی منکوحہ کو (ایک ہی مجلس میں) تین طلاقیں دیدیں خواہ متفرقا دیں یا مجتمعا (اگر چہ خلاف سنت عمل کی وجہ سے یہ شخص گنہگار رہا۔

(سنت طریقہ یہ ہے کہ طہر کا انتظار کیا جائے اور ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے) لیکن یہ طلاقیں واقع اور لازم سمجھی جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، اب اس کے بعد بغیر حلالہ شرعیہ کے اس کے لئے بیوی کو رکھنے کی شرعا کوئی گنجائش نہیں ہوگی، چنانچہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ ائمہ کے متفقہ فتوی کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اتفق ائمة الفتوی علی لزوم ایقاع الطلاق فی کلمة واحدة وهو قول جمهور السلف وشذ طاوس وبعض اهل الظواهر الی ان طلاق الثلاث فی کلمة واحدة یقع واحدة ویروی هذا عن محمد بن اسحاق وحجاج بن ارطاة وقیل عنهما لایلزمنه شی وهو قول مقاتل ویحکی داود انه لایقع وجمهور السلف والائمة انه لازم واقع ثلاثا ولا فرق بین ان یوقع ثلاثا مجتمعة فی کلمة او متفرقة فی کلمات الخ. (۱۲۹/۳، دار عالم الکتب بالریاض)

﴿اہل سنت والجماعت کے دلائل﴾

قرآن کریم کی واضح اور صریح آیت، احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم، آثار صحابہ و تابعین،

اجماع صحابہ اور ائمہ کے متفقہ فتاویٰ سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں خواہ مجتمعاً ہوں یا متفرقاً تین ہی شمار ہونگی اگرچہ یہ شخص خلاف سنت عمل کی وجہ سے گنہگار ہوگا لیکن یہ طلاقیں ہر حال میں نافذ ہوں گی۔

دلیل اول: چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے: (سورۃ البقرۃ، ایت ۲۲۹)

الطلاق مرتان فامساك بمعروف اوتسريح باحسان ......فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره......الأية.

ترجمہ: طلاق دوبار ہے اس کے بعد یا تو بیوی کو رجوع کر کے بھلے طریقے سے روک لے یا اچھے طریقے سے چھوڑ دے، دو کے بعد اب تیسری طلاق بھی دیدی تو اب یہ عورت حلال ہو ہی نہیں سکتی تاوقتیکہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔

تمام صحابہ وتابعین سے ان آیات کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ دو طلاق کے بعد خواہ مجتمعاً ہوں یا متفرقاً زوج کو رجعت کا حق باقی رہتا ہے اور تین طلاق کے بعد خواہ مجتمعاً ہوں یا متفرقاً رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ علامہ خازن رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (۲۳۵/۱، مؤسسۃ الرسالۃ)

قوله عز وجل فان طلقها يعني الطلقة الثالثة)فلا تحل له من بعد (اى لا تحل له رجعتها بعد الثلاث)حتى تنكح زوجا غيره الخ.

مزید وضاحت کے ساتھ علامہ قرطبی کی عبارت ملاحظہ ہو: (۱۲۷/۳، طبع دار عالم الکتب، الریاض)

واجمعوا على ان من طلق امرأته طلقة اوطلقتين فله مراجعتها فان طلقها الثالثة لم تحل له حتى كان هذا من محكم القرآن الذى لم يختلف تاويله.

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی جمہور کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے بخاری میں ایک خاص باب منعقد فرمایا: (۲۹۹/۲، طبع رحمانیہ)

باب من اجاز الطلاق الثلاث بقوله تعالى الطلاق مرتان......الأية.

دلیل دوم: تین طلاقیں احادیث کی روشنی میں:

(۱) حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ جب عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ اور انکی اہلیہ کے درمیان لعان کا معاملہ پیش آیا تو لعان کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد عویمر نے تین طلاقیں دے دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نافذ فرمایا۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ کیجئے:

فطلق ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فانفذه رسول الله صلى

الله عليه وسلم.سنن ابی داود:(۱/۳۲۴،رقم الحديث:۲۲۵۰،باب فی اللعان،رحمانيه)

(۲) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، اس عورت نے دوسرا نکاح کیا پھر اس کو طلاق ہوگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت جب کہ پہلے شوہر کی طرح یہ اس کا شہد چکھ لے یعنی اس سے ہم بستر ہو جائے۔

لمافی سنن أبی داؤد:(۱/۳۲۱،رقم الحديث:۲۳۰۹،طبع رحمانيه)

ان رجلا طلق امرأته ثلاثافتزوجت فطلقت فسئل النبی صلی الله عليه وسلم اتحل للاول؟قال لاحتی يذوق عسيلتها كما ذاق الاول.

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس روایت سے تینوں طلاقوں کے واقع ہو جانے پر استدلال کیا ہے۔صحیح البخاری:(۲/۳۰۱،طبع رحمانیہ)

(۳) محمود بن لبید سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دیدیں ہیں، آنحضرت ﷺ نے غضبناک ہو کر تقریر فرمائی کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، آنحضرت ﷺ کا یہ غصہ دیکھ کر ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا اسے قتل نہ کر دوں؟

اخبرناسليمان بن داودعن ابن وهب قال اخبرنامخرمة عن ابيه قال سمعت محمود بن لبيدقال اخبررسول الله صلی الله عليه وسلم عن رجل طلق امرئته ثلث تطليقات جميعا فقام غضبانا ثم قال يلعب بكتاب الله واناجين اظهركم حتی قام رجل وقال يارسول الله الااقتله؟سنن نسائی:(۲/۹۹،طبع قديمی)مشكوة المصابيح:(ص۲۸۴،باب الخلع والطلاق،طبع سعيد)

غور کیجئے! اگر تین طلاقیں مجتمعاً واقع نہ ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک نہ ہوتے بلکہ فرماتے کوئی حرج نہیں، رجوع کرلو، آپ ﷺ کا غضبناک ہونا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اگر تین طلاقیں اکٹھی بھی دی جائیں تو واقع ہو جاتی ہیں اور رجوع کا بھی کوئی راستہ نہیں رہتا، اس روایت کے متعلق قاضی ابوبکر ابن العربی لکھتے ہیں:

فلم يرده النبی صلی الله عليه وسلم بل امضاه وكمافی حديث عويمرالعجلانی فی اللعان حيث امضی طلاقه الثلاث ولم يرده(تهذيب سنن ابی داود:(۱/۲۶۳،طبع العوانی بيروت)

یعنی جس طرح آپ ﷺ نے عویمرؓ کی تینوں طلاقوں کو نافذ فرمایا تھا ایسا ہی یہاں بھی آپ ﷺ نے تینوں طلاقوں کو نافذ فرمایا اور رد نہیں کیا۔

(۴) حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی، آپ ﷺ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور لوٹا لینے کا حکم دیا، ابن عمرؓ نے سوال کیا، اللہ کے رسول ﷺ اگر میں نے تین طلاق دی ہوتیں تو کیا میرے لئے رخصت کی گنجائش ہوتی؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ تم سے الگ ہوتی اور یہ گناہ ہوتا (خلاف سنت عمل کی وجہ سے)

عن الحسن قال نا عبدالله بن عمر انه طلق امرئته تطليقة وهى حائض .قال فامرنى رسول الله صلى الله عليه وسلم فراجعتها:فقلت يارسول الله ارئيت لوانى طلقتها ثلاثا اكان يحل لى ان اراجعها قال لاكانت تبين منك وتكون معصية(سنن دارقطنى: ۲/۴۳۸)(فتاوى رحيميه)

اسی وجہ سے ابن عمرؓ طلاق ثلاث کے واقع ہونے کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور اس کی نسبت آنحضرت ﷺ ہی کی طرف کرتے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں نقل کرتے ہیں:

وقال الليث عن نافع كان ابن عمر اذاسئل عمن طلق ثلاثاقال لوطلقت مرة اومرتين فان النبى صلى الله عليه وسلم امرنى بهذافان طلقهاثلا ثا حرمت حتى تنكح زوجا غيره.(بخارى:۲/۸۰۱،طبع رحمانيه)

(۵) حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ ان کے دادا نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دیدی حضرت عبادہ نے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے دادا کو اللہ کا خوف نہیں؟ پھر فرمایا ان میں سے تین طلاق تو واقع ہوگئیں، باقی ۹۹۷ ظلم وعدوان ہے......الخ۔ دیکھئے مجمع الزوائد: (۴/۱۲۱ طبع دار الفکر بیروت)

ان احادیث مبارکہ کے علاوہ بھی متعدد روایات ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا جاتا تھا جو کہ بیہقی اور دار قطنی نے نقل کی ہیں اگر چہ بعض سنداً ضعیف ہیں لیکن ان سب کا مجموعہ جمہور اہل سنت والجماعت کے مذہب کو تقویت دیتا ہے۔

دلیل سوم: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوتی تو آپ اس کو سزا دیتے (خلاف سنت عمل کی وجہ سے) اور دونوں میں تفریق کر دیتے۔

عن انس قال کان عمر اذا اتی برجل قد طلق امرأته ثلاثا فی مجلس اوجعه ضربا وفرق بینهما (مصنف: ۱۱/۴، طبع امدادیہ)

کئی صحابہ کرام جن میں مکثرین صحابہ (جن سے احادیث اور آثار کثرت سے منقول ہیں حضرت عمر، علی، ابن مسعود، عائشہ، زید بن ثابت، ابن عباس، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سرفہرست ہیں) سے درجہ بالا مضمون (اہل سنت والجماعت کا موقف) منقول ہے۔

دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: (۱۰/۴، طبع امدادیہ، عمران بن حصین کا فیصلہ) (۱۱/۴، ابن عمر کا اثر، طبع امدادیہ) مجمع الزوائد: (۶۲۱/۴، ابن مسعود کا اثر، طبع دار الفکر بیروت)

دلیل چہارم: قاضی شریح اسلام کی ابتدائی تاریخ کے مشہور قاضی رہے ہیں، ان کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدیں تو انہوں نے فرمایا کہ تین طلاق سے بیوی علیحدہ ہوئی اور باقی طلاقیں تمہاری طرف سے اسراف اور معصیت ہیں۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: (۱۱/۴، ابن شہاب زہری کا فیصلہ اور فتویٰ حوالہ سابق، امدادیہ)

نیز ابن قیم رحمہ اللہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے واقع ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہی ائمہ اربعہ و جمہور تابعین اور بکثرت صحابہ کی رائے رہی ہے'':

واما المسئلة الثانية وهى وقوع الثلاث بكلمة واحدة فاختلف الناس فيها على اربعة مذاهب احدها انها تقع وهذا قول الائمة الاربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة رضى الله عنهم: (زاد المعاد: ٢٢٦/٥، طبع دار الكتب العلمية)

دلیل پنجم: (اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اور اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

چنانچہ علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے شرح معانی الآثار میں اس پر سلف کا اجماع نقل کیا، حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں اس پر اجماع کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالراجح فى الموضعين تحريم المتعة وايقاع الثلاث للاجماع الذى انعقد فى عهد عمر على ذلك...... فالمخالف بعد هذا الاجماع منابذله والجمهور على عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق والله اعلم (فتح البارى: ٣٦٥/٩، طبع دار المعرفة بيروت)

﴿فریق مخالف کا استدلال اور اسکے جوابات﴾

یہ حضرات عموماً اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے دو احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

پہلی حدیث: مسلم شریف کی روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانے میں اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت کے اوائل میں (ایک مجلس) کی تین طلاقیں ایک ہوا کرتی تھی۔

چنانچہ بعض اہل ظواہر اور انکی اتباع میں غیر مقلدین حضرات اس طرف چلے گئے کہ تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی اور اس روایت سے سہارا لینے کی کوشش کی، لیکن اس روایت سے ان کا استدلال اور سہارا لینا بوجوہ درست نہیں۔

اولاً: اس لئے کہ ابن عباس کی یہ روایت جس کے راوی طاؤس ہیں آیات قرآنیہ احادیث نبویہ اور آثار صحابہ وتابعین کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔

ثانیاً: محدثین نے اس کو راوی کا وہم قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ طاؤس کی روایت وہم اور غلط ہے، حجاز، شام مصر اور مشرق، مغرب کے علماء میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں گیا کہ تین طلاق کو ایک شمار کیا جائے، مزید یہ کہ ابن عباسؓ کے اپنے فتاویٰ میں اس روایت کے خلاف منقول ہیں۔

قال ابن عبدالبر ورواية طاؤس وهم وغلط لم يعرج عليها احد من فقهاء الامصار بالحجاز والشام والعراق والمشرق والمغرب. قرطبي:(۱۲۹/۲)

ثالثاً: حضرت عمر کا صحابہ کرام کے مشورہ اور اتفاق سے تین طلاقوں کو جاری کرنا اور صحابہ میں سے کسی کا خلاف نہ کرنا ابن عباس کی مذکورہ روایت کے (آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں) منسوخ ہونے کی واضح نشانی ہے۔ فتح الباری:۳۶۴/۹)

عقلاً یہ کیسے ممکن ہے؟ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو حدیث نبوی کے خلاف آمادہ کریں۔

رابعاً: (علی صورۃ التسلیم) اگر اس روایت کو وحدت طلاق کی بابت تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس کا وہی مفہوم اور مطلب معتبر ہوگا جو دیگر نصوص شرعیہ کے مخالف نہ ہو۔

چنانچہ اس کا درست اور صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس روایت کا تعلق طلاق کی ایک خاص صورت کے ساتھ ہے اور وہ یہ ہے کہ شوہر لفظ طلاق کو تاکید کی نیت سے دہرائے ہر جملہ سے الگ الگ طلاق کی نیت نہ ہو تو اس صورت میں شوہر کی تصدیق کی جائے گی اور ایک ہی طلاق کا حکم جاری

کیا جائے گا لیکن ظاہر ہے کہ یہ اس وقت تھا کہ جب قلوب فریب، دھوکہ بازی اور جھوٹ سے خالی تھے لیکن جب یہ چیزیں عام ہوئیں لوگوں میں برائیاں غالب ہونے لگیں، سچ اور جھوٹ کا فرق مشکل ہوگیا تو اندیشہ تھا کہ کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے اور پھر واپس رکھنے کے لئے یہ حربہ استعمال کرے کہ میں نے تاکید کی نیت کی تھی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست ایمانی سے بھانپتے ہوئے اور صحابہ کرام کے مشورہ اور اتفاق سے یہ طے کیا کہ آئندہ ظاہر پر ہی فیصلہ ہوگا جو تین طلاقیں دیگا تین ہی شمار ہونگی، اس جواب کو علامہ نووی رحمہ اللہ نے اصح الجواب کہا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں: (۳۶۳/۹، طبع دار المعرفۃ)

انه ورد فی صورة خاصة فقال ابن سریج وغیره یشبه ان یکون ورد فی تکریر اللفظ کان یقول انت طالق انت طالق أنت طالق وکانوا لاعلیٰ سلامة صدورهم یقبل منهم انهم ارادوا التاکید فلما اکثر الناس فی زمن عمر وکثر فیهم الخداع ---- حمل عمر اللفظ علیٰ ظاهر التکرار فامضاه علیهم، وهذا الجواب ارتضاه القرطبی وقواه بقول عمر ان الناس استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة، وکذا قال النووی ان هذا أصح الأجوبة.

دوسری حدیث: مسند احمد کی روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدی اور بہت افسردہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کیسے طلاق دی؟ انہوں نے عرض کیا کہ تین طلاقیں دی، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ایک مجلس میں؟ عرض کیا! جی ہاں، اس پر آپ نے فرمایا پھر تو رجوع کرلو، چنانچہ انہوں نے رجوع کرلیا۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال طلق رکانة بن عبد یزید اخو المطلب امرئته ثلاثا فی مجلس واحد..... الخ. مسند احمد: (۲۹۸/۵، طبع مؤسسة الرسالة)

گذشتہ روایت کی طرح اس روایت سے بھی فریق مخالف کا استدلال بوجوہ درست نہیں۔

اولاً: اسلئے کہ یہ روایت مضطرب ہے اضطراب کی تفصیل یہ ہے کہ بعض روایات میں راوی نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے تین طلاقیں دیں جیسا کہ درجہ بالا سطور میں مسند احمد کے حوالہ سے روایت گزر چکی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے "بتة" سے طلاق دی، اسی اضطراب کے پیش نظر امام بخاریؒ نے اس روایت کو معلول جبکہ حافظ ابن عبد البر نے ضعیف قرار دیا ہے۔

ثانیاً: یہ روایت منکر بھی ہے اس لئے کہ "بتۃ" والی روایت کے راوی اس کے راویوں کے مقابلہ میں ثقہ ہیں۔

ثالثاً: امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو "بتۃ" سے طلاق دی تھی (اور طلاق بتہ سے مراد وہ طلاق ہے جس میں ایک سے تین طلاقوں تک کی گنجائش ہوتی ہے یعنی اگر ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک اور تین کی نیت ہو تو تین طلاقیں واقع ہونگی) کیونکہ حضرت رکانہ کے گھر والوں نے اس کو روایت کیا ہے اور گھر والے گھر کے قصہ کو دوسروں کی بنسبت زیادہ جانتے ہیں چنانچہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (۱/ ۳۱۸، طبع رحمانیہ)

عن عبد الله بن علی بن یزید بن رکانة عن ابیه عن جده انه طلق امرأته "البتة"۔۔۔الخ
وهذا اصح من حدیث جریج ان رکانة طلق امرأته ثلاثا لانهم اهل بیته وهم اعلم به.

یعنی حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق بتۃ دے دی پھر آپ ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہاری نیت کیا تھی؟ عرض کیا، ایک طلاق کی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم؟ عرض کیا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا جو تم نے نیت کی وہی معتبر ہے یعنی نیت کے مطابق ایک طلاق ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے رجوع نہیں کیا تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو آپ ﷺ نے ایک طلاق شمار کیا ہو اور انکو رجوع کا حکم دیا ہو بلکہ ان کا رجوع کرنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے ایک طلاق کی نیت سے اپنی بیوی کو طلاق بتۃ دی تھی۔

فائدہ: سعودی حکومت نے اس مسئلہ پر تفصیلی غور وفکر کے لئے تیرہ ارکان پر مشتمل علماء کرام کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے صدر عرب کے مشہور اور مایہ ناز عالم دین شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز تھے، اس کمیٹی نے موضوع سے متعلق تمام اقوال، دلائل اور ان پر تنقیدات کا احاطہ کرتے ہوئے یہی فیصلہ کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اس تجویز کی دفعہ نمبر ۵ کے ابتدائی کلمات ملاحظہ ہوں:

"تینوں طلاقوں کا واقع ہو جانا اکثر اہل علم کی رائے ہے، حضرت عمر، علی، عثمان، ابن مسعود، ابن عباس ابن عمر، ابن عمرو رضی اللہ عنہم نیز امام ابوحنیفہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ابن ابی لیلیٰ امام اوزاعی رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں......مدخول بھا عورت کو ایک لفظ میں دی گئی تین

طلاقوں کے ایک شمار کئے جانے کی بابت کوئی صریح قول منقول نہیں ہے......الخ'' (مجلة البحوث الاسلامیة ماخوذ از قاموس الفقه: (۳۴۸/۴، طبع زمزم پبلشر)

الغرض تین طلاق دینے سے تین ہی طلاقوں کا واقع ہونا، کتاب اللہ احادیث نبویہ اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کی رائے کے خلاف رائے قائم کرنا سراسر خسران اور وبال ہے۔

نصیحت: حضرت اقدس مفسر قرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ مسلمانوں کو دلسوز نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کو چاہیے کہ تین طلاق کے بارے میں کتاب وسنت اور اجماع صحابہ اور اجماع ائمہ اربعہ کا اتباع کریں، اس زمانہ کے چند مدعیان عمل بالحدیث کے کہنے سے حرام کے مرتکب نہ ہوں اور اپنے نسب کو خراب نہ کریں جو شخص اجماع صحابہ کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت سے نہیں''۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو راہ حق اور اعتدال پر قائم دائم رہنے کی توفیق بخشے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم عبدالوہاب لقمانی عفا اللہ عنہ

۲۰ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ   فتویٰ نمبر: ۲۸۷۳

﴿رخصتی سے قبل طلاق دینے کا شرعی طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا نکاح چار ماہ قبل ہوا تھا اور چار تولے سونا مہر بھی مقرر ہوا تھا، رخصتی ابھی تک نہیں ہوئی لیکن اب میں مجبوری کی وجہ سے طلاق دینا چاہتا ہوں اور والدین بھی اس پر راضی ہیں تو ابھی میرے لئے طلاق دینے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ اور اس صورت میں اگر طلاق دوں تو کتنا مہر آئیگا؟

﴿جواب﴾ نکاح کے بعد تنہائی میں آپکی بیوی کیساتھ کبھی بھی اگر ملاقات کی کوئی صورت نہیں بنی تو آپ صرف ایک طلاق دیدیں جس سے وہ مکمل آزاد ہو جائیگی، دوسری جگہ چاہے تو شادی کر سکے گی، عدت گذارنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور مہر کا آدھا حصہ آپکے ذمہ واجب

الاداء ہوگا اور اگر خلوت صحیحہ کی نوبت آئی ہے اگر چہ باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی تو ایک طلاق دیکر عدت گذارنا عورت پر لازم ہوگا اور دوران عدت اگر آپ نے رجوع نہیں کیا تو عدت گذارنے کے بعد عورت مکمل آزاد ہوگی اور پورا مہر آپکے ذمہ واجب ہوگا۔

لما فی قوله تعالیٰ:(پارہ ۲ سورۃ البقرۃ ،آیت ۲۳۷)

وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم الا ان يعفون او يعفوا الذى بيده عقدة النكاح وان تعفوا اقرب للتقوى..... الأية.

ولما فی قوله تعالیٰ:(پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب ،آیت ۴۹)

﴿يآيها الذين آمنوا اذا نكحتم المؤمنٰت ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها فمتعوهن وسرحوهن سراحا جميلا..... الأية.﴾

ولما فی الدر المختار:(۲/۲۳۱ طبع سعيد) وطلقة لغير موطوءة ولو فی حيض.

ولما فی الهداية:(۲/۳۷۴ طبع رحمانيه)

وغير المدخول بها يطلقها فی حالة الطهر والحيض.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۹ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتوی نمبر: ۲۰۱۰

﴿رخصتی سے قبل طلاق کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق کہ فاطمہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا لیکن ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ زید کے والد صاحب نے ناراضگی کا اظہار کیا جسکی وجہ سے زید نے فاطمہ کو تین طلاق دے دیں تو اس صورت میں فاطمہ عدت گذارے گی یا نہیں؟ اور پھر دوبارہ زید کے ساتھ شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس صورت میں حلالہ کیا جائے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زید نے فاطمہ کو ہمبستری اور خلوت صحیحہ سے قبل اگر طلاق دی ہے تو فاطمہ پر کوئی عدت نہیں، البتہ اگر تین طلاق ایک ساتھ ایک جملہ کے ذریعہ دی ہیں مثلاً تجھے تین طلاق تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اس صورت میں بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہیں اور اگر الگ الگ کرکے تین طلاق دی ہیں مثلاً یوں کہدیا ہے "تجھے طلاق، طلاق، طلاق تو پہلی طلاق سے وہ بائن ہوگئی، باقی دو طلاق لغو ہیں، اس صورت میں وہ دوبارہ باہمی رضامندی سے نئے حق مہر کے ساتھ نکاح کرسکتے ہیں لیکن آئندہ کیلئے شوہر کے پاس صرف دو طلاق کا اختیار باقی رہیگا۔

لما فی قوله تعالیٰ:(سورة الاحزاب،آیت۴۹)

وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فمالكم عليهن من عدة تعتدونها..... الأية.

ولما فی بدائع الصنائع:(۱۹۱/۲،طبع سعید کمپنی)

وشرط وجوبها الدخول اوما يجرى مجرى الدخول وهوالخلوة الصحيحة فى النكاح الصحيح دون الفاسد فلا يجب بدون الدخول والخلوة الصحيحة.

ولما فی التنویر مع الدر:(۲۸۸/۳،طبع سعید کمپنی)

(ولوقال)لـغيرالـموطوءة(انت طالق واحدة وواحدة)بالعطف(اوقبل واحده اوبعدها واحدة يقع واحدة)بائنة ولا تلحقها الثانية لعدم العدة.

ولما فی الهندیة:(۳۷۳/۱،طبع رشیدیه)

اذاطلق الرجل امرأته ثلاثاقبل الدخول بهاوقعن عليهافان فرق الطلاق بانت بالاولى ولـم تـقـع الثانيه والثالثة وذلک مثل ان يقول انت طالق طالق وكذااذاقال انت طالق واحدة وواحدة وقعت واحدة كذا فى الهداية.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد زبیر اکرام

۲۸ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۵۶۰

﴿محض پتھر پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام دریں مسئلہ کہ کوئی لفظ صریح یا کنائی نہ بولا گیا ہو تو کیا صرف پتھر پھینکنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ مستفتی:عرباض شمس

﴿جواب﴾ واقعی کوئی لفظ صریح یا کنائی نہ بولا گیا ہو تو محض پتھر پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲۳۰/۳،طبع سعید)

والـفـاظـه صـريح،وملحق به وكناية(ومحله المنكوحة)واهله زوج عاقل بالغ مستيقظ، وركنه لفظ مخصوص.

وفـى الشـامية:(قـولـه وركـنـه لـفظ مخصـوص)هوماجعل دلالة على معنى الطلاق من صـريـح أوكـنـايـة فـخـرج الـفسـوخ عـلـى مـامـر..... وبـه ظهرأن من تشاجرمع زوجته فـأعـطـاهـاثـلاثة أحـجـاربـنـوى الـطـلاق ولـم يـذكر لفظا لاصريحاولاكناية لايقع عليه كماأفتى به الخيرالرملى وغيره.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ظہور احمد شمس

۱۹جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۶۲

﴿مرض موت میں طلاق اور اقرار کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو مرض موت میں طلاق بائن دے دی اور اس کے لئے قرض کا اقرار کیا، بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا، پوچھنا یہ ہے کہ اس عورت کو شوہر سے میراث ملے گی یا نہیں؟ اور شوہر کے اقرار سے قرض ثابت ہوگا یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں: مستفتی: محمد حسن سواتی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں شوہر نے بیوی کے مطالبہ یا رضامندی پر طلاق دی ہو اور بعد میں اسکے لئے قرض کا اقرار کیا ہو اور انتقال عدت کے اندر ہوا ہو تو ایسی صورت میں عورت کے حق میراث اور قرض میں سے جو کم ہوگا وہی ملے گا، البتہ طلاق بیوی کے مطالبے یا رضامندی کے بغیر دی ہو تو دوران عدت انتقال کی صورت میں عورت میراث لینے کی حقدار ہوگی لیکن صرف شوہر کے اقرار سے قرض کی حقدار نہیں بنے گی ورثاء بھی تصدیق کردیں تو تب قرض ثابت ہوگا۔

لمافی الهداية:(۲/۴۰۲،طبع رحمانيه)

اذاطلق الرجل امرأته في مرض موته طلاقابائنافمات وهي في العدةورثته وان مات بعدانقضاء العدةفلاميراث لها---- ولن طلقهاثلاثابامرهاوقال لهااختاري فاختارت نفسها اواختلعت منه ثم مات وهي في العدة لم ترثه لانهارضيت بابطال حقها والتاخيرلحقها.

ولمافي الهداية:(۳/۲۲۸-۲۲۹،طبع رحمانيه)

ولواقرالمريض لوارثه لايصح الاان يصدقه فيه بقية ورثته ----ومن طلق زوجته في مرضه ثلاثاثم اقرلهابدين ومات فلهاالاقل من الدين ومن ميراثهامنه.

ولمافي التنويرمع الدر:(۱۲/۲۲۷-۲۲۸،طبع امداديه)

(ولواقرلمن طلقهاثلاثا)يعني بائنا(فيه)اي في مرض موته (فلهاالاقل من الارث والدين)وبدفع لهاذلك بحكم الاقرارلابحكم الارث حتى لاتصيرشريكة في أعيان التركة شرنبلالية(وهذا)اذا كانت في العدة(طلقهابسؤالها)فاذامضت العدة جازلعدم التهمة عزمية(وان طلقهابلاسؤالهافلهاالميراث بالغامابلغ ولايصح الاقرارلها) لانها وارثة اذ هو فار.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر: ۴۸۷

﴿حمل کے دوران بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کہ بارے کہ ایک آدمی نے حالت حمل میں

اپنی اہلیہ کو طلاق دی اب وہ کہتا ہے کہ اس پر طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ حالت حمل میں تھی، میں نے اس کو یہ مسئلہ بتایا کہ طلاق واقع ہو چکی ہے، ولادت سے عدت پوری ہو جائیگی تو کیا انکی بات درست ہے یا میری؟

مستفتی عبدالرحیم بنوں

﴿جواب﴾ طلاق دینے کی ضرورت ہو تو ایسے طہر میں دینی چاہیے جسمیں شوہر نے بیوی کیساتھ جماع نہ کیا ہو، حمل کی حالت میں طلاق دینا گناہ ہے، تاہم طلاق واقع ہو جاتی ہے اگر چہ غلط کام ہے، لہٰذا آپ کی بات صحیح ہے، طلاق واقع ہو گئی ہے۔

لما في البحر الرائق:(۲۲۲/۲، طبع سعيد)

ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ (الصدوره من اهله في محله ولو حكما.

ولما في التنوير مع الدر:(۲۳۲/۲، طبع سعيد)

(وحل طلاقهن) اى الأيسة والصغيرة والحامل.

ولما في الهداية:(۲۲۸/۲، طبع رحمانيه)

وان كانت حاملا فعدتها ان تضع حملها لاطلاق لقوله تعالىٰ واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهنّ.

ولما في التنوير مع الدر:(۵۱۱/۳، طبع سعيد)(و) في حق (الحامل) مطلقا.

وفي الشامية: اى سواء كان عن طلاق او وفاة او متاركة او وطء بشبهة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: اسلام بادشاہ مھمندی

۸ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۱۵۵

﴿ایک مجلس میں تین طلاقوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری اپنی بیگم کیساتھ تھوڑی سی تلخ کلامی ہوگئی اور میں اس کو طلاق طلاق طلاق کہہ کر نکل گیا اور اس میں میں نے نہ اس کا نام لیا اور نہ اس کو مخاطب کیا، اب اس کے بعد مجھے یہ پریشانی لاحق ہوگئی ہے کہ اس پر طلاق تو نہیں پڑ گئی؟

مستفتی محمد آصف

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں تینوں طلاق واقع ہوگئی ہیں اور حرمت مغلظہ بھی ثابت ہوگئی ہے، اب رجوع نہیں ہوسکتا اور حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا، یہ خاتون عدت گزارنے کے بعد دوسری جگہ چاہے تو شادی کرسکتی ہے۔

لما فی قولہ تعالیٰ:(سورۃ البقرۃ،آیت ۲۲۹-۲۳۰)

الطلاق مرتان فامساك بمعروف أو تسريح باحسان......فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره......الأية.

ولما فی الشامی:(۲/۲۲۸،طبع سعید)

(قوله لتركه الاضافة)اى المعنوية فانها الشرط والخطاب من الاضافة المعنوية وكذا الاشارة نحو هذه طالق......ولا يلزم كون الاضافة صريحة فى كلامه لما فى البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت؟ فقال امرأتي طلقت امرأته اه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم:محمد اسلم چترالی غفرلہ

۳محرم الحرام ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر:۷۳

﴿وقوع طلاق کیلئے نکاح یا اسکی طرف مشروط نسبت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ والدین نے اپنے بیٹے زید سے اپنے رشتہ دار کی بیٹی زینب کے ساتھ رشتہ طے کرنے کے بارے میں کہا لیکن زید نے صاف انکار کیا، والدین جب اصرار کرنے لگے تو زید نے تنگ آکر غصہ میں کہا" آپ کے رشتہ دار کی بیٹی کو تین طلاق" پھر مصلا یہ کہا" کہ اس لڑکی کو کلما کی طلاق،، اب پوچھنا یہ ہے کہ زینب کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ نیز مذکورہ جملوں کے کہنے سے دوسری لڑکیوں سے اس کے نکاح کی صورت میں نکاح برقرار رہے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ زید کے یہ الفاظ لغو اور بے اثر ہیں، طلاق واقع ہونے کے لئے نکاح کا وجود ضروری ہے یا مستقبل میں نکاح کی طرف طلاق کی مشروط نسبت ضروری ہے مثلاً یہ کہ" اگر میں فلاں سے نکاح کروں تو اسکو طلاق" جبکہ تا حال یہ لڑکی زید کے نکاح میں آئی نہیں اور طلاق کے دونوں جملوں میں زید نے طلاق کی کوئی مشروط نسبت بھی نہیں کی ہے، اسلئے زید اس لڑکی سے نکاح کرلے یا کسی بھی دوسری لڑکی سے تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۲۲۳،طبع امدادیہ)

الطلاق(وهو)لغة رفع القيد وشرعا(رفع قيد النكاح فى الحال)بالبائن(اوالمآل)بالرجعى (بلفظ مخصوص)وهو ما اشتمل على الطلاق.

ولما فی الشامی:(۲/۵۹۲،طبع امدادیہ)

ومحله المنكوحة واهله الخ باسم اونسب فلو قال فلانة بنت فلان التى اتزوجها طالق

لم تطلق اھ ای لانہ لما لغا الوصف بالتزوج بقی قولہ فلانۃ بنت فلان طالق وھی اجنبیۃ ولم توجد الاضافۃ الی الملک فلایقع اذاتزوجھا.

ولما فی الھدایۃ:(۲/۳۹۸،طبع رحمانیہ)

ولاتصح اضافۃ الطلاق الاان یکون الحالف مالکااویضیفہ الی ملک فان قال لاجنبیۃ ان دخلت الدارفانت طالق ثم تزوجھافدخلت الدارلم تطلق لان الحالف لیس بمالک وما اضافہ الی الملک اوسببہ ولابدمن واحد منھماوالفاظ الشرط وکلما.لان الشرط مشتق من العلامۃ وھذہ الالفاظ ممایلیھاالعال فتکون علامات علی الحنث. وھکذا فی الکنز:(۱۲۶باب تعلیق الطلاق،طبع قدیمی)

ولما فی الشامی:(۲/۲۵۷،باب الصریح،طبع سعید)

عن البزازیۃ:انہ قداشتھرفی رساتیق شروان ان من قال جعلت کلماوعلی کلمانہ طلاق ثلاث معلق وھذاباطل من ھذیانات العوام اھ فتأمل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عزیزالرحمٰن چارسدوی

۴جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۴۲۹

﴿طلاق میں اضافت صریحہ کا ہونا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سے بیوی طلاق کا مطالبہ کررہی تھی تو خاوند نے کہا طلاق، طلاق، طلاق اب وہ کہہ رہا ہے کہ صرف خاموش کرنے کا ارادہ تھا طلاق کا ارادہ نہیں تھا، تو اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ ایک مفتی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ نسبت نہ ہونے کی وجہ سے طلاق نہیں ہوئی اور حوالہ کفایت المفتی کا دیا ہے براہ کرم تحقیقی جواب دیں واضح رہے کہ یہ الفاظ بیوی کے اصرار اور ناراضگی کے وقت بولے گئے ہیں نسبت اگرچہ ظاہر نہیں ہے لیکن بیوی سامنے مخاطب تھی اور اس کے مطالبہ کے جواب میں شوہر نے یہ الفاظ بول دیے ہیں۔ مستفتی: مولوی محمد انعام بتوسط مولوی رفیع اللہ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں تینوں طلاق واقع ہوگئی ہیں اب رجوع نہیں ہوسکتا اور حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا عدت گزارنے کے بعد عورت چاہے تو دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے، دوسرے ایک مفتی صاحب نے طلاق واقع نہ ہونے کا جواب واقعی اگر دیا ہو تو ممکن ہے مستفتی نے دوسرے انداز سے مفتی صاحب سے صورت حال بیان کی ہو، کفایت المفتی "باب نسبت یا اضافۃ طلاق" کو ہم نے بھی مطالعہ کرلیا جس سے مذکورہ صورت میں

طلاق واقع ہونے کا حکم بخوبی واضح ہو جاتا ہے چونکہ یہاں پر شوہر نے بیوی کے مطالبہ میں جواباً کہدیا ہے، طلاق، طلاق، طلاق اس لیے نسبت معنوی پائی جاتی ہے اور وقوع طلاق کے لیے نسبت معنوی بھی کافی ہوتی ہے چنانچہ ایک سوال کے جواب میں مفتی کفایت اللہؒ فرماتے ہیں کہ نسبت یا اضافت طلاق صراحۃً ہونا ضروری نہیں اسی طرح عورت کا سامنے ہونا وقوع طلاق کے لیے شرط نہیں. کفایت المفتی (۶/۳۸ مکتبہ امدادیہ)

سوال میں کفایت المفتی سے حوالہ کی بات سمجھ سے دور ہے، اس لیے کہ کفایت المفتی سے تو مذکورہ بالا صورت پر وقوع طلاق معلوم ہو رہا ہے معلوم نہیں کفایت المفتی سے کون سے جواب میں اس طرح کے خلاف کا جواب دیا گیا ہے۔

لما فی الهدایه: (۲/۳۷۸ طبع: رحمانیه)

ولا یفتقر الی النیة لانه صریح فیه لغلبة الاستعمال.

ولما فی الشامی: (۲/۲۴۸ طبع: سعید)

(قوله لتركة الاضافة) ای المعنوية فانها الشرط والخطاب من الاضافة المعنوية بو كذا الا شارة نحو هذه طالق......ولا يلزم كون الاضافة صريحة فی كلامه لما فی البحر لو قال: طالق فقيل له من عنيت؟ فقال امرأتی طلقت امرأته......ويؤيدما فی البحر لو قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا وقال له اعن امرأتی يصدق ويفهم منه انه لو لم يقل ذلك تطلق امرأته، لان العادة ان من له امرأة انما يحلف لطلاقها لا بطلاق غيرها......وظاهره انه لا يصدق فی انه لم يرد امرأته للعرف والله اعلم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۱۴ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۴۳

﴿بیوی کے اصل نام کے بجائے دوسرا نام لیکر طلاق دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی مصلحت کے لئے بیوی کے اصل نام کی جگہ دوسرے نام سے یاد کر کے طلاق دی ہو تو کیا اس صورت میں اسکی بیوی کو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ جبکہ طلاق کی نیت بھی نہ ہو۔ مستفتی: عزیز اللہ

﴿جواب﴾ بیوی کا اصل نام چھوڑ کر دوسرے نام سے یاد کر کے طلاق دیدی تا کہ بیوی

کو طلاق واقع نہ ہو تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی بشرطیکہ بیوی کو مخاطب کر کے یا وہ حاضر ہو اور اس کی طرف اشارہ کر کے غلط نام لیکر طلاق نہ دی ہو، بیوی سامنے ہو تو خطاب یا اس کی طرف اشارہ کر کے طلاق واقع ہو جاتی ہے اگرچہ غلط نام سے یاد کیا جائے۔

لما فی الشامی:(۲۹۱/۲،طبع سعید)

أنت علی حرام مخاطبا للواحدة،بل يجب فيه أن لايقع الا علی المخاطبة...ولا فی انت علی حرام أنه لايقع الا علی المخاطبة فقط.

ولما فی الهندية:(۳۵۸/۱،طبع رشيديه)

ولو قال لامرأته ينظر اليها ويشير اليها يازينب أنت طالق فاذاهی امرأة له أخری اسمها عمرة يقع الطلاق علی عمرة تعتبر الاشارة وتبطل التسمية كذا فی قاضيخان.

ولما فی فتح القدير:(۷/۴،طبع رشيديه)

ولو قال:امرأتی فلانة بنت فلان طالق وسماها بغير اسمها لا تطلق امرأته الا بالنية.

ولما فی الهندية:(۳۵۹/۱،طبع رشيديه)

ولو قال امرأته الحبشية طالق ولا نية له فی طلاق امرأته وامرأته ليست بحبشية لايقع عليها وعلی هذا اذا سمی بغير اسمها ولا نية له فی طلاق امرأته فان نوی طلاق امرأته فی هذه الوجوه طلقت امرأته كذا فی الذخيرة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی
۹ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ	فتویٰ نمبر: ۱۲۵۱

﴿مختلف مواقع پر متعدد طلاقیں دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ آپ علماء کرام کی اس مسئلہ کی بارے میں کیا رائے ہے کہ میں ساجد حمید صدیقی ولد عبدالحمید صدیقی کی شادی صائمہ مشکور ولد مشکور علی خان سے ۱۹ ستمبر ۱۹۹۳ کو طے پائی، اس شادی کو آج ۱۴ سال کا عرصہ گزر چکا ہے، دوران شادی ہمارے تعلقات بیشتر معمولی سی باتوں پر ناچاقی کی صورت اختیار کر گئے، دوران شادی بدکلامی کے علاوہ صائمہ مشکور نے طلاق مانگنا معمولی سا کام بنالیا، اس دوران کئی دفعہ طیش دلاتے ہوئے کہا کہ اگر تم مرد ہو تو ابھی طلاق دو، میں نے اس دوران احتیاط اور تنبیہ کرتے ہوئے کسی موقعہ پر ایک اور کسی موقعہ پر دو دفعہ

طلاقیں دیں یہ موقع بھی کئی دفعہ آیا اگر ۶ سال کے تمام طلاقیں گنیں تو وہ ۹ سے ۱۰ بن جاتی ہیں، ہمارے بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ نکاح جائز نہیں رہا، اس کی تحقیق میں ملکی وغیر ملکی علماء سے مشورہ کیا ہے جن کے خیال میں یہ نکاح جائز نہ رہا، آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنی رائے اور مشورے سے نوازیں۔

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اب رجوع نہیں ہوسکتا اور حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا، عدت (تین ماہواریاں) تیسری طلاق کے بعد اگر گزری ہیں تو عورت آزاد ہے دوسری جگہ چاہے تو نکاح کرسکتی ہے اور ابھی تک عدت پوری نہیں گزری تو گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ:(سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۹-۲۳۰)

الطلاق مرتٰن — فان طلقها فلاتحل له من بعد حتٰی تنکح زوجاغیره...... الآیۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۱۸۵۳

﴿فی الحال تم گھر جاؤ میں تم کو طلاق نامہ بھیج دوں گا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان دریں مسئلہ کہ میری بھابھی کی کسی غلطی پر میرے بھائی نے غصہ میں مگر سنجیدگی کیساتھ میری بھابھی کو کسی صفائی کا موقع دیئے بغیر کہا ''تم ابھی گھر جاؤ میں تم کو طلاق نامہ بھیج دونگا'' اس وقت میری بھابھی اپنے گھر چلی گئیں اور پھر تھوڑی دیر بعد دوبارہ آگئیں حتی کہ رات بھی ایک ساتھ گزاری، بعد میں بھائی نے خود ہی کہا کہ میں نے اس کو ڈرانے کے لئے ایسا کہا تھا، میری طلاق کی نیت نہ تھی کیونکہ یہ پہلے بھی ایسی ہی غلطیاں کرچکی تھی، میں نے سمجھا ہوسکتا ہے کہ اس طرح کہنے سے وہ ڈر جائے گی اور آئندہ مجھے شکایت کا موقع نہ دے گی، آپ حضرات سے گزارش ہے کہ شریعت کی روشنی میں بیان فرمائیں کہ میرے بھائی کے اس طرح کے الفاظ کہنے سے طلاق تو واقع نہیں ہوئی؟　　　　مستفتیہ: ایک سائلہ

﴿جواب﴾ آپ کے بھائی نے دو جملے بولے ہیں، ایک یہ کہ ''ابھی تم گھر جاؤ'' یہ الفاظ کنایہ میں سے ہیں طلاق کی نیت کیے بغیر اس طرح کہہ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

دوسرا جملہ یہ کہ "میں تم کو طلاق نامہ بھیج دوں گا" یہ وعدۂ طلاق ہے اس سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی، لہٰذا آپ کی بھابھی کو کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ طلاق کی نیت سے کہہ دیتے تو طلاق واقع ہو جاتی۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲۹۸/۳-۳۰۰-۳۰۱،طبع سعید)

فالحالات ثلاث:رضا،غضب ومذاکرة،والکنایات ثلث مایحتمل الردومایصلح للسب أولا ولا(فنحو أخرجي واذهبي وقومي)......(یحتمل ردا ونحوخلیة بریة حرام بائن)......(یصلح سبا ونحو اعتدي واستبرئي رحمک،أنت واحدة......لایحتمل السب والرد،ففي حالة الرضا)أي غیر الغضب والمذاکرة(تتوقف الأقسام)الثلاثة تاثیرا(علی نیة)للاحتمال والقول له......(وفي الغضب)توقف(الأولان)ان نوی وقع والا لا.

ولمافی فتاوی قاضی خان:(۲۱۱/۱،طبع قدیمی)

الکنایة مایحتمل الطلاق......وهي ثلاثة أقسام،والأحوال ثلاثة حالة مطلقة......وحالة مذاکرة الطلاق......وحالة الغضب......وفي حالة الغضب یقع الطلاق بثلاثة من هذه الثمانیة،وإذاقال لم أنو الطلاق،لایصدق قضاء......وفي الخمسة الباقیة من الثمانیة عند أبي حنیفةؒ إذاقال لم أنو الطلاق لایقع ویصدق قضاء لأنها تصلح للشتم فتحمل علی الشتم في الغضب والخصومة...... وعن أبي یوسف في الاملاء:أنه ألحق بهذه الخمسة أربعة أخری لاملک لي علیک،لاسبیل لي علیک،خلیت سبیلک،ألحقي بأهلک،لوقال ذلک في حال مذاکرة الطلاق أوفي الغضب وقال لم أنوبه الطلاق یصدق قضاء في قول أبي حنیفة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:سید مزمل شاہ کی مروت

۳ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۲۵۲

﴿دو بیویوں والے کا اندھیرے میں کسی ایک کو طلاق دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں اس نے اندھیرے میں رات کو لاعلی التعیین ایک سے پانی مانگا، ایک پانی لیکر آئی مگر چونکہ اس سے پانی لانے میں دیر ہوگئی تھی اس وجہ سے شوہر نے غصہ ہو کر یہ کہہ دیا کہ تجھ پر تین طلاق ہیں، اب صبح کو کوئی اقرار نہیں کرتی کہ میں پانی لیکر گئی تھی اور نہ شوہر پہچان سکتا ہے کہ کون تھی تو صورت مذکورہ میں طلاق کس پر واقع ہوگی؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں پانی لیکر آنے والی واقعی اسکی دو بیویوں میں سے کوئی ایک اگر تھی تو اسی پر طلاق واقع ہوگئی ہے، اب وہ اگر انکار کرتی ہے اور شوہر کو معلوم نہیں ہے کہ کونسی تھی

اس سے وہ بیوی سخت گنہگار ہو رہی ہے، اس پر لازم ہے کہ شوہر کو شبہ میں نہ ڈالے اور اس بیوی کیلئے شوہر کیساتھ ازدواجی تعلق قائم رکھنا بہر صورت حرام ہے۔

اور جو بیوی پانی لیکر جانے والی نہیں تھی، اس پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی وہ خود چونکہ یقینی طور پر جانتی ہے، اس لئے شوہر سے ملنا اس کیلئے جائز ہے، البتہ شوہر کو شبہ ہے کہ کونسی تھی اس لئے جب تک مطلقہ معلوم نہ ہو دونوں سے گریز کرے، یہ اس صورت میں کہ اس کو یقین ہو کہ دونوں بیویوں میں سے یقیناً کوئی ایک تھی اور اگر اس میں شبہ ہو مثلاً گھر میں دونوں بیویوں کے علاوہ بھی افراد موجود ہوں اور ممکن ہو کہ انکی بیویوں کے علاوہ کوئی تیسرا فرد پانی لیکر آیا ہو تو اس صورت میں طلاق واقع ہونے میں شک ہے اور شک سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لما فی الدر المختار:(۲/۲۸۳،طبع سعید)

علم انه حلف ولم يدر بطلاق او غيره لغا كما لو شك اطلق ام لا.

ولما فی الفقه الاسلامی وادلته:(۹/۶۹۸۲،طبع رشیدیه)

فمن شك في طلاقه هل طلق أولا لم تطلق امرأته لان النكاح كان ثابتا بيقين ووقع الشك في زواله بالطلاق فلا يحكم بزواله بالشك... والحاصل ان النكاح ثابت بيقين فلا يزول بشك

ولما فی مختصر الطحاوی:(ص۱۹۹،طبع)

ومن دخل عليه الشك فلم يدر اطلق زوجته اولم يطلقها لم يجب عليه الطلاق ولا اجتناب زوجته وكان على يقينه حتى يعلم وقوع الطلاق يقينا.

ولما فی الهندیة:(۱/۳۶۲،طبع رشیدیه)

ولو طلق احدى نسائه الاربع ثلاثاثم اشتبهت وانكرت كل واحدة ان تكون هي المطلقة لايقرب واحدة منهن لانه حرمت عليه احداهن ويجوز ان تكون كل واحدة وقد قال اصحابنا رحمهم الله كل ما لايباح عند الضرورة لايجوز التحري فيه والفروج من هذا الباب.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمن سواتی

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ   فتوی نمبر: ۱۷۸۶

﴿کب تک رجعت کا حکم رہتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ آدمی کو کتنی طلاقوں تک رجعت کا اختیار ہوتا ہے، اور شرعاً رجعت کا مستحب طریقہ کیا ہے وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: جمیل احمد

﴿جواب﴾ دو طلاقوں کی حد تک رجوع کا حق رہتا ہے بشرطیکہ طلاقیں رجعی ہوں طلاق

بائن یا مغلظہ دینے کی صورت میں رجوع کا حق باقی نہیں رہتا، اسی طرح رجوع کا حق عدت کے دوران رہتا ہے عدت گزرنے کے بعد یہ حق ختم ہو جاتا ہے۔ رجوع میاں بیوی والا تعلق قائم کرنے سے ہو جاتا ہے اور زبانی بیوی یا کسی اور سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کرلیا یا میں نے بیوی کو بسانے کا فیصلہ کرلیا تو اس سے بھی رجوع ہو جاتا ہے لیکن مستحب طریقہ یہ ہے کہ کم از کم دو گواہوں کے سامنے یہ بات کہے تاکہ کل کو ضرورت پیش آنے کی صورت میں قاضی کے ہاں رجوع ثابت کر سکے۔

(لما فی قوله تعالیٰ پ۲ سورة البقرة) ﴿الطلاق مرتان فامساك بمعروف أو تسريح باحسان﴾

(ولما فی التنویر والدر ۳۹۷/۲ طبع سعید)

(هی استدامة الملک القائم) بلا عوض ما دامت (فی العدة) أی عدة الدخول حقیقة اذ لا رجعة فی عدة الخلوة ولی البزازیة یدعی الوطء بعد الدخول وانکرت فله الرجعة لا فی عکسه وتصح مع اکراه وهزل ولعب وخطا (بنحو) متعلق باستدامة (راجعتک) ورددتک ومسکتک بلا نیة لانه صریح (و) بالفعل مع الکراهة (بکل ما هو یوجب حرمة المصاهرة) کمس ولو منها اختلاسا أو نائما أو مکرها أو مجنونا أو معتوها ان صدقها هو أو ورثته بعد موته

(ولما فی الرد المحتار ۳۹۹،۳۹۸،۳۹۷/۳ طبع سعید)

(قوله هی استدامة الملک) عبر بالاستدامة بدل الرد الذی هو معنی الرجعة لان المتبادر منه ما یکون بعد الزوال فینافی قوله القائم ولان المراد به هنا الابقاء، قال تعالیٰ: وبعولتهن احق بردهن (قوله وتصح مع اکراه) قال فی البحر: ومن احکامها انها لا تصح اضافتها الی وقت فی المستقبل ولا تعلیقا بالشرط (قوله وخطا) کان اراد ان یقول استقی الماء فقال راجعت زوجتی (قوله بکل ما یوجب حرمة المصاهرة) بدل من الفعل، بدل بعض من کل ح أی لان من الفعل ما لا یوجب حرمة المصاهرة کالتزوج والوطء فی الدبر

(ولما فی البحر الرائق ۴۹/۴ طبع سعید)

(قوله هی استدامة الملک القائم فی العدة) الرجعة ابقاء النکاح علی ما کان ما دامت فی العدة لقوله تعالی فامسکوهن بمعروف لان الامساک استدامة الملک القائم لا اعادة الزائل (قوله وتصح فی العدة ان لم یطلق ثلاثا ولو لم ترض براجعتک أو راجعت امرأتی وبما لا یوجب حرمة المصاهرة بیان لشرطها ورکنها فشرطها ان لا یکون الطلاق ثلاثا کما ذکره ومراده ان لا یکون بائنا سواء کان واحدة أو ثنتین وقدمنا الرجعی (قوله والاشهاد مندوب علیها، أی علی الرجعة وفاقا لمالکؒ والشافعیؒ علی الاظهر

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفی اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اکی

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ | فتویٰ نمبر: ۳۲۷۰

﴿ایک طلاق رجعی کے بعد شوہر کے پاس دو طلاقوں کا اختیار ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ (۱) اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دیدی اور دوران عدت رجوع نہیں کیا ایسی صورت میں نکاح ختم ہوگیا یا باقی رہا؟ (۲) کیا شوہر کو اب دو طلاقیں دینے کا حق باقی ہے یا نہیں؟ (۳) نکاح ختم ہوجانے کی صورت میں بعد عدت عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ مستفتی: نجم الدین کورنگی نمبرا

﴿جواب﴾ طلاق رجعی کے بعد عدت میں رجوع نہ کرنے سے نکاح اگرچہ ختم ہوگیا ہے لیکن میاں بیوی چاہیں تو باہمی رضامندی سے نئے حق مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، نکاح کے بعد شوہر کے پاس صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہے گا اور عورت تجدید نکاح کے لئے اگر راضی نہیں ہے تو دوسری جگہ شادی کرنے کا اب اسے اختیار حاصل ہے، عدت گزرنے کے بعد دو طلاقیں اگرچہ باقی ہیں لیکن عدت کے اندر رجوع نہ کرنے کی صورت میں باقی ماندہ طلاقوں کی وجہ سے بیوی کو دوسری جگہ شادی سے روکنے کا شوہر کے پاس کوئی حق باقی نہ رہا۔

ولمافی البحر الرائق:(۲/۲۲۵-۲۲۶ طبع سعید)

وان کان رجعیا وقف علی انقضاء العدة ای لم یزل الملک مالا بعد انقضائها۔۔۔ واذا طلقها ثم راجعها یبقی الطلاق وان کان لایزیل القید والحل للحال لانه یزیلهما فی المال اذا انضم الیه ثنتان.

ولمافی الهدایة:(۱/۳۲۳ طبع حقانیه)

(ولانه) ای ولان ایقاع الواحدة (ابعد من الندامة) حیث ابقی لنفسه التدارک بان یراجعها فی العدة وبعد ها بتجدید النکاح من غیر تزوج اخر.

ولمافی البدائع:(۲/۱۸۰ طبع سعید)

فان طلقها ولم یراجعها بل ترکها حتی انقضت عد تها بانت وهذا عندنا.

ولمافی البدائع:(۲/۱۸۳ طبع سعید)

ولو طهرت عن الحیضة الثالثة ثم راجعها فهذا علی وجهین ان کانت ایامها فی الحیض عشرا لاتصح الرجعة وتحل للازواج بمجرد انقطاع العدة لان انقضائها بانقضاء الحیضة الثالثة وقد انقضت.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی
فتوی نمبر: ۱۹۹۳

﴿صرف پتھر پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں معروف طریقہ طلاق کا یہ ہے کہ آدمی تین کنکریاں لیکر یہ کہتے ہوئے عورت کی طرف پھینک دیتے ہیں کہ تم مجھ پر طلاق ہو، پوچھنا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر کچھ بولے صرف کنکریاں عورت کی طرف پھینک دے تو طلاق واقع ہو جائیگی یا نہیں؟ جواب دیکر ممنون فرمائیں: مستفتی: مجاہد اقبال کوہاٹی

﴿جواب﴾ طلاق واقع ہونے کے لئے طلاق کے الفاظ بولنا یا لکھنا ضروری ہے، الفاظ بولے بغیر صرف پتھر پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی الدر المختار:(۲۲۶/۳،طبع سعید)

وشرعا(رفع قيد النكاح في الحال)بالبائن(او المآل)بالرجعي(بلفظ مخصوص)هوما اشتمل على الطلاق بخرج الفسوخ كخيار عتق وبلوغ وردة فانه فسخ لاطلاق.

ولمافی بدائع الصنائع:(۱۸/۳،طبع سعید)

(واما بيان ركن الطلاق هواللفظ الذى جعل دلالة على معنى الطلاق لغة وهوالتخلية والارسال ورفع القيدفي الصريح وقطع الوصلة ونحوه في الكناية اوشرعاوهوازالة حل المحلية في النوعين أومايقوم مقام اللفظ.

ولمافی الهندية:(۳۴۸/۱،طبع رشیدیه)

(اماتفسيره)شرعافهورفع قيد النكاح حالااومآلابلفظ مخصوص كذافي البحر الرائق (واماركنه)فقوله انت طالق ونحوه كذافي الكافي.

ولمافی الهندية:(۳۵۷/۱،طبع رشیدیه)

ولوقالت لزوجها طلقني فأشاربثلاث أصابع وأرادبذلك ثلاث تطليقات لايقع مالم يقل بلسانه هكذاكذافي الظهيرية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی

۳۰ جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۲۲۱۱

﴿صرف سوچ وفکر میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص دل، دل میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے یعنی یہ سوچے کہ میری بیوی کو ایک، دو یا تین طلاق ہیں، زبان سے کچھ بھی نہ کہے تو کیا صرف اس سوچ وفکر سے طلاق واقع ہوگی؟ مستفتی: سجاد حسین کوہاٹی

﴿جواب﴾ طلاق واقع ہونے کے لئے طلاق کے الفاظ بولنا یا لکھنا ضروری ہے، الفاظ

بولے بغیر صرف دل میں سوچنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لمافی بدائع الصنائع:(۱۸/۳،طبع سعید)

(واما بيان ركن الطلاق هو اللفظ الذى جعل دلالة على معنى الطلاق لغة وهو التخلية والارسال ورفع القيد فى الصريح وقطع الوصلة ونحوه فى الكناية اوشرعا وهوازالة حل المحلية فى النوعين اوماىقوم مقام اللفظ.

ولمافی الهندیة:(۳۴۸/۱،طبع رشیدیه)

(واما تفسيره)شرعا فهو رفع قيد النكاح حالا اومآلا بلفظ مخصوص كذافى البحر(واما ركنه)فقوله انت طالق ونحوه كذا فى الكافى.

ولمافیه ایضا:(۳۵۷/۱،طبع رشیدیه)

ولوقالت لزوجها طلقنى فأشار بثلاث أصابع واراد بذلك ثلاث تطليقات لايقع مالم يقل بلسانه هكذا كذافى الظهيرية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۲۲۷۷

﴿مطلقہ کے ساتھ دوبارہ شادی کرنے کی صورت میں کتنی طلاقوں کا اختیار ہوگا؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو ایک یا دو یا تین طلاقیں دیدے، عورت عدت گزرنے کے بعد دوسری جگہ شادی کرلے، چند مہینے بعد عورت کا دوسرا خاوند مرجائے پھر عدت الوفات گزرنے کے بعد دوبارہ پہلے خاوند سے نکاح کرے تو شوہر کو کتنی طلاقوں کا اختیار ہوگا؟ مستفتی: ناصر صاحب

﴿جواب﴾ تین طلاق دینے کی صورت میں حلالہ کے بعد اگر دوبارہ نکاح کرلیا اس صورت میں تو بالاتفاق شوہر کو تین طلاقوں کا اختیار ہوگا جبکہ ایک یا دو طلاق دینے کی صورت میں بھی دوسری جگہ شادی کرنے کے بعد یہ آدمی اگر دوبارہ اس عورت سے نکاح کرے تو مفتی بہ قول کے مطابق پہلے خاوند کو تین طلاقوں کا اختیار ہوگا۔

لمافی الهندیة:(۴۷۵/۱،طبع رشیدیه)

واذاطلق امرأته طلقة أوطلقتين وانقضت عدتها وتزوجت بزوج آخر ودخل بها ثم طلقها وانقضت عدتها ثم تزوجها الاول عادت اليه بثلاث تطليقات ويهدم الزوج الثانى الطلقة والطلقتين كما يهدم الثلاث كذافى الاختيار شرح المختار وهو الصحيح.

ولمافی الشامی:(۴۱۸/۳،طبع امدادیه)

(والزوج الثانى يهدم بالدخول)فلولم يدخل لم يهدم اتفاقاقنية(مادون الثلاث أيضا) أى

كما يهدم الثلاث اجماعا لأنه اذا هدم الثلاث فما دونها أولى خلافا لمحمد فمن طلقت دونها وعادت اليه بعد آخر عادت بثلاث لو حرة وثنتين لو أمة وعند محمد وباقي الأئمة بما بقي وهو الحق فتح وأقره المصنف كغيره وفي رد المحتار تحته (قوله وأقره المصنف كغيره) أي كصاحب البحر والنهر والمقدسي والشرنبلالي والرملي والحموي وكذا شارح التحرير المحقق ابن أمير حاج لكن المتون على قول الامام، ولشار في متن الملتقى الى ترجيحه ونقل ترجيحه العلامة قاسم من جماعة من أصحاب الترجيح ولم يعرج على ما قاله شيخه في الفتح وكذا لم يعرج عليه في مواهب الرحمن مع انه كثيرا ما يتبع صاحب الفتح في ترجيحه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۲ رجب ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۱۰۲۹

﴿غیر مدخول بہا کو تین طلاق دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ خالد کی شادی زینب سے ہوئی خالد ابھی تک اپنی بیوی سے ملا نہیں ہے، اس سے پہلے ہی کسی بات پر ناراض ہو کر اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، کیا ایسی صورت میں تین طلاقیں دینے سے مغلّظ ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مستفتی: فرحت اللہ

﴿جواب﴾ غیر مدخول بہا (جس سے خلوت صحیحہ بھی نہ ہوئی ہو) کو تین طلاقیں اگر الگ الگ تین لفظوں سے دی ہیں تو مغلّظ نہیں ہوئی، صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر بیک لفظ تین طلاقیں دی ہیں (مثلاً کہا تجھے تین طلاق) تو مغلّظ ہو جائیگی اور حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ آپس میں نکاح نہ ہو سکے گا۔

لما في الهداية: (۲/۳۸۸ طبع رحمانيه)

فصل في الطلاق قبل الدخول واذا طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل الدخول بها وقعن عليها لان الواقع مصدر محذوف لان معناه طلاقا ثلثا على ما بيّناه فلم يكن قوله انت طالق ايقاعا على حدة فيقعن جملة فان فرّق الطلاق بانت بالأولىٰ ولم تقع الثانية والثالثة وذلك مثل ان يقول انت طالق طالق طالق لان كل واحدة ايقاع على حدة اذا لم يذكر في آخر كلامه ما يغيّر صدره حتىٰ يتوقف عليه فتقع الأولىٰ في الحال فتصادفها الثانية وهي مبانة.

ولما في التنوير مع الدر: (۲/۵۰۹ باب طلاق غير المدخول بها طبع امداديه)

(قال لزوجته غير المدخول بها انت طالق ثلثا وقعن وان فرق بانت بالاولى ولم تقع الثانيه) بخلاف الموطوءة حيث يقع الكل. كذا في الهندية.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۱۶۹

﴿طلاق بالکتابۃ﴾

﴿تحریری طلاق کا بیان﴾

﴿کاغذ پر طلاق لکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ گزارش یہ ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو کچھ ناپسندیدہ باتوں کی وجہ سے دو طلاقیں دی ہیں، پہلی طلاق اپریل 2005ء میں اور دوسری طلاق مئی 2005ء کو دی، اب میرے رشتہ دار مجھ سے کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کو لے آؤ تمہاری ابھی طلاق نہیں ہوئی ہے۔

میں نے ابھی تک تیسری طلاق نہیں دی ہے، میری طلاق کو 9 ماہ کا عرصہ ہوگیا ہے اور یہ میرے سگے ماموں کی بیٹی ہے اور یہ دو طلاقیں میں نے کاغذ پر تحریر کردی ہیں، اپنی بیوی کے سامنے میں نے اسے طلاق نہیں دی ہے، اب آپ مجھے قرآن پاک کی روشنی میں مشورہ دیں کہ میں کیا کروں؟ میری ایک بیٹی بھی ہے وہ میری بیوی کے پاس ہے اور مجھے اپنی بیٹی سے ملنے نہیں دیتے ہیں۔

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں دو طلاق واقع ہوگئیں اور غالباً عدت بھی پوری ہوگئی، اب اگر دونوں باہمی رضامندی سے رجوع کرنا چاہتے ہیں تو نیا مہر رکھ کر نکاح جدید کرلیں بشرطیکہ شوہر نے تین طلاق نہ لکھی ہوں۔

لما فی الهدایۃ:(۲/۵۸۹،طبع رحمانیه) ولو قال للكاتب أكتب طلاق امرأتی كان اقرارا بالطلاق.

لڑکی کے بالغ ہونے تک پرورش کا حق ماں کو ہے، البتہ ماں بچی کے والد کو بچی سے ملنے سے نہیں روک سکتی، یہ بھی واضح رہے کہ تجدید نکاح کی صورت میں آئندہ کے لئے شوہر کے پاس صرف ایک طلاق کا حق رہے گا کسی مرحلہ میں بھی ایک طلاق مزید دے دی تو طلاق مغلظ واقع ہوگی اور حلالہ شرعیہ کے بغیر نکاح نہیں ہوسکے گا، لہٰذا احتیاط رہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: رئیس احمد غفرلہ

۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:

﴿میں اپنی بیوی کو زوجیت سے علیحدہ کرنے کا اعلان کرتا ہوں﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش یہ ہے کہ میں نے اس منسلکہ اسٹامپ پیپر پر اپنی رضامندی سے دستخط کیا ہے، لیکن

اس تحریر کو جو کہ پہلے سے تیار شدہ میرے سامنے دستخط کیلئے پیش کی گئی، پوری توجہ سے پڑھا نہیں اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ طلاق نامہ ہے میں نے دستخط کر لیے، بعد میں غور سے پڑھنے کے بعد پتہ چلا کہ اس تحریر میں خلاف حقیقت کچھ باتیں لکھی گئی ہیں مثلاً لکھا گیا ہے کہ ''میں نے گواہوں کے روبرو زبانی طلاق دے دیا ہے'' حالانکہ اس طرح بالکل نہیں ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کرتا کہ میں نے پوری تحریر سے بالکل بے خبر ہو کر دستخط کیے ہیں۔ بلکہ تین مرتبہ یہ جملہ: کہ میں اپنی بیوی کو زوجیت سے علیحدہ کرنے کا اعلان کرتا ہوں'' یہ بات بھی میں نے سمجھ لی تھی اور دستخط کی ہیں۔ برائے کرم اس صورت میں میری بیوی کو کتنی طلاقیں ہوئی ہیں۔ مستفتی: ذاکر خالد

﴿جواب﴾ ذاکر خالد صاحب کی بات اگر صحیح اور سچ ہو کہ اس نے زبانی کوئی طلاق نہیں دی ہے اور تحریر میں جو لکھا گیا ہے اس جملہ کا بھی اس نے اقرار نہیں کیا ہے، تو صرف مذکورہ جملہ ''میں ذاکر خالد ولد خالد عبد الغفار گودل مندرجہ بالا تحریر تسلیم کرتے ہوئے اپنی منکوحہ زوجہ وجیہہ بنت محمد شعیب عبد القادر کیگانی کو اپنی زوجیت سے الگ کرنے کا اعلان کرتا ہوں'' اگرچہ تین بار لکھا گیا ہے لیکن اس سے صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔ جس کا حکم یہ ہے کہ ذاکر خالد صاحب اور وجیہہ باہمی رضامندی سے نئے حق مہر کیساتھ دوران عدت اور عدت گذرنے کے بعد بھی دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، البتہ بیوی راضی نہ ہو تو نکاح نہیں ہو سکتا۔

دوبارہ نکاح کی صورت میں شوہر کے پاس آئندہ کیلئے صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہے گا کسی بھی موقع پر زید نے دو طلاقیں دیدی تو حلالہ کے بغیر نکاح نہیں ہو سکے گا لہذا احتیاط کرے۔

لما في الدر ۳۰۶/۳ سعید

(الصريح يلحق الصريح و)يلحق (البائن)بشرط العدة والبائن يلحق الصريح (لا) لا يلحق البائن (البائن)اذ امكن جعله اخبارا عن الاول.

ولما في الهندية(۴۷۳/۱)رشيديه

اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة و بعد انقضاء العدة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: سیف اللہ

۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:

﴿خط اور ٹیلیفون کے ذریعے طلاق واقع ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا ٹیلیفون اور خط کے ذریعے طلاق دی جائے تو واقع ہو جائے گی؟ نیز یہ بھی

وضاحت ہو کہ اگر وہ خط ضائع ہو جائے یعنی بیوی تک پہنچ ہی نہ پائے تب بھی طلاق واقع ہو جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ بذریعہ ٹیلی فون طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح خط (جو طلاق کی نیت سے تحریر کیا گیا ہو) کے ذریعے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اگر چہ وہ خط بیوی تک پہنچنے سے پہلے پہلے ضائع ہو جائے۔

لما فی الشامی:(۲۵۶/۴ طبع امدادیہ)

وان کانت مرسومة یقع الطلاق نوی اولم ینو ـــ ولا یحتاج الی النیة فی المستبین المرسوم ـــ ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی، کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد شریف حسین چترالی عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۳۲۳

﴿خلوت صحیحہ کے بعد میسیج پر تین طلاق کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی کا نکاح ہوا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی، البتہ شوہر نے بعض موقعوں پر بوسہ لیا ہے جماع نہیں کیا ہے اور ایک کمرے میں کئی مرتبہ بیٹھنے کا اتفاق بھی ہوا ہے، دروازہ بند تھا لیکن کنڈی نہیں لگی تھی، کسی بات پر شوہر نے فون میسیج کیا اور تین بار طلاق، طلاق، طلاق لکھ کر بھیج دیا، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں، واقع ہوئیں تو کتنی؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں باقاعدہ جماع اگر چہ نہیں ہوا ہے اور مستقل رخصتی نہیں ہوئی ہے، لیکن ایک کمرے میں علیحدگی میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے تو اس سے خلوت صحیحہ ثابت ہوگئی جس کو شریعت مطہرہ نے باقاعدہ جماع کے حکم میں قرار دیا ہے، تینوں طلاقیں ہوئی ہیں، لہذا اب رجوع نہیں ہو سکتا پورا حق مہر شوہر پر واجب ہے اور عورت کے ذمہ عدت گزارنا لازم ہے، مکمل عدت گزارنے کے بعد یہ خاتون چاہے تو دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے، اس شوہر کے ساتھ اب حلالہ شرعیہ کے بغیر تجدید نکاح بھی نہیں کر سکتی۔

فی الدر المختار:(۱۱۴/۳ طبع سعید کراچی)

والخلوة بلا مانع حسی وطبعی وشرعی ـــ بمنزلة الوطی منہ عدم صلاحیة الامکان

کمسجد وطریق وحمام وصحراء وسطح وبیت بابه مفتوح.

ولما في الكفاية: (۳/۵۵، طبع رشیدیه)

وما ذكرنا اولى تايده بالنص وبقوله عليه السلام: من كشف خمار امرأته ثم طلقها وجب عليه المهر كاملا وقد حكى الطحاوي اجماع الصحابة في هذه المسئلة وعن الخلفاء الراشدين ان من اغلق بابا على امرأته اوارخى سترا ثم طلقها وجب لها الصداق كاملا.

ولما في التاتارخانية: (۴۸/۳، طبع قدیمی)

وان كانا في طريق غير مسلوك الا في الاحيان تكون خلوة صحيحة ــــ ولو خلا بها في بيت غير مسقف فهو خلوة وكذالك الكرم وهو محمول على ما اذا كان لكرم حيطان وفي الحجه ان كان بينه وبين من يكون في البيت من الناس سترا تكون خلوة.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۵ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۱۵

﴿صرف لکھنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تحریراً طلاق دے اور وہ تحریر اس کی بیوی تک نہ پہنچے تو کیا اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوجائے گی تو وہ عورت کب سے عدت شمار کرے گی؟ تحریر کے وقت سے یا اس وقت سے جب سے اسے طلاق کا علم ہوا؟ — مستفتی: خالد کوٹ غلام محمد

﴿جواب﴾ جس طرح زبان سے طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح لکھنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، لہٰذا ہوش وحواس کیساتھ بغیر جبر واکراہ کے کوئی تحریراً طلاق دیدے تو اسی وقت واقع ہوجاتی ہے اور ساتھ ساتھ عدت بھی شروع ہوجاتی ہے، نیز طلاق کا مدار بیوی کے علم پر بھی نہیں ہے، بیوی تک وہ تحریر بالکل نہ پہنچے نہ اسکو اسکی خبر ہو تب بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

لما في الشامي: (۲۴۶/۳، طبع ایچ ایم سعید)

وان كانت مرسومة يقع الطلاق نوى اولم ينوثم المرسومة لاتخلو اماان ارسل الطلاق بان كتب: اما بعدفانت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدابخش

۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۷۴

﴿طلاق کے الفاظ کہے بغیر جبرا طلاق نامہ پر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر کچھ لوگ جمع ہو کر ایک شخص کو اپنی زوجہ کو طلاق دینے پر مجبور کریں اور طلاق نامہ لکھ کر جبرا اس سے دستخط لیں اور وہ شخص زبان سے الفاظ نہ کہے تو اس صورت میں اسکی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ مستفتی: راحت علی سواتی

﴿جواب﴾ شوہر نے واقعی مجبور ہو کر طلاق نامہ پر صرف دستخط کئے ہوں طلاق کے الفاظ زبان سے نہ بولے ہوں تو ایسے دستخط سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لمافی الشامی:(۲۳۶/۳،طبع سعید)

وفی البحران المرادالاكراه على التلفظ بالطلاق فلواكره على ان يكتب طلاق امرأته فكتب لاتطلق لان الكتابةاقيمت مقام العبارةباعتبارالحاجة ولا حاجةهناكذافي الخانية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: حبیب الوہاب سواتی عفا اللہ عنہ

۲۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۶۱۴

﴿میسج کے ذریعے بھی طلاق واقع ہوتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین سال پہلے ایک طلاق دی تھی اور دوسری طلاق میسج (sms) کے ذریعے دی ہے آیا اس سے شوہر پر بیوی مکمل حرام ہوگئی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو شوہر کے پاس کتنی طلاقوں کا اختیار باقی ہے؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: محمد لیاقت

﴿جواب﴾ اس آدمی نے تین سال پہلے ایک طلاق دی تھی پھر عدت گذرنے سے پہلے اس نے رجوع بھی اگر کرلیا تھا تو دوسری طلاق میسج کے ذریعے واقع ہوگئی ہے، تیسری کوئی طلاق اس نے اگر نہیں دی ہے تو اب بھی عدت گذرنے سے پہلے پہلے رجوع کا حق حاصل ہے رجوع اگر کرلیا تو بیوی کو رکھ سکتا ہے حرام نہیں ہوئی البتہ آئندہ کے لئے صرف ایک طلاق باقی ہے کسی بھی موقع پر اگر ایک طلاق دیدی تو حلالہ شرعیہ کے بغیر نیا نکاح بھی نہ ہو سکے گا۔ اور ابھی دو طلاقیں واقع ہوئیں ہیں اگر دوران عدت رجوع نہیں کیا تو عدت گذرنے کے بعد یہ خاتون دوسری جگہ شادی کر سکے گی۔ البتہ باہمی رضامندی سے اس شوہر سے بھی نکاح ہو سکے گا اور آئندہ کے لئے ایک ہی طلاق باقی رہیگی۔

لما فی البدائع الصنائع:(۳/۱۸۰ طبع سعید کراچی)

فان طلقها ولم یراجعها بل ترکها حتی انقضت عدتها بانت وھذا عندنا.

ولما فی الجوھرۃ النیرۃ:(۲/۱۲ طبع میر محمد کتب خانہ)

(قولہ رحمہ اللہ تعالی واذاطلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ رجعیۃ او تطلیقتین فلہ ان یراجعھا فی عدتھا رضیت بذلک او لم ترض)انما شرط بقائھا فی العدۃ لانھا اذا انقضت زال الملک وحقوقہ فلا تصح الرجعۃ بعد ذالک .

ولما فی البحر الرائق :(۳/۲۳۵،۲۳۶ طبع سعید کراچی)

وان کان رجعیا وقف علی انقضاء العدۃ ای لم یزل الملک الا بعد انقضائھا۔۔۔واذا طلقھا ثم راجعھا یبقی الطلاق وان کان لا یزیل القید والحل للحال لانہ یزیلھما فی الحال اذا انضم الیہ ثنتان.

ولما فی الشامی:(۳/۲۴۶ طبع سعید کراچی)

وان کانت مرسومۃ یقع الطلاق نوی اولم ینوی ثم المرسومۃ لا تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب :اما بعد فانت طالق فکما کتب ھذایقع الطلاق وتلزمھا العدۃ من وقت الکتابۃ.

الجواب صحیح:عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:نصرت اللہ بنوی غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ فتوی نمبر:۳۶۹۹

﴿خط کے ذریعے تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں﴾

﴿سوال﴾ شوہر نے بیوی کو یہ خط بھیجا کہ تمہارے بار بار چار چار مہینے میکے جا کر بیٹھ جانے پر اور بار بار طلاق کا مطالبہ کرنے پر میں نے بہت بہت معذرت کیساتھ تمہیں تین طلاقیں دیں۔

یہ خط عورت کو اس وقت ملا جب وہ بغیر اجازت کے میکے گئی ہوئی تھی اور ڈھائی مہینے سے حاملہ بھی تھی، جب کہ اس کا شوہر اس کو پہلے بھی ایک طلاق رجعی دے چکا ہے اس تحریر کی رو سے اگر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے تو آپ مندرجہ ذیل نکات میں میری رہنمائی فرمائیں۔

(۱) اس خاتون کا مہر جو اس کے شوہر نے آج تک ادا نہیں کیا ادا کرنے کا پابند ہے یا نہیں؟

(۲) وہ تمام سامان جو خاتون کو شادی کے موقع پر یا شادی کے بعد اس کے والدین نے دیا یا جو تحائف ملے یا شوہر نے جو سامان دیا مثلاً کپڑے زیورات وغیرہ ،اس خاتون کو ملیں گے یا نہیں؟ جب کہ وہ آج تک اس کے سسرال میں ہیں۔

(۳) اس خاتون کا دوران عدت کا نان نفقہ یعنی کھانا جیب خرچ وغیرہ اسکے شوہر کے ذمے

ہوگا یا نہیں؟ (۴) اسکی مدت عدت کب ختم ہوگی؟

(۵) ہونے والے بچے کی ولادت کے اخراجات کس کے ذمہ ہونگے؟ (۶) کیا مدت عدت کے دوران اگر انتہائی ضرورت کے وقت اپنے علاج کے سلسلہ میں ہسپتال یا ڈاکٹر کے پاس دن یارات کے وقت جانا ہوتو کن شرائط کے ساتھ جاسکتی ہے؟ مستفتی: معراج الدین کراچی

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور حرمت مغلظہ ثابت ہوچکی ہے، اب رجوع نہیں ہوسکتا اور حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا، مطلقہ خاتون عدت گذارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا چاہیں تو کرسکتی ہیں۔

لمافی الدر المختار: (۲/۲۲۶ طبع سعید)

کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لعو وقع.

اس کا مہر شوہر کے ذمے ہے اور وہ مہر ادا کرنے کا پابند ہے۔

لمافی الشامی: (۲/۲۳۳ طبع امدادیه)

وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد الخ وانما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه.

سامان جو شادی کے موقع پر یا شادی کے بعد اس خاتون کو ملا ہے اس میں تفصیل ہے:

چنانچہ لڑکی کے والدین یا اس کے خاندان والوں کی طرف سے لڑکی کو جو ملا ہو تو وہ اس کی مالک ہے، شوہر کے ذمے واجب ہے کہ ایسا سامان لڑکی کے حوالے کردے اور جو سامان شوہر یا شوہر کے خاندان والوں کی طرف سے ملا ہے وہ لڑکے کا تصور ہوگا، البتہ لڑکی کو دیتے وقت صراحت کی ہو کہ یہ آپ کا ذاتی ہے تو وہ بھی لڑکی کو واپس ملنا چاہیے۔

دوران عدت کا نان نفقہ شوہر کے ذمے ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ خاتون شوہر کی اجازت کے بغیر میکے گئی ہے، لہٰذا شریعت کی رو سے وہ ناشزہ ہوگئی اور ناشزہ کا نان ونفقہ شوہر کے ذمے سے ساقط ہوجاتا ہے۔

لمافی الهداية: (۲/۴۱۶ طبع رحمانيه) وان نشزت فلانفقة لها حتى تعود الى منزله.

خاتون چونکہ حمل سے ہے اس کی عدت وضع حمل ہے یعنی بچہ کی ولادت پر عدت مکمل ہوجائیگی۔

لمافی قوله تعالى: (سورة الطلاق، آيت ۴) ﴿واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن ...الآية﴾

عام حالات میں بچے کی ولادت کے سلسلے میں ضروری اور مناسب خرچ شوہر کے ذمے ہوتے ہیں، اختلاف کی صورت میں دونوں خاندان کے کم از کم دو منصف مزاج اور نیک آدمی اس کا اندازہ لگائیں گے۔

لما فی الدر المختار:(۵۷۱/۳،طبع سعید)

وفیہ اجرۃ القابلۃ علی من استاجرھا من زوجۃ وزوج ولوجاء ت بلااستئجار قیل علیہ وقیل علیہا.

ولما فی الشامی:(۵۸۰/۳،طبع سعید)

(قولہ قیل علیہ الخ)عبارۃ البحر عن الخلاصۃ فلقائل أن یقول علیہ لأنہ مؤنۃ الجماع ولقائل أن یقول علیہا کأجرۃ الطبیب.۔۔ویظھرلی ترجیح الاول لان نفع القابلۃ معظمہ یعود الی الولد فیکون علی ابیہ تأمل.

ولما فی الھدایۃ:(۴۲۰/۲،طبع رحمانیہ)

ونفقۃ الاولاد الصغار علی الاب لایشارکہ فیھا احد کما لایشارکہ فی نفقۃ الزوج.

دوران عدت اگر خاتون بیمار ہو تو چاہیے کہ طبیبہ کو گھر پر بلایا جائے، البتہ مجبوری کی صورت میں ہسپتال لے جانے کی بھی گنجائش ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۵۳۶/۳،طبع سعید)

وتعتدان ای معتدۃ الطلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولایخرجان منہ الاان تخرج او یھتدم المنزل اوتخاف انھدامہ اوتلف مالھا اولاتجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد ضیاء الدین

۲۶ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۷۰۶

﴿نیت ایک طلاق کی ہو اور دستخط تین طلاق کی تحریر پر کردے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا اپنی بیوی کے ساتھ کافی عرصہ سے نبھاؤ نہیں ہو رہا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا اور طلاق کے بارے میں علماء سے پوچھا کہ کتنی طلاقیں دینا مناسب ہے تو علماء نے کہا کہ ایک طلاق دو کیونکہ اس میں تم کو رجوع کا حق حاصل ہوگا اس کے بعد میں اپنے کزن کو لے کر وکیل کے پاس تحریر لکھوانے کے لئے گیا میں نے کزن کو بتایا کہ مجھے ایک طلاق دینی ہے تو کزن نے وکیل سے علیحدگی میں ہی بات چیت کر کے طلاق نامہ لکھوایا جب وہ تحریر میرے پاس آئی تو میں نے پڑھتے ہی فوراً کہا کہ میں نے ایک طلاق کا کہا تھا اور تم نے تین لکھوادیں ہیں تو کزن نے مجھ سے کہا اس

کا مطلب ایک ہی ہے اور بعد میں تحریر کرنے والے (وکیل کے منشی) اور وکیل نے بھی کہا کہ آپ کے پاس نوے دن کا وقت ہے آپ رجوع کر سکتے ہیں تو میں ان کی بات پر مطمئن ہو گیا کہ منشی نے اگر چہ تین لکھیں ہیں لیکن مراد ایک ہی ہے اس لئے کزن کی بات پر یقین کرتے ہوئے دستخط کر دیئے۔ کیا اس صورت میں تین طلاق واقع ہوں گی یا ایک؟ واضح رہے کہ میرا ارادہ تین کا ہر گز نہیں تھا صرف ایک کا تھا۔

مستفتی: اعجاز احمد گجرات

﴿جواب﴾ تمام اعمال کا مدار قصد و نیت پر ہے، بغیر قصد و نیت کے دیانۃً کوئی عمل معتبر نہیں ہے البتہ قاضی ظاہر کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کا پابند ہوتا ہے، قصد و ارادہ مخفی چیز ہے اللہ ہی جانتا ہے قاضی یقینی طور پر نہیں جانتا اس لئے وہ ظاہر کا پابند ہے، لھذا آپ اپنے اس دعوی میں اگر سچے ہیں کہ تین کا کوئی ارادہ نہ پہلے تھا اور نہ دستخط کرتے ہوئے، بلکہ اخیر تک ایک ہی طلاق کا ارادہ تھا اور ایک ہی طلاق کے ارادہ سے آپ نے دوسرے کی تحریر پر دستخط کئے ہیں تو دیانۃً ایک ہی طلاق واقع ہوگئی ہے تین نہیں، اب طلاق کا معاملہ اگر قاضی کے پاس گیا نہیں ہے اور آپ کی بیوی کو بھی آپ کی بات پر یقین ہے تو اس صورت میں آپ کو رجوع کا حق حاصل ہے بشرطیکہ عدت باقی ہو اور عدت اگر گذر گئی ہے تو بغیر حلالہ کے نئے حق مہر کے ساتھ باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں پھر دو طلاقیں باقی ہونگیں آپ کی خاص صورت کے لئے کوئی جزئیہ ہماری نظروں سے نہیں گذرا اس لئے قواعد سے جواب دے دیا ہے بہتر ہے آپ کسی اور مفتی صاحب کے سامنے بھی یہ صورت بیان کر لیں۔

لما فی الشامی: (۴/۲۴۶ طبع سعید)

ولو استکتب من آخر کتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه و عنونه وبعث به اليها فأتاها وقع ان اقر الزوج انه كتابه وان كانت مرسومة يقع الطلاق نوى او لم ينو ولا يحتاج الى النية فى المستبين المرسوم كتب الطلاق ان مستبينا على نحو لوح وقع ان نوى، وقيل مطلقا (قوله مطلقا) المراد به فى الموضعين نوى او لم ينو.

ولما فی الفتاوی التاتارخانیہ: (۴/۴۲۷ طبع: قدیمی)

رجل استكتب من رجل آخر الى امرأته كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وطواه وختم وكتب فى عنوانه وبعث به الى امرأته فأتاها الكتاب واقر الزوج انه كتابه فان الطلاق يقع عليها. وفى الظهيريه لو قال للكاتب (اكتب طلاق امرأتى) كان هذا اقرارا بالطلاق كتب او لم يكتب.

وهكذا فى الفتاوى العالمگيريه: الفصل السادس فى الطلاق بالكتابت ۱/۳۷۹

ولما فی الدر المختار: (۲۳۶/۳ طبع سعید)

وفی البحر ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لاتطلق، لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ھنا کذا فی الخانیه

ولما فی الشامی: (۲۴۱/۳ طبع: سعید)

(قوله بان اراد التکلم بغیر الطلاق) بان اراد ان یقول سبحان الله فجری علی لسانه انت طالق تطلق لانه صریح لا یحتاج الی النیة لکن فی القضاء. وفی فتح القدیر عن الحاوی معزیا الی الجامع الاصغر ان اسدا سأل عمن اراد ان یقول زینب طالق فجری علی لسانه عمرة علی ایهما یقع الطلاق ؟ فقال فی القضاء تطلق التی سمی وفیما بینه وبین الله تعالی لا تطلق واحدة منهما .

ولما فی الاشباہ و النظائر: (۳۲۵، طبع قدیمی)

واختلفوا فیما لو امر الزوج بکتابة الصک بطلاقها ا فقیل : یقع وھو اقرار به وقیل: ھو توکیل فلا یقع حتی یکتب وبه یفتی وھو الصحیح فی زماننا کذا فی القنیه وفیما بعده : وقیل لا یقع وان کتب الا اذا نوی الطلاق .

ولما فی فتاوی عالمگیریه : (۴۰۸/۱، طبع رشیدیه)

وکله بان یطلق امرأته تطلیقة فطلقها ثنتین لا یجوز عنده وعندھما تقع واحدة کذا فی الفتاوی الصغری رجل وکل غیره بالطلاق فطلقها الوکیل ثلاثا ان کان الزوج نوی بالتوکیل التوکیل بالثلاث طلقت ثلاثا وان لم ینو الثلاث لا یقع شیء فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی رجل قال لغیره طلق امرأتی رجعیة فقال لها الوکیل طلقتک بائنا تقع واحدة رجعیة .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ — واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

عن ۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۵۳

﴿شوہر نے خلع نامہ لکھنے کا کہا وثیقہ نویس نے طلاق نامہ لکھ دیا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بہن الماس محبوب کی شادی محبوب اللہ سے ہوئی ہے جنکے تین بچے بھی ہیں کسی بات پر دونوں کا آپس میں جھگڑا ہوا تھا تو میری بہن نے اپنے شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ وثیقہ نویس کے پاس گئے اور طلاق نامہ لکھوا کر لائے تھے لیکن اس پر دستخط نہیں کئے ۔ کاپی منسلک ہے جس میں تینوں طلاق وضاحت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔

اس تحریر کو ہم دو جگہ دارالافتاء کے پاس لئے گئے دونوں مفتیان کرام نے طلاق کا فتوی دیدیا

ہے۔ لیکن محبوب اللہ کہتا ہے کہ میں نے کوئی طلاق نہیں دی ہے، البتہ اسکے کہنے پر خلع نامہ لکھوانے گیا۔ وثیقہ نویس نے اپنی طرف سے پیپر تیار کیا البتہ میں نے اپنا اور بیوی کا نام بتایا اور یہ کہ میرے تین بچے ہیں خلع کی صورت میں بچے ان کو نہیں لے جانے دونگا۔ اس نے پیپر تیار کر کے دیدیئے اور کہا کہ دونوں کو منظور ہو تو دستخط کر لینا۔ پھر یہ تحریر میں نے پڑھی نہیں۔ یہاں تک کہ اس پر تاریخ بھی پرانی لکھی ہوئی ہے۔ میں پرچہ گھر لے آیا اور اپنی الماری میں رکھدیا۔ پھر کسی طرح یہ تحریر بیوی کے ہاتھ بھی آئی۔ اور اس نے والدین کو فون کیا۔ نمبر شوہر نے ملایا بیوی کے کہنے پر وہ بات ریکارڈ ہوئی جو آپکو سنادیا۔ مذکورہ صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور ہوئی تو کتنی ہوئی۔؟

مستفتی: وقاص خادم

﴿تنقیح﴾ شوہر یعنی محبوب اللہ اس بات کی وضاحت کریں کہ منسلک اسٹام پیپر کی تحریر کیا اس کے سامنے نہیں ہوئی؟ اور جب تحریر تیار ہوئی تو آپنے اس کو پڑھا یا نہیں؟ لکھنے والے نے ازخود مضمون تیار کیا تو آپنے کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟

﴿جواب تنقیح﴾ تحریر میرے سامنے نہیں ہوئی، میں اس وقت اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھا تھا۔ تیار ہونے کے بعد میں نے پڑھا نہیں۔ میں نے سمجھا کہ خلعہ کا لکھا ہے اور ویسے ہی اٹھا کہ گھر لے آیا۔

منجانب: محبوب اللہ (شوہر)

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ مفتی کوئی غیب نہیں جانتا۔ مستفتی کے بیان اور ظاہری صورت حال کا جائزہ لیکر فتوی دیتا ہے۔ سوال کرنے والا غلط بیانی سے کام لے اور صحیح صورت حال ظاہر نہ ہونے دے تو جواب بھی ویسی ہی آئے گا۔ اس کی ساری ذمہ داری سوال کرنے والے پر ہوتی ہے۔

سوال میں جس طرح واقعہ بیان ہوا ہے، اس کے بعد شوہر یعنی محبوب اللہ نے تنقیح کے جواب میں جو بیان دیا ہے، ہم نے مزید تحقیق کیلئے اور شوہر کے بیان کی تصدیق کیلئے الماس (بیوی) کے دونوں بھائی اور محبوب اللہ کے چچا رانا مسعود کو وثیقہ نویس کے پاس بھی بھیج دیا تاکہ اس کا بیان بھی لیا جائے تو اس نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ میں نے محبوب اللہ کے کہنے پر نہیں بلکہ اپنی ترتیب سے مضمون تیار کر کے اس کو دیدیا۔ وثیقہ نویس سے بیان لینے کے بعد محبوب اللہ کی بیوی الماس کو بھی بلا کر اس سے بھی بیان لیا گیا۔

لہذا سوال میں ذکر کردہ صورت حال اور فریقین سے معلومات حاصل کرنے کے بعد شرعی حکم واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وثیقہ نویس کو شوہر نے خلعہ نامہ لکھوانے کا کہا تھا اور اس نے موکل یعنی شوہر سے اجازت لئے بغیر اس کی غیر موجودگی میں طلاق نامہ لکھ کر کے دیدیا ہے جس کو بعد میں شوہر نے پڑھا نہیں اور کاغذ گھر لے آ کر رکھدیا تو ایسی صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور خلع پر بھی دونوں کا چونکہ کوئی اتفاق نہیں ہوا، اس لئے خلعہ بھی نہیں ہوا اور اب بھی شوہر اور بیوی دونوں کا یہی بیان ہے کہ ہم بچوں کی خاطر ایک دوسرے سے ناراضگی اور ناچاقی کو بھول جاتے ہیں۔ البتہ یہ بات یاد رہے کہ اگر شوہر نے طلاق نامہ تیار ہونے کے بعد پڑھا تھا اور اس پر رضامندی کا اظہار کیا تھا یا اس تحریر کا مضمون معلوم ہونے کے بعد بیوی کو دیدیا تھا کہ یہ فیصلہ ہے تو ایسی صورت میں تینوں طلاق ہوگئی ہیں اور نکاح مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے لیکن شوہر اس بات کا انکاری ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ اور اس کو ہے۔ یعنی شوہر کو ہے۔

باقی جن مفتیان کرام نے طلاق کا فتوی دیدیا ہے تو ظاہر بات ہے انہوں نے محض اس تحریر کی بنیاد پر فتوی دیدیا ہے اگر فریقین سے اس طرح تحقیق کرتے تو وہ بھی طلاق واقع نہ ہونے کا فتوی صادر فرماتے۔ لھذا ان کے فتاوی کو بھی غلط نہیں کہا جاسکتا۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محتشم خان غفر لہ ولوالدیہ

۱۳ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ فتوی نمبر: ۴۲۶۵

﴿پہلے فون پر طلاق دی تو عدت اسی وقت سے شمار ہوگی تحریری طلاق سے نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں عرصہ ایک سال سے شوہر سے الگ رہ رہی ہوں وہ کوئی خرچہ وغیرہ برداشت نہیں کرتا۔ گھر کے تمام خرچے میں خود ہی برداشت کرتی ہوں۔ اس وجہ سے بار بار تلخی ہوتی تھی۔ ایک روز اس نے پشاور سے فون پر بات کرتے ہوئے کہا، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی۔ ان الفاظ کو میں نے ریکارڈ کرلیا ہے پھر وہ کراچی آیا تھا میں نے اس سے تحریری طلاق کا مطالبہ کیا تو اسنے لکھ کر بھی تین مرتبہ طلاق دی اور پھر زبان سے بھی کہدیا، ایسی صورت میں مجھے طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ اور اگر ہوئی ہے تو کتنی طلاق ہوئی ہے؟ اسکو کسی نے فتوی دیدیا ہے کہ صرف

دو طلاق ہوئی ہیں۔ براہ کرم آپ قرآن وسنت کی روشنی میں مجھے فتوی دیں۔ مستفتیہ: مہر النساء

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اگر آپکو واقعی آپکے شوہر نے اسطرح کہا ہو جس طرح سوال میں مذکور ہے تو ایسی صورت میں آپکو تین طلاق ہوگئی ہیں اور حرمت مغلظہ ثابت ہوگئی ہے۔ اب رجوع نہیں ہوسکتا اور حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی اسی شوہر سے نہیں ہوسکتا۔ شروع میں جس تاریخ کو اس نے فون پر آپکو تینوں طلاقیں دیں اسی تاریخ سے آپکی عدت شروع ہوگئی تھی، اس کے بعد تین ماہواریاں مکمل گزرنے پر عدت پوری ہوجاتی ہے، اگر عدت پوری ہوگئی ہے تو آپ دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے۔

لما فی قوله تعالی: (پارہ نمبر ۲/سورۃ بقرۃ)

الطلاق مرتان۔۔ فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجا غيره۔۔

ولما فی الهدایه (۳۴۲/۲/رحمانیه)

وطلاق البدعة ان يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة او ثلاثا في طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيا۔

ولما فيه ايضا: (۳۰۹/۲/رحمانيه)

وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الامة لم تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا، ويدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والاصل فيه قوله تعالى: فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره۔ والمراد الطلقة الثالثة.

ولما فی عمدة القاری: (كتاب الطلاق /باب من اجاز الطلاق الثلاث)

وذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الاوزاعي والنخعي والثوري وابوحنيفة واصحابه والشافعي واصحابه واحمد واصحابه واخرون كثيرون على من طلق امراته ثلاثا وقعن ذلك ولكنه يائم.

ولما فی جامع الترمذی: (۲۲۵/۲/)

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ثلاث جدهن جد وهزلهن جد. النكاح والطلاق والرجعة.

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: منتظم خان غفرلہ ولوالدیہ

۱۶ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ | فتوی نمبر: ۳۲۶۶